لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ
مقدمہ
سیرۃ الرسول
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(حصہ اوّل)
شیخ الاسلام
ڈاکٹر محمد طاہر القادری
MINHAJ-UL-QURAN PUBLICATIONS
منہاج القرآن پبلیکیشنز

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

مُقدّمہ

سیرۃ الرسول ﷺ

(حصہ اوّل)

شیخ الاسلام

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

منہاج القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون: 140-140-111-042

یوسف مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695-042

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

نام کتاب	:	مقدّمہ سیرۃ الرسول ﷺ (حصہ اوّل)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
تخریج	:	محمد فاروق رانا، محمد ضیاء الحق رازی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	فروری 1995ء (2,000)
اِشاعتِ دُوُم	:	مارچ 1996ء (2,000)
اِشاعتِ سوُم	:	جون 1997ء (1,000)
اِشاعتِ چہارُم	:	دسمبر 1997ء (2,000)
اِشاعتِ پنجم	:	فروری 1999ء (1,100)
اِشاعتِ ششم	:	(1,100)
اِشاعتِ ہفتم	:	مئی 2002ء (1,100)
اِشاعتِ ہشتم	:	نومبر 2002ء (1,100)
اِشاعتِ نہم	:	مارچ 2004ء (1,100)
اِشاعتِ دہم	:	مارچ 2005ء (1,100)
اِشاعتِ یازدہم	:	اپریل 2006ء (1,100)
اِشاعتِ دوازدہم	:	ستمبر 2007ء (1,100)

ISBN 969-32-0552-9

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو/ وِیڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz
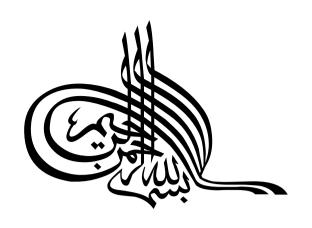
مَولَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴/ ۷۰-۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

مشتملات

صفحہ	مشتملات
	باب ششم
۴۷۱	سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِنتظامی اَہمیت
	باب ہفتم
۵۴۳	سیرۃُ الرسول ﷺ کی علمی و سائنسی اَہمیت
۶۱۷	۞ اِشاریہ جات
۶۵۹	۞ مآخذ و مراجع

فہرست

عنوانات	صفحہ

صفحہ	عنوانات
	باب پنجم
۳۸۵	سیرۃُ الرسول ﷺ کی ریاستی اہمیت

عنوانات	صفحہ
باب ششم	
سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِنتظامی اَہمیت	۴۷۱
دورِ نبوت کے ریاستی ادارے	۴۷۵
۱۔ ریاست کی دستوری بنیادیں	۴۷۵
۲۔ ریاست کا مرکزی سیکریٹریٹ	۴۷۹
۳۔ ریاست کے معاشی و اقتصادی ادارے	۴۸۰
۴۔ ریاست کا انتظامی ڈھانچہ	۴۸۱
۵۔ عدالتی نظام	۴۸۲
۶۔ تعلیمی نظام	۴۸۳
۷۔ مالیاتی نظام	۴۸۴
۸۔ جنگی و دفاعی نظام	۴۸۶
دفاعی اور جنگی حکمتِ عملی	۴۸۸
۹۔ بلدیاتی نظام	۴۹۱
دورِ نبوت کے ریاستی عہدیداران	۴۹۲
۱۔ ریاست مدینہ میں شوریٰ کا نظام	۴۹۲
عسکری امور میں مشاورت	۴۹۴
اراکین شوری	۴۹۶
۲۔ نائبینِ نبوی کا تقرر	۴۹۷

عنوانات	صفحہ

پیش لفظ

تاریخِ اِنسانی میں یہ اِمتیاز صرف حضور نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی اِنفرادی، معاشرتی اور قومی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ اور اہل ایمان کے لیے مینارۂ نور کی صورت میں موجود ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر تاریخ میں سب سے زیادہ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔ آپ کے سیرت نگاروں کی فہرست میں مسلم اور غیر مسلم تمام مصنفین شامل ہیں۔ ہر دور اور ہر خطہ کے اہل علم نے اپنی بساط کے مطابق آپ کی حیاتِ طیبہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کی۔

ابتدائے اسلام میں ہی جب علم حدیث کی تدوین کا آغاز ہوا، حضور اکرم ﷺ کے غزوات پر فن مغازی کے تحت کتب تصنیف کی گئیں۔ فن سیرت نگاری کے امام اَوّل امام زہری کے تلمیذ محمد بن اسحاق بن یسار (م ۱۵۱ھ) ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت نگاری کو ایک مستقل فن کی حیثیت دی۔ امام بخاری نے اپنی کتاب الغزوات کا آغاز ان ہی کی روایت سے کیا۔

مغیرہ بن عبدالرحمٰن کی روایت کے مطابق مغازی کی سب سے پہلی کتاب خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان بن عثمان رضی الله عنهما نے مرتب کی تھی۔ مغازی کے موضوع پر ابتدائی لکھنے والوں میں عروہ بن زبیر، واقدی، طبری، محمد بن مسلم بن عبید اللہ زہری، معمر بن راشد، شرجیل بن اسد، عاصم بن عمر بن قتادہ اور موسیٰ بن عقبہ جیسے جلیل القدر مصنفین شامل ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کا اصل نسخہ اب بھی پروشین اسٹیٹ لائبریری میں محفوظ ہے جو جرمن ترجمے کے ساتھ ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا تھا۔

تاریخ کے ہر دور میں سیرت پر اُس دور کے تقاضوں کے مطابق کتب تصنیف کی گئیں۔ تاہم سیرت پر اکثر کتب صرف حالات و واقعات بیان کرتی ہیں۔ ابن اِسحاق کی 'السیرۃ النبویۃ' واقعات وغزوات کا بیان ہے۔ ابن ہشام کی 'السیرۃ النبویۃ' اسی کی توضیحی صورت ہے۔ ابن سعد کی 'الطبقات الکبری' آپ ﷺ کے نسب سے وصال تک پوری حیات مبارکہ اور راویوں کے طبقات کا بیان ہے۔ امام بیہقی اور ابونعیم کی کتب 'دلائل النبوۃ' میں واقعات سیرت اور معجزات کا بیان ہے۔ 'الروض الأنف' سیرت ابن ہشام کی شرح ہے۔ ابن عساکر کی 'السیرۃ النبویۃ'، مقریزی کی 'إمتاع الأسماع'، صالحی کی 'سبل الهدیٰ والرشاد' اور حلبی کی 'إنسان العیون في سیرۃ الأمین

المأمون' میں واقعات کی تفصیل کے ساتھ شمائل و خصائص کا بیان بھی ہے۔ ابن کثیر کی 'السیرۃ النبویۃ' تاریخی واقعات کا بیان ہے۔ قسطلانی کی 'المواھب اللدنیۃ' اور زرقانی کی 'شرح المواھب اللدنیۃ' خصائص و مناقب پر مشتمل ہے۔ 'الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ'، 'الوفا بأحوال المصطفیٰ ﷺ'، 'کتاب شرف المصطفیٰ ﷺ'، اور 'الخصائص الکبریٰ' میں فضائل و شمائل بیان کیے گئے ہیں۔ 'حجۃ اللہ علی العلمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ' میں معجزات کا بیان ہے۔ حال ہی میں عالم عرب میں شائع ہونے والی سیرت کی ضخیم کتاب 'الجامع فی السیرۃ النبویۃ' سیرت پر موجود بڑی کتب کے جامع انتخاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو میں سیرت پر پہلی جامع اور ضخیم کتاب علامہ شبلی نعمانی کی 'سیرۃُ النبی ﷺ' ہے۔ اس کے بعد اردو میں سیرت پر لکھی جانے والی اکثر کتب میں اس کتاب کی پیروی کی گئی ہے۔ تاہم قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی 'رحمۃ للعلمین' اور معروف مسلم اسکالر ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی تصانیف سے سیرت نگاری کے میدان میں نئی جہت اور طرزِ تحقیق کا اضافہ ہوا۔

سیرت نگاری کی تاریخ کا یہ مختصر جائزہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ تاحال سیرت پر لکھی جانے والی جملہ کتب کا موضوع ''کیا؟'' تھا۔ جب کہ دور حاضر کے چیلنجز اور ضروریات کا تقاضہ ہے کہ توضیحِ سیرت کی جہات کو وسیع کیا جائے اور سیرت کے بیان میں ''کیا؟'' کے ساتھ ساتھ ''کیوں؟، کیسے؟ اور کس لیے؟'' کو بھی شامل کیا جائے۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ ریاست اسلام کی وسعت پذیری کا دور تھا، لہٰذا ابتدائی سیرت نگاروں نے سیرت کو مغازی کے عنوان کے تحت بیان کیا۔ مغازی کا مقصد آپ ﷺ کے عہد مبارک کے غزوات، سرایا، مہموں اور اسلامی ریاست کی عسکری تنظیم و تربیت کا تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنا ہے۔ مغازی کے مطالعہ سے بعثتِ نبوی سے لے کر اسلامی ریاست کے قیام تک اسلامی ریاست کی تاسیس، توسیع، استحکام اور انتظام کے بارے میں اہم اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

موجودہ دور میں اسلام کو احیاء، اصلاح اور حصول غلبہ و تمکن کا چیلنج درپیش ہے۔ لہٰذا اس دور میں سیرت نگاری کا تقاضا یہ ہے کہ ماسبق کتبِ سیرت کی طرح صرف حالات و واقعات کو ہی نہ بیان کیا جائے بلکہ سیرت کی روشنی میں مذکورہ چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے کی سبیل تلاش کی جائے۔

اسلامی دنیا میں سیرت نگاری پر کئے گئے کام کے مقابل اگر مستشرقین کے کام کو دیکھا جائے تو نکتہ نظر کی ثقاہت و درستگی سے قطع نظر اس میں تحقیقی و تجزیاتی انداز بیان نمایاں ہے۔ اپنے نظریاتی مفادات کے تحفظ کے علاوہ مستشرقین کے ہاں سیرت کے واقعات کو بیان کرنے کی غایت

اسلام کے ابتدائی زمانے میں فروغ اور ریاست کے قیام و استحکام کے اسباب کی تلاش ہے ۔ اس باب میں مستشرقین کا گہرا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ خود اہلِ اسلام کوفہم سیرت میں اپنی کاوشوں کو معیاری بنانے کی دعوت دیتا ہے۔تا کہ ہم سیرت کے واقعات میں موجود ربط اور حکمت معلوم کر کے اس کا دور حاضر کے حالات پر انطباق کرنے کی اہلیت حاصل کرسکیں۔

دور جدید میں سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ سماجی علوم میں بھی نئی جہات کے اضافہ نے زندگی کےفہم کے ابعاد کو بہت وسیع کر دیا ہے۔آج ہمیں سیرت کے باب میں ان امور کا جائزہ لینا ہے کہ:

۱۔ انتہائی کسمپرسی کے عالم میں شروع ہونے والی دعوت دین کی جدوجہد عالم گیر دین میں کیسے بدل گئی؟

۲۔ دعوتِ دین کی جد و جہد میں ترکِ وطن کی اہمیت کیا ہے؟ اور اس کا زمانی و مکانی تعین کس طرح ہوگا؟

۳۔ جدوجہد نبوی میں ہونے والی ہجرتوں کے کیا دعوتی (Religious)، سماجی و معاشرتی (Social)، آبادیاتی(Demographic)، ثقافتی (Cultural)، سیاسی (Political)، معاشی (Economic)، علاقائی (Regional)، تشکیلی (Formative)، تکمیلی (Establishing) اور عالمی (International) اثرات مرتب ہوئے؟

۴۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے نتیجے میں آنے والی سماجی تبدیلیوں کے دَوری(Cyclic)، ارتقائی(Evolutionary)، تفاعلی(Functional) اور آویزشی (Conflict) تناظرات کیا ہیں؟

۵۔ ریاست مدینہ کے قیام کے عمل کا اِعادہ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں کیوں کر ممکن ہے؟

۶۔ خطبہ حجۃ الوداع میں امت کو دیے گئے ''**فلیبلغ الشاھد الغائب**'' کے فریضہ کے مذہبی، سماجی اور سیاسی مضمرات کیا ہیں؟ اور ان کی عملی تعبیر کیوں کر ممکن ہے؟

۷۔ فہم سیرت کے خالص مذہبی طرزِ فکر کی عملی اور حیاتیاتی طرزِ فکر میں بدلنے کی سبیل کیا ہوسکتی ہے؟

مفکر اسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے عصر حاضر کے انھی چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سیرۃُ الرسول ﷺ کی تصنیف کا آغاز فرمایا۔ اور اردو زبان کی اس ضخیم ترین سیرۃُ الرسول ﷺ کا آغاز مقدّمہ سے کیا جو نہ صرف اردو بلکہ سیرت پر لکھی گئی عرب وعجم اور مسلم و غیرمسلم دنیا کی تمام کتب میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ اس سے قبل اسلامی دنیا میں تفسیر، حدیث اور تاریخ کی کتب کے مقدمے لکھے گئے۔ تاہم سیرت نگاری کی تاریخ میں کسی بھی مصنف نے اصولِ سیرت پر

مشتمل مقدمہ تصنیف نہیں کیا۔ یہ امتیاز شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو حاصل ہے کہ آپ نے علمی دنیا میں اس باب کا اضافہ کیا۔

مقدّمہ سیرۃُ الرسول ﷺ لکھ کر شیخ الاسلام نے سیرت کے موضوع کا مخاطب صرف اہل اسلام نہیں بلکہ اہل عالم کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ سیرت کے روایتی بیان سے صرف اہل ایمان ہی رہنمائی لے سکتے ہیں، جب کہ مقدّمہ سیرۃُ الرسول ﷺ کا مخاطب تمام انسانیت ہے اور اس کا اسلوب یہ ہے کہ:

۱۔ اہل ایمان کو اُسوۂ حسنہ کے حبی پہلو کے ذریعے حلاوتِ ایمانی سے آشنا کر کے آمادۂ عمل کیا جائے۔

۲۔ عالم انسانیت پر استدلال سے سیرۃُ الرسول ﷺ کی اہمیت واضح کی جائے کہ سیرۃُ الرسول ﷺ سے آگاہی بنی نوع انسان کی تہذیبی، تاریخی اور آفاقی ضرورت ہے۔

مقدمہ میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ سیرت کے بیان کا مقصود ایک ایسے معاشرے اور دنیا کی تشکیل ہے جہاں انسان امن و سلامتی سے رہ سکے۔ کیوں کہ سیرۃُ الرسول ﷺ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں کے لحاظ سے محض شخصی سیرت نہیں بلکہ ایک عالم گیر اور بین الاقوامی سیرت ہے جو کسی شخصِ واحد کا دستورِ زندگی نہیں بلکہ جہانوں کے لیے ایک مکمل دستورِ حیات ہے۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے گا، انسانی زندگی کی استواری و ہمواری کے لیے سیرت کی ضرورت و اہمیت شدید سے شدید تر ہوتی جائے گی۔

مندرجہ بالا پہلوؤں پر بحث کے دوران میں مستشرقین کے نکتہ ہائے نظر کو بھی مستحضر رکھا گیا ہے اور ان کی طرف سے پیدا کیے گئے مغالطّوں کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ اس تصنیف میں سیرت کو مجرد علمی سطح پر رکھنے کی بجائے زندگی کے مسائل اور دور جدید کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح سیرت کے مخاطب صرف اہل ایمان نہیں بلکہ عالم انسانیت قرار پاتی ہے اور دلائل و براہین سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ دور جدید میں علمی و فکری، سماجی و معاشرتی، سیاسی و اقتصادی اور ملکی و عالمی سطح پر ایسی مثبت اور صالح ترقی، جس میں انسانیت کی فلاح و بقا ہو، اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کی بنیاد ان اصولوں پر استوار کی گئی ہو جو سیرت نبوی سے ماخوذ ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کی یہ تصنیف ایمان و عمل میں رسوخ کا باعث بننے کے ساتھ اہل علم کے لئے تحقیق کے نئے دَر بھی وا کرے گی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ناظمِ تحقیق، تحریک منہاج القرآن

۴ ربیع الاول، ۱۴۲۷ھ؛ ۳ اپریل ۲۰۰۶ء

ابتدائیہ

مطالعۂ سیرت کا منہاج

حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے آخری ہدایت کا سرچشمہ بنا کر بھیجا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور بعثت ایک نئے دور کا آغاز اور تاریخ کی ایک نئی جہت کا تعین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہم تاریخ میں آپ ﷺ سے پہلے اور بعد کے زمانوں کا تقابل کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کلیتًا ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ ایک ایسا دور جس میں شعور، آگہی، تہذیب، کلچر اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ، قیام اور استحکام کے وہ نظائر ملتے ہیں جن کا نہ صرف آپ کی آمد سے قبل وجود نہ تھا بلکہ اُن کا تصور بھی مفقود تھا۔ یہ سب ختمِ نبوت کا وہ ازلی اور ابدی فیضان تھا جو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ذریعے عالم انسانیت میں جاری و ساری ہوا۔ لیکن آپ ﷺ کی سیرت کے حوالے سے رہنمائی اوراخذ فیض کے جو مناہج بطور امت ہمیں اپنانے چاہیے تھے وہ اپنائے نہ جا سکے۔ ملتِ اسلامیہ جب ایک ہزار سال تک دُنیا بھر میں مقتدر رہنے کے بعد زوال کا شکار ہونا شروع ہوئی تو جہاں زندگی کے دیگر شعبے زوال اور پستی کا شکار ہوئے وہاں دین کے مختلف شعبوں خصوصاً سیرت الرسول ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق اورفہم کے حوالے سے بھی زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ سیرت کے ساتھ تعلق کے باب میں زوال کے اثرات پچھلی دو تین صدیوں میں سامنے آئے۔ ان میں نمایاں ترین پہلو اُمت مسلمہ کا قلبی اور عملی طور پر سیرت سے ہٹ جانا اور فکری سطح پر سیرت الرسول ﷺ کے حقیقی فہم سے عاری ہونا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف ملتِ اسلامیہ کی اپنی انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی زندگی میں سیرت کا فیضان کما حقہ جاری نہ رہا بلکہ عالمی سطح پر اُمت اجابت تک بھی سیرت اور اِسلام کا پیغام کما حقہ نہ پہنچایا جا سکا۔

اِسلام کی تعلیمات اور سیرت کے ساتھ عملی اور زندہ تعلق کے کٹ جانے سے ملتِ اِسلامیہ کی ہئیت اجتماعی پر درج ذیل اثرات مرتب ہوئے:

۱۔ ملتِ اِسلامیہ کے عقائد اوہام میں بدل گئے اور اعمال مجرد رسموں میں ڈھل گئے جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں عقائد اور اعمال کی تاثیر ختم ہوگئی۔

۲۔ عالمِ اِسلام کے زوال پر معاشرے میں مذہبی اور روحانی اقدار بتدریج زوال کا شکار ہوتی

چلی گئیں۔

۳۔ اس زوال پذیری کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم معاشرے میں ایمانی حقائق اور روحانی اقدار کی جگہ مادہ پرستی اور مادی فکر نے لے لی۔

۴۔ مذہب سماجی زندگی سے کلیتاً کٹ گیا اور دُنیا کی زندگی کی بجائے صرف آخرت کی زندگی کا مسئلہ ہو کر رہ گیا۔ لہٰذا اعمال کی انجام دہی کا مقصد دُنیا کی زندگی کی ہمہ گیر اصلاح کے بجائے محض آخرت میں ثواب اور جنت کا حصول رہ گیا۔

۵۔ ایمان، عقیدہ اور اسلام کے بنیادی تصورات کے مسخ ہو جانے کے سبب سے عملی زندگی میں اسلام کے مؤثر ہونے کا تصور دھندلا ہوتا چلا گیا اور نسلِ نو مستقبل کے حوالے سے اسلام کے مؤثر اور قابلِ عمل ہونے سے مایوس ہونے لگی۔

۶۔ دورِ زوال میں جب ہر طرف باطل کے غلبے کا منظر نظر آنے لگا تو اہلِ اسلام میں اسلام کی حتمی اور قطعی نتیجہ خیزی کا یقین ختم ہو گیا اور وہ باطل کے مقابلے میں اسلام کے دوبارہ احیاء، فروغ اور اس کے غلبے کی بحالی کے بارے میں متشکک و متزلزل ہوتے چلے گئے۔

۷۔ مسلمانوں کا مستقبل میں اپنے احیاء کی نسبت اعتماد کلیتاً ختم ہو گیا۔

۸۔ ایمان اور اسلام کے بطور مؤثر عنصر حیات کی تاثیر کم ہو جانے کے سبب سے اسلام کی وحدت کا شیرازہ جغرافیائی، نسلی، لسانی، طبقاتی، گروہی اور فرقہ وارانہ وفاداریوں کا شکار ہو کر منتشر ہو گیا۔

۹۔ اسلام کے مذہبی، سیاسی، معاشی، ثقافتی اور تعلیمی ادارے جو سرا سر تخلیق اور انقلاب کے آئینہ دار تھے کلیتاً جمود کی لپیٹ میں آ گئے۔

۱۰۔ اندریں حالات اہل اسلام، اسلام کے عالمگیر غلبہ و تمکن کی خاطر مثبت انقلابی پیش قدمی کی بجائے اپنی حفاظت اور دفاع کو ہی اصل زندگی اور آخری مطمع نظر تصور کرنے لگے۔

ان تمام خرابیوں کے ازالے کی جدوجہد سے قبل لازم ہے کہ ان خرابیوں کے پیدا ہونے کی بنیاد اور اسباب کا کھوج لگایا جائے۔ ملتِ اسلامیہ کے سیرت سے تعلق کے حوالے سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مذکورہ بالا خرابیوں کے بنیادی اسباب یہ ہیں:

۱۔ عالم اسلام میں سیرت الرسول ﷺ کا ادھورا فہم

۲۔ غیر اسلامی دنیا میں سیرت کے فہم اور ابلاغ میں درپیش چیلنجز

۱۔ عالمِ اِسلام میں سیرۃُ الرسول ﷺ کا ادھورا فہم

آج عالم اسلام سیرت سے تعلق کے باب میں جن چیلنجز سے دو چار ہے وہ درج ذیل نوعیت کے ہیں:

۱۔ سیرت کے روحانی وجبی پہلو سے صرف نظر

۲۔ سیرت کے فیضان اور تاثیر سے زندگی کے اعمال و اقدار کی محرومی

۳۔ سیرت کے فکری و تعلیماتی پہلو سے اجتماعی زندگی کی لاتعلقی

اب ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

(۱) سیرت کے روحانی وجبی پہلو سے صرفِ نظر

جب ملت اسلامیہ عالمگیر سطح پر زوال کا شکار ہوئی تو اغیار نے نہ صرف اس کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی وجود کو مشق ستم کا نشانہ بنایا بلکہ اسلام کے فکری نظام کو بھی کئی التباسات اور مغالطّوں سے دوچار کر دیا۔ اسلام دشمن مفکرین اور مصنفین کی مسلسل کوششوں سے جہاں مسلم ذہن اپنے مستقبل کے مستقلاً مخدوش رہنے کا قائل ہو گیا وہاں دین کی مبادیات خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے تعلق کے حوالے سے بھی کئی غلط فہمیوں کا شکار ہو گیا۔

اسلام کی بنیادی فکر میں یہ اختلال پیدا کرنے کے باوجود استعماری قوتیں اس پر مطمئن نہ ہوئیں۔ وہ اس تبدیلی کے نتائج و مضمرات کو ہمیشہ کے لیے ملت اسلامیہ میں باقی رکھنے کی ترکیب سوچنے لگیں کہ اگر اسلام کے دامن میں کوئی ایسی انقلاب انگیز قوت موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے مسلم قوم مذکورہ بالا تمام تر خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود کسی وقت بھی اپنی عظمت رفتہ کے حصول کے لئے تن من دھن کی بازی لگا سکتی ہے تو اس قوت کا سراغ لگا کر اسی کے خاتمے کا مؤثر اہتمام کیا جائے۔ تا کہ عالم اسلام اس ذلت و پستی کی حالت سے کبھی نجات نہ پا سکے کیونکہ اسی میں تمام طاغوتی اور مادی قوتوں کی عافیت تھی۔ اسلام کی وہ عظیم ایمانی اور انقلابی قوت جس سے عالمِ کفر لرزہ براندام تھا، حضور رسالت مآب ﷺ سے عشق ہے۔ یہی عشق تاریخ اسلام میں کبھی نسبت توحید کے افق پر چمکتا دکھائی دیتا ہے اور کبھی نسبت رسالت کے افق پر۔ رندانِ مئے توحید اور اسیرانِ عشقِ رسالت کے

انہی قافلوں کے سفر سے اسلام کی روحانی تاریخ عبارت ہے اور اسی سے مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی زندگی روزِ اوّل سے آج تک وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں بارہا سیاسی تغیرات کے باوجود ملت اسلامیہ کا مذہبی اور روحانی نظام زوال پذیر نہ ہو سکا بلکہ اس کے ارتقاء کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ کیونکہ صوفیائے اسلام کی پیہم تبلیغی مساعی نے ہر دور میں مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور عشقِ رسالت مآب ﷺ کی وہ شمع فروزاں رکھی جس میں ہماری ملّی حیات کی بقا کی ضمانت موجود تھی۔

مشہور مغربی مؤرّخ پروفیسر ہٹی (Philip K. Hitti) بیان کرتے ہیں:

> In the darkest hour of political Islam religious Islam has been able to achieve some of its most brilliant victories.(1)

> ''اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں بھی مذہبی اسلام نے کئی شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔''

اِنہی اَسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے انگلستان کے ایک مشہور ذی علم مستشرق پروفیسر ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) نے بیان کیا ہے:

> The mystics, whether as individual missionaries or (later on) as members of organized brotherhoods, were the leaders in the task of conversion among the pagans and the superficially Islamized tribes. The most successful missions were often those of co-nationals of the tribesmen, uncouth, illiterate, and crude though many of them were. They laid the foundations upon which in later generations the refining influences of orthodox law and theology could be brought to bear. It was mainly due to them that through successive centuries the religious frontiers of Islam were steadily extended in Africa, in India and Indonesia, across Central Asia into Turkestan and China, and in parts of South-eastern Europe.(2)

''صوفیاء اپنی انفرادی تبلیغی حیثیت اور بعد میں اجتماعی سلسلوں کے منظّم رکن کے طور پر بھی غیر

(1) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 475.

(2) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 10.

مسلموں میں اسلام کے فروغ اور سطحی طور پر اسلام قبول کرنے والے قبیلوں میں اسلام کو پختہ کرنے والی سرگرمیوں کے رہنما تھے۔ صوفیاء کی کامیاب ترین کوششیں وہ تھیں جو انہوں نے گنوار ان پڑھ اور بد اخلاق قبائلی لوگوں کو سنوارنے کے لئے کیں۔ انہوں نے وہ بنیادیں استوار کیں جن پر بعد میں آنے والی نسلوں نے اسلام کے بنیادی قانون اور دینیاتی تصورات کو مؤثر طور پر نافذ کیا۔ یہ صوفیاء ہی تھے جن کی وجہ سے آنے والی صدیوں میں اسلام کی مذہبی سرحدیں رفتہ رفتہ افریقہ، ہندوستان، انڈونیشیا، وسطی ایشیاء سے ترکستان، چین اور جنوبی مشرقی یورپ کے کئی حصوں تک پھیل گئیں۔‘‘

ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) مزید لکھتے ہیں:

But while the conflict to maintain the Muslim ideals preserved the spiritual and intellectual life of Islam from stagnation, the legists were fighting on the whole a losing battle. The fault lay partly in themselves, that the more scrupulous were loth to hold any religious office under the Sultans and, in rejecting public service, left the field to their more time-serving and less scrupulous brethren. While the purity of their motives may be respected, their withdrawal weakened their power to combat effectively the vices which were taking firm root amongst the governing classes in every province of the Muslim world. The middle classes in general, on the other hand, accepted-if they did not always live up to-the Islamic ideal, and as time went on both they and the theologian-legists were more and more permeated by Sufi influences. Thus one may say, with some little exaggeration, that in the Muslim world, concealed by common outward profession of Islam, there were two distinct societies living side by side and interacting to some extent but in their basic principles opposed to one another.(1)

’’جب مسلمانوں کے آئیڈیل کے تحفظ کی جنگ میں صوفیاء اسلام کی روحانی اور فکری زندگی کو جمود سے بچا رہے تھے فقہاء مکمل طور پر ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہے تھے۔ نقص ان کے اندر

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 11.

ہی تھا کہ اعلیٰ کردار کے علماء نے جب سلطان کے ماتحت مذہبی ذمہ داریاں ترک کر کے پبلک سروس کو چھوڑ دیا تو اس طرح کم کردار اور کم اہلیت کے لوگوں کے لئے میدان خالی ہوگیا۔ اگرچہ ان کی نیت کے اخلاص کا احترام کیا جانا چاہئے لیکن اس قطع تعلق سے ان کی وہ طاقت کمزور پڑ گئی جس سے وہ مسلم دنیا کے حصوں میں حکمران طبقہ میں جڑ پکڑنے والی برائیوں کے خلاف مؤثر طور پر لڑ سکتے تھے۔ درمیانی طبقہ نے بالعموم اسلامی آئیڈیل کے مطابق زندگی گزارنا قبول کر لیا گو اس پر انہیں مسلسل استقامت نہ تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا عوام اور علماء میں صوفیاء کے اثرات نفوذ کرتے گئے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں گو یہ قدرے مبالغے کی بات ہے کہ مسلم دنیا میں قبول اسلام کے نقاب کے نیچے پہلو بہ پہلو دو مختلف معاشرے رہ رہے تھے جن کا آپس میں کچھ نہ کچھ تعامل بھی تھا مگر بنیادی اصولوں میں وہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد تھے۔‘‘

The expansion of the Ottoman Empire in Asia and North Africa and the establishment of the Mughal Empire in India in the sixteenth century brought the greater part of the Muslim world once more under the government of powerful and highly centralized civil States. A marked feature of both Empires was the strong emphasis laid on Muslim orthodoxy and the Sacred Law; Church and State were not indeed unified, since the military and higher civil polity was constructed on independent non-Islamic lines, but buttressed one another by a sort of concordat that endured into the nineteenth century.(1)

’’ایشیاء اور شمالی افریقہ میں عثمانی سلطنت کی وسعت اور سولہویں صدی میں ہندوستان میں مغل سلطنت کے قیام سے مسلم دنیا کا بڑا حصہ بہت ہی طاقت ور اور مرکزی نظام رکھنے والی ریاستوں کے ماتحت آ گیا۔ ان دونوں سلطنتوں کی ایک نمایاں خصوصیت ان کا مسلم روایت اور مقدس قانون پر زور تھا۔ اگرچہ چرچ اور ریاست باہم واحد نہیں تھے کیونکہ فوجی اور بالائی سول طبقہ کلیتًا غیر اسلامی خطوط پر تشکیل شدہ تھا۔ لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ایسی رضا مندی پیدا کر لی جو انیسویں صدی (۱۹۰۰ء) تک جاری رہی۔‘‘

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 12.

Yet of the two channels of Muslim religious life the mystical was the broader and deeper. The seventeenth and early eighteenth centuries saw the apogee of the Sufi brotherhoods. The greater orders spread a network of congregations from end to end of the Islamic world, while smaller local orders and sub-orders grouped the members of different classes and occupations into compact communities. Apart from this, Islamic culture in both Empires lived on the heritage of the past, preserving, but scarcely adding to, its intellectual patrimony. The primary task to which its representatives felt themselves called was not to expand, but rather to conserve, to unify, and to stabilize social life on Muslim standards. Within these limits, the measure of unity which they achieved and the social stability which they maintained was indeed remarkable.[1]

’’مسلمانوں کے مذہبی زندگی کے دونوں دھاروں سے ان کی زندگی کا صوفیانہ پہلو زیادہ وسیع اور گہرا تھا۔ سترہویں اور ابتدائی اٹھارہویں صدی نے صوفیاء کے سلسلوں کے وسیع حلقوں کا نظارہ کیا اسلامی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک صوفیاء کے سلسلے کا جال پھیل گیا۔ جبکہ چھوٹے اور مقامی ذیلی سلسلوں نے اسلامی معاشرے میں مختلف طبقات اور پیشوں کو آپس میں منسلک کر دیا۔ اس سے الگ دونوں سلطنتوں میں جو اسلامی کلچر اپنے ماضی کے ورثہ پر ہی کھڑا تھا، اس نے اسے محفوظ کر دیا مگر اس کے فکری سرمائے میں کچھ اضافہ مشکل ہی کیا۔ اسلامی کلچر کے نمائندوں نے خود جو بنیادی فرض محسوس کیا وہ اس کی توسیع پذیری نہ تھا بلکہ اس کا تحفظ، وحدت اور مسلم معیارات کے مطابق سماجی زندگی کا استحکام تھا۔ ان حدود کے اندر انہوں نے وحدت اور سماجی استحکام کا جو درجہ حاصل کیا بلاشبہ بہت ہی قابل تعریف تھا۔‘‘

یہ حقیقت - کہ صوفیاء کی تعلیم اور ان کا فکر عشق مصطفیٰ ﷺ سے کس قدر لبریز ہے - کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔ عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز اسی فکر کی نشان دہی کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 12.

فرماتے ہیں:

هر که عشقِ مصطفٰی سامانِ اوست
بحر و بر در گوشهٔ دامانِ اوست[(۱)]

(محمد مصطفیٰ ﷺ کا عشق جس نے اپنا سامان (زادِ راہ) بنا لیا، یہ بحری و برّی کائنات اس کے زیرِنگیں آ گئی۔)

ایک اور مقام پر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اس طرح عرض پرداز ہیں کہ عشق و مستی کے ہزاروں قلزم ایک شعر میں محصور نظر آتے ہیں:

ذِکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی[(۲)]

(حضور آپ ﷺ کی ذات سے ذِکر و فکر اور علم و معرفتِ اِلٰہی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ دریا اور اس کی طوفانی موجیں، بھی آپ ہیں اور ساحلِ مراد تک پہنچانے والی کشتی بھی آپ ہیں۔)

اِسی حقیقت کو اُردو میں علامہ نے اِس طرح دہرایا ہے:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اَوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ[(۳)]

ایک اور مقام پر علامہ اقبالؒ عشقِ رِسالت کا درس کیف و مستی کی عجیب کیفیت میں ڈوب کر دیتے ہیں:

معنئ حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری بادیدۂ صدیق اگر

(۱) اِقبال، پیامِ مشرق: ۱۹۰ / ۲۰، پیش کش
(۲) اِقبال، کلیات (مثنوی پس چه باید کرد اے اَقوامِ مشرق): ۸۴۶ / ۵۰، دَر حضور رِسالت مآب ﷺ
(۳) اِقبال، کلیات (بالِ جبریل): ۵۷۲، غزلیات (حصه دُوُم)

قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی[۱]

(میرے اشعار کے معنی و مفہوم کو اگر تو تحقیق کی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھ چاہیے۔ اگر یہ میسر آ جائے تو حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے دِل و جگر کو تقویت یعنی حوصلہ ملتا ہے اور آپ ﷺ خدا سے زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں۔)

ایک اور مقام پر علامہ نے کہا:

خاکِ یثرب اَز دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است[۲]

(یثرب یعنی مدینہ منورہ کی سرزمیں دُنیا جہان کے ہر مقام سے زیادہ اچھی ہے اور وہ شہر کیوں نہ اچھا ہو جہاں محبوب ﷺ کا مسکن ہے۔)

نسخۂ کونین را دیباچه اوست
جمله عالم بندگان و خواجه اوست[۳]

(حضور ختمی مرتبت ﷺ کتابِ کونین کا دیباچہ یعنی حرفِ آغاز ہیں۔ آپ ﷺ کائنات کے آقا اور باقی سب غلام ہیں۔)

علامہ کی دربارِ رِسالت میں درج ذیل اِلتجا بھی اِسی سبق کی آئینہ دار ہے:

مسلماں آں فقیرِ کج کلاھے
رمید از سینۂ اُو سوزِ آھے

(۱) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۱/۱۰۱، رُکن دُوُم: رِسالت
(۲) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۲۱/۲۱، دَر بیانِ ایں که خودی اَز عشق و محبت اِستحکام می پذیرد
(۳) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۲۱/۲۱، دَر بیانِ ایں که خودی اَز عشق و محبت اِستحکام می پذیرد

دلش نالد! چرا نالد؟ نداند
نگاھے یا رسول اللّٰہ نگاھے![1]

(مسلمان وہ کج کلاہ فقیر ہے جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا مگر اس کے سینے سے آہِ سوزناک نکل گئی ہے۔ اس کا دِل فرطِ اضطراب سے نالہ کناں ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ (دل) کیوں رو رہا ہے۔)

نہ صرف یہ کہ علامہ نے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کو ذاتِ محمدی ﷺ سے والہانہ عشق کا پیغام دیا بلکہ اسی عشق رسالت ﷺ کو ملت اسلامیہ کی بقا و دوام کا راز بھی قرار دیا اور یہی وہ انقلاب انگیز قوت تھی جس سے سامراجی و طاغوتی طاقتیں خائف تھیں۔ آپ فرماتے ہیں:

لَانَبِیّ بَعْدِی ز اِحسانِ خدا است
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفٰی است

قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظِ سرِّ وحدتِ ملّت ازو[2]

(حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کا نہ آنا اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے اور آپ ﷺ کی ختم نبوت ہماری عزت و ناموس کی محافظ ہے۔ اس قوت سے قوم مسلم کی شیرازہ بندی ہوتی ہے اور یہی ملی اتحاد و یکجہتی کا راز ہے۔)

علامہ اُمتِ مسلمہ کو چراغِ مصطفوی ﷺ کا پروانہ قرار دیتے ہوئے دیگر مقامات پر کہتے ہیں:

از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

تانہ ایں وحدت زدستِ ما رود
ہستئ ما با ابد ہمدم شود[3]

(۱) اِقبال، کلیات (اَرمغانِ حجاز): ۳۰/۹۱۲، حضورِ رِسالت
(۲) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۲/۱۰۲، رُکنِ دُوُم: رِسالت
(۳) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۲/۱۰۲، رُکنِ دُوُم: رِسالت

(رسالتِ محمدیہ ﷺ کے فیضان سے ہم ایک دوسرے کے ہم نوا (ہم آواز) بن گئے اور ہمارا مقصودِ حیات ایک ہی ہو گیا ہے۔)

اُمتے از ما سوا بیگانۂ
بر چراغِ مصطفٰی ﷺ پروانۂ[1]

(اُمت مسلمہ غیر اللہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتی اور چراغِ مصطفٰی ﷺ پر پروانہ وار فدا ہونے کا جذبہ رکھتی ہے۔)

تا شعار مصطفٰی از دست رفت
قوم را رمزِ بقا از دست رفت[2]

(جب سے یہ اُمت حضور ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ گئی ہے وہ اس بات سے بھی غافل ہے کہ قومی بقاء و سلامتی کا راز کیا ہے۔)

زوال اسلام کے اس دور میں جب اقبالؒ ملت اسلامیہ کے عروق مردہ میں عشق مصطفےٰ ﷺ کے پیغام کے ذریعے نئی روح پھونک کر اسے تباہی و ہلاکت سے بچانے کی فکر میں تھے، اسلام دشمن استعماری طاقتیں منظّم ہو کر مسلمانوں کے دلوں سے اسی عشق رسالت مآب ﷺ کے جذبے کو نکالنے کی علمی، فکری اور عملی تدبیریں کر رہی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں کے دل محمد مصطفیٰ ﷺ کے جذبہ عشق و محبت سے خالی ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلا سکتی ہے نہ اِصلاح و تجدید کی تحریکیں انہیں اپنی منزلِ مراد تک پہنچا سکتی ہیں۔ یہ محض ایک مفروضہ یا خیال خام نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت ہے۔ مغربی استعمار کی اسی سازش کی طرف علامہ اقبالؒ نے اشارہ فرماتے ہوئے کہا تھا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

(۱) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۴/۱۰۴، دَر معنیٔ ایں کہ مقصودِ رِسالتِ محمدیہ ﷺ تشکیل و تاسیس حریت و مساوات و اخوت بنی نوع آدم است

(۲) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۲۸/۱۲۸، دَر معنیٔ ایں کہ پختگیٔ سیرتِ ملّیہ اَز اِتباعِ آئینِ اِلٰہیہ اَست

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو[1]

چنانچہ اسی مقصد کے تحت مغربی سامراج نے ایک طرف مسلمانوں کے اندر ایسے فرقہ وارانہ علمی مباحث کی سرکاری سطح پر حوصلہ افزائی شروع کی جن کا ہدف زیادہ تر حضور ﷺ کی عظمت و ادب اور آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کا اِنکار تھا تاکہ امت میں اہانت رسالت اور گستاخی نبوت کا فتنہ پیدا ہو۔ دوسری طرف یہ فکری میدان اسلامی تحقیق کے نام پر متعصب یہودی اور عیسائی مستشرقین کے سپرد کر دیا گیا جنہوں نے اسلام کی تعلیمات اور بانی اسلام ﷺ کی شخصیت اور سیرت پر اس انداز سے کتب تصنیف کیں کہ اگر ایک خالی الذہن سادہ مسلمان ان تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا ذہن رسول اکرم ﷺ کی ذات اور تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کتابوں کے باقاعدہ مطالعہ سے جو ذہن تشکیل پاتا ہے اسے عشق و ادب رسالت مآب ﷺ کے تصور سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ اس طرح مسلمانوں کے ذہنوں کو ہر دو طرح مسموم کرنے کا کام آج تک ہو رہا ہے۔

ہماری بدقسمتی کہ بعض مسلم مفکرین کے ہاتھوں بھی نادانستہ یہی کام سرانجام پانے لگا۔ وہ اس طرح کہ جب دورِ جدید میں مسائلِ حیات بدلے اور نئے نئے تقاضوں نے جنم لیا تو کئی مسلم مفکرین نے اسلام کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں کو اس انداز سے پیش کرنا شروع کیا کہ عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کیا جاسکے۔ ہر چند کہ یہ علمی کوششیں نہ صرف درست تھیں بلکہ تقاضائے وقت کے پیش نظر ضروری تھیں، ان مفکرین کے سامنے مسلمانوں کو درپیش مسئلے کا محض ایک رخ رہا، دوسرا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی مقدس شخصیت کے دو پہلو ہیں جو اپنی اپنی جگہ علیحدہ اور مستقل بھی ہیں اور باہم لازم و ملزوم بھی۔ ان میں سے کسی ایک پہلو کو بھی نظرانداز کرنا اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

(۲) سیرت کے فیضان اور تاثیر سے زندگی کے اَعمال و اَقدار کی محرومی

اسلام ایسے اعمال و اقدار کا حامل ہے جو زندگی کو ظاہراً و باطناً ایک مثبت تبدیلی سے آشنا کرتے ہیں۔ اسلام کے یہی اعمال و اقدار ماضی میں مسلمانوں کی مادّی و تعدادی کمزوریوں کے

(۱) اِقبال، کلیات (ضربِ کلیم): ۱۰۳۱، ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

باوجود ان کے غلبہ وتمکنت کا باعث رہے ہیں۔ یہ اعمال و اقدار مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی میں تب ہی موثر ہو سکتے ہیں جب انہیں ذات رسالتمآب ﷺ سے حقیقی اور کلی تعلق میسر ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت انسانی شخصیت کے تمام اوصاف و کمالات کی جامع ہے۔ اس کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی شخصیت کی ایسی جامع تصویر سامنے آتی ہے کہ انسان کامل اور اسوہ حسنہ کا صحیح نقشہ ذہن پر مرتسم ہو جاتا ہے۔ اس سے حضور ﷺ کے حسنِ اَخلاق، حسنِ معیشت، شجاعت و بسالت، صبر وتحمل، صداقت و امانت، تدبر و بصیرت، عدالت و فقاہت، جود وسخا اور رحمت و مودت جیسے عظیم خصائل و اَوصاف کا علم حاصل ہوتا ہے اور ہر قاری حضور ﷺ کی ذات گرامی کو عظیم مصلح و رہنماء، عظیم مدبر ومنتظم، عادل قاضی و منصف، بے نظیر مقنن، مثالی قائد و سپہ سالار، دیانت دار تاجر، مثالی شہری، مثالی خاوند اور سربراہ خاندان، کامیاب سربراہِ ریاست اور اسی طرح ایک عظیم انسان کے روپ میں دیکھنے لگتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے اس پہلو کی اہمیت و افادیت تبھی موثر ہے جب اسے حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ دیکھا جائے۔ لیکن بعض مسلم مفکرین و مصنّفین نے رِسالت مآب ﷺ کے فضائل وشمائل کے بیان کو صرف اسی عملی پہلو تک محصور کر دیا اور وہ روحانی پہلو جو حضور ﷺ کے بلند و بالا کمالات اور معجزانہ خصائص و امتیازات پر مشتمل تھا، اُسے یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا گیا کہ جدید تعلیم یافتہ نسل کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو محض صوفیاء وعرفاء کے لئے ہیں یا فقط عقیدت مندی کی باتیں ہیں جو نئے دور کی ضرورت نہیں۔

مزید برآں فضائل سیرت کے ظاہری پہلوؤں کا بیان بھی عقیدت ومحبت کی چاشنی اور تعظیم وتکریم کے رنگ سے اس بنا پر عاری رکھا گیا کہ یہ جدید آداب تحقیق کے منافی ہے، لہٰذا اس غلو سے اپنی تحریروں کو مبرا ہی رکھنا چاہئے۔ نتیجتاً وہ قلبی عقیدت اور والہانہ محبت جو رفتہ رفتہ عشق میں بدل جایا کرتی ہے اس نسل کے دلوں سے ناپید ہوتی گئی اور بقول اقبال تعلیم یافتہ نوجوان نسل اس نوبت کو جا پہنچی ہے:

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے[1]

سیرت کے عملی پہلوؤں کے بیان سے فکری ونظری دلائل کی صورت میں عقل پرست طبقے کے اعتراضات کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے، اس کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کو

(۱) اِقبال، کلیات (بالِ جبریل): ۴۴۵، ساقی نامہ

بیشک نئے حالات میں قابلِ عمل اور نتیجہ خیز بھی ثابت کیا جاسکتا ہے مگر مسلمانوں کے دلوں میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کے عشق و محبت کا چراغ روشن نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے سینوں میں آ قائے دو جہاں ﷺ کی دیوانہ وار الفت و عقیدت کا وہ طوفان بپا نہیں کیا جاسکتا جس کی قوت سے وہ کفر و طاغوت کے خلاف ٹکرا جائیں اور ناموس دین مصطفوی ﷺ کی خاطر اس طرح جانوں کے نذرانے پیش کر دیں کہ ...... اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں)[۱] ...... اور ...... لَایَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے)[۲] ...... کے ایمان پرور نظارے دنیا کے سامنے آ جائیں۔

جب غیر مسلم مفکرین نے حضور ﷺ کی شخصیت کے محض ظاہری پہلوؤں کو منفی انداز میں پیش کیا تو مسلم مفکرین نے بھی انہیں ظاہری پہلوؤں کو جواباً مثبت انداز میں پیش کر دیا اور آنحضرت ﷺ کے روحانی فضائل و کمالات کے بیان کو جدید دور میں غیر ضروری سمجھتے ہوئے ترک کر دیا تو خود مسلمانوں میں ہی دو طرح کے ذہن پیدا ہو گئے:

۱۔ مغربیت زدہ سیکولر ذہن

۲۔ مادیت زدہ مذہبی ذہن

مغربیت زدہ سیکولر ذہن جو فکری تشتت اور نظریاتی تشکیک میں مبتلاء ہو کر خود کو روشن خیال مسلمان تصور کر رہا تھا، مستشرقین کے زہریلے پراپیگنڈے کے باعث نہ صرف عشق رسول ﷺ کی دولت سے عاری اور اسلام کے روحانی تصورات سے نابلد ہو گیا بلکہ اسلام کی ابدی صداقت و عملیت اور عظمتِ رِسالت ﷺ پر ایمان اور عقیدت میں بھی متزلزل ہو گیا۔ دوسری طرف مادیت زدہ مذہبی ذہن جو مستشرقین کے پراپیگنڈے کے اثر سے کسی نہ کسی طور بچ گیا تھا وہ جدید اسلامی لٹریچر کے نتیجے میں اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ سے اعتقادی، فکری اور عملی طور پر وابستہ تو رہا لیکن عشقِ رسول ﷺ کے عقیدہ کو فرسودہ، غیر ضروری اور جاہلانہ و شخصیت پرستی کے مترادف تصور کرنے لگا۔ بلکہ وہ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ عظمتِ رِسالت کے درمیان خطرناک تضادات اور اِلتباسات کا شکار ہو گیا۔ اُس کی نگاہ میں مقامِ نبوت غیر اِرادی اور لاشعوری طور پر کم سے کم تر ہوتا چلا گیا اور وہ اس نشے میں مبتلا رہا کہ اس کی توحید نکھر رہی ہے اور وہ شرک سے پاک ہو کر پختہ موَحد بن رہا ہے۔ اس طرح دونوں

(۱) القرآن، الفتح، ۴۸: ۲۹

(۲) القرآن، المائدہ، ۵: ۵۴

طبقات بعثتِ محمدی ﷺ کی دولتِ لازوال سے تہی دامن ہو کر ایمانی حلاوت اور روحانی کیفیات سے محروم ہو گئے اور یوں ہماری اعتقادی وفکری زندگی تباہی و ہلاکت کا شکار ہو گئی۔

اِس دور میں اِحیائے اسلام اور ملت کی نشاۃِ ثانیہ کی جس قدر علمی وفکری تحریکیں منصۂ شہود پر آئی ہیں ان کی تعلیمات سے جو تصور مسلمانوں کی نوجوان نسل کے ذہنوں میں پیدا ہو رہا ہے وہ یہی ہے کہ اسلام کو بحیثیت نظام حیات قبول کر لینا اور حضور ﷺ کی سیرت وتعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہی کمالِ اِیمان اور محبتِ رسول ﷺ ہے؛ اور اس اِتباع کے علاوہ رِسالت مآب ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے خاص قسم کا قلبی، عشقی اور جذباتی لگاؤ مقصودِ ایمان ہے نہ تعلیمِ اسلام، بلکہ یہ جاہلانہ شخصیت پرستی کی ایک صورت ہے جو توحید خالص کے منافی ہے۔

اِس نام نہاد روشن خیالی سے ہماری حیاتِ ملّی پر جو مضر اَثرات مرتب ہوئے وہ محتاج بیان نہیں۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ سیرۃُ الرسول ﷺ کے ذریعے عشقِ رسول ﷺ کے اصل تصور کو اس طرح اُجاگر کیا جائے کہ آج کی نوجوان نسل جو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں ہے اس آفاقی حقیقت سے باخبر ہو کر پھر سے اپنے آقا و مولا ﷺ کے ساتھ وہ جبی تعلق استوار کر لے کہ اس کی نظروں کو دانشِ فرنگ کے جلوے کبھی خیرہ نہ کر سکیں۔ بقول اقبالؒ:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف[۱]

اور اُنہیں دینِ حق کی اس کامل تعبیر کی صحیح معرفت نصیب ہو جسے اِقبالؒ نے اِس شعری قالب میں ڈھال دیا ہے:

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں همه اوست
اگر به اُو نرسیدی، تمام بولہبی است[۲]

(دین سارے کا سار درِ مصطفٰی ﷺ پر رسائی کا نام ہے۔ اگر اس در تک ہم نہ پہنچ سکے تو ایمان رُخصت ہو جاتا ہے اور بولہبی باقی رہ جاتی ہے۔)

اَندریں حالات عشقِ رسول ﷺ کی اَہمیت کو قرآن و حدیث اور سیرت کی روشنی میں اَزسرِ

(۱) اِقبال، کلیات (بالِ جبریل): ۵۹۹، غزلیات (حصہ دُوُم)

(۲) اِقبال، کلیات (اَرمغانِ حجاز): ۱۱۴۰، حسین اَحمد

نو نمایاں کرنا اَشد ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا ہے تاکہ عصر حاضر کے فکری بگاڑ اور عظمت و محبت رسول ﷺ سے ناآشنائی کے سبب پیدا ہونے والے روحانی زوال کا ممکنہ حد تک اِزالہ کیا جاسکے۔ ہماری نظر میں ایک طرف حضور سیّد دو عالم ﷺ کی وہ محبوبانہ عظمت و شان ہو جو آپ ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں حاصل ہے اور آپ ﷺ کی روحانی شوکت و رفعت کا وہ عُلوّ جس کے پھریرے اَقلیمِ فرش وعرش پر پیہم لہرا رہے ہیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے فکری، علمی اور عملی عظمت کے وہ پہلو ہوں جن سے دنیائے علم و عمل جگمگا رہی ہے۔ اس جامع اور ہمہ جہت تصور کو حتی المقدور الفاظ کا جامہ پہنا کر عوام الناس میں متعارف کرایا جائے تاکہ تعلیمات اسلام اور سیرت نبوی ﷺ کا ایسا متوازن اور جامع تصور متعارف کرایا جاسکے جو بیک وقت نظروں اور عقلوں کو بھی مطمئن کرے اور دلوں اور روحوں کی اُجڑی بستی بھی سیراب کرے۔

آج اِس اَمر کی بھی اَشد ضرورت ہے کہ ان صحابہ کرام ﷡ اور صلحائے اُمت کے تذکرے عام کئے جائیں جنہوں نے اپنی زندگیاں حضور ﷺ کی محبت اور والہانہ عشق کی بھٹی میں سے گزارتے ہوئے قدم قدم پر ایسے ان مٹ نقوش ثبت کئے ہیں کہ رہتی دنیا تک کوئی محبّ اپنے محبوب کے لئے محبت کی دنیا میں ایسے نذرانے پیش نہیں کرسکتا۔ ان کی انہی اداؤں کو آج بھی ہم اپنے لئے نمونہ بنا سکتے ہیں کیونکہ پریشان حال امت کے دکھوں کا مداوا حضور ﷺ کی محبت میں سرشار ہو کر سنت و اتباع رسول ﷺ کی طرف بلائے بغیر ناممکن ہے۔

اس خزاں رسیدہ چمن میں بہاریں تب ہی جوبن پر آسکتی ہیں جب آج کے پریشان حال نوجوان اپنے سینے سے عشق و محبت کے وہی تیر پھر پار کریں جن سے ابوبکر و عمر اور بلال و بوذر ﷡ نے اپنے دل چھلنی کئے تھے۔ صحابہ کرام ﷡ کی طرح یہ سوزشِ عشق نہ ہو گی تو معرکہ ہائے بدر و حنین بھی برپا نہیں ہوسکیں گے اور نہ راتوں کی تاریکیوں میں شب زندہ دار اپنے نالہ ہائے نیم شبی سے قدسیان فلک کو محو رشک کرسکیں گے۔

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دِلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب[1]

اِس لئے اِس اَمر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حضور ﷺ کی واقعاتی اور تعلیماتی سیرت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے نبوی کمالات و فضائل اور روحانی شئون و شمائل کا تذکرہ بھی کیا جائے تاکہ

(۱) اِقبال، کلیات (ضربِ کلیم): ۹۸۲، شعاعِ اُمید

قاری عشق و محبت سے مملو جذبات کے ساتھ سیرتِ محمدی ﷺ کا مطالعہ کر سکے۔ حضور رِسالت مآب ﷺ کا ذکرِ جمیل بالعموم تین صورتوں پر مشتمل ہوسکتا ہے:

- بیانِ فضائل
- بیانِ شمائل
- بیانِ خصائل

بیانِ فضائل

فضائل سے حضور نبئ اکرم ﷺ کے وہ پیغمبرانہ روحانی امتیازات اور معجزات و کمالات مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ظاہر ہوتے رہے۔ ان کے ذکر کا مقصد اَوّلیں دلوں پر رسولِ مقبول ﷺ کی عظمت و تکریم کا نقش ثبت کرنا ہے۔ یہ تصور اگر دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس سے بذاتِ خود حقانیتِ اسلام کی بہت بڑی دلیل ہاتھ آجاتی ہے، کیونکہ انبیاء کرام علیھم السلام کو معجزات عطا کئے جانے کا یہی بنیادی فلسفہ تھا اور مزید یہ کہ مسلمانوں کے دل حضور ﷺ سے رشتہ ادب و تعظیم میں منسلک ہو جاتے ہیں۔

بیانِ شمائل

شمائل کا تعلق حضور ﷺ کی شخصیت مبارکہ کے حسنِ ظاہر سے ہے۔ اس کے بیان کا مدعا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات سے محبت کے والہانہ جذبات اہلِ ایمان کے دلوں میں فروغ پائیں۔ یہ فطری بات ہے کہ کسی حسین کے حسن دل پذیر کا تذکرہ کیا جائے تو دل بے اختیار اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ کیونکہ محبتِ رسول ﷺ میں والہانہ پن ہی ایمان کا حقیقی کمال اور اطاعت و اتباع کی صحیح بنیاد ہے۔ اس بیان سے حضور ﷺ کی شخصیت، سیرت، سنت اور ہر ہر ادا کا فہم اور اس کا پیار فطری طریق سے دلوں میں پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی مقصود ایمان ہے۔

بیانِ خصائل

خصائل کا بیان حضور ﷺ کی عادات و اطوار اور افعال و اعمال سے متعلق ہے، گویا یہ شخصیت مبارکہ کے حسن باطن کا آئینہ دار ہے۔ اس سے آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے مطالعہ کا موقع فراہم ہوتا ہے تاکہ اس روشنی میں انسان اپنے عمل کی اِصلاح اور اَخلاق کی تطہیر کر سکے اور اپنی زندگی

آپ ﷺ کی مقدس تعلیمات کے سانچے میں ڈھال سکے۔ یہ پہلو اِطاعت و اِتباع کی ترغیب دیتا ہے اور کمالِ اِیمان اِسی سے متعلق ہے۔

(۳) سیرت کے فکری و تعلیماتی پہلو سے اِجتماعی زندگی کی لاتعلقی

اسلام کے اعمال و اقدار کے مجرد رسم میں بدل جانے کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سیرت سے دور ہو گئی۔ زندگی کے کسی بھی پہلو پر سیرت کے واضح اور نمایاں اثرات نہیں رہے۔ سیرت الرسول ﷺ کے بصیرت پر مبنی فہم نہ ہونے اور سیرت کے ساتھ زندہ عملی، قلبی اور روحانی تعلق نہ ہونے کے سبب سے نسل نو میں عمل کے نتائج کے باب میں بے یقینی پیدا ہو گئی اور اس بے یقینی نے ملت اِسلامیہ کو اجتماعی سطح پر لادینی طرزِ فکر اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس بے یقینی کے سبب سے نہ صرف یہ کہ ملتِ اِسلامیہ سے عمل کا داعیہ چھن گیا بلکہ راہِ عمل پر گامزن لوگ بھی اپنے عمل کی مؤثریت سے محروم ہوتے چلے گئے۔ حالانکہ اس سیرت مبارکہ کو جسے اللہ رب العزت نے اسوۂ حسنہ قرار دے کر اہل اِسلام کے لئے تا ابد نمونہ بنایا تھا۔ ایسا نمونہ کامل جس میں حصول نتائج کی ضمانت ہے اور اُنہی احوال و کیفیات اور حالات و واقعات کے پھر سے منصۂ شہود پر آنے کی ضمانت ہے جن کے سبب سے دورِ نبوت میں انسانیت تاریکی سے نکل کر روشنی، زوال سے نکل کر عروج اور جہالت سے نکل کر دورِ نو میں داخل ہوئی تھی، وہ اسوۂ حسنہ صرف بیان تک محدود ہو کر رہ گئی۔ان حالات میں نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام عقیدے کی حد تک تو دین رہا لیکن عملاً ہماری زندگیوں میں بطور ایک مکمل دین کے موجود نہیں رہا اور اس کے نتیجے میں ہماری اجتماعی زندگی کم و بیش ہر دائرے میں تغیرات کی نذر ہو گئی جن میں سیاسی فکر، معاشی و اقتصادی فکر، قانونی فکر، عمرانی اور سماجی فکری، تہذیبی اور ثقافتی فکر، مذہبی فکر اور تعلیمی فکر شامل ہیں۔

۲۔ غیر اِسلامی دُنیا میں سیرت کے فہم اور اِبلاغ میں درپیش چیلنجز

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو صرف رسول اسلام نہیں بلکہ رسول انسانیت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کا پیغام پوری اِنسانیت کے لئے کامیابی کا پیغام ہے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں کچھ ایسے عوامل ضرور کارفرما رہے جن کے سبب سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا یہ پیغام پورے عالم تک نہیں پہنچ سکا۔ غیر اسلامی دنیا میں سیرت الرسول ﷺ کے حوالے سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے دو بڑے اسباب ہیں:

۱۔ اسلام اور مغرب کی معاشرتی اقدار کا فرق

۲۔ مغربی مصنفین اور مفکرین کی متعصّبانہ تحریریں اور اِسلام کے بارے میں تعصب پر مبنی پروپیگنڈہ

(۱) اِسلام اور مغرب کی معاشرتی اَقدار کا فرق

مغرب کا اِسلام کے حوالے سے دورِ جدید میں سامنے آنے والا ردِعمل بنیادی طور پر اسلام اور مغرب کے سماجی اور عمرانی ڈھانچے کے فرق کے سبب سے ہے۔ اِسلام کا سماجی، عمرانی اور معاشرتی ڈھانچہ مغرب کے نظامِ معاشرت سے کلیتًا مختلف ہے۔ اسلام کی بنیادی اقدار انجام کار مغرب کو اسلام دُشمنی پر مجبور کرتی ہیں۔ ایک مغربی مفکر لکھتا ہے:

> The most basic cultural fault line between the west and Islam does not concern democracy-it involves issues of gender equality and sexual liberalization.(1)

> ''اسلام اور مغرب میں بنیادی ثقافتی تفاوت کی حد کا تعلق جمہوریت سے نہیں، بلکہ اس کا تعلق نوعی مساوات اور جنسی آزادی سے ہے۔''

> ......The social values of gender equality and sexual liberalization could plausibly lie at the heart of any "clash" between Islam and the west. The analysis of these social attitudes reveals the extent of the gulf between Islam and the west, with a stronger and more significant gap on these issues than across most of the political values.(2)

> ''......نوعی مساوات اور جنسی آزاد روی کی سماجی اقدار یقینی طور پر اسلام اور مغرب میں کسی تصادم کی بنیاد بن سکتی ہیں۔ ان سماجی رویوں کا تجزیہ اسلام اور مغرب میں موجود خلیج کی نوعیت کو واضح کرتا ہے، جو سیاسی اقدار میں موجود خلیج سے زیادہ موثر اور اہم ہے۔''

اِسلام کی معاشرتی اقدار صرف معاشرے تک ہی محدود نہیں بلکہ اُن کا براہ راست اثر اجتماعی نظام اور حکومت کی تشکیل پر پڑتا ہے اور یہاں بھی اسلام اور مغرب کی اقداری حدیں الگ

(1) Ronald Inglehart, Pippa Norris, *Sacred and Secular: Religion and Politics Worldwide*, p. 155.

(2) Ronald Inglehart, Pippa Norris, *Sacred and Secular: Religion and Politics Worldwide*, p. 149.

ہوتی چلی جاتی ہیں:

Islam (is) personal piety and worship of God in a framework of revealed universal ethical principles which are to be implemented in human life...... Islam in its personal pietism and Quranic ethical universalism is meant to do this.(1)

’’اسلام وحی پر مبنی آفاقی اخلاقی اقدار کے اندر انفرادی پاکبازی اور اللہ کی بندگی کا نام ہے۔ اسلام اسے انسانی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اسلام اپنی انفرادی پاکبازی کی تعلیمات اور قرآن کی آفاقی اخلاقیات کے تحت اسے رو بہ عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔‘‘

(۲) مغربی مفکرین کا اِسلام کے خلاف متعصّبانہ پراپیگنڈہ

اسلام اور مغرب کی موجودہ آویزش کا پس منظر مغالطّوں، تعصب اور حقائق کے منافی پراپیگنڈے پر مبنی ہے جو آج تک جاری ہے۔

یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ اسلام کی اس فطری فروغ پذیری کو جو انسانیت کی ضرورت بھی تھی، عیسائیت نے اپنے لئے علمی، فکری، مذہبی، سماجی اور سیاسی خطرہ محسوس کیا(۲) جو تاریخ کی فطری حرکت کی غلط تفہیم تھی۔ انہوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے غلط اور کذب پر مبنی خودساختہ کہانیاں مشہور کر دیں جن کا ہدف حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ انہوں نے مشہور کیا کہ معاذ اللہ حضور ﷺ جادوگر ہیں اور آپ ﷺ رومن چرچ کے ایک Cardinal تھے جو پوپ بننے کی تمنا میں ایک نئے مذہب کے بانی بن گئے۔(۳)

ایک مغربی مصنف ساوٗدرن (R. W. Southern) لکھتا ہے کہ ۱۱۰۰ء سے قبل میں نے حضور ﷺ کا صرف ایک جگہ ذکر پڑھا مگر ۱۱۲۰ء کے بعد کا ہمارا محمد ﷺ کے بارے میں علم ان

(1) David Marquand, Ronald L. Nettler, *Religion and Democracy* pp. 53-54.

(2) Maxime Rodinson, The Western Image & Western Studies of Islam in Joseph Schacht & C. E. Bosworth, eds., *The Legacy of Islam*, p.9.

(3) Albert Hourani, *Europe and the Middle East*, p. 9.

کی حقیقی سیرت کے برعکس معلومات پر مبنی ہے[1] کیونکہ اسلام پر افسانہ کی حد تک بڑھے ہوئے جھوٹ اور کذب و افتراء پر مبنی الزامات عائد کئے گئے۔[۲] بلکہ ایک مغربی سیرت نگار نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے حالات لکھتے ہوئے جتنی زیادہ برائیاں لکھ سکتے ہو لکھو۔[۳] یعنی آپ ﷺ کے تشخص کو بگاڑ کر پیش کرو۔ (معاذ اللہ)

اسلام کے فروغ کے ساتھ جب عیسائی دنیا میں اقلیتی مسلمان فاتحین اکثریت میں بدلنے لگے تو عیسائی مذہبی طبقوں (Clergy) نے اسے اپنے لئے خطرہ قرار دیا۔[۴] یہی احساس آگے چل کر صلیبی جنگوں میں بدلا، اسلام اور عیسائیت کے مستقبل کے تعلقات کے تعین میں 11ویں سے 13 ویں صدی میں ہونے والی صلیبی جنگوں نے بھی کلیدی کردار ادا کیا۔[۵] جن کے حقیقی اسباب کے بارے میں آج بھی اکثر مغربی مفکرین ابہام و التباس کا شکار ہیں۔[۶] ان جنگوں کا اثر یہ ہوا کہ مسلم دنیا میں عیسائیت کے متشدد قوم کا تاثر پیدا ہوا۔[۷] اور آج مغرب کی سرگرمیوں سے یہ تاثر مزید تقویت پذیر ہو رہا ہے۔[۸]

آنے والے دور میں ترکی عثمانیوں کا اقتدار یورپ کے لئے مزید خطرہ بن گیا کیونکہ اس دور میں سات لاکھ آبادی (۷,۰۰,۰۰۰) کا استنبول طاقت وتہذیب کا علمی مرکز تھا۔[۹]

مگر مسلمانوں کی طاقت و اقتدار کا یہ نصف النہار بھی آج کے مغربی عروج سے بالکل مختلف تھا۔ اسلام کے ابتدائی حکمرانوں کی طرح ترک عثمانی کی عیسائیت اور دیگر اقلیتوں کے حوالے سے ریاستی پالیسی بہت ہی لچک دار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دنیائے عیسائیت (Christiandom) کے عیسائی

(1) Southern R.W., *Western Views of Islam and the Middle Ages*, p. 28.
(2) John L. Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality?* p. 43.
(3) Southern, R.W., *Western Views of Islam and the Middle Ages*, p. 31.
(4) Stephen Humphreys, R., *Islamic History: A Framework for Inquiry*, p. 250.
(5) John L. Esposito, *The Islamic Threat*, p. 37, 38.
(6) Runciman, S., *A History of the Crusade*, p.54
(7) John L. Esposito, *The Islamic Threat*, p. 38.
(8) Bosworth, CE., 'The Historical Background of Islamic Civilization' in R.M. Savory, ed., *Introduction to Islamic Civilization*, p. 25.
(9) Ira Lapidus, *A History of Islamic Societies*, p. 330.

بھی یہ کہتے تھے:

Better the turban of the Turk than the tiara of the Pope.[1]

’’پوپ کے تکونی تاج سے ترکوں کی پگڑی بہتر ہے۔‘‘

مسلمانوں کے اس حسن سلوک کے باوجود ان کے خلاف یورپ میں منفی پراپیگنڈے کی مہم جاری رہی جس کا ثبوت کروشیا کے مصنف Bartholomew Gregevich کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب *Miseries & Tribulations of the Christians held in Tribute and Slavery by the Turks* ہے۔[۲] یہ امر قابل افسوس ہے کہ جس طرح ماضی میں یورپ کا تصورِاسلام جہالت پر مبنی تھا وہی تصور آج ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت طے کر رہا ہے،[۳] اور آج تک مغرب میں اسلام کے یورپ پر احسانات کا منصفانہ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ نہیں ہو سکا اور اگر کہیں آواز بلند بھی ہوئی تو اسے سماعت سلیمہ میسر نہیں آئی۔[۴]

آج اگر مغربی میڈیا میں عربوں کے امیج کو دیکھیں تو وہ عیاش، غافل اور کاہل دولت مندوں کا امیج ہے۔[۵] جسے دورِ حاضر کے تقاضوں کا کوئی احساس وشعور نہیں بلکہ وہ دنیا کو دور تاریکی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ جب اس طرح کی میڈیا مہم کل وقتی طور پر جاری ہو گی تو لامحالہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مغربی دانشور اسلام کو جدید تہذیب و ترقی کا دشمن و قاتل تصور کرنے لگیں گے۔[۶] یہی وجہ ہے کہ مغربی دانشوروں نے تمام دہشت گردانہ سرگرمیوں کا ناطہ اسلام اور مسلم دنیا سے جوڑ دیا[۷] اور یہ ثابت کرنے پر تل گئے کہ مسلمان ظالم اور وحشی قوم ہیں۔[۸]

حالانکہ اسلام کے ارتقاء وعروج میں ایسا کوئی شائبہ تک موجود نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی فروغ کا سبب اس کی حملہ آوری نہیں بلکہ اس کا عظیم سوشل، اخلاقی اور سیاسی نظام

---

1) Arthur Goldschmidt Jr., *A Concise History of the Middle East*, p. 132.
(2) Paul Coles, The Ottoman Impact on Europe, p. 146-47.
(3) Albert Hourani, *Europe & the Middle East*, p. 10.
(4) Southern, R.W., *Western view of Islam & Middle Ages*, p. 2.
(5) Jack G. Shaheen, *The TV Arab*, p. 4.
(6) Edward Saeed, *Covering Islam: How the Media and the Experts Determine, How we see the rest of the World*, p. 51.
(7) Amos Perlmutter, *Islamic Threat is Clear and Present*, Insight on the News, Feb. 15, 1993
(8) Michael Suleiman, *The Arabs in the Mind of America*, p. 2.

تھا۔[1] گو اسلامی افواج کے لوگ عرب قبائل کے غیر تعلیم یافتہ افراد تھے مگر ان کا مطمع نظر کشور کشائی یا دنیاوی مال و متاع نہ تھا بلکہ دنیا کو اسلام کے عطا کردہ عدل و انصاف کا گہوارہ بنانا تھا۔[2] اس بنیادی فلسفہ کے زیرِ اثر ترقی پانے والی مملکت کا زمانہ تاریخ انسانی کے تہذیبی و ثقافتی ارتقاء کا سنہری زمانہ تھا۔[3] جو آنے والے ادوار میں مغرب اور دوسری دنیا کے لئے بھی علوم وحکمت کے دروازوں کے کھلنے کا باعث بنا۔[4]

اِسلام کے بارے میں اہل مغرب میں پائے جانے والے مخاصمانہ اور متعصّبانہ افکار و نظریات کا اثر ہے کہ ژاک دریدا (Jacques Darrida, 1930-2004) جیسے روشن خیال مفکر کا شاگرد فرانسس فوکویاما (Francis Fokoyama) مغربی فکر وعمل اور نظریے کو تاریخ کی معراج قرار دیتے ہوئے اِسلام کو از کار رفتہ نظریہ حیات قرار دیتا ہے:

> The days of Islam's cultural conquests, it would seem, are over. It can win back lapsed adherents, but has no resonance for the young people of Berlin, Tokyo or Moscow.[5]

’’ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی ثقافتی فتح کا زمانہ گزر چکا۔ اب تو یہ صرف کچھ مہمل معتقدوں کو ہی مسخر کرسکتا ہے، اس میں برلن، ٹوکیو اور ماسکو کی نوجوان نسل کے لئے کوئی کشش نہیں رہی۔‘‘

عالم مغرب میں اِسلام کے ابلاغ اور سیرت الرسول ﷺ کے باب میں پائے جانے والی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے ہمہ گیر علمی وفکری کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کوششوں کی دو جہتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ اِسلام کے بارے میں منصفانہ موقف رکھنے والے مغربی مصنفین کے موقف کا مطالعہ

۲۔ سیرت الرسول ﷺ کی عقلی اور استدلالی بنیادوں پر تبلیغ

مغربی مفکرین میں ایسے سلیم الفکر لوگ موجود ہیں جنہوں نے اِسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ

---

(1) Fred McGraw Donner, *The Early Islamic Conquests*, p. 269.
(2) Bernard G. Weiss and Arnold H. Green, *A Survey of Arab History*, p. 59.
3) Marshall G S., Hougson, *The Venture of Islam*, vol. 1, p. 235.
(4) John L. Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality*, p. 32.
(5) Fukuyama F., *The End of History and the Last Man*, pp. 45-6.

کی سیرتِ مبارکہ کا منصفانہ جائزہ لیا اور حقائق کو کما حقہٗ پیش کیا۔ ایسے مفکرین کی آراء کو اہلِ مغرب میں عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسلام کا مطالعہ صرف متعصب مفکرین ہی کے فکر کے آئینے میں نہ کریں بلکہ غیر جانبدارانہ آراء تک بھی رسائی پا سکیں۔ کیونکہ تاحال اکثر و بیشتر اسلام اور پیغمبرِ اِسلام کو منفی پراپیگنڈہ ہی کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ منٹگمری واٹ (Watt M. Watt) لکھتا ہے:

Of all the world's great men none has been so much maligned as Muhammad. For centuries Islam was the great enemy of Christianity.(1)

''دنیا کے جملہ عظیم انسانوں میں سے کسی کو تہمت اور بدگوئی کا اتنا نشانہ نہیں بنایا گیا جتنا کہ محمد (ﷺ) کو بنایا گیا۔ صدیوں تک عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن اسلام رہا۔''

اب ہم یہاں مغربی مفکرین کی تحریروں سے کچھ اقتباسات دے رہے ہیں جن سے حضورِ اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے حوالے سے ان کی آراء کا پتہ چلتا ہے:

سرولیم میور (Sir William Muir) اپنی کتاب *The Life of Mahomet* میں لکھتا ہے:

All authorities agree in ascribing to the youth of Mahomet a modesty of the deportment and purity of manners rare among the people of Mecca.(2)

''تمام اربابِ سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد ﷺ کا عہدِ شباب حیاء و پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاقی اَقدار کا حامل تھا جو مکہ کے لوگوں میں بہت کم پائی جاتی تھی۔''

سرولیم میور (Sir William Muir) مزید لکھتا ہے:

A patriarchal simplicity pervaded his life. His custom was to do everything for himself. He disliked to say no. If unable to answer a petition in the affirmative, he preferred silence. He was not known ever to refuse an invitation to the house even of the meanest, nor to decline a proffered present, however small.. ..He shared his food, even in times of adversity with others, and was sedulously solicitous for the

---

(1) Watt Montgomery Watt, *Muhammad, Prophet and Statesman*, p. 231.

(2) Sir William Muir, *The Life of Mahomet*, vol. II, p.14.

personal comfort of every one about him A kindly and. benevolent disposition pervades all these illustrations of his character.(1)

’’ایک بزرگانہ سادگی ان کی زندگی پر چھائی ہوئی تھی۔ ہر کام کو اپنے ہاتھ سے کرنا ان کا معمول تھا۔ کسی سوالی کو ’نہ‘ کا جواب دینا انہیں ناپسند تھا۔ اگر کسی کی فریاد کا جواب اثبات میں نہ دے پاتے تو خاموشی کو ترجیح دیتے۔ یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی نے ان کو گھر آنے کی دعوت دی ہو اور انہوں نے انکار کیا ہو۔ خواہ دعوت دینے والا کتنا ہی کم حیثیت اور ادنیٰ درجے کا ہوتا۔ اسی طرح وہ کسی کا تحفہ قبول کرنے سے انکار نہ کرتے خواہ وہ کتنا ادنیٰ کیوں نہ ہوتا۔ مصیبت اور مشکل کے وقت بھی وہ اپنے دسترخوان پر کھانے کے لئے دوسروں کو بلا لیتے۔ وہ انہیں ہم نشینوں میں ہر ایک کے ذاتی آرام کا اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر خیال رکھتے۔ ان کی سیرت و کردار کے ہر گوشے میں ایک کریمانہ خوش مزاجی سایہ فگن تھی۔‘‘

لیسی جان سٹون (P. de. Lacy Johnstone) اپنی تصنیف *Muhammad and his Followers* میں لکھتا ہے:

He enjoyed a high character among the citizens and nothing stands against his name.(2)

’’مکہ کے شہریوں میں ان کا کردار اور سیرت ارفع و اعلیٰ تھی اور ان کے نام پر کوئی دھبہ نہ تھا۔‘‘

ایملی ڈرمنگھم (Emile Dermengham) اپنی کتاب *The Life of Muhomet* میں لکھتا ہے:

Mahomet's youth has been chaste.(3)

’’محمد (ﷺ) کی جوانی حیاء و پاکیزگی کے ساتھ بسر ہوئی۔‘‘

Mahomet's house was a model of conjugal happiness and domestic virtues; Khadija made an ideal wife for Mahomet,

(1) Sir William Muir, *The Life of Mohammed*, p.512.
(2) P De. Lacy Johnstone, *Muhammad and His Followers*, p. 51.
(3) Emile Dermengham, *The Life of Mahomet*, Tr. by Arabella York, p. 52.

who was the best of husbands. This man remained faithful to one wife much older than himself for a quarter of a century.(1)

''محمد (ﷺ) کا گھر ازدواجی سیرت اور گھریلو خوبیوں اور نیکیوں کا مرقع تھا۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) محمد (ﷺ) کی مثالی بیوی تھیں اور وہ سب شوہروں سے بہترین شوہر تھے۔ آپ وہ انسان تھے جو چوتھائی صدی تک ایک ہی بیوی کے وفادار رہے جو ان سے عمر میں کافی بڑی تھیں۔''

ڈی ایس مرگولیتھ (D.S Margoliouth) اپنی کتاب *Muhammad and Rise of Islam* میں لکھتا ہے:

Ever since the taking of Mecca the prophet had worked as hard as the most industrious of sovereigns, organizing expeditions, giving audience, dispatching ambassadors, dictating letters, besides hearing plaints, administering justice and interpreting law. He worked continuously, allowing himself no day to rest. Always ready to hear and take advice, whatever the subject, he kept all the reins in his own hand: and till his death managed both the external and internal affairs of the vast and ever-growing community which he had founded and of which he was both the spiritual and temporal head. In later times a whole hierarchy of deputies was established for the purpose of discharging those duties.(2)

''مکہ پر اختیار پانے تک پیغمبر (ﷺ) ایک محنتی سرگرم حکمران کی طرح محنتِ شاقہ سے مہمات کو منظّم کرنے، لوگوں سے ملاقات کرنے، ایلچیوں کو روانہ کرنے اور خطوط لکھوانے میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ شکایات سنتے، انصاف مہیا کرتے اور شرعی قوانین کی تشریح وتعبیر بھی کرتے تھے۔ آپ مسلسل کام میں لگے رہتے اور دن کے اوقات میں بھی آرام نہ کرتے۔ کوئی بھی مسئلہ ہوتا آپ مشاورت کرنے اور بات سننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ زمامِ اختیار آپ نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور وفات تک وسیع اور روز

(1) Emile Dermengham, *Life of Mahomet*, p. 52.
(2) Margoliouth, D. S., *Mohammad and Rise of Islam*, p.448.

افزوں کاروبار حکومتِ جس کی بنیاد آپ نے رکھی، کے خارجی اور داخلی معاملات نپٹانے میں مصروف رہے۔ آپ ہی مملکت کے روحانی اور دنیاوی سربراہ تھے۔ آخری زمانے میں ان فرائض کی بجا آوری کے لئے حکومت میں آپ کے نائبین کا نظام قائم کیا گیا۔‘‘

وہ مزید لکھتا ہے:

But amid all the duties of a general, legislator, judge, and diplomat, the prophet did not neglect those of preacher and teacher: his advice was demanded on all possible questions, the occasions were few on which he failed to give it.[1]

’’بحیثیت ایک سپہ سالار، شارع، منصف اور سفارت کار کے ان فرائض کی انجام دہی کے دوران میں آپ کبھی معلم اور مبلغ کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں غفلت و تساہل سے کام نہیں لیتے تھے۔ تمام ممکنہ سوالات پر آپ سے مشورہ طلب کیا جاتا اور ایسے مواقع کبھی نہیں آئے جب آپ سے کوئی جواب نہ بن پایا ہو۔‘‘

ڈی ایس مرگولیتھ (Rev. D.S. Margoliouth) حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا لفظی مرقع یوں پیش کرتا ہے:

Another of those domestic scenes is somewhat different in character.Abu Bakr and 'Umar knock at the Prophet's doors and at first cannot obtain permission. When they are admitted they find the Prophet seated gloomily silent with his wives around him. They had been asking for household supplies which the Prophet cannot provide. 'Umar, hoping to cheer the Prophet, narrates how his wife had been demanding money, and he had replied by a sound blow on her neck. The Prophet; exploding with laughter, explains that his wives were equally importunate. The two friends wish to try 'Umar's expedient with their respective daughters. This the Prophet does not permit, but he gives his wives the .choice of quitting him if they prefer the present world. A'isha declines the offer, and the others follow suit.[2]

---

(1) Margoliouth, D. S., *Mohammad and Rise of Islam*, pp. 463-464.
(2) Margoliouth, D. S., *Mohammed and the Rise of Islam*, p. 418.

''ان گھریلو مناظر میں سے ایک منظر کچھ مختلف انداز پیش کرتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر (ﷺ) کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اور انہیں پہلے اندر آنے کی اجازت نہیں ملتی۔ جب انہیں اندر آنے کی اجازت مل جاتی ہے تو وہ پیغمبر کو بیویوں کے درمیان خاموش و افسردہ پاتے ہیں وہ گھریلو سامان رسد کی فرمائش کر رہی تھیں جو وہ (پیغمبر ﷺ) انہیں مہیا نہ کر سکے۔ عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ کو اس افسردہ ماحول سے نکالنے کی امید لئے بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ان کی بیوی نے کچھ رقم طلب کی تو انہوں نے اس کا جواب گردن پر مکہ مار کر دیا۔ پیغمبر (ﷺ) اس پر ہنستے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی بیویاں بھی اس طرح چیزوں کے لئے مسلسل اصرار کرتی رہی ہیں۔ دونوں دوستوں نے اپنی بیٹیوں پر عمر رضی اللہ عنہ کے مصلحت آمیز طریقے کو آزمانا چاہا جس کی پیغمبر (ﷺ) نے انہیں اجازت نہ دی۔ لیکن وہ اپنی بیویوں کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ اگر وہ دنیاوی ساز و سامان چاہتی ہیں تو وہ اسے ترجیح دیتے ہوئے انہیں چھوڑ سکتی ہیں۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس پیشکش کو ٹھکرا رہی ہیں اور دوسری بیویاں بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔''

معروف مغربی مفکر ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) اپنی تصنیف ''زوالِ سلطنتِ رومہ'' میں لکھتا ہے:

The good sense of Mohammad despised the pomp of royalty; the apostle of God submitted to the menial offices of the family; he kindled the fire, swept the floor, milked the ewes, and mended with his own hands his shoes and his woolen garment. Disdaining the penance and merit of a hermit, he observed without effect or vanity, the abstemious diet of an Arab soldier. On solemn occasions he feasted his companions with rustic and hospitable plenty. But in his domestic life many weeks would elapse without a fire being kindled on the hearth of the Prophet. The interdiction of wine was confirmed by his example; his hunger was appeased with a sparing allowance of barley bread, he delighted in the taste of milk and honey, but his ordinary food consisted of dates and water.(1)

(1) Edward Gibbon, *The Decline and Fall of the Roman Empire*, vol. 2, p. 694.

’’محمد (ﷺ) کی اچھی افتادِ طبع شاہانہ شان و شوکت کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ خدا کے رسول کو روز مرہ گھریلو کام کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ وہ آگ جلا لیتے، فرش کی صفائی ستھرائی کر کے بکریوں کا دودھ دوہ لیتے اور اپنے ہاتھ سے جوتوں کی مرمت کرتے اور اونی کپڑوں کو پیوند لگا لیتے۔ راہبانہ طرز زندگی کو حقارت سے مسترد کرتے ہوئے بغیر کسی لگی لپٹی اور دکھلاوے کے وہ ایک عرب سپاہی کی طرح سادہ غذا پر گزر بسر کرتے۔ سنجیدہ مواقع پر وہ اپنے ساتھیوں کی تواضع اور مہمان نوازی دیہاتی وافر کھانوں کی ضیافت کے ساتھ کرتے۔ لیکن گھریلو زندگی میں کئی کئی ہفتے گزر جاتے اور پیغمبر (ﷺ) کے گھر چولہے میں آگ نہ جلائی جاتی۔ انہوں نے اپنے ذاتی عمل سے امتناعِ شراب کی تصدیق کی۔ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے اور اپنی بھوک جو کی روٹی سے مٹاتے، شہد اور دودھ سے لطف اندوز ہوتے لیکن ان کی معمول کی خوراک کھجور اور پانی پر مشتمل تھی۔‘‘

جرمن مفکر گوسٹاویل (Gustav Weil) اپنی تصنیف *History of the Islamic Peoples* میں لکھتا ہے:

Mohammad set a shining example to his people. His character was pure and stainless. His house, his dress, his food, these were characterized by a rare simplicity.(1)

’’محمد (ﷺ) نے اپنے لوگوں کے لئے ایک تابندہ مثال قائم کی۔ ان کا کردار پاکیزہ اور بے داغ تھا۔ ان کا گھر، مکان اور غذا سب میں فقید المثال سادگی جھلکتی تھی۔‘‘

ایڈورڈ فری مین (Edward Freeman) حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا نقشہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

He reared no palace for his own honour by the side of the temple which he recovered to the honour of God. The city of his fathers, the metropolis of his race, the shrine of his religion, was again deserted for his own humble dwellings among those who had stood by him in the days of his trial. Muhammad was now spiritual and temporal ruler.(2)

---

(1) Gustav Weil, *History of the Islamic Peoples* (Tr. by S. Khuda Bakhsh), p. 27.

(2) Edward A. Freeman, *History and Conquests of the Saracens*, p. 36-37.

''انہوں نے عبادت گاہ (مسجد نبوی) کے پہلو میں جہاں وہ خدا کی تقدیس بیان کرتے تھے اپنے جاہ و جلال کے لئے کوئی محل تعمیر نہ کیا۔ ان کے آبا و اجداد کا شہر (مکہ)، جو اُن کے خاندان کا ام البلاد اور مذہب کا مرکز تھا، اُن کے لئے ان دوستوں کے درمیان رہنے کے لئے جنہوں نے آزمائش کے وقت ان کا ساتھ دیا تھا دوبارہ مسخر ہو گیا۔ اب محمد ﷺ روحانی اور دنیاوی اعتبار سے حکمران تھے۔''

انسائیکلوپیڈیا امریکانہ (Encyclopedia Americana) میں حضورِ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا:

His Personality was strong and dominant, but his domestic life was as simple as his frugality at meals. He was kind and generous, a tender father and a loyal friend. Even at the height of his power he lived in a miserable hut, slept upon straw and his pillow was made of palm-leaves covered with leather.(1)

''ان کی شخصیت مضبوط، توانا اور بہمہ اعتبار سب پر حاوی تھی۔ لیکن ان کی گھریلو زندگی اتنی ہی سادہ تھی جتنی کفایت شعاری وہ اپنی خوراک میں اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ سخی، رحمدل، شفیق باپ اور ایک وفادار دوست تھے۔ اپنے اختیار و اقتدار کے بام عروج پر ہوتے ہوئے بھی وہ ایک ادنی کٹیا میں گزر بسر کرتے۔ بوریا پر خواب استراحت فرماتے اور ان کا سرہانہ کھجور کے پتوں کا بنا ہوتا جس پر چمڑا چڑھایا گیا تھا۔''

چارلس ملز (Charles Mills) اپنی تصنیف *History of Muhammedanism* میں لکھتا ہے:

In the possession of the kind and generous affections of the heart, and in the performance of most of the social and domestic duties, he disgraced not his assumed title of apostle of God. With that simplicity which is so natural to a great mind, he performed the humblest offices whose homeliness it would be idle to conceal in the pomp of diction; even while lord of Arabia, he mended his own shoes and coarse woolen garment, milked the ewes, swept the

(1) *The Encyclopedia Americana*, 1947 Edition, vol. 19, p. 294.

hearth, and kindled his fire. Dates and water were his usual fare and milk and honey his luxuries, when he traveled, he divided his morsel with his servant. The sincerity of his exhortations to benevolence was testified at his death by the exhausted state of his coffers.(1)

''ان کا دل فیاضانہ شفقتوں اور مہربانیوں کا گہوارہ تھا۔ اپنے معاشرتی اور خانگی فرائض کو انجام دیتے ہوئے وہ رسول خدا کے منصب پر حرف نہ آنے دیتے۔ مزاج کی اس سادگی سے جو فطرت کے خمیر سے پھوٹتی ہوئی اعلیٰ دماغی کی مظہر ہے، وہ ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے سے بھی عار نہ کھاتے۔ ان کا طرزِ تکلم خود نمائی سے عاری تھا۔ اس وقت بھی جب وہ خطۂ عرب کے مالک تھے وہ اپنے جوتے اور موٹے اونی لباس کی خود مرمت کرتے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے، گھر کے فرش کی جھاڑ پونچھ کرتے اور آگ جلاتے تھے۔ کھجوریں اور پانی ان کی معمول کی غذا تھی۔ شہد اور دودھ ان کے لئے سامانِ تعیش تھا جب وہ سفر پر ہوتے تو وہ خادم کو اپنے ساتھ شریک طعام کر لیتے۔ ان کی پند و موعظت کے اخلاص اور کریم النفسی کی تصدیق ان کی وفات پر ان کے جمع کردہ پونجی کی بے سروسامانی سے ہوتی ہے۔''

ول ڈیورانٹ (Will Durant) اپنی تصنیف *The Age of Faith* میں لکھتا ہے:

His simple foods were dates and barley bread, milk and honey were occasional luxuries… Courteous to the great, affable to the humble, Dignified to the presumptuous, indulgent to his aides, kindly to all but his foes - so his friends and followers describe him. He visited the sick and joined any funeral procession that he met. He put on none of the pomp of powers, rejected any special mark of reverence, accepted the invitation of a slave to dinner, and asked no service of a slave that he had time and strength to do for himself. Despite all the booty and revenue that came to him, he spent little upon his family, less upon himself, much in charity.(2)

''ان کی سادہ غذا کھجوروں اور جو کی روٹی پر مشتمل تھی۔ دودھ اور شہد کا استعمال خاص موقعوں پر ہوتا تھا۔ بڑوں سے خندہ پیشانی اور چھوٹوں سے عاجزی اور انکساری سے پیش آتے، متکبر

(1) Charles Mills, *History of Mohammedanism*, p. 39.
(2) Will Durant, *The Age of Faith*, p. 173.

اور امیر کبیر لوگوں سے پروقار متانت کا مظاہرہ کرتے اور خدام سے درگزر کرتے۔ وہ اپنے پرائے دوست دشمن سب پر مہربان تھے۔ وہ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازہ چاہے کسی کا بھی ہوتا اس میں شریک ہوتے، ان میں اقتدار و اختیار کی ذرہ بھر خو بو نہیں تھی۔ اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز اور تفوق و برتری پسند نہیں کرتے تھے۔ غلام بھی کھانے کی دعوت دیتا تو اسے قبول کر لیتے اور غلام سے بھی وہ کام کرنے کو نہ کہتے جسے کرنے کے لئے ان کے پاس ہمت اور وقت ہوتا۔ مالِ غنیمت اور آمدنی جو باہر سے وصول ہوتی اسے اپنے گھر والوں پر خرچ نہ کرتے اور اسے اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے صدقہ و خیرات میں دے دیتے۔‘‘

سر جان گلب (Sir John Glubb) اپنی کتاب *The Empire of Arabs* میں لکھتا ہے:

> The Prophet never accumulated wealth nor even made use of the most elementary comforts. His food, his clothing, his house and its furnishings were simple in the extreme, even when ample money was available if he had been interested in it.(1)

’’پیغمبر (ﷺ) کبھی مال جمع نہ کرتے اور نہ ہی انتہائی معمولی آرام و آسائش کا سامان استعمال میں لاتے۔ ان کے گھر کا ساز و سامان انتہائی سادہ ہوتا اور اگر رقم کافی مقدار میں آ جاتی تب بھی انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔‘‘

برٹریم تھامس (Bertram Thomas) اپنی تصنیف *The Arabs* میں لکھتا ہے:

> He was a man without pride, without ostentation, without cant, not a mealy-mouthed man but a strong just man, and works that he died in debt, some of his belongings in pawn with a Jew-among them his only shield for which he obtained three measures of meal. Mohammed despised pomp and lived an utterly simple life.... He lived in great humility, performing the most menial tasks with his own hands; he kindled the fire, swept the floor, milked the ewes, patched his own garments, and cobbled his own shoes. There was an essential Puritanism in his system.(2)

(1) Sir John Glubb, *The Empire of the Arabs*, p. 54.
(2) Bertram Thomas, *The Arabs*, p. 65-66.

’’بحیثیت انسان ان میں غرور و رعونت اور نام و نمود نام کو بھی نہیں تھا۔ ریاکاری اور دکھاوا ان کو چھو کر بھی نہیں گزارا تھا۔ وہ ہرگز چرب زبان نہیں تھے بلکہ ایک مضبوط اور انصاف پرور انسان تھے۔ وہ وصال کے وقت مقروض تھے اور ان کا کچھ سامان ایک یہودی کے پاس گروی رکھا ہوا تھا۔ ان کے پاس اتنا سامان تھا جس سے وہ تن و جاں کا رشتہ برقرار رکھ سکتے تھے۔ محمد (ﷺ) کو نمود و نمائش سے نفرت تھی وہ حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے جو عجز و خاکساری کا مرقع تھی۔ انہیں اپنے ہاتھوں معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی عار نہیں تھا۔ آگ جلاتے، فرش کی جھاڑ پونچھ کر لیتے، بکریوں کا دودھ دوہتے، اپنے لباس میں پیوند لگا لیتے اور جوتوں کی مرمت کر لیتے۔ ان کے رہن سہن کا تمام تر نظام پاکیزگی سے عبارت تھا۔‘‘

جے جے سانڈرز (J. J. Saunders) حضورِ نبی اکرم ﷺ کی شخصی زندگی کے بارے میں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

….his habits were so simple that even in the last days in Medina, when he governed Arabia, he mended his own clothes and cobbled his own shoes. His piety was sincere and unaffected.(1)

’’ان کی عادات اتنی سادہ تھیں کہ مدینہ کے آخری ایام میں بھی جب وہ عرب کے حکمران تھے وہ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے اور جوتوں کو مرمت خود کر لیتے تھے۔ ان کی پارسائی اور تقویٰ میں نام کو بھی بناوٹ نہیں تھی۔‘‘

فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) اپنی تصنیف *History of the Arabs* میں لکھتا ہے:

Even in the height of his glory Muhammad led, as in his days of obscurity, an unpretentious life in one of those clay houses as do all old-fashioned houses of present- day Arabia and Syria. He was often seen mending his own clothes and was at all times within the reach of his people. The little he left he regarded it as state property.(2)

(1) Saunders, J. J., *History of Medieval Islam*, p. 34.
(2) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 120.

''اپنی عظمت کے دور عروج میں بھی محمد (ﷺ) اسی طرح زندگی بسر کرتے جس طرح وہ بے سروسامانی اور گمنامی کے زمانے میں بسر کرتے تھے۔ مٹی کے لیپے ہوئے گھر میں ایسی زندگی جو شان و شوکت اور نمود و نمائش سے عاری تھی۔ جس کٹیا میں رہتے اس کا موازنہ آج کے عرب اور شام کے قدیم طرز کے جھونپڑوں سے کیا جا سکتا ہے انہیں اکثر اپنے کپڑے کو آپ پیوند لگاتے دیکھا گیا۔ وہ ہمہ وقت لوگوں میں گھل مل کر رہتے تھے۔ جو کچھ قلیل سامان ان کے پاس تھا اسے وہ ریاست کی ملکیت تصور کرتے تھے۔''

متعصب عیسائی پادری ولسن کیش (W. Wilson Cash) اپنی تصنیف *The Expansion of Islam* میں لکھتا ہے:

> His life was very simple and primitive. He never assumed the garb of an eastern potentate. He was always accessible to his followers.(1)

''ان کی زندگی انتہائی سادہ اور بے تصنع تھی۔ وہ کبھی بھی مشرقی حاکم اعلیٰ کا لباس زیب تن نہ کرتے۔ ان تک ہمیشہ ان کے پیروکاروں کی رسائی رہتی تھی۔''

بودلے (R.V.C. Bodley) حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے:

> To an American or English or Japanese Muslim, Mohammed's life suggests something primitive, something in the order of an anchorite. It is as unimaginable as that of Jesus to the average Christian.(2)

''ایک امریکی، انگریز یا جاپانی مسلمان کے نزدیک محمد (ﷺ) کی زندگی میں سادگی اور گوشہ نشینی کا رنگ جھلکتا تھا یہ اتنا ہی ماورائے تصور ہے جتنا ایک اوسط درجے کے عیسائی کی نظر میں یسوع مسیح کی ذات کا تصور ابھرتا ہے۔''

مغربی اہل قلم سے چند نمایاں مصنفین کی تحریروں کے متذکرہ بالا اقتباسات اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ غیر جانبداری اور دیانت داری سے کیا جائے، چاہے مطالعہ کرنے والا کسی بھی خطے، مذہب یا نظریے سے تعلق رکھتا ہو اس کا حاصل اس کے

(1) Wilson Cash, W., *The Expansion of Islam*, p. 14.
(2) Bodley, R.V.C., *The Messenger: The Life of Mohammed*, p. 195.

سوا کچھ نہ ہو گا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اسوۂ حسنہ ہی انسانیت کے لئے ابدی نمونہ کامل ہو سکتی ہے۔اگر ہم ان تمام جہات کا احاطہ کرتے ہوئے سیرت الرسول ﷺ کا پیغام عالمِ انسانیت تک پہنچانے کی سعی کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا بھر میں سلیم الفکر رکھنے والے لوگ اِسلام کے اصل چہرے سے آشنا نہ ہوں۔

عالمی سطح پر سیرت کے مؤثر ابلاغ کے منہج کی دوسری جہت انسانیت کے لئے سیرت الرسول ﷺ کی ناگزیریت کواستدلال اور مضبوط عملی بنیادوں پر بیان کرنا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دورِ حاضر میں عالمِ انسانیت کو درپیش مسائل کا حل سیرت سے دیا جائے اور دلائل و براہین سے اس امر کو ثابت کر دیا جائے کہ سیرت الرسول ﷺ سے بہتر نمونۂ حیات نوع اِنسانی کو کبھی بھی میسر نہیں آ سکتا۔

۳۔ مطالعۂ سیرۃ الرسول ﷺ کے بنیادی اُصول

مؤثر استدلال اور مضبوط و منظّم علمی بنیادوں پر سیرت الرسول ﷺ کے فہم و ابلاغ کے لئے ضروری ہے کہ دورِ حاضر کے درپیش مسائل اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ کے ایسے اُصول طے کئے جائیں جو سیرت کے منظّم اور مربوط فہم میں معاون ثابت ہوں۔

جب سے علوم کی ترتیب و تدوین کا مرحلہ شروع ہوا تمام علوم بشمول تفسیر، حدیث اور فقہ کی ترتیب و تدوین کے لئے اہل علم نے کئی اُصول طے کئے جن کی روشنی میں ان علوم کی ثقاہت کو نہ صرف پرکھا گیا بلکہ اُنہیں منظّم و مرتب بھی کیا گیا۔لیکن سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ اور تفہیم کے لئے تاحال کوئی واضح اُصول مرتب نہیں کئے گئے۔ دورِ حاضر میں جبکہ ملتِ اِسلامیہ کی انفرادی و اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی کو سیرت کے ساتھ مربوط کرنے کی ضرورت اور تقاضے پہلے زمانے سے کہیں زیادہ بڑھ چکے ہیں، اس امر کی ضرورت ہے کہ مطالعہ سیرت کے لئے مؤثر اور جامع ضابطوں کا تعین کیا جائے۔اس ذیل میں یہاں کچھ اُصول بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ سیرت کا بطور وحدت فہم اور تفہیم

۲۔ فکر وعمل کے بحران میں سیرت سے رہنمائی

۳۔ سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کی توضیح

۴۔ عصری مسائل کے حل کے لئے سیرت کا اطلاقی مطالعہ

۵۔ سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں توازن اجتماعی کا حصول

۶۔ سیرت الرسول ﷺ کا بطور رسولِ اِنسانیت مطالعہ

۷۔ فہم کمالِ سیرت میں عقل اِنسانی کی نارسائی کا اعتراف

اب ذیل میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے:

(۱) سیرت کی بطور وحدت فہم اور تفہیم

سیرت الرسول ﷺ کا مطالعہ بطور ایک وحدت کے کیا جائے۔ یعنی سیرت کے روحانی، جمالیاتی، احکامی اور اطلاقی پہلوؤں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے نہ دیکھا جائے بلکہ اُنہیں بطور ایک وحدت کے سمجھنے اور اختیار کرنے کی سعی کی جائے۔ کیونکہ یہی وہ جامع منہج ہے جس کے ذریعے سے نہ صرف سیرت سے ہم آہنگی اور جامع تعلق پیدا ہوسکتا ہے بلکہ اس تعلق کی تاثیر عملی زندگی میں محسوس ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک بڑی نظیر غزوۂ تبوک میں صحابۂ کرام کی طرف سے پیش کی جانے والی قربانیوں کا واقعہ ہے۔ جب حضورِ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر تمام صحابہ کرام کو قربانی کی تلقین کی تو ہر ایک حسبِ استطاعت اس غزوہ میں اپنا حصہ ڈالنے لگا۔لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل اتنا بے نظیر و بے مثال تھا کہ وہ تاابد قربانی و ایثار کا استعارہ بن گیا۔اگرچہ کئی صحابۂ کرام نے سینکڑوں اور ہزاروں درہم و دینار کی شکل میں قربانی پیش کی اور ان کے مقابل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش کئے جانے والے اثاثے شاید ظاہری لحاظ سے اس مقدار و معیار کے نہ تھے لیکن حضورِ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ روحانی اور قلبی وابستگی کا اثر تھا کہ آپ نے اپنے گھر کے تمام اثاثے آپ ﷺ کی بارگاہ میں نچھاور کر دیئے۔ جس سے اس غزوہ کی تیاری میں ایمانی تاثیر کا وہ عالم پیدا ہوا جو نہ صرف خوشنودیِ پیغمبر ﷺ اور خوشنودیٔ خدا کا باعث ہوا بلکہ اس غزوہ کی فتح کا سبب بھی بنا۔ گویا انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حصولِ منزل کے لئے ظاہری اسباب کے ساتھ ساتھ نادیدہ اسباب کے حصول اور تائید میسر آنے کا واحد راستہ سیرت الرسول ﷺ کے ساتھ ایسا ہمہ گیر تعلق ہے جس میں اخلاقی، روحانی، عملی اور احکامی پہلوؤں میں سے کوئی بھی نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔

(۲) فکر و عمل کے بحران میں سیرت سے رہنمائی

فکر و عمل کے بحران کے حل کے لئے سیرت سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ دورِ حاضر میں جبکہ زندگی فکری اور عملی سطح پر کئی جہات میں ارتقاء پذیر ہے، لگے بندھے فکری اور عملی ضابطے نہ صرف یہ کہ دورِ حاضر کی فکری اور علمی ترقی کے ساتھ میل نہیں کھاتے بلکہ اس کا ساتھ دینے سے بھی قاصر ہیں۔ آج ہمیں ایک ہمہ گیر فکری تبدیلی (Paradigme shift) کی ضرورت ہے۔ اور ایک صحت مندانہ فکری تبدیلی (Paradigm shift) اسی وقت ممکن ہے جب ہم فکر و عمل کے باب میں راہنمائی براہِ راست سیرت الرسول ﷺ سے حاصل کریں۔

(۳) سیرۃ الرسول ﷺ کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کی توضیح

قرآنی تعلیمات کو سیرت الرسول ﷺ کے تناظر میں سمجھنے کی سعی کی جائے۔ سیرت الرسول ﷺ سے ہٹ کر قرآنِ حکیم کا فہم صرف تلقین اور تحکیم تک ہی محدود رہتا ہے جبکہ اس کے اطلاق اور تنفیذ کی سبیل اور راستے اسی وقت میسر آسکتے ہیں جب ہم قرآنِ حکیم کی آیات اور تعلیمات کو سیرت الرسول ﷺ میں موجود واقعات کے ساتھ مربوط کرکے سمجھنے اور ان کا فہم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ مثلاً سورۂ توبہ میں غزوۂ تبوک کا جابجا بیان ہوا ہے۔ غزوۂ تبوک کن حالات میں وقوع پذیر ہوا؟ اس موقع پر مسلمانوں کی راہ میں کیا رکاوٹیں حائل تھیں؟ اس نازک مرحلے پر اِسلام کو اندرون اور بیرون ریاست کون کون سی سازشیں درپیش تھیں اور ان سازشوں کا قلع قمع کس طرح کیا گیا؟ ان سب سوالات کے جوابات ان آیاتِ مبارکہ کو سیرت کی روشنی میں سمجھنے سے ملتے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں مخالفینِ اِسلام کی سازشوں کا ذِکر کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَکَ الاُمُوْرَ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ کٰرِهُوْنَ○[1]

’’درحقیقت وہ پہلے بھی فتنہ پردازی میں کوشاں رہے ہیں اور آپ کے کام الٹ پلٹ کرنے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوگیا اور وہ (اسے) ناپسند ہی کرتے رہے○‘‘

اس آیت میں مذکور الفاظ **وقلبوا لک الامور** ان تمام سازشوں کا احاطہ کرتے ہیں جو

---

(۱) القرآن، التوبۃ، ۹: ۴۸

اِسلام اور حضورِ نبی اکرم ﷺ کے خلاف کفار اور منافقین کی طرف سے کی گئیں۔ ان سازشوں کا قلع قمع کس طرح ہوا؟ تائیدِ ایزدی اور بصیرتِ نبوی ﷺ کس طرح پہلو بہ پہلو کام کرتے ہوئے اِسلام کو کامیابی کی طرف لے گئی! ان اُمور کا احاطہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان آیات کو ان کے مقابل موجود سیرت کے واقعات کے ساتھ مربوط کر کے سمجھا جائے۔

(۴) عصری مسائل کے حل کے لئے سیرت کا اِطلاقی مطالعہ

عصری مسائل کے حل کے لئے سیرت الرسول ﷺ کا اطلاقی مطالعہ متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس موجودہ صدیوں کے علمی ذخیرے میں فہمِ اسلام کے باب میں وافر سرمایہ موجود ہے۔ لیکن اس تمام علمی سرمائے میں اقداری ربط و ترتیب (Axiological Systematization) کا فقدان ہے۔ یعنی سیرت میں مذکور واقعات کا اپنے وقوعِ زمان و مکاں کے تناظر میں ذکر اور اس کا دورِ حاضر کے زماں و مکاں کے تناظر میں اطلاق اور ربط، یہ وہ خلا ہے جسے پُر کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم سیرت کی اصل معنویت تک رسائی نہیں پا سکتے۔ قرآن حکیم کے نزول کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر آیت کا نزول کسی نہ کسی واقعے اور کسی نہ کسی سبب کے نتیجے میں ہوتا رہا۔ وہ واقعہ اور وہ سبب ایک مخصوص زماں و مکاں کے اندر محدود تھا مگر اس کے نتیجے میں اُترنے والی آیات کی اہمیت ابدی اور لامحدود ہے۔ اس لامحدود اور محدود کے ربط (Association of Infinite & Finite) کی دریافت ہی ہمیں دورِ حاضر میں قرآنِ حکیم کی تعلیمات کی مؤثریت کی منزل پر لاسکتی ہے۔ یہ سیرت کے اطلاقی مطالعہ کی منہج کی دریافت کے بغیر ممکن نہیں۔

(۵) سیرۃ الرسول ﷺ کی روشنی میں توازنِ اِجتماعی کا حصول

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو اُمتِ وسط بنا کر بھیجا ہے۔ سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ کے ذریعے سے زندگی کے ہمہ گیر توازن کی تلاش کو ممکن بنانے کی ضرورت ہے۔ یعنی عقیدہ و عمل کا توازن، دُنیا و آخرت کا توازن، اخلاقی و مادی تقاضوں کا توازن، روحانیت و مادیت کا توازن، استدلال اور محبت کا توازن الغرض کہ زندگی کے ہر دائرے میں ایک ہمہ گیر اور قابلِ عمل توازن کی یافت ہی اُمتِ مسلمہ کو اُمت وسط کے منصب پر فائز کر سکتی ہے اور یہ صرف سیرت سے عملی اور زندہ تعلق سے ہی ممکن ہے۔

(٦) سیرۃ الرسول ﷺ کا بطور رسولِ اِنسانیت مطالعہ

سیرت الرسول ﷺ کو انسانیت کی ضرورت کے طور پر پیش کیا جائے۔ تاکہ حضورِ نبی اکرم ﷺ رسولِ اِسلام کی بجائے رسول انسانیت کے طور پر دُنیا میں متعارف ہوں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم سیرت الرسول ﷺ کو انسانی فلاح کے لئے ناگزیر سرچشمہِ ہدایت کے طور پر پیش کریں اور زندگی کے ہر شعبے میں ارتقاء کی بنیادوں کو جو فی الحقیقت تاریخی طور پر سیرت الرسول ﷺ سے ہی میسر آئی ہیں، نمایاں کریں۔ دلائل کی قوت اور براہین کی طاقت سے اس امر کو عالمِ انسانیت کے سامنے واضح کیا جائے کہ آج بھی بنی نوع اِنسان کو سیرت الرسول ﷺ سے راہنمائی کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے دورِ ظلمت سے نکلنے کے لئے سیرت الرسول ﷺ نے انسانیت کی دستگیری کی تھی۔

(٧) فہم کمالِ سیرت میں عقل اِنسانی کی نارسائی کا اعتراف

سیرت الرسول ﷺ کے بیان کے باب میں ایک انتہائی اہم اُصول ہمہ وقت فہمِ انسانی کی نارسائی کا اعتراف ہے۔ جب سیرت الرسول ﷺ کے حالات اور واقعات کو انسان کے محدود عقلی اور فکری چوکھٹے میں بند کرکے دیکھا جاتا ہے، وہیں سے عقیدہ، فکر اور عمل کے باب میں گمراہی کا دروازہ کھلتا ہے۔ لہٰذا سیرت الرسول ﷺ کی ان توضیحات اور تفصیلات کے باب میں جہاں کسی بھی علمی یا فکری لغزش کا احتمال موجود ہو انسانی فہم کی نارسائی کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے۔ اگر اس اُصول کو سیرت الرسول ﷺ کے فہم میں مستقل ضابطے کے طور پر اختیار کرلیا جائے تو سیرت الرسول ﷺ کے بے شمار واقعات ...... مثلاً أنتم أعلم بأمور دنیاکم[1] ...... کے بیان اور تفصیل و توضیح میں کبھی بھی عقیدہ، فکر یا عمل کی لغزش کا ارتکاب نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمہ وقت أیکم مثلی، إنی لست مثلکم اور لست کھیئتکم کا ضابطہ سیرت الرسول ﷺ کو سمجھنے اور بیان کرنے والے کے پیشِ نظر رہے گا۔[2]

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب وجوب الامتثال ما قاله شرعا، ۴: ۱۸۳۶، رقم: ۲۳۶۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب الوصال ومن قال لیس فی الیل، ۲: ۶۹۳، رقم: ۱۸۶۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال، ۲: ۷۷۴، رقم: ۱۱۰۲

مقدمہ سیرت الرسول ﷺ سیرت نگاری کی تاریخ میں اسی امتیاز کا حامل ہے۔ مطالعہ سیرت کے باب میں مذکورہ بالا اصولوں کے استحضار سے نہ صرف زندگی کے تمام شعبوں میں سیرت سے رہنمائی اخذ کرنے کی تفصیل بیان کی گئی ہے تاکہ سیرت الرسول ﷺ کی دور حاضر کے لئے ناگزیریت کو نمایاں کیا جا سکے۔ مقدمہ سیرت الرسول ﷺ دو جلدوں پر مشتمل ہے جن میں موضوعات کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے:

جلد اَوّل:

ابتدائیہ — مطالعہ سیرت کا منہاج

باب اَوّل: — قرآن کا جمالیاتی اُسلوب اور بیانِ سیرت

باب دُوُم: — صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل اور تشکیلِ اُسلوبِ سیرت

باب سوم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی دینی اَہمیت

باب چہارُم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی آئینی و دستوری اَہمیت

باب پنجم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی ریاستی اَہمیت

باب ششم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِنتظامی اَہمیت

باب ہفتم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی علمی و سائنسی اَہمیت

جلد دُوُم:

باب اَوّل: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی شخصیتی و رسالتی اہمیت

باب دُوُم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی ثقافتی اور تہذیبی اہمیت

باب سوُم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی تاریخی اہمیت

باب چہارم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی معاشی اہمیت

باب پنجم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت

باب ششم: — سیرۃُ الرسول ﷺ کی نظریاتی و انقلابی اہمیت

باب ہفتم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت حقوقِ اِنسانی کے تناظر میں

باب ہشتم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَقلیتوں کے حقوق کے تناظر میں

باب نہم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَمنِ عالم کے تناظر میں

مقدمہ سیرت الرسول ﷺ کے اسلوب بیان میں سیرت کو دور حاضر کی علمی وفکری ترقی اور درپیش مسائل سے مربوط کر کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی دانشوروں کی علمی کاوشوں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے تاکہ رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ صرف اہلِ ایمان اور اہل اِسلام کے لئے ہی نہیں بلکہ اہل عالم کے لئے ایک نمونہ کامل کے طور پر سامنے آسکے۔

باب اَوّل

قرآن کا جمالیاتی اُسلوب

اور

بیانِ سیرت

قرآن حکیم کی ہر آیت اور اس کی سورتوں کے نظم میں ایک خاص قسم کا حسن پایا جاتا ہے۔ یہ معنوی نغمگی اور باطنی موسیقیت، شعری اَوزان و قوافی سے مبرا ہونے کے باوُجود فراوانی کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کی سحر بیانی کافی حد تک اس کے حسن صوتی پر منحصر ہے۔ یوں تو پورے قرآن مجید میں یہ جمالیاتی پہلو ہر جگہ دکھائی دیتا ہے مگر آخری پاروں کی سورتوں میں یہ کیفیت عروج پر چلی گئی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ سب سورتیں مکی ہیں ان کے اولین سامعین کفار و مشرکین مکہ تھے ان سخت دل لوگوں کے دلوں میں خستگی اور نرمی پیدا کرنے اور انہیں اس نغمۂ لا ہوتی کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس حسین پہلو کو زیادہ اجاگر کر دیا گیا۔

اس کی چند مثالیں درج ذیل آیات ہیں جنہیں بار بار پڑھ کر ان کی صوتی نغمگی کی کیفیت پر غور کیے جانے کی ضرورت ہے:

۱۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًاo فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًاo وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًاo فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًاo فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًاo عُذْرًا اَوْ نُذْرًاo(۱)

’’نرم و خوش گوار ہواؤں کی قَسم جو پے در پے چلتی ہیںo پھر تند و تیز ہواؤں کی قَسم جو شدید جھونکوں سے چلتی ہیںo اور ان کی قَسم جو بادلوں کو ہر طرف پھیلا دیتی ہیںo پھر ان کی قَسم جو (اُنہیں) پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیںo پھر ان کی قَسم جو نصیحت لانے والی ہیںo حجت تمام کرنے یا ڈرانے کے لیےo‘‘

۲۔ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْo وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْo وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْo وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْo لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْo(۲)

’’پھر جب ستاروں کی روشنی زائل کر دی جائے گیo اور جب آسمانی کائنات میں شگاف ہو جائیں گےo اور جب پہاڑ (ریزہ ریزہ کر کے) اُڑا دیے جائیں گےo اور جب پیغمبر

---

(۱) القرآن، المرسلات، ۷۷: ۱۔۶

(۲) القرآن، المرسلات، ۷۷: ۸۔۱۲

وقتِ مقررہ پر (اپنی اپنی اُمتوں پر گواہی کے لیے) جمع کیے جائیں گےo بھلا کس دن کے لیے (ان سب اُمور کی) مدت مقرر کی گئی ہےo‘‘

۳۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًاo وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًاo وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًاo فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًاo فَالْمُدَبِّراتِ اَمْرًاo[1]

’’اُن (فرشتوں) کی قسم جو (کافروں کی جان ان کے جسموں کے ایک ایک اَنگ میں سے) نہایت سختی سے کھینچ لاتے ہیںo اور ان (فرشتوں) کی قسم جو (مومنوں کی جان کے) بند نہایت نرمی سے کھول دیتے ہیںo اور ان (فرشتوں) کی قسم جو (زمین و آسمان کے درمیان) تیزی سے تیرتے پھرتے ہیںo پھر ان (فرشتوں) کی قسم جو لپک کر (دوسروں سے) آگے بڑھ جاتے ہیںo پھر ان (فرشتوں) کی قسم جو مختلف اُمور کی تدبیر کرتے ہیںo‘‘

۴۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْo وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْo وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْo وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْo وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْo وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْo وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْo وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْo بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْo[2]

’’جب سورج لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گاo اور جب ستارے (اپنی کہکشاؤں سے) گر پڑیں گےo اور جب پہاڑ (غبار بنا کر فضا میں) چلا دیئے جائیں گےo اور جب حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوٹی پھریں گی (کوئی ان کا خبر گیر نہ ہوگا)o اور جب وحشی جانور (خوف کے مارے) جمع کر دیئے جائیں گےo جب سمندر اور دریا (سب) ابھار دیئے جائیں گےo اور جب روحیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گیo اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گاo کہ وہ کس گناہ کے باعث قتل کی گئی تھیo‘‘

۵۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْo وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْo وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْo وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْo عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْo[3]

---

(۱) القرآن، النازعٰت، ۷۹: ۱۔۵

(۲) القرآن، التکویر، ۸۱: ۱۔۹

(۳) القرآن، الانفطار، ۸۲: ۱۔۵

''جب (سب) آسمانی کرّے پھٹ جائیں گےo اور جب سیارے گر کر بکھر جائیں گےo اور جب سمندر (اور دریا) ابھر کر بہہ جائیں گےo اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گیo تو ہر شخص جان لے گا کہ کیا عمل اس نے آگے بھیجا اور (کیا) پیچھے چھوڑ آیا تھاo''

۶۔ **وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌo لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌo فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍo لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةًo فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌo فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌo وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌo وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌo وَّ زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌo اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْo وَ اِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْo وَ اِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْo وَ اِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْo فَذَكِّرْ قف اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌo لَّسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍo**(۱)

''(اس کے برعکس) اس دن بہت سے چہرے (حسین) بارونق اور تروتازہ ہوں گےo اپنی (نیک) کاوشوں کے باعث خوش وخرم ہوں گےo عالیشان جنت میں (قیام پذیر) ہوں گےo اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گےo اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گےo اس میں اونچے (بچھے ہوئے) تخت ہوں گےo اور جام (بڑے قرینے سے) رکھے ہوئے ہوں گےo اور غالیچے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گےo اور نرم و نفیس قالین اور مسندیں بچھی ہوں گیo کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح (عجیب ساخت پر) بنایا گیا ہےo اور آسمان کی طرف (نگاہ نہیں کرتے) کہ وہ کیسے (عظیم وسعتوں کے ساتھ) اٹھایا گیا ہےo اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح (زمین سے ابھار کر) کھڑے کیے گئے ہیںo اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح (گولائی کے باوجود) بچھائی گئی ہےo پس آپ نصیحت فرماتے رہیے آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیںo''

۷۔ **وَالْفَجْرِo وَلَیَالٍ عَشْرٍo وَّ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِo وَ الَّیْلِ اِذَا یَسْرِo هَلْ فِیْ ذَالِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍo**(۲)

---

(۱) القرآن، الغاشیه، ۸۸: ۸۔۲۲

(۲) القرآن، الفجر، ۸۹: ۱۔۵

’’اُس صبح کی قسم (جس سے ظلمتِ شب چھٹ گئی)o اور دس (مبارک) راتوں کی قسمo اور جفت کی قسمo اور طاق کی قسم اور رات کی قسم جب گزر چلےo بیشک ان میں عقلمند کے لیے بڑی قسم ہےo‘‘

۸۔ وَ الشَّمۡسِ وَضُحٰهَاo وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَاo وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَاo وَ الَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَاo وَ السَّمَآءِ وَمَا بَنٰـهَاo وَ الۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَاo وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰهَاo فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰهَاo قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَاo وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَاo[1]

’’سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی قسمo اور چاند کی قسم جب وہ سورج کی پیروی کرے (یعنی اس کی روشنی سے چمکے)o اور دن کی قسم جب وہ سورج کو ظاہر کرے (یعنی اسے روشن دکھائے)oاور رات کی قسم جب وہ سورج کو (زمین کی ایک سمت سے) ڈھانپ لےo اور آسمان کی قسم اور اس (قوت) کی قسم جس نے اسے (اِذنِ الٰہی سے ایک وسیع کائنات کی شکل میں) تعمیر کیاo اور زمین کی قسم اور اس (قوت) کی قسم جو اسے (اَمرِ الٰہی سے سورج سے کھینچ دور) لے گئیo اور انسانی جان کی قسم اور اسے ہمہ پہلو توازن و درستگی دینے والے کی قسمo پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھا دیo بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشوونما کی)oاور بیشک وہ شخص نامراد ہوگیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)o‘‘

۹۔ اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَاo وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَاo وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَالَهَاo يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَاo بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَاo[2]

’’جب زمین اپنے سخت بھونچال سے بڑی شدت کے ساتھ تھرتھرائی جائیگیo اور زمین اپنے (سب) بوجھ نکال باہر پھینکے گیo اور انسان (حیران و ششدر ہوکر) کہے گا: اسے کیا ہو گیا ہےo اس دن وہ اپنے حالات خود ظاہر کر دے گیo اس لیے کہ آپ کے رب نے اس کے لیے تیز اشاروں (کی زبان) کو مسخر فرما دیا ہوگاo‘‘

---

(۱) القرآن، الشمس، ۹۱: ۱۔۱۰

(۲) القرآن، الزلزال، ۹۹: ۱۔۵

۱۰۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًاo فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًاo فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًاo فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًاo فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًاo[1]

''(میدانِ جہاد میں) تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہیںo پھر جو پتھروں پر سم مار کر چنگاڑیاں نکالتے ہیںo پھر جو صبح ہوتے ہی (دشمن پر) اچانک حملہ کر ڈالتے ہیںo پھر وہ اس (حملے والی) جگہ سے گرد و غبار اڑاتے ہیںo پھر وہ اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیںo''

مذکورہ بالا آیات میں سے ہر ایک کا اختتامی لفظ ایک خاص صوتی نغمگی پیدا کر رہا ہے۔ الفاظ کا چناؤ اور وزن، ان کا آپس میں جوڑ اور ترکیب، پھر ان میں تلفظ کی سلاست اور بہاؤ ایک عجیب موسیقیت اور موزونیت کی فضا پیدا کرتا ہے۔ ان آیات کو بار بار پڑھیں، سادگی سے پڑھیں یا ترنم سے زبان میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی اور ہر لمحہ عجیب سی حلاوت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ مستزاد یہ کہ اگر ذوقِ سلیم اور حسِ لطیف ہو تو ان آیات کے تلفظ سے ہی کسی حد تک معنی و مفہوم کی ترجمانی ہوتی نظر آتی ہے۔

۱۔ مثلاً سورۃ الناس کو بار بار پڑھیں تو ہر آیت کا آخری حرف ''س'' کثرت استعمال کے باعث سرگوشی کی فضا پیدا کر دیتا ہے، یہی سرگوشی اور وسوسہ اندازی اس سورت کا موضوع ہے۔

۲۔ اسی طرح سورۃ الملک میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ۔[2]

''گویا ابھی (شدتِ) غضب سے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی۔''

یہاں لفظ تَمَيَّزُ میں ''ی'' پر شد سے جو آواز پیدا ہو رہی ہے اس سے غیظ و غضب کی نشاندہی ہو جاتی ہے اور یہی اس کا موضوع ہے۔

۳۔ سورۃ الفجر کی یہ آیات پڑھیے اور ان کے تلفظ پر غور کیجئے:

اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّاo[3]

---

(۱) القرآن، العادیات، ۱۰۰: ۱۔۵

(۲) القرآن، الملك، ۶۷: ۸

(۳) القرآن، الفجر، ۸۹: ۲۱

’’جب زمین پاش پاش کر کے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی○‘‘

اس میں دُکَّتْ اور دَکًّا دَکًّا کے الفاظ کی تشدیدات سے جو صوتی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اس سے ٹکرانے اور پاش پاش ہونے کا تاثر ابھرتا ہے اور یہی اس کا موضوع ہے۔

۴۔ اسی طرح سورۃ الرحمٰن میں ملاحظہ فرمائیں:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ○ (۱)

’’اُسی نے دو سمندر رواں کیے جو باہم مل جاتے ہیں○‘‘

اس آیت کے تینوں الفاظ میں صوتی بہاؤ اور روانی کا سماں پایا جاتا ہے اور یہی اس کا موضوع ہے۔

فِيْهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتٰنِ○ (۲)

’’اُن دونوں میں (بھی) دو چشمے ہیں جو خوب چھلک رہے ہوں گے○‘‘

نَضَّاخَتٰنِ کا لفظ غور سے پڑھیئے، اس میں ’’ض‘‘ پر شد سے کسی چیز کے پھٹنے اور چھلکنے کا تاثر ابھرتا ہے، یہی اس کا موضوع ہے۔

۵۔ اسی طرح

مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ۔ (۳)

’’(اہلِ جنت) سبز قالینوں پر اور نادر و نفیس بچھونوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے○‘‘

کے الفاظ میں سکون کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہی منشاء کلام ہے۔

چنانچہ قرآنی آیات اپنے اندر ایک قدرتی تناسب و توازن، موزونیت و موسیقیت اور ترنم و تغنم رکھتی ہیں جس سے خاص قسم کی دلکشی اور جاذبیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ قرآن مجید کے اسلوبِ بیان کا جمالیاتی پہلو ہے جو اپنے اندر خاص قسم کی معنوی دلالت بھی رکھتا ہے مگر اس کا اِدراک کور ذوق لوگوں کو نہیں ہوسکتا، اس کے لیے ذوقِ سلیم اور وجدان کی بیداری درکار ہے۔ یہ صفت بھی قرآن ہی

---

(۱) القرآن، الرحمن، ۵۵: ۱۹

(۲) القرآن، الرحمن، ۵۵: ۶۶

(۳) القرآن، الرحمن، ۵۵: ۷۶

کا اعجاز ہے، ایسا رنگ آج تک کسی اور کلام میں نہیں دیکھا جا سکا۔

قرآنی اسلوب کے جمالیاتی پہلو اور صوتی نغمگی کے بیان اور اس سے متعلق آیاتی تمثیلات کے ذریعے ہم جس حقیقت کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ لفظی نغمگی اور جمالیاتی اُسلوب نزولِ قرآن کا ہرگز ہرگز مقصد اور منشاء نہ تھا۔ یہ واضح رہے کہ نزول قرآن کا مقصد فقط انسانیت کی رہنمائی تھی اور حضور ﷺ کی بعثت سعیدہ بھی اسی مقصد کے لیے ہوئی تھی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر قرآن کے اسلوبِ بیان میں یہ رنگ کیوں رکھا گیا؟ ہم اسے نہ تو صرف اتفاق کہہ سکتے ہیں اور نہ ادبی تصنع کا انداز، قرآن مجید اِن سب نقائص سے پاک ہے، یہ کلامِ الٰہی ہے، اس کا ایک ایک لفظ اور جملہ اور اس کی ترکیب و ترتیب کا ایک ایک پہلو اُلوہی ہے، بامقصد بھی ہے اور تصنع و تکلف سے پاک بھی۔ یہ بھی درست ہے کہ انسانی ہدایت کا اِبلاغ اس انداز کے بغیر بھی ممکن تھا مگر اس کے باوجود کلام میں اس جمالیاتی پہلو کو خوب نمایاں کیا گیا، اگر کوئی شخص اس قرآنی اہمیت اور دینی افادیت کا یہ کہہ کر انکار کرنا چاہے کہ معاذ اللہ یہ شاعری ہے یا اس حسنِ کلام کا نفسِ مقصد اور اصل مدعا سے کوئی تعلق نہیں تو یہ نہ صرف اس کی جہالت ہوگی بلکہ صریح گمراہی ہوگی کیونکہ یہ کلام الٰہی کے ایک عظیم پہلو کی اہمیت و مقصدیت کا انکار ہوگا اور قرآنی بیان کے اس پہلو کو غیر ضروری اور عبث قرار دینا شانِ اُلوہیت کی تنقیص ہے۔

سو معلوم ہوا کہ قرآنی بیان کا اصل مقصد بے شک ابلاغِ ہدایت ہے مگر ابلاغِ ہدایت کا ایک بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ انداز لفظاً و معناً ایسا مؤثر اور دل پذیر ہو کہ بات سامعین کے دل میں اتر جائے اور طبع سلیم کو اس کے سننے اور ماننے کی طرف راغب کر دے۔ مزید یہ کہ اس میں باطنی معنویت اور ظاہری جمالیت دونوں کا ایسا حسین امتزاج ہو کہ کان، دل و دماغ اور روح سب بیک وقت متاثر ہوں۔ اسی اعجاز نے قرآن مجید کے حسن سماع کو بھی لازوال بنادیا ہے۔ یہی حقیقت مضامین قرآنی اور تعلیمات اسلام میں بھی مضمر ہے اور شان نبوت و رسالت بھی ہمیشہ سے اس کی آئینہ دار رہی ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو نہ صرف علم و عمل اور اخلاق و کردار کی بے مثال عظمتوں سے نوازا بلکہ انہیں شخصی وجاہت اور حسن و جمال کے اعتبار سے بھی جملہ انسانوں پر غیر معمولی برتری بخشی۔ گویا انہیں ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے حسن و جمال کا مرقع بنایا تاکہ طبائع ہر جہت سے ان کی طرف متوجہ ہوں، ان سے محبت کریں اور ان کی عظمت و کمال کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے انسانیت کا سارا حسن پیکرانِ نبوت میں مجتمع فرمایا اور انہیں کائنات انسانی میں حسین تر بنایا اور پھر کائنات نبوت کا سارا حسن وجودِ محمدی ﷺ میں مرکوز

فرمایا اور اسے فلکِ نبوت کا درخشاں ماہتاب بنا دیا:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں همه دارند تو تنہا داری

سو فرش تا عرش اور مکان تا لامکاں کوئی مخلوق حضور ﷺ جیسی حسین و جمیل اور عظیم پیدا نہیں کی گئی تا کہ ہر فردِ خلق ہر لحاظ سے آپ ﷺ کی دہلیزِ عظمت پر سربسجود ہو جائے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت باطنی حسن و کمال کے ساتھ ساتھ شخصی نکہت و عظمت کے اعتبار سے بھی فَوْقَ کُلِّ شَیْءٍ کا منظر پیش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے حضور ﷺ کا ذکرِ جمیل بھی ہر سہ طریق سے فرمایا ہے:

۱۔ احکام و تعلیمات کا حوالہ

۲۔ اخلاق و کردار کا حوالہ

۳۔ شخصی فضائل و کمالات کا حوالہ

احکام و تعلیمات کے ذریعے اُمت مرکزِ نبوت کے ساتھ فکری، نظری اور اعتقادی تعلق استوار کرنے کے قابل ہوتی ہے، اخلاق و کردار کے ذریعے امت مرکز نبوت کے ساتھ عملی، تبعی اور اطاعتی تعلق استوار کرتی ہے اور شخصی فضائل و کمالات کے ذریعے امت مرکز نبوت کے ساتھ قلبی، حبی اور ادبی تعلق استوار کرتی ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین و ایمان صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت سے تعلیماتی و اعتقادی اور عملی و اتباعی تعلق استوار کرنے کا نام ہے اور اسلام ہم سے فقط اسی قدر تقاضا کرتا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے حبی و عشقی تعلق اور تعظیمی و تکریمی نسبت مقصودِ ایمان اور مطلوبِ دین نہیں بلکہ یہ محض صوفیانہ، شاعرانہ یا جذباتی و تخیلاتی چیزیں اور شخصیت پرستی کی شاخیں ہیں تو ایسے لوگ حقیقتِ دین و ایمان اور روحِ تعلیماتِ اسلام کو نہیں سمجھے۔ اسی مغالطہ اور کم فہمی نے ان کے ذہنوں میں ''غلط تصورِ دین'' کو جنم دیا ہے، اسی غلط تصورِ دین کے باعث توحید و رسالت کی نسبت ان کے عقائد و نظریات میں ابہام و التباس پیدا ہو گیا ہے اور یہی التباس انہیں مقصدِ سیرت اور اسلوبِ بیانِ سیرت کے حوالہ سے تنگ نظری پر مجبور کر رہا ہے۔

بیانِ سیرتِ نبوی کے باب میں بھی دین کے دیگر مضامین کی طرح قرآن مجید ہی معیارِ اَتم ہے اور تعلیمات اسلام کے مزاج و مقتضٰی کا صحیح تعین بھی قرآن مجید کے اسلوب و بیان سے ہی ہوسکتا

ہے۔ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن احکام و تعلیمات نبوی اور اخلاق و کردارِ محمدی ﷺ کے بیان کا سب سے عظیم منبع و مصدر ہے۔ چند آیات کریمہ بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

قرآن میں بیانِ سیرت کا اَخلاقیاتی و تعلیماتی اَنداز

۱۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْلَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ط اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○[1]

''(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تندخو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں۔ بیشک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے○''

۲۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ط وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ط وَاَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○[2]

''اور (اے حبیب!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو ان (دغابازوں) میں سے ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ آپ کو بہکا دیں جبکہ وہ محض اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور آپ کا تو کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے، اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے○''

۳۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۱۳

یُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ○ (۱)

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر من جانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کا حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہریاب کرتے) ہیں، پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں گے اور انکی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○''

۴۔ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ○ (۲)

''بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول تشریف لائے، تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں○''

۵۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ○ (۳)

''اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر○''

---

(۱) القرآن، الاعراف، ۷: ۱۵۷

(۲) القرآن، التوبۃ، ۹: ۱۲۸

(۳) القرآن، الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۷

۶۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔(۱)

''فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔''

۷۔ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا○ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا○(۲)

''اے نبی (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوش خبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے○ اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)○''

۸۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○(۳)

''وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے○''

۹۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○(۴)

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزین اور اَخلاقِ الٰہیہ سے متّصف ہیں)○''

۱۰۔ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ○ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ○(۵)

---

(۱) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۲۱

(۲) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۴۵، ۴۶

(۳) القرآن، الجمعة، ۶۲: ۲

(۴) القرآن، القلم، ۶۸: ۴

(۵) القرآن، المدثر، ۷۴: ۱۔۵

''اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!)o اُٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیںo اور اپنے رب کی بڑائی (اور عظمت) بیان فرمائیںo اور اپنے (ظاہر و باطن کے) لباس (پہلے کی طرح ہمیشہ) پاک رکھیںo اور (حسبِ سابق گناہوں اور) بتوں سے الگ رہیںo''

درج بالا آیات کریمہ کے مضامین سے سیرت نبوی ﷺ کے ان پہلوؤں کا مواد ملتا ہے جن کا تعلق احکام وتعلیمات اور اخلاق و کردار کے عملی گوشوں سے ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن مجید نے سیرت رسول ﷺ کے ذکر کو صرف انہی تعلیماتی اور عملی گوشوں اور پہلوؤں تک محدود رکھا ہے یا آپ ﷺ کے شخصی محاسن و کمالات اور فضائل و شمائل کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ جب ہم اس زاویہ نگاہ سے قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا بیان سیرت فضائلی و شمائلی اور کمالاتی و جمالیاتی پہلوؤں سے بھی مملو ہے اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے تبعی، عملی اور تعلیماتی تعلق کے علاوہ حبی، ادبی اور ذاتی تعلق کی اہمیت بلکہ اس کی ایمانی ناگزیریت کو بھی خوب اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل میں درج آیات کریمہ سے لگایا جاسکتا ہے:

قرآن میں بیانِ سیرت کا حبی و تعظیمی انداز

۱۔ **قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔**(۱)

''(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اُسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے۔''

۲۔ **وَ اِذْ اَخَذَ اللهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَo**(۲)

''اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۴۴

(۲) القرآن، آل عمران، ۳: ۸۱

تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوںo''

۳۔ **وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى۔**(۱)

''اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔''

۴۔ **وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ۔**(۲)

''اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے در آنحالیکہ (اے حبیبِ مکرم) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔''

۵۔ **لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَo**(۳)

''(اے حبیبِ مکرم!) آپ کی عمر مبارک کی قسم بیشک یہ لوگ (بھی قومِ لوط کی طرح) اپنی بدمستی میں سرگرداں پھر رہے ہیںo''

۶۔ **عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًاo**(۴)

''یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اولین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے) پر فائز فرمائے گاo''

۷۔ **لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔**(۵)

''تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا (ہرگز) نہ سمجھنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''

---

(۱) القرآن، الانفال، ۸: ۱۷

(۲) القرآن، الانفال، ۸: ۳۳

(۳) القرآن، الحجر، ۱۵: ۷۲

(۴) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۹

(۵) القرآن، النور، ۲۴: ۶۳

۸۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّھَاتُھُمْ۔[1]

’’یہ نبی (مکرّم) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ کی اَزواجِ (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔‘‘

۹۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo[2]

’’بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبی (مکرم ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کروo‘‘

۱۰۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔[3]

’’(اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔‘‘

۱۱۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَo اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ط لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌo[4]

’’اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اَعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اَعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہوo بے شک جو لوگ رسول (ﷺ) کی بارگاہ میں (اَدب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے چُن کر خالص

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۶

(۲) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۵۶

(۳) القرآن، الفتح، ۴۸: ۱۰

(۴) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۲۔۳

کرلیا ہے۔ ان ہی کے لیے بخشش ہے اور اَجرِ عظیم ہےo''

۱۲۔ **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰىo مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰىo وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىo ذُوْ مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰىo وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰىo ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىo فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰىo فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰىo مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰىo اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰىo وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىo عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰىo عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰىo اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰىo مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰىo**(۱)

''قسم ہے روشن ستارے (محمد ﷺ) کی جب وہ (چشم زدن میں شبِ معراج اوپر جا کر) نیچے اُترےo تمہیں (اپنی) صحبت سے نوازنے والے (یعنی تمہیں اپنے فیضِ صحبت سے صحابی بنانے والے رسول ﷺ) نہ (کبھی) راہ بھولے اور نہ (کبھی) راہ سے بھٹکےo اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتےo اُن کا اِرشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو اُنہیں کی جاتی ہےo ان کو بڑی قوتوں والے (رب) نے (براہِ راست) علمِ (کامل) سے نوازاo جو حسنِ مُطلَق ہے، پھر اُس (جلوۂ حُسن) نے (اپنے) ظہور کا ارادہ فرمایاo اور وہ (محمد ﷺ شبِ معراج عالمِ مکاں کے) سب سے اونچے کنارے پر تھے (یعنی عالَمِ خلق کی انتہاء پر تھے)o پھر وہ (ربّ العزّت اپنے حبیب محمد ﷺ سے) قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوگیاo پھر (جلوۂ حق اور حبیبِ مکرّم ﷺ میں صِرف) دو کمانوں کی مقدار فاصلہ رہ گیا یا (اِنتہائے قرب میں) اس سے بھی کم (ہوگیا)o پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اﷲ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائیo (اُن کے) دل نے اُس کے خلاف نہیں جانا جو (اُن کی) آنکھوں نے دیکھاo کیا تم ان سے اِس پر جھگڑتے ہو کہ جو انہوں نے دیکھاo اور بے شک انہوں نے تو اُس (جلوۂ حق) کو دوسری مرتبہ (پھر) دیکھا (اورتم ایک بار دیکھنے پر ہی جھگڑ رہے ہو)o سِدرَۃ المُنتہیٰ کے قریبo اسی کے پاس جنت الماوٰی ہےo جب نورِ حق کی تجلیّات سِدرَۃ (المُنتہیٰ) کو (بھی) ڈھانپ رہی تھیں جو کہ (اس پر) سایہ فگن تھیںo اور اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)o''

(۱) القرآن، النجم، ۵۳: ۱۔۱۷

۱۳۔وَالضُّحٰیo وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰیo مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰیo وَ لَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰیo وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰیo[1]

’’(اے حبیبِ مکرم!) قسم ہے چاشت (کی طرح آپ کے چہرۂ انور) کی (جس کی تابانی نے تاریک روحوں کو روشن کر دیا) یا قسم ہے وقتِ چاشت (کی طرح آپ کے آفتابِ رسالت کے بلند ہونے) کی (جس کے نور نے گمراہی کے اندھیروں کو اجالے سے بدل دیا) ۲۔ (اے حبیبِ مکرم) قسم ہے سیاہ رات کی (طرح آپ کی زلفِ عنبریں کی) جب وہ (آپ کے رخِ زیبا یا شانوں پر) چھا جائے یا قسم ہے رات کی (طرح آپ کے حجابِ ذات کی) جب کہ وہ (آپ کے نورِ حقیقت کو کئی پردوں میں) چھپائے ہوئے ہےo آپ کے رب نے (جب سے آپ کو منتخب فرمایا ہے) آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی (جب سے آپ کو محبوب بنایا ہے) ناراض ہوا ہےo اور بیشک (ہر) بعد کی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر (یعنی باعثِ عظمت و رفعت) ہےo اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گےo‘‘

۱۴۔اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ o وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ o الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَo وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَo[2]

’’کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم و حکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیاo اور ہم نے آپ کا (غمِ امت کا وہ) بار آپ سے اتار دیاo جو آپ کی پشت (مبارک) پر گراں ہو رہا تھاo اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت ہر جگہ) بلند فرما دیاo‘‘

۱۵۔قرآن مجید میں شہرِ دِلبر کا ذِکر (خوش تر آں شہرے کہ آنجا دِلبر اَست)

خدائے ذوالجلال نے قرآن مجید میں اس شہر کی بھی قسم کھائی ہے جس کی خاک کو حضور ﷺ کے مبارک تلوے چھونے کا شرف حاصل ہوا، ارشاد ہوتا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِo وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِo[3]

(۱) القرآن، الضحی، ۹۳: ۱۔۵

(۲) القرآن، الإنشراح، ۹۴: ۱۔۴

(۳) القرآن، البلد، ۹۰: ۱، ۲

’’میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوںo (اے حبیبِ مکرم!) اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیںo‘‘

ذاتِ خداوندی شہرِ مکہ کی قسم اس لیے کھا رہی ہے کہ وہاں حضور ﷺ کے مبارک قدم لگے ہیں۔ جس طرح ہر مکان کی عزت اس کے مکین سے ہوتی ہے اسی طرح شہرِ مکہ کو یہ عظمت و رفعت اس لیے نصیب ہوئی کہ وہاں حبیبِ ربِ دوجہاں ﷺ اقامت پذیر ہوئے۔

امام خازنؒ مذکورہ آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فکأنه عظم حرمة مکة من أجل أنه ﷺ مقیم بها۔[1]

’’پس اللہ تعالیٰ نے مکہ کی عزت و حرمت اس لیے بڑھا دی ہے کہ اس میں حضور ﷺ مقیم ہیں۔‘‘

قرآن مجید میں حضور ﷺ کے شہر جاں نواز اور اس کے گلی کوچوں کی قسم کا کھایا جانا کوئی شاعری نہیں جسے مبالغہ آرائی پر محمول کیا جا سکے بلکہ کلامِ الٰہی ہے اور اسی کی تعلیم قرآن کے ذریعے بندوں کو دی جا رہی ہے۔

مفسرین کرام نے لَا اُقۡسِمُ کے کئی معانی بیان کیے ہیں، انہیں اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

لَا اُقۡسِمُ کی پہلی تفسیر

لَا اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: محبوب! میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں تو صرف اس لیے کہ اس میں آپ مقیم ہیں۔[2]

اس مفہوم کی بنیاد اس تفسیری اصول پر ہے کہ ’’لَا‘‘ زائدہ ہے[3]

اور اس کا مفاد یہ ہے کہ:

---

(۱) خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ۴: ۳۷۹

(۲) خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ۴: ۳۷۹

(۳) ۱۔ قاضی عیاض، الشفا، ۱: ۴۳

۲۔ ملا علی قاری، شرح الشفا، ۱: ۸۵

اوّلاً: قسم کھانے والا قسم کھانے سے اپنی بے نیازی کا اظہار کر رہا ہے، یعنی اسے کیا ضرورت ہے کہ قسم کھائے، تا کہ جب قسم سے مستغنی ہونے کے باوجود وہ قسم کھائے تو اس قسم کی اہمیت مزید اجاگر ہو جائے۔ اس لیے اس کا فائدہ تاکیدِ قسم کا بھی ہے لہٰذا ''لَا'' زائدہ سے یہ حقیقت مترشح ہو رہی ہے کہ جب باری تعالیٰ قسم نہیں کھایا کرتا اور وہ یقیناً قسم کھانے سے مستغنی بھی ہے اس کے باوجود وہ اس شہر مکہ کی قسم کھا رہا ہے تو لا محالہ کوئی اتنی بڑی بات ضرور ہوگی۔

ثانیاً: بادی النظر میں یہ شہر بھی دوسرے شہروں کی طرح سنگ وخشت سے ہی تعمیر کیا گیا ہے مگر محبوب ﷺ کے وہاں سکونت اختیار کرنے سے اسے وہ عظمت و تقدس اور محبوبیت نصیب ہوگئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قسم کھائے جانے کے لائق ہوگیا ہے۔

ثالثاً: متعدد کتب سے ثابت ہے کہ حرم مکہ میں بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام مدفون ہیں صاف ظاہر ہے کہ یہ انبیاء دور دراز علاقوں سے ہزارہا میلوں کی مسافتیں طے کر کے مکہ میں محض اس لیے آئے ہوں گے کہ ان کا مدفن اس زمین پر بنے جسے نبی آخر الزمان ﷺ کی جائے ولادت اور مسکن ہونے کا شرف حاصل ہونے والا تھا، اور انہیں یہ اطلاع بلاشک و شبہ سابقہ آسمانی کتب اور صحائف سے ملی تھی کیونکہ پہلی کتابوں میں حضور ﷺ کی ولادت اور جائے ولادت کے تذکرے موجود تھے۔

ان معروضات سے صرف اس قدر وضاحت مقصود تھی کہ بے شک شہر مکہ کی عظمت میں کعبہ معظّمہ، انبیاء کرام کے مقدس مقابر، مقام ابراہیم، مطاف، حجر اسود، صفا و مروہ اور آب زمزم وغیرہ سب کو دخل ہے لیکن ان چیزوں نے شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ کی قسم کے لائق نہیں بنایا۔ ''لَا'' زائدہ کے ذریعے یہی واضح کیا گیا ہے کہ ان تمام نسبتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ قسم نہیں کھاتا بلکہ ان سب سے قطع نظر اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسم صرف اسی لیے کھا رہا ہے کہ اسے محبوب ﷺ کے قدموں سے نسبت ہوگئی ہے جس کے مقابلے میں باقی سب نسبتیں ماند پڑ گئی ہیں۔

لَا اُقْسِمُ کی دوسری تفسیر

دوسری تفسیر کی رُو سے آیہ مبارکہ میں ''لَا'' استفہام انکاری کا ہے جبکہ واؤ حالیہ ہے۔ بنا بریں لَا اُقْسِمُ کا مفہوم یہ ہوا: اے محبوب! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اس شہر کی قسم نہ کھاؤں حالانکہ تو بھی اس میں مقیم ہے؟ اس اسلوب کلام میں ایک شان استعجاب پائی جاتی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا حبیب ﷺ اس شہر مکہ میں مقیم ہو اور اللہ تعالیٰ پھر بھی یہاں کی قسم نہ کھائے۔ نہیں نہیں اللہ تعالیٰ تو یہاں کی گرد کے ذرات کی بھی قسم کھائے گا کیونکہ انہیں آپ ﷺ سے نسبت ہے۔

لَا اُقْسِمُ کی تیسری تفسیر

حَلّ اور حُلُول میں آزادی سے گھومنے پھرنے کا معنی بھی پایا جاتا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسم اس وقت کھاتا ہے جب اس کا محبوب ﷺ اس کی گلیوں میں خرام ناز کرتا ہے۔[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

أقسم اللہ سبحانہٗ بمكة مقيدا بحلوله إظهار لمزيد فضائلها۔[2]

''یہ جملہ مقسم بہ کے ساتھ بطور حال واقع ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی قسم حضور ﷺ کے چلنے پھرنے کی حالت اور شرط کے ساتھ کھائی ہے۔''

لَا اُقْسِمُ کی چوتھی تفسیر

قاضی عیاضؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'الشفا (۱: ۴۳)' میں امام مکیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے جس کی رو سے یہاں ''لا نافیہ'' ہے، اور مفہوم آیت ہے: اے حبیب! میں اس شہر مکہ کی قسم نہیں کھاؤں گا جب آپ ﷺ اس شہر سے رخصت ہو جائیں گے یعنی اس شہر کی قسم صرف اس وقت تک ہے جب تک آپ ﷺ یہاں قیام پذیر ہیں۔ یہاں حِلٌّ م بِهٰذَا الْبَلَدِ کا معنی اس شہر مکہ سے چلے جانے کا ہے۔[3]

ایک اور مقام پر قرآن مجید اس شہرِ دل نواز کی قسم یوں کھاتا ہے:

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○[4]

''اور اِس اَمن والے شہر (مکہ) کی قسم ○''

---

(۱) ۱۔ قاضی عیاض، الشفا، ۱: ۴۴
۲۔ ملا علی قاری، شرح الشفا، ۱: ۸۶
(۲) ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر المظہری، ۱۰: ۲۶۴
(۳) ملا علی قاری، شرح الشفا، ۱: ۸۵
(۴) القرآن، التین، ۹۵: ۳

ابن عطاء نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

أمنها اللہ تعالی بمقامة فیها و کونه بها، فإن کونه أمان حیث کان۔[1]

’’اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے وہاں رہنے اور آپ ﷺ ہی کی وجہ سے اسے جائے امن بنایا ہے کیونکہ آپ ﷺ جہاں کہیں بھی ہوں آپ ﷺ کا ہونا امن ہے۔‘‘

شہر کی بات تو الگ رہی ذاتِ حق ان حجروں کا ذکر بھی کمال شان محبت سے کرتی ہے، جن میں اس کا محبوب اقامت پذیر ہے۔ قرآن مجید نے ان ناسمجھ لوگوں کو جو اپنے کام سے آتے اور حضور ﷺ کو حجروں سے باہر آوازیں دے کر آپ ﷺ کے آرام میں خلل ڈالتے، آدابِ بارگاہ نبوت سکھانے کے لیے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ○[2]

’’بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (آپ کے بلند مقام و مرتبہ اور آدابِ تعظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے○‘‘

حضور ﷺ اخلاقِ حسنہ کے جس مقام پر تھے، اس کے باعث آپ ﷺ ان لوگوں سے بھی درگزر، تحمل اور بردباری سے پیش آتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ طرزِ عمل جو اس کے حبیب ﷺ کے لیے سوئے ادب اور بے آرامی کا باعث تھا کب گوارا ہوسکتا تھا، لہٰذا ان ناسمجھ لوگوں کو واشگاف الفاظ میں تنبیہہ کر دی گئی۔

قرآن مجید میں حضور ﷺ کے اَلقاب ہائے دِل نواز

یہ بات بطور خاص قابلِ ذکر ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ کو نام لے کر نہیں پکارا گیا، جب کہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ناموں سے پکارا جاتا رہا، مثلاً:

۱۔ **یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ۔**[3]

---

(۱) ۱۔ قاضی عیاض، الشفا، ۱: ۴۴

۲۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۱: ۸۶

(۲) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۴

(۳) القرآن، البقرۃ، ۲: ۳۳

''اے آدم! (اب تم) انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کرو۔''

۲۔ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ۔[(۱)]

''اے نوح! ہمارے طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اتر جاؤ۔''

۳۔ یٰزَكَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی۔[(۲)]

''(ارشاد ہوا:) اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوش خبری سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔''

۴۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔[(۳)]

''(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے یحییٰ! (کارِ نبوت کو مضبوطی سے سنبھالو اور جو کتاب بھی نازل ہو چکی ہے اس) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔''

۵۔ یٰمُوْسٰٓى اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِی وَ بِكَلَامِیْ۔[(۴)]

''اے موسیٰ! بے شک میں نے تمہیں لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ذریعے برگزیدہ و منتخب فرما لیا۔''

۶۔ یٰعِیْسٰٓى اِنِّی مُتَوَفِّیْكَ۔[(۵)]

''اے عیسیٰ! بے شک میں تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں۔''

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کو مخاطب فرماتے ہوئے باری تعالیٰ نے ہمیشہ آپ ﷺ کو محبتاً اور تشریفاً القابات اور خطابات سے یاد فرمایا ہے، مثلاً:

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔[(۶)]

''اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے۔''

---

(۱) القرآن، ہود، ۱۱: ۴۸

(۲) القرآن، مریم، ۱۹: ۷

(۳) القرآن، مریم، ۱۹: ۱۲

(۴) القرآن، الأعراف، ۷: ۱۴۴

(۵) القرآن، آل عمران، ۳: ۵۵

(۶) القرآن، المائدۃ، ۵: ۶۷

۲۔ طٰهٰo مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓیo[1]

’’طا۔ ہاo (اے میرے محبوب!) ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ محنت شاقہ میں پڑ جائیںo‘‘

۳۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًاo[2]

’’اے نبی (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوش خبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo‘‘

۴۔ یٰسٓo وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِo اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَo[3]

’’یا سین (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)o حکمت سے معمور قرآن کی قسمo بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیںo‘‘

۵۔ یٰٓاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُo قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًاo[4]

’’اے کملی کی جھرمٹ والے(حبیب!)o آپ رات کو (نماز میں) قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر (کے لیے)o‘‘

۶۔ یٰٓاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُo قُمۡ فَاَنۡذِرۡo[5]

’’اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!)o اُٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیںo‘‘

اِن خطابات میں کس قدر محبت کی حلاوت ہے اور ان میں یہ تعلیم بھی ہے کہ افرادِ اُمت اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جب خدا کی ذات خالق ہو کر اپنے حبیب ﷺ کو خالی نام سے بلانا گوارا نہیں کرتی اور حضور ﷺ کو پیار بھرے القاب سے نوازتی ہے تو ان کے لیے بدرجۂ

(۱) القرآن، طه، ۲۰: ۱۔۲

(۲) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۴۵

(۳) القرآن، یٰسین، ۳۶: ۱۔۳

(۴) القرآن، المزمل، ۷۳: ۱، ۲

(۵) القرآن، المدثر، ۷۴: ۱، ۲

اَتم لازم ٹھہرتا ہے کہ وہ اس بارگاہِ گیتی پناہ میں کبھی بھی محبت اور ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے پائیں اور اس بارگاہِ عالی مرتبت میں ان کا سر ہمیشہ تعظیم سے جھکا رہے۔

حضور ﷺ سے ذاتی و حُبّی تعلق، تعلیماتی تعلق پر مقدّم ہے

۱۔ قرآن مجید نے حضور نبیٔ اکرم ﷺ سے تعلق کی چار بنیادوں کا یوں ذکر فرمایا ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○[1]

’’پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○‘‘

اس آیتِ کریمہ میں تعلق بالرسول ﷺ کی درج ذیل چار بنیادیں اور ان کی قرآنی ترتیب ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ایمان بالرسول ﷺ
۲۔ تعظیم رسول ﷺ
۳۔ نصرت رسول ﷺ
۴۔ اتباعِ رسول ﷺ

تعلق کی پہلی دو جہتوں (ایمان اور تعظیم) میں مرکز و محور حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جبکہ تعلق کی نوعیت ذاتی، حبی اور ادبی ہے، جبکہ دوسری دو جہتوں (نصرت و اتباع) میں مرکز و محور حضور ﷺ کا دین اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں اور تعلق کی نوعیت تعلیماتی، عملی اور اتباعی ہے۔ قرآن مجید نے چار جہات تعلق کو ایک خاص ترتیب سے بیان کرکے یہ واضح فرما دیا ہے کہ اسلام میں اوّلاً حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی سے محبت وادب اور اعتماد و اعتقاد کا تعلق استوار ہوتا ہے اور بعد میں نتیجتاً آپ ﷺ کے دین اور تعلیمات سے عمل و اطاعت اور اتباع و نصرت کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے خود اس امر کی تصریح بھی فرما دی ہے۔

---

(۱) القرآن، الأعراف، ۷: ۱۵۷

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يؤمِن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين۔(۱)

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا جب تک میری ذات اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور دُنیا کے تمام انسانوں سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔‘‘

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يؤمن عبد – وفي حديث عبد الوارث: الرجل – حتى أكون أحب إليه من أهله وماله والناس أجمعين۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان، ۱: ۱۴، رقم: ۱۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ أكثر من الأهل، ۱: ۶۷، رقم: ۴۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب في الإيمان، ۱: ۲۶، رقم: ۶۷

۴۔ نسائی، السنن، كتاب الإيمان و شرائعه، باب علامة الإيمان، ۸: ۸۳، رقم: ۵۰۱۳

۵۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۶: ۵۳۴، رقم: ۱۱۷۴۴

۶۔ دارمی، السنن، كتاب الرقاق، باب: لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ۲: ۳۹۷، رقم: ۲۷۴۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ أكثر من الأهل، ۱: ۶۷، رقم: ۴۴

۲۔ نسائی، السنن، كتاب الإيمان وشرائعه، باب علامة الإيمان، ۸: ۸۳، رقم: ۵۰۱۴

۳۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۶: ۵۳۴، رقم: ۱۱۷۴۵

۴۔ أبويعلیٰ، المسند، ۷: ۸، رقم: ۳۸۹۵

۵۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۲: ۱۲۹، رقم: ۱۳۷۵

''کوئی شخص، اور عبدالوارث سے مروی حدیث میں ہے: کوئی آدمی، اس وقت تک ہرگز صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک میری ذات اس کے نزدیک اس کے اہل وعیال، مال اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔''

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فو الذی نفسی بیده! لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده۔[1]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ہرگز صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک میری ذات اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔''

۴۔ حضرت زہرہ بن معبد اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

واللہ! لأنت یا رسول اللہ! لأنت أحب إلیّ من کل شیٔ إلا نفسی۔

''یا رسول اللہ! بخدا آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیده! لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من نفسه۔

''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اُس

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الإیمان، ۱: ۱۴، رقم: ۱۴

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الإیمان وشرائعه، باب علامة الإیمان، ۸: ۸۳، رقم: ۵۰۱۵

۳۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۵۲۸، رقم: ۳۸۰۵

۴۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۳۲، رقم: ۱۳۸۳

۵۔ ابن منده، الإیمان، ۱: ۴۳۵، رقم: ۲۸۷

وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک میری ذات اُس کے نزدیک اُس کی اپنی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔‘‘

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

فأنت الآن، واللہ! أحب إلیّ من نفسی۔

’’بخدا! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔‘‘

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

الآن، یا عمر!(۱)

’’ہاں! اے عمر! (اب تمہارا ایمان مکمل ہوا ہے، تم نے پہچان لیا اور وہ کہا جو تم پر واجب تھا)۔‘‘

۵۔ حضرت زہرہ بن معبد کے دادا سے مروی مذکورہ بالا حدیث صحیح بخاری میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کنّا مع النّبیّ ﷺ وھو آخذ بید عمر بن الخطّاب، فقال لہ عمر: یا رسول اللہ! لأنت أحبّ إلیّ من کلّ شیء إلّا من نفسی. فقال النّبیّ ﷺ: لا والّذی نفسی بیدہ! حتّی أکون أحبّ إلیکَ من نفسکَ. فقال لہ عمر: فإنّہ الآن، واللہ! لأنت أحبّ إلیّ من نفسی. فقال النّبیّ ﷺ: الآن، یَا عُمَرُ۔(۲)

’’ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۳۳، ۳۳۶

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۱۸۹

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۳۰۲، ۳۴۳

۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۴۶۷، ۴۶۸

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الأیمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، ۶: ۲۴۴۵، ۲۴۴۶، رقم: ۶۲۵۷

ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں (تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا)، قسم ہے اُس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تمہیں محبوب نہ ہو جاؤں۔ (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: خدا کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب (تمہارا ایمان مکمل ہوا، تم نے پہچان لیا اور وہ کہا جو تم پر واجب تھا)۔''

۶۔ حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد ابو لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يؤمن عبد حتی أكون أحب إليه من نفسه، و أهلي أحب إليه من أهلي، وذاتي أحب إليه من ذاته۔(۱)

''کوئی شخص اُس وقت تک ہرگز صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اور میرے اہل وعیال اُس کے نزدیک اُس کے اپنے اہل وعیال سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں اور میری ذات اُس کے نزدیک اس کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔''

اِن احادیث مبارکہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے کمال درجہ محبت کا نام ایمان بتایا ہے اور اس کے فقدان کو ایمان کی نفی سے تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر قرآن مجید نے حضور نبیٔ اکرم ﷺ سے چار تعلق بیان کیے ہیں: تعلق محبت، تعلق تعظیم، تعلق نصرت اور تعلق اتباع۔ پہلے دو تعلق ذات سے خاص ہیں اور دوسرے دو تعلق تعلیمات سے۔ یہی ترتیب ایمان ہے اور اسی پر فلاح کا انحصار ہے۔ لہٰذا یہ گمان کرنا کہ دین فقط تعلیماتِ محمدی ﷺ پر عمل کرنے کا نام ہے اور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی سے قلبی وابستگی، حبی و عشقی تعلق اور تعظیم و تکریم کی نسبت کی اصل دین

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۷: ۷۵، رقم: ۶۴۱۶

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۶: ۵۹، رقم: ۵۷۹۰

۳۔ بيهقی، شعب الايمان، ۲: ۱۸۹، رقم: ۱۵۰۵

۴۔ ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۱۵۴، رقم: ۷۷۹۶

میں کوئی اہمیت نہیں فی الحقیقت اصل دین ہی کا انکار ہے اور قرآنی تعلیم سے اِنحراف ہے۔

۲۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے عالم کفر و شرک کے سامنے پہلی مرتبہ دعوت دین اور پیغام توحید رکھا تو کفار و مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے اس پر دلیل طلب کی۔ قرآن مجید گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت جواباً عقلی دلائل یا خارجی معجزات پیش نہیں فرمائے بلکہ اپنی ذات اقدس کو دلیل توحید کے طور پر دنیا کے سامنے پیش فرمایا، ارشاد ہوا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ o[1]

''بے شک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے o''

یہاں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ دعوت، دین اور توحید کی پیش کی گئی تھی مگر اس کی صداقت و حقانیت کی دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ذات اقدس اور حیات مبارکہ کو پیش فرمایا۔ یہاں دین میں اہمیت سیرت تو اجاگر ہو ہی رہی ہے مگر واقعہ کا اہم پہلو یہ ہے کہ دین اور توحید کی دلیل اول اور دلیل اتم ذات محمدی ﷺ کو قرار دیا جا رہا ہے۔ عقلی و نظری، فکری و عملی اور تاریخی و تعلیماتی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ کیا یہ قرآنی انداز (معاذ اللہ) شخصیت پرستی کا راستہ تو نہیں دکھا رہا؟ ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ذات و سیرت محمدی ﷺ کی فضیلت و کمال اور عظمت و اہمیت کو اجاگر کرنے سے توحید کا اثبات اور دین کا تحقق ہو رہا ہے۔ مضمون دلیل یہ تھا کہ اگر تمہیں میری ذات پر اعتماد ہے تو میری تعلیمات پر بھی اعتماد کر لو، اگر میرا وجود اور زندگی ہر نقص و عیب سے پاک ہے تو دعویٰ توحید کو بھی حق مان لو۔ جب لوگوں نے حضور ﷺ کی ذات گرامی کو، اس ۴۰ سالہ زندگی کی بنا پر جو انہوں نے اعلان نبوت سے پہلے دیکھی تھی، قبول کر لیا اور اس سے تعلق اعتماد و اعتقاد استوار کر لیا (یہ خالصتاً ذاتی حوالہ تھا جسے پہلے تسلیم کروایا گیا) پھر نتیجہ یہ نکلا کہ جو کچھ حضور ﷺ بتاتے اور فرماتے گئے وہ اسے مانتے چلے گئے، یہی ان کا دین ہوا اور یہی ایمان۔ گویا دعوت توحید اور نبوت و رسالت سب کچھ حضور ﷺ کی ذاتی ثقاہت (personal credibility) کی بنیاد پر قبول کروائی گئی۔ اس قرآنی استدلال سے یہ حقیقت اَظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ دین میں اولیں تعلق حضور ﷺ کی ذات اقدس سے مطلوب ہے، بعدازاں تعلیمات مقدسہ سے تعلق استوار ہوتا ہے۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی فضیلت اور دینی کردار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

---

(۱) القرآن، یونس، ۱۰: ۱۶

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا۔(۱)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔''

۱۔ ''محمد ﷺ'' حضور نبی اکرم ﷺ کا ذاتی نام ہے جبکہ

۲۔ ''رسول اللہ'' آپ ﷺ کا نبوی منصب ہے، اور

۳۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اپنے دینی کردار کا حوالہ بعد میں ہے۔

۴۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ...... یہ کفر کے خلاف دینی غیرت وحمیت کی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ...... یہ مومنانہ اخلاق حسنہ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ رُكَّعًا سُجَّدًا ...... یہ بارگاہ الٰہی میں عبادت گزاری کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ...... یہ طاعات وعبادات میں اخلاص وللّٰہیت کی طرف اشارہ ہے۔

غور طلب پہلو یہ ہے طاعت وعبادت الٰہی، اخلاص وللّٰہیت، اخلاق حسنہ اور جہاد اسلامی ایسے تمام ایمانی محاسن اور دینی فضائل کا ذکر موخر کیا گیا ہے بلکہ انہیں اصل پہچان قرار نہیں دیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصل پہچان اور علامت وفضیلت وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کہہ کر حضور ﷺ سے نسبت وتعلق کو قرار دیا گیا ہے۔یعنی وہ جماعت اپنے تقویٰ و طاعت، عبادت و ریاضت اور اخلاق و جہاد جیسے خصائل کے باعث ''صحابہ'' بنے نہ ان خوبیوں کی وجہ سے انہیں بعد از انبیاء تمام طبقات انسانی پر فضیلت وفوقیت ملی ہے۔ ان کا اصل امتیاز فقط ''معیت محمدی ﷺ'' ہے۔ یہ ان کا ذاتی تعلق تھا جو بہرصورت تعلیماتی وعملی تعلق پر فائق تھا کیونکہ تعلیماتی، عملی اور اتباعی تعلق تو امت کے دیگر صالح طبقات کو بھی میسر ہے۔ تمام غوث، قطب، ابدال، ائمہ ومجتہدین، مجددین، علماء اور جملہ اولیاء وصالحین حضور ﷺ سے پیروی اور اتباع کے رشتے میں تو منسلک ہیں مگر جو ذاتی قربت وصحبت اور تعلق

(۱) القرآن، الفتح، ۴۸: ۲۹

معیت کا شرف صحابہ کرام ﷺ کو ملا تھا وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ وہی ذاتی تعلق کائنات انسانی میں ان کے شرف و امتیاز کا باعث بن گیا۔

۴۔ عہد رسالت مآب ﷺ کے وہ یہود جو بعد ازاں ''منافقین'' کہلائے بنیادی طور پر وحی اور اس کی تعلیمات کے قائل تھے۔ ان کے مطلقاً انکاری نہ تھے۔ توحید پر بھی عقیدہ رکھتے تھے حضور ﷺ کی اخلاقی و عملی برتری اور عظمت کا بھی اقرار کرتے تھے حتیٰ کہ اب بہت سے معتدل مزاج عیسائی اور دیگر غیر مسلم مصنفین بھی ان خوبیوں کا اقرار کرنے لگ گئے ہیں اور ان میں کئی تو ایسے بھی ہی ہیں کہ آپ ﷺ کو نبی اور رسول اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب بھی مانتے ہیں، آخرت اور ملائکہ پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں مگر حضور ﷺ کی ذات اقدس سے ''ایمانی ربط'' قائم کرنے پر تیار نہیں، سو وہ تمام اقرار و اعتراف کے باوجود ایمان سے محروم ہیں کیونکہ توحید، رسالت اور آخرت حتیٰ کہ تمام اسلامی معتقدات موجود ہوں مگر بواسطہ رسالت محمدی ﷺ نہ ہوں تو اس ربط کے فقدان سے سب کچھ مردود ہوگا گویا جب تک حضور ﷺ کی ذات اقدس سے ایمانی ربط نہ ہو انسان تمام تعلیمات اسلامی کو مان کر بھی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اسلام و ایمان کا راستہ ہی ''نسبت محمدی ﷺ'' کے دروازے سے نکلتا ہے اور اس نسبت محمدی ﷺ میں پھر ربط ذات مقدم ہے اور ربط تعلیمات مؤخر۔

۵۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ادب بارگہ رسالت اور عمل و عبادت کے باہمی تعلق و تناسب کو ایک خاص حوالے سے یوں واضح کیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○[1]

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اَعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اَعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو○''

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا ذکر ہے:

ا۔ بارگاہ نبوت میں آواز بلند کرنے یا عامیانہ طریقے سے بلانے کی حد تک معمولی سی بے ادبی بھی

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۲

ممنوع ہے۔

۲۔ اس معمولی بے ادبی سے بھی زندگی کے تمام اعمال صالحہ وعبادات غارت ہو جائیں گی۔

۳۔ انسان کو اپنے ایمان وعمل کی اس بربادی کا شعور بھی نہیں ہونے پائے گا۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ ایک طرف زندگی بھر کے اعمال وعبادات ہیں اور دوسری طرف بارگاہ نبوت میں معمولی سی بے ادبی۔ واضح رہے کہ اعمال وعبادات، دین کا تعلیماتی وعملی پہلو ہیں اور تکریم بارگاہ رسالت، ذات محمدی ﷺ سے تعلق کا حبی و ادبی پہلو ہے۔ اگر (معاذ اللہ) ایک بار بارگاہ رسالت میں معمولی سی بے ادبی ہو جائے تو اعمال وعبادات میں سے دس، بیس، پچاس فیصد حصہ تباہ نہیں ہوتا بلکہ زندگی بھر کے تمام اعمال، فرائض و واجبات، سنن اور نوافل سو فیصد تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

بے ادبی فقط ایک بار ہے جبکہ دیگر گناہوں کا یہ عالم ہے کہ ایک گناہ کا نتیجہ ایک گناہ ہی ہوتا ہے اور ایک نیک عمل کا نتیجہ دس گنا سے سات سو گنا تک ہوتا ہے مگر یہاں بارگاہ رسالت مآب ﷺ کی ایک بے ادبی، ایک گناہ نہیں بلکہ ایمان وعمل کے لیے کلیتاً غارت گر ہے، زندگی بھر کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں بچتا، وجہ صرف یہ ہے کہ اس شخص نے ایک بار بے ادبی کر کے حضور ﷺ کی ذات اقدس سے اپنی حبی و عشقی نسبت توڑ لی اور ادبی وتکریمی تعلق کی نفی کر دی اور یوں وہ آپ ﷺ سے دور ہو گیا۔ جب حضور ﷺ کی ذات اقدس سے اس کا قلبی وحبی رشتہ نہ رہا تو آپ ﷺ کی تعلیمات سے عملی رشتے کی بھی کوئی اہمیت وحیثیت باقی نہ رہی۔ ان تمام دلائل قرآنی کا مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ ''سیرت'' ...... جو فی الحقیقت ذکر رسول ﷺ ہی کا ایک وسیع عنوان ہے ...... کا انداز و اسلوب کیا ہونا چاہئے۔ کیا فقط حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے فکری وعملی اور تعلیماتی ونظریاتی گوشوں کو اجاگر کرنے سے بیان سیرت کا حق ادا ہو جائے گا جیسا کہ عصر حاضر کے بعض ''روشن خیال'' سیرت نگاروں اور اسلامی زعماء ومفکرین کا موقف ہے۔

ہماری رائے میں اس بیان سیرت سے مقصود کا نصف آخر پورا ہوتا ہے، نصف اول ترک ہو جاتا ہے۔ مقصود سیرت کا نصف آخر حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے تعلیماتی ونظریاتی اور اخلاقی وعملی پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور ان کا حسن صداقت وحقانیت ذہنوں میں راسخ کرنا ہے مگر یہ سب کچھ کر لینے کے باوجود حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذات اقدس سے عشق ومحبت کا وہ والہانہ پن اور قلبی و روحی تعلق کی وہ وارفتگی جس سے آنکھیں نمناک اور دل غمناک ہوں پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی

اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے تعلق میں وہ جذباتی شیفتگی اور انداز جنوں جو زندگی کو آپ ﷺ کے ہجر کی تڑپ اور طلب وصال کی لذت سے آشنا کر دے اور جس سے مسلمان کو حضور رسالت مآب ﷺ میں رسائی و قرب اور آخرت میں آپ کا سایہ شفاعت نصیب ہو اور جس سے نشہ و مستی میں مسلمان کفر و طاغوت سے ٹکرا جائے اور موت کو زندگی پر ترجیح دینے کے لیے تیار ہو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ تعلق ہے جسے علامہ محمد اقبالؒ نے اِن اَلفاظ میں اللہ تعالیٰ سے طلب کیا ہے:

عطا اَسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لَایَحْزَنُوْن کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر[1]

(۱) اِقبال، بال جبریل: ۳۷۹

باب دُوُم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

اور

تشکیلِ اُسلوبِ سیرت
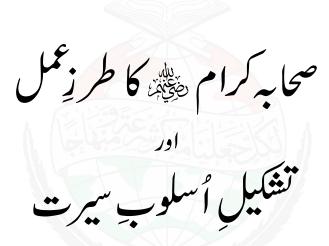
اِس میں کوئی شک نہیں کہ بیانِ سیرت و اُسلوب ایسا ہونا چاہیے جس سے اِسلام کی فکری و عملی رہنمائی اور دین کی عظیم تعلیمات کے عملی نمونے میسر آئیں، سیرتِ طیبہ کے نظری اور علمی گوشے آشکار ہوں تاکہ بے یقینی اور تشکیک کی کیفیت میں مبتلا ذہنوں کو سکون و اِطمینان نصیب ہو، دُشمنانِ اِسلام کے اِعتراضات کا ردِّ بلیغ ہو اور اِسلام کی صداقت و حقانیت اور عظمت و دوامیت کا اِثبات ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا اُسلوب بیانِ خصائص و شمائل، فضائل و کمالات اور جمالیات کی کیفیات کے ذریعے ایمانی لذت، حُبّی چاشنی، روحانی کیف و سرور اور وجدانی ذوق و شوق سے بھی مملو و معمور ہو تاکہ حضور نبیِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے عشق و محبت اور ادب و تعظیم ایسا والہانہ تعلق پیدا ہو کہ آپ ﷺ کی محبوب ہستی جانِ جاں بن کر دل و روح کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر جائے، آپ ﷺ کا رُخِ زیبا جمالِ جہاں آرا بن کر مشتاق نگاہوں میں بس جائے، آپ ﷺ کی یاد بوئے گل بن کر گلشنِ حیات میں مہک اُٹھے، آپ ﷺ کا وِصال طلب و مراد بن کر اُفقِ تمنّا پر جگمگاتا رہے، آپ ﷺ کا ہجر سوزِ حیات بن کر دلِ تار تار کو تڑپاتا رہے اور آتشِ عشقِ رسول کی حدت سے نالہ ہائے نارسا آہ رسا میں بدلتے رہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی وہ کیفیاتِ عشق تھیں جن کے باعث وہ آسمانِ ایمان کی انتہائی بلندیوں پر ستاروں کی طرح چمکتے تھے، جیسا کہ شیخ عبداللہ سراج شامی نے بیان کیا ہے:

شغفهم به ﷺ و تعشُّقُهم إياه، فلا صبر لهم، إذا لم يشهدوا محياهم، فإذا شاهدوا رسول الله ﷺ قرّت أعينهم، و طابت نفوسهم، و انشرحت صدورهم۔[1]

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ اتنا گہرا لگاؤ اور محبت و عشق تھا کہ بن دیکھے اُنہیں چین نہیں آتا تھا اور جب ایک مرتبہ دیکھ لیتے تو آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں، دل باغ باغ ہو جاتے اور سینوں کو اِنقباض کی کیفیت سے نجات حاصل ہو جاتی۔''

کتبِ احادیث و سیر میں اس قسم کے متعدد واقعات کا ذکر ہے جو انفرادی و اجتماعی طور پر

---

(۱) شامی، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ: ۴۰۶

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آئے۔ وہ اِس اَمر کی غمازی کرتے ہیں کہ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ آپ ﷺ کے دیدار سے زندگی پاتے تھے اور انہیں محبوب ﷺ کی ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے سے اِقبالؔ کی زبان میں یوں ہم نوا ہوتے تھے:

بیا اے ہمنشیں باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شانِ جمالیم(۱)

(میرے ساتھی: آ! مل کر روئیں، میں اور تُو ایک ہی شانِ حسن و جمال کے کشتہ ہیں۔)

ان مشتاقانِ دید کے دل میں ہر لمحہ یہ تمنا دھڑکتی رہتی تھی کہ ان کا محبوب ﷺ کبھی بھی ان سے جدا نہ ہو اور وہ صبح و شام اس محبوب ﷺ کی زیارت سے اپنے قلوب و اذہان کو راحت و سکون بہم پہنچاتے رہیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ربِ کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو سیرت وصورت میں ایسا یکتا وتنہا اور بے مثال بنایا تھا کہ کائناتِ رنگ و بو میں کوئی دوسرا اس کا ہم سر نہ تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اَوّل تا آخر محبوبِ خدا ﷺ سے والہانہ محبت کرتے تھے اور اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ نہ انہیں اپنی جان کی پرواتھی، نہ مال واولاد کی۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کو عزیز جانتے تھے۔ انہوں نے جس والہانہ عشق و محبت کا مظاہرہ کیا انسانی تاریخ آج تک اس کی نظیر پیش کرسکی اور نہ قیامت تک اس بے مثال محبت کے مظاہر دیکھنے ممکن ہوں گے۔

ذیل میں اِسی لازوال محبت کے چند مستند واقعات کا ذکر کیا جائے گا:

ا۔ زیارتِ رسول ﷺ باعثِ فرحتِ دِل و جاں

ا۔ حضور رِسالت مآب ﷺ اپنے مرضِ وصال میں جب مسلسل تین دن تک حجرۂ مبارک سے باہر تشریف نہ لائے تو وہ نگاہیں جو روزانہ دیدار سے مشرف ہوا کرتی تھیں، ترس کر رہ گئیں اور سراپا انتظار تھیں کہ کب ہمیں محبوب ﷺ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ بالآخر وہ مبارک ومسعود لمحہ ایک دن حالتِ نماز میں نصیب ہوگیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يُصَلِّیْ لَهُمْ فِیْ وَجَعِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الإِثْنَيْنِ، وَ هُمْ صُفُوفٌ فِی الصَّلٰوةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ ﷺ سِتْرَ

(۱) اِقبال، کلیات

الْحُجْرَةِ، يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَ هُوَ قَائِمٌ، كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَنَكَصَ أَبُوْبَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَارِجٌ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ: أَنْ أَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ وَأَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ۔[1]

''حضور ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، چنانچہ دو شنبہ کے روز لوگ صفیں بنائے نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ نے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے کھڑے جماعت دیکھنے لگے۔ اس وقت حضور ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کے اَوراق کی طرح معلوم ہوتا تھا، جماعت کو دیکھ کر آپ ﷺ مسکرائے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب أهل العلم و الفضل أحق بالإمامة، ۱:۲۴۰، رقم: ۶۴۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب هل یلتفت لأمر ینزل به، ۱: ۲۶۰، رقم: ۷۲۱

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب التهجد، باب من رجع القهقري في صلاته، ۱:۴۰۳، رقم: ۱۱۴۷

۴۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرض النبي ﷺ و وفاته، ۴: ۱۶۱۶، رقم: ۴۱۸۳

۵۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب إستخلاف الإمام إذا عرض له عذر، ۱:۳۱۵، رقم: ۴۱۹

۶۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب الموت یوم الإثنین، ۴: ۷، رقم: ۱۸۳۱

۷۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی ذکر مرض رسول الله ﷺ، ۱:۵۱۹، رقم: ۱۶۲۴،

۸۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۶۳، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۱۱

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۵۸۷، رقم: ۶۶۲۰

۱۰۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۴۰، رقم: ۸۶۷

۱۱۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۳: ۷۵، رقم: ۱۶۵۰

۱۲۔ أبو یعلی، المسند، ۶: ۲۵۰، رقم: ۳۵۴۸

آپ ﷺ کے دیدارِ پُر اَنوار کی خوشی میں قریب تھا کہ غلام نماز توڑ دیں۔ حضرت ابوبکر ﷛ کو خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں، اس لئے انہوں نے ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ کر صف میں مل جانا چاہا، لیکن حضور ﷺ نے اِشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ نماز پوری کرو۔ پھر آپ ﷺ نے پردہ گرا دیا اور اُسی روز آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔‘‘

ان پر کیف لمحات کی منظر کشی ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے:

فلما وضح لنا وجه النبي ﷺ ما نظرنا منظرا كان أعجب إلينا من وجه النبی ﷺ حين وضح لنا۔(۱)

’’جب پردہ ہٹا اور آپ ﷺ کا حسین چہرہ انور ہمارے سامنے آیا تو یہ منظر اِتنا حسین اور دلکش تھا کہ ہم نے ایسا منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔‘‘

مسلم شریف میں فهممنا أن نفتتن کی جگہ یہ اَلفاظ منقول ہیں:

فبهتنا و نحن فی الصلٰوة من فرح بخروج النبی ﷺ۔(۲)

’’آپ ﷺ کے دیدار کی خوشی میں ہم مبہوت ہو کر رہ گئے، یعنی نماز کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔‘‘

علامہ اقبال نے حالتِ نماز میں حضور ﷺ کے عاشقِ زار حضرت بلال ﷛ کے حوالے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأذان، باب: أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، ۱: ۲۴۰، رقم: ۶۴۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب إستخلاف الإمام إذا عرض له عذر، ۱: ۳۱۵، رقم: ۴۱۹

۳۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۲: ۳۷۲، رقم: ۱۴۸۸

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۱۱

۵۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۳: ۷۴، رقم: ۴۸۲۴

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب إستخلاف الإمام إذا عرض له عذر، ۱: ۳۱۵، رقم: ۴۱۹

سے دیدارِ محبوب ﷺ کے منظر کی کیا خوبصورت لفظی تصویر کشی کی ہے:

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری[1]

کم و بیش یہی حالت حضور ﷺ کے ہر صحابی رضی اللہ عنہ کی تھی۔ شارحینِ حدیث نے **فهممنا أن نفتتن من الفرح برؤية النبی** ﷺ کا معنی اپنے اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے۔

۱۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فهممنا أی قصدنا أن نفتتن بأن نخرج من الصلوة۔[2]

’’پس قریب تھا یعنی ہم نے ارادہ کر لیا کہ (دیدارِ یار کی خاطر) نماز چھوڑ دیں۔‘‘

۲۔ لامع الدراری میں ہے:

و کانوا مترصدین إلی حجرته، فلما أحسوا برفع الستر التفتوا إليه بوجوههم۔[3]

’’تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توجہ آپ ﷺ کے حجرہ مبارک کی طرف مرکوز تھی، جب انہوں نے پردے کا سرکنا محسوس کیا تو تمام نے اپنے چہرے حجرۂ انور کی طرف کر لئے۔‘‘

۳۔ مولانا وحید الزماں حیدر آبادی ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فهممنا أن نفتتن من الفرح برؤية النبی ﷺ۔[4]

’’آنحضرت ﷺ کے دیدار سے ہم کو اتنی خوشی ہوئی کہ ہم خوشی کے مارے نماز توڑنے ہی کو تھے کہ آپ ﷺ نے پردہ نیچے ڈال دیا۔‘‘

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

---

(۱) اِقبال، بانگِ درا: ۸۱

(۲) قسطلانی، ارشاد الساری، ۲: ۴۴

(۳) گنگوہی، لامع الدراری علی الجامع البخاری، ۳: ۱۵۰

(۴) وحید الزماں، ترجمۃ البخاری، ۱: ۳۴۹

فكاد الناس أن يضطربوا فأشار الناس أن اثبتوا۔[1]

''قریب تھا کہ لوگوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا، آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو۔''

شیخ ابراہیم بیجوری رحمة الله علیه صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اضطراب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقرب الناس أن يتحركوا من كمال فرحهم لظنهم شفاءه ﷺ حتى أرادوا أن يقطعوا الصلوة لإعتقادهم خروجه ﷺ ليصلي بهم، و أرادوا أن يخلوا له الطريق إلى المحراب و هاج بعضهم في بعض من شدة الفرح۔[2]

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے شفایاب ہونے کی خوشی کے خیال سے متحرک ہونے کے قریب تھے حتیٰ کہ انہوں نے نماز توڑنے کا ارادہ کر لیا اور سمجھے کہ شاید ہمارے آقا ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف لا رہے ہیں، لہٰذا انہوں نے محراب تک کا راستہ خالی کرنے کا ارادہ کیا جبکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوشی کی وجہ سے کودنے لگے۔''

امام بخاری نے باب الإلتفات في الصلوة کے تحت اور دیگر محدثین کرام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ والہانہ کیفیت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

و هَمَّ المسلمون أن يفتتنوا في صلوٰتهم، فأشار إليهم: أتموا صلاتكم۔[3]

''مسلمانوں نے نماز ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر آپ ﷺ نے انہیں نماز کو پورا کرنے کا حکم دیا۔''

---

(۱) ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱:۳۲۷، رقم: ۳۸۶

(۲) بیجوری، المواهب اللدنيه على الشمائل المحمدية: ۱۹۴

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب صفة الصلاة، باب هل يلتفت ۱:۲۶۲، رقم: ۷۲۱

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۵۸۷، رقم: ۶۶۲۰

۳۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۳:۷۵، رقم: ۱۶۵۰

۴۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲: ۲۱۷

۵۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۲۳۱

۲۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

کان رجل عند النبي ﷺ ینظر إلیه لا یطرف۔

''حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کو اس طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا کہ پلک جھپکتا نہ آنکھ دوسری طرف پھیرتا۔''

آپ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا:

ما بالک؟

''تمہارے اس طرح دیکھنے کی کیا وجہ ہے؟''

اس نے دست بستہ عرض کیا:

بأبی و أمّی! أتمتع من النظر إلیک۔(۱)

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی زیارت سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔''

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

جاء رجل إلی النبي ﷺ فقال: یا رسول اللہ، واللہ، إنک لأحب إليّ من نفسي، وإنک لأحب إلي من أهلي، وأحب إليّ من ولدي، وإني لأکون في البیت، فأذکرک فما أصبر حتی آتیک، فأنظر إلیک و إذا ذکرت موتي و موتک عرفت أنک إذا دخلت الجنة رُفعت مع النبیین، وإني إذا دخلت الجنة خشیت أن لا أراک۔ فلم یرد علیه النبي ﷺ حتی نزل جبریل بهذه الآیة: ﴿وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ﴾۔(۲)

---

(۱) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۵۶۶

۲۔ قسطلانی، المواهب اللدنیة، ۳: ۲۷۸

۳۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۴۰

۴۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنیة، ۹: ۸۲

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۱۵۳، رقم: ۴۷۷

←

''ایک صحابی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! خدا کی قسم! آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں، آپ مجھے اپنے خاندان سے زیادہ عزیز ہیں اور آپ مجھے اپنے اولاد سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ جب میں گھر پر ہوتا ہوں اور آپ کی یاد آتی ہے تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا، اس لیے میں آپ کو دیکھنے آجاتا ہوں۔ جب مجھے اپنی اور آپ کی موت یاد آتی ہے تو سوچتا ہوں کہ آپ جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اَعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے، اور میں اگر جنت میں چلا بھی گیا تو بھی آپ کو دیکھ نہ پاؤں گا۔ پس نبی اکرم ﷺ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اِطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) اُن (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) اِنعام فرمایا ہے جو کہ اَنبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔''

۴۔ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ایک انصاری صحابی بارگاہِ رِسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے:

لأنت أحب إليّ من نفسي وولدي وأهلي ومالي، و لولا أني آتيک فأراک، لظننت أني سأموت۔

''آپ مجھے اپنی جان، اولاد، اہل و عیال اور مال سے زیادہ محبوب ہیں، اور اگر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روزانہ آپ کی زیارت نہ کر پاؤں تو مجھے لگتا ہے کہ میں مر جاؤں گا۔''

۲۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۵۳، رقم: ۵۲

۳۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۷: ۷

۴۔ واحدی، أسباب النزول: ۸۶، ۸۷

۵۔ أبونعیم، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۴: ۲۴۰

۶۔ أبونعیم، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۸: ۱۲۵

۷۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۵۶۶

۸۔ قسطلانی، المواهب اللدنیة، ۳: ۲۷۷، ۲۷۸

۹۔ ملا علی قاری، شرح الشفا، ۲: ۳۹، ۴۰

یہ عرض کرنے کے بعد وہ انصاری صحابی زار و قطار رو پڑے۔ رسولِ خدا ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ عرض کرنے لگے:

ذکرت أنک ستموت ونموت، فتُرفع مع النبیین، و نحن إذا دخلنا الجنة کنا دونک۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایک دن آپ دُنیا سے تشریف لے جائیں گے اور ہم پر بھی موت آجائے گی۔ پس آپ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند درجات پر فائز ہوں گے اور ہم اگر جنت میں چلے بھی گئے تو آپ کے درجے سے کہیں دُور ہوں گے۔''

آپ ﷺ نے اس صحابی کو کوئی جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔(۱)

''اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اِطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) اُن (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) اِنعام فرمایا ہے جو کہ اَنبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔''(۲)

۵۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

جاء رجل من الأنصار إلی النبي ﷺ و هو محزون، فقال له النبي ﷺ: یا فلان، ما لي أراک محزونا؟ قال: یا نبي الله، شئ فکرت فیه۔ فقال: ما هو؟

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۶۹

(۲) ۱۔ سعید بن منصور، السنن، ۴: ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، رقم: ۶۶۱

۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۲: ۱۳۱، رقم: ۱۳۸۰

۳۔ طبرانی نے 'المعجم الکبیر (۱۲: ۶۸، رقم: ۱۲۵۵۹)' میں یہ حدیث شعبی کے طریق سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

۴۔ قسطلانی، المواهب اللدنیة، ۳: ۲۷۹

۵۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۲: ۵۸۸، ۵۸۹

۶۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنیة، ۹: ۸۴

قال: نحن نغدو عليک ونروح ننظر في وجهک ونجالسک، غداً ترفع مع النبيين فلا نصل إليک۔ فلم يرد النبي ﷺ شيئًا، فأتاه جبريل بهذه الآية: ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًا﴾، قال: فبعث إليه النبی ﷺ فبشره۔[1]

''ایک انصاری صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں غمزدہ حالت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُس سے دریافت فرمایا: اے فلاں! تم اتنے غمگین کیوں ہو؟ اس نے عرض کیا: یا نبی اللہ! مجھے آپ سے متعلق اپنی ایک فکر کھائے جا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا: ہم صبح و شام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ کے دیدارِ سے اپنے قلب و روح کو تسکین پہنچاتے ہیں، آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ کل (آخرت میں) آپ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام پر فائز ہوں گے جبکہ ہماری آپ تک رسائی نہیں ہوگی۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابی کو کوئی جواب نہ دیا۔ جب جبرئیل علیہ السلام یہ آیہ مبارکہ ...... (اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اِطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) اُن (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) اِنعام فرمایا ہے جو کہ اَنبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ بہت اچھی ساتھی ہیں ...... لے کر حاضر ہوئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اُس اَنصاری کو پیغام بھیجا اور اُسے (اِس دائمی رفاقت کی) بشارت دی۔''

۶۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ کی تفسیر میں امام بغوی لکھتے ہیں:

نزلت في ثوبان مولى رسول اللّٰه ﷺ وکان شديد الحب لرسول اللّٰه ﷺ قليل الصبر عنه، فأتاه ذات يوم قد تغير لونه يعرف الحزن في وجهه، فقال رسول اللّٰه ﷺ: ما غيّر لونک؟ فقال: يا رسول اللّٰه! ما بي مرض ولا وجع غير أني إن لم أرک استوحشت وحشة شديدة حتى ألقاک، ثم ذکرت

---

(۱) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۵: ۱۶۳

۲۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۲: ۱۸۲

الآخرة، فأخاف أن لا أراک لأنک ترفع مع النبيين، و إنی إن دخلت الجنة کنت في منزلة أدنی من منزلتک، و إن لم أدخل الجنة لا أراک أبدا۔ فنزلت هذه الآية۔(۱)

’’یہ آیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی شدید محبت رکھتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور نہ ہوتے۔ ایک روز وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے چہرے کی رنگت متغیر تھی اور اُس پر غم کے آثار نمایاں تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رنگ کیوں زرد ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی بیماری ہے نہ درد مگر یہ کہ جب میں آپ کو نہیں دیکھتا تو مجھ پر شدید وحشت طاری ہو جاتی ہے یہاں تک کہ میں آپ سے ملاقات کر لیتا ہوں (تو وحشت ختم ہو جاتی ہے)۔ پھر انہوں نے اپنی اس کیفیت کا آخرت کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے کہا: مجھے خوف ہے کہ وہاں میں آپ کی زیارت نہ کر پاؤں گا کیونکہ آپ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند درجات پر فائز ہوں گے۔ میں اگر جنت میں چلا بھی گیا تو آپ کے مقام سے کہیں نیچے میری جگہ ہوگی؛ اور اگر میں جنت میں نہ جاسکا تو پھر میں کبھی بھی آپ کو دیکھ نہ پاؤں گا۔ پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔‘‘

۷۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا:

قد علمنا أن النبي له فضل علی مَن آمن به في درجات الجنة ممن اتبعه و صدقه، فکيف لهم إذا اجتمعوا في الجنة أن يری بعضهم بعضا؟

---

(۱) ۱۔ بغوی، معالم التنزیل، ۱: ۴۵۰
۲۔ ابن عادل، اللباب فی علوم الکتاب، ۲: ۴۷۲
۳۔ واحدی، أسباب النزول: ۸۲
۴۔ قسطلانی، المواهب اللدنیة، ۳: ۲۷۸
۵۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۳۹، ۴۰
۲۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنیة، ۹: ۸۳

''(یا رسول اللہ!) ہم جانتے ہیں کہ ہر نبی کو جنت کے درجات میں اپنے اس امتی پر فضیلت حاصل ہوگی جس نے ان کی اتباع اور تصدیق کی تو پھر جنت میں معیت و رفاقت کی کیا صورت ہوگی؟''

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ نازل فرمائی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس صحابی سے ارشاد فرمایا:

إن الأعلین ینحدرون إلی من هو أسفل منهم، فیجتمعون في ریاضها، فیذکرون ما أنعم اللہ علیهم و یثنون علیه۔(۱)

''اوپر کے درجے والے اپنے سے نیچے کے درجے والوں کے پاس آئیں گے، ان کے پاس بیٹھیں گے اور اپنے اوپر ہونے والی اللہ کی نعمتوں کا ذکر کریں گے اور اس کی حمد و ثنا بیان کریں۔''

۲۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ عشق

مکہ معظّمہ میں اسلام کا پہلا تعلیمی اور تبلیغی مرکز کوہِ صفا کے دامن میں واقع دارِ اَرقم تھا، اسی میں حضور نبی اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس فرماتے۔ ابھی مسلمانوں کی تعداد ۳۹ تک پہنچی تھی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کفار کے سامنے دعوتِ اسلام اعلانیہ پیش کروں۔ آپ ﷺ کے منع فرمانے کے باوجود انہوں نے اصرار کیا تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔

و قام أبوبکر في الناس خطیباً، و رسول اللہ ﷺ جالس، فکان أول خطیب دعا إلی اللہ عزوجل وإلی رسوله ﷺ۔

''سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہوکر خطبہ دینا شروع کیا جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ پس آپ ہی وہ پہلے خطیب (داعی) تھے جنہوں نے (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف لوگوں کو بلایا۔''

(۱) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۵: ۱۶۴
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۲۲
۳۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۲: ۱۸۲

اسی بنا پر آپ کو اسلام کا ''خطیب اوّل'' کہا جاتا ہے۔ نتیجتًا کفار نے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ کو اس قدر زد و کوب کیا کہ آپ خون میں لت پت ہو گئے، انہوں نے اپنی طرف سے آپ کو جان سے مار دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، جب انہوں نے محسوس کیا کہ شاید آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے تو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کے خاندان کے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے اور آپس میں مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ ہم اس ظلم و تعدی کا ضرور بدلہ لیں گے لیکن ابھی آپ کے سانس اور جسم کا رشتہ برقرار تھا۔ آپ کے والدِ گرامی ابو قحافہ، والدہ اور آپ کا خاندان آپ کے ہوش میں آنے کے انتظار میں تھا، مگر جب ہوش آیا اور آنکھ کھولی تو آپ رضی اللہ عنہ کی زبانِ اقدس پر جاری ہونے والا پہلا جملہ یہ تھا:

ما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

تمام خاندان اس بات پر ناراض ہو کر چلا گیا کہ ہم تو اِس کی فکر میں ہیں اور اِسے کسی اور کی فکر لگی ہوئی ہے۔ آپ کی والدہ آپ کو کوئی شے کھانے یا پینے کے لئے اصرار سے کہتیں، لیکن اس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر مرتبہ یہی جواب ہوتا، کہ اس وقت تک کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر نہیں مل جاتی کہ وہ کس حال میں ہیں۔ لختِ جگر کی یہ حالتِ زار دیکھ کر آپ کی والدہ کہنے لگیں:

واللہ، ما لي علم بصاحبک۔

''خدا کی قسم! مجھے آپ کے دوست کی خبر نہیں کہ وہ کیسے ہیں؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے والدہ سے کہا کہ حضرت اُمِ جمیل بنت خطاب رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے پوچھ کر آؤ۔ آپ کی والدہ اُمِ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ماجرا بیان کیا چونکہ انہیں ابھی اپنا اسلام خفیہ رکھنے کا حکم تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوست محمد بن عبداللہ کو نہیں جانتی۔ ہاں اگر تو چاہتی ہے تو میں تیرے ساتھ تیرے بیٹے کے پاس چلتی ہوں۔ حضرت اُمِ جمیل رضی اللہ عنہا آپ کی والدہ کے ہمراہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو ان کی حالت دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور کہنے لگیں:

إني لأرجو أن ینتقم اللہ لک منھم۔

''مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اُن سے تمہارا بدلہ لے گا۔''

آپ نے فرمایا: ان باتوں کو چھوڑو، مجھے صرف یہ بتاؤ:

فما فعل برسول اللہ ﷺ ؟

''رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟''

انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا: فکر نہ کرو بلکہ بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا:

سالم صالح۔

''(آپ ﷺ) محفوظ اور خیریت سے ہیں۔''

پوچھا:

فأین ھو؟

''آپ ﷺ (اس وقت) کہاں ہیں؟''

انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ دارِ اَرقم میں ہی تشریف فرما ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

فإن اللہ عليّ أن لا أذوق طعاما ولا أشرب شرابا أو آتي رسول اللہ ﷺ۔

''اللہ کی قسم! میرے اوپر لازم ہے کہ میں اس وقت تک کھاؤں گا نہ کچھ پیوں گا جب تک میں اپنے محبوب ﷺ کو ان آنکھوں سے بخیریت نہ دیکھ لوں۔''

شمعِ مصطفوی کے اِس پروانے کو سہارا دے کر دارِ اَرقم لایا گیا۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اِس عاشقِ زار کو اپنی جانب آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر تھام لیا۔

فأکب علیه رسول اللہ ﷺ فقبله و أکب علیه المسلمون، و رقّ له رسول اللہ ﷺ رقة شدیدة۔

''پس رسولِ خدا ﷺ اپنے عاشق زار پر جھک کر اُس کے بوسے لینے لگے، تمام مسلمان بھی آپ کی طرف لپکے اور آپ کو زخمی حالت میں دیکھ کر رسولِ اکرم ﷺ پر بڑی رقت

طاری ہوئی۔‘‘

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

بأبي و أمي يا رسول الله، ليس بي بأس إلا ما نال الفاسق من وجهي۔

’’یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے اپنا (حالت کا) کچھ ملال نہیں، مجھے تو اِس بات کا صدمہ تھا کہ وہ لوگ میرے سامنے آپ کی شان میں گستاخی کر رہے تھے۔‘‘

اس کے بعد اُنہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ حاضر خدمت ہیں، ان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دولتِ ایمان سے نوازے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ دولتِ ایمان سے شرف یاب ہوگئیں۔(۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح چہرۂ نبوت کے دیدارِ فرحت آثار سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک پسند و دلبستگی کا کیا معیار تھا، اس کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارِ غار سے متعلق درج ذیل روایت سے بخوبی ہو جائے گا:

۲۔ ایک مرتبہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں پسند ہیں: خوشبو، نیک خاتون اور نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بھی تین ہی چیزیں پسند ہیں:

النظر إلی وجه رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، و إنفاق مالي علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، وأن یکون ابنتي تحت رسول الله۔(۲)

’’آپ صلی اللہ علیک وسلم کے چہرۂ اقدس کو تکتے رہنا، اللہ کا عطا کردہ مال آپ صلی اللہ

---

(۱) ۱۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، ۳: ۳۰، ۳۱
۲۔ محب طبری، الریاض النضرة فی مناقب العشرة، ۱: ۳۹۷، ۳۹۸
۳۔ دیار بکری، تاریخ الخمیس، ۱: ۲۹۴
۴۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۳۲: ۳۱۔۳۵
۵۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۳۷، ۳۸
۶۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، ۱: ۴۷۵، ۴۷۶
(۲) ابن حجر، منبهات: ۲۱، ۲۲

عليك وسلم کے قدموں پر نچھاور کرنا اور میری بیٹی کا آپ صلی اللہ علیك وسلم کے عقد میں آنا۔''

جب انسان خلوصِ نیت سے اللہ تعالیٰ سے نیک خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ ذات اپنی شانِ کریمانہ کے مطابق اُسے ضرور نوازتی ہے۔ اس اصول کے تحت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تینوں خواہشیں اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دیں۔

۳۔ آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنے نکاح میں قبول فرما لیا۔ آپ کو سفر و حضر میں رفاقتِ مصطفوی ﷺ نصیب رہی یہاں تک کہ غارِ ثور کی تنہائی میں آپ کے سوا کوئی اور زیارت سے مشرف ہونے والا نہ تھا، اور مزار میں بھی أو صلوا الحبیب إلی الحبیب کے ذریعے اپنی دائمی رفاقت عطا فرما دی۔ اسی طرح مالی قربانی اس طرح فراوانی کے ساتھ نصیب ہوئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما نفعني مال أحد قط ما نفعني مال أبي بکر۔(۱)

''مجھے جس قدر نفع ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے اتنا کسی اور کے مال نے نہیں دیا۔''

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحیح، ابواب المناقب، باب مناقب أبي بکر الصدیق، ۵:۶۰۹، رقم: ۳۶۶۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، باب فضائل الصحابه، ۱:۳۶، رقم: ۹۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۵۳

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵:۲۷۳، رقم: ۶۸۵۸

۵۔ ابن أبی شیبه، المصنف، ۶:۳۴۸، رقم: ۳۱۹۲۷

۶۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابه، ۱:۶۵، رقم: ۲۵

۷۔ هیثمی، موارد الظمان، ۱:۵۳۲، رقم: ۲۱۲۱

۸۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۴:۱۵۸

۹۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۰:۳۶۳، رقم: ۵۵۲۵

۱۰۔ محب طبری، الریاض النضره فی مناقب العشرة، ۲:۱۶

۱۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۳:۴۱۸

۱۲۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۳۰

دوسرے مقام پر مال کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحبت کا ذکر بھی فرمایا:

إن (مِن) أَمَّن الناس عليّ في صحبتهٖ و ماله أبو بكر۔(۱)

’’لوگوں میں سے مجھے اپنی رفاقت دینے اور اپنا مال خرچ کرنے کے لحاظ سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی والہانہ محبت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والد گرامی سارا دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر گھر آتے تو جدائی کے یہ چند لمحے کاٹنا بھی اُن کے لئے دشوار ہو جاتا۔ وہ ساری ساری رات ماہیٔ بے آب کی طرح بیتاب رہتے، ہجر و فراق کی وجہ سے ان کے جگرِ سوختہ سے اس طرح آہ نکلتی جیسے کوئی چیز جل رہی ہو اور یہ کیفیت اس وقت تک رہتی جب تک وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ اقدس دیکھ نہ لیتے۔

۳۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حجر اَسود کو بوسہ دینا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہی ایمان تھا اور یہی دین کہ وہ کسی بھی شے سے حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کے بغیر اپنا تعلق قائم نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج پر

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المساجد، باب الخوخة والممر في المسجد، ۱: ۱۷۷، رقم: ۴۵۴

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ابواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق، ۵:۶۰۸، رقم: ۳۶۶۰

۳۔ نسائی، السنن الكبرىٰ، ۵:۳۵، رقم: ۸۱۰۲

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۸

۵۔ نسائی، فضائل الصحابه، ۱:۳، رقم: ۲

۶۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابه، ۱:۶۱، رقم: ۲۱

۷۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۵۵۸، رقم: ۶۵۹۴

۸۔ ابن أبی شيبه، المصنف، ۶:۳۴۸، رقم: ۳۱۹۲۶

۹۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲:۲۲۷

۱۰۔ محب طبری، الرياض النضرة فی مناقب العشرة، ۲: ۱۲

آئے، طواف کیا اور حجرِ اسود کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس سے فرمانے لگے:

إني أعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت النبيّ ﷺ يقبلک ما قبلتک۔[1]

’’میں جانتا ہوں بیشک تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الحج، باب ما ذکر في الحجر الأسود، ۲:۵۷۹، رقم: ۱۵۲۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الحج، باب إستحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف، ۲:۹۲۵، رقم: ۱۲۷۰

۳۔ ابن ماجة، السنن، کتاب المناسك، باب إستلام الحجر، ۲:۹۸۱، رقم: ۲۹۴۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰۰، رقم: ۳۹۱۸

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۴۶، رقم: ۳۲۵

۶۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵:۷۲، رقم: ۹۰۳۵

۷۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۳:۳۴۲، رقم: ۱۴۷۵۳

۸۔ بيهقی، السنن الکبریٰ، ۵:۸۲، رقم: ۹۰۵۹

۹۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۳:۲۴۳، رقم: ۳۰۴۲

۱۰۔ بزار، المسند، ۱:۴۷۸، رقم: ۳۴۱

۱۱۔ حميدي، المسند، ۱:۷، رقم: ۹

۱۲۔ طبراني، مسند الشاميين، ۲:۳۹۵، رقم: ۱۵۶۷

۱۳۔ أبويعلی، المسند، ۱:۱۶۹، رقم: ۱۸۹

۱۴۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۳:۴۵۰، رقم: ۴۰۳۸

۱۵۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۲۲:۲۵۶

۱۶۔ قاضی عياض، الشفاء، ۲:۵۵۸

۱۷۔ زرقانی، شرح علی الموطا، ۲:۴۰۸

یہ کلمات ادا کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حجرِ اَسود کو بوسہ دیا۔[۱]

سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کا دیدارِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منفرد اعزاز

صدیقِ باوفا رضی اللہ عنہ کو سفرِ ہجرت میں رفاقتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعزاز حاصل ہوا، جبکہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مرادِ رسول ہونے کے شرفِ لازوال سے مشرف ہوئے۔ ان جلیل القدر صحابہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں کئی دیگر حوالوں سے بھی خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان يخرج على أصحابه من المهاجرين و الأنصار، و هم جلوس و فيهم أبوبكر و عمر، فلا يرفع إليه أحد منهم بصره إلا أبوبكر و عمر، فإنهما كانا ينظران إليه و ينظر إليهما و يتبسمان إليه و يتبسم إليهما۔[۲]

’’رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہوتے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ان میں ہوتے تو کوئی صحابی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا، البتہ ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو مسلسل دیکھتے رہتے اور سرکار ان کو دیکھتے، یہ دونوں حضرات رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر مسکراتے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔‘‘

---

(۱) حاكم، المستدرك، ۱: ۶۲۸، رقم: ۱۶۸۲

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحيح، ابواب المناقب، باب في مناقب أبي بكر وعمر كليهما، ۵: ۶۱۲، رقم: ۳۶۶۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۵۰

۳۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابه، ۱: ۲۱۲، رقم: ۳۳۹

۴۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۳۸۸، رقم: ۱۲۹۸

۵۔ أبو يعلى، المسند، ۱: ۱۱۶، رقم: ۳۳۷۸

۶۔ طيالسی، المسند، ۱: ۲۷۵، رقم: ۲۰۶۴

۷۔ محب طبری، الرياض النضره، ۱: ۳۳۸، رقم: ۲۰۹

۴۔ حضرت عثمان ذُوالنورین رضی اللہ عنہ ...... اَسیرِ حسنِ مصطفٰی ﷺ

عشاقِ مصطفٰی ﷺ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نسبتِ رسول ﷺ کا جو منفرد اعزاز عطا ہوا اس کا مظاہرہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر دیکھنے میں آیا۔ حضور نبیٔ اکرم ﷺ نے انہیں اپنا سفیر بنا کر مکہ معظّمہ بھیجا کہ کفار ومشرکین سے مذاکرات کریں۔ کفار نے پابندی لگا دی تھی کہ اس سال حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سفیرِ رسول بن کر مذاکرات کے لئے حرمِ کعبہ پہنچے تو انہیں بتایا گیا کہ اس سال آپ لوگ حج نہیں کر سکتے، تاہم کفارِ مکہ نے بزعم خویش رواداری برتتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چونکہ تم آ گئے ہو، اس لئے حاضری کے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اگر چاہو تو ہم تمہیں طواف کی اجازت دیتے ہیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے کفار کی اس پیشکش کو بڑی شان بے نیازی سے ٹھکرا دیا۔ حضور ﷺ کے بغیر طواف کرنا انہیں گوارا نہ ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر لگی لپٹی رکھے کہا:

ما كنتُ لأطوف به حتى يطوف به رسول الله ﷺ۔ [(۱)]

’’میں اس وقت تک طوافِ کعبہ نہیں کروں گا جب تک حضور ﷺ طواف نہ کرلیں۔‘‘

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس عمل سے دشمنانِ اسلام کو جتلا دیا کہ ہم کعبہ کو حضور ﷺ کے کہنے پر کعبہ مانتے ہیں اور اس کا طواف بھی اس لئے کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اس کا طواف کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کعبے سے اپنی جذباتی وابستگی اور عقیدت کو اہمیت نہ دی حالانکہ اس کے دیدار کے لئے وہ مدت سے ترس رہے تھے اور ہجرت کے چھ سات سال بعد انہیں یہ پہلا موقع مل

---

(۱) ۱۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ، ۹: ۲۲۱
۲۔ قاضى عياض، الشفاء، ۲: ۵۹۴
۳۔ طبرى، تاريخ الأمم و الملوك، ۲: ۱۲۱
۴۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۴: ۲۸۲
۵۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۴: ۱۶۷
۶۔ حلبى، إنسان العيون فى سيرة الأمين المأمون، ۲: ۷۰۱
۷۔ ابن حبان، الثقات، ۱: ۲۹۹
۸۔ طبرى، جامع البيان فى تفسير القرآن، ۲۶: ۸۶
۹۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۴: ۱۸۷

رہا تھا۔ اگر وہ طواف کر بھی لیتے تو حضور ﷺ نے انہیں اس سے منع نہیں کیا تھا لیکن ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت نسبتِ رسول ﷺ کی تھی جس کے بغیر وہ کسی عمل کو کوئی وقعت دینے کے لئے تیار نہ تھے اور حضور ﷺ کے ساتھ یہی نسبت ان کے ایمان کی بنیاد تھی۔

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا آقائے دوجہاں ﷺ کے ساتھ تعلقِ عشقی خودسپردگی اور وارفتگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ کتبِ احادیث میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر گوشت کا لقمہ تناول کرنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا: حضرت! یہ دروازہ گزرگاہِ عام ہے، یہاں بیٹھ کر کھانا چہ معنی دارد؟ دیکھنے والے کیا سمجھیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جواب میں فرمانے لگے: مجھے اور تو کچھ خبر نہیں، بس اتنا پتہ ہے کہ ایک بار میرے آقا و مولا ﷺ نے یہاں بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا تھا، میں تو اس سنت پر عمل کر رہا ہوں اور اس وقت حضورِ نبی اکرم ﷺ کی یہی ادا میرے پیشِ نظر ہے۔

ایک دفعہ وضو کے بعد بغیر کسی وجہ کے مسکرانے لگے۔ کسی نے پوچھا: آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں جبکہ کسی سے گفتگو اور مکالمہ بھی نہیں۔ فرمانے لگے: مجھے کسی سے کیا غرض! میں نے تو ایک بار حضور ﷺ کو اسی طرح وضو کرنے کے بعد مسکراتے دیکھا تھا، میں تو محبوب ﷺ کی اسی ادا کو دہرا رہا ہوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی، مجھے ہوش کب تھا سجود کا
ترے نقشِ پا کی تلاش تھی کہ میں جھک رہا تھا نماز میں

اس تعلقِ عشقی کا اِظہار تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں جھلکتا تھا۔

۵۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ سے تعلقِ عشقی

حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی تربیت براہِ راست آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمائی تھی۔ بچوں میں سب سے پہلے دامنِ اسلام سے وابستہ ہونا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقدر میں لکھا گیا تھا۔ اس مقام پر سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے اس قول کا ذکر ضروری ہے جس میں آپ نے حضور ﷺ کی زیارت کی لذت آفریں کیفیت کو بیان کر کے ثابت کر دیا کہ عظمتِ رسول ﷺ کا پرچم سر بلند کرنا اور اِطاعتِ مصطفیٰ ﷺ کی قندیل دل میں روشن رکھنا ہی ایمان کی اساس ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا:

كيف كان حبكم لرسول الله ﷺ؟

’’آپ رسولِ خدا ﷺ سے کیسی محبت رکھتے تھے؟‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے ہیں:

كان والله أحب إلينا من أموالنا و أولادنا و آبائنا و أمهاتنا، و من الماء البارد على الظمأ۔(1)

’’بخدا! آپ ﷺ ہمیں اپنے مالوں، اولاد، ماں باپ اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ زیارتِ مصطفیٰ ﷺ کے مواقع تلاش کیا کرتے تھے، آپ ﷺ کے جسمِ اقدس کی خوشبو انہیں بتا دیتی کہ آقا ﷺ اس طرف گئے ہیں۔ وہ آسانی سے حضور نبیٔ اکرم ﷺ کا سراغ لگا لیتے اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی تابانیوں میں اپنی روح و جان کے ساتھ بھیگ جاتے۔ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی حضور ﷺ سے وابستگی اور تقرب کا حال جاننے کے لئے یہ روایت ملاحظہ فرمایئے:

سورج کا پلٹنا اور نمازِ عصر کی ادائیگی

غزوۂ خیبر کے دوران قلعہ صہباء کے مقام پر حضور نبیٔ اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سرِ انور رکھ کر اِستراحت فرما رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی نمازِ عصر ادا نہیں کی تھی۔ اس وقت چاہتے تو عرض کر دیتے کہ حضور صلی اللہ علیک وسلم! تھوڑی دیر توقف فرمایئے کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں، پھر حاضرِ خدمت ہو جاتا ہوں۔ عقل کا تقاضا بھی یہی تھا لیکن عقل کا کام تو بقولِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بہانے تلاش کرنا اور تنقید کرنا ہے۔ فرماتے ہیں:

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اَعمال کی بنیاد رکھ

(1) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۵۶۸
۲۔ قسطلانی، المواهب اللدنیة، ۳: ۲۷۷
۳۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۴۲
۴۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنیة، ۹: ۸۰

عقل کا تو شیوہ ہی تنقید ہے، جبکہ عشق آنکھیں بند کر کے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عقل سود و زیاں کے چکر میں اُلجھی رہتی ہے جب کہ عشق بے خطر آگ میں کود کر اُسے گل وگلزار میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق منزل کو پالیتا ہے اور عقل گردِ سفر میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم
دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

(بو علی (جو کہ عقل کی علامت ہے محبوب کی) اونٹنی کے غبار میں گم ہو گیا (جب کہ عشق کے نمائندے) رومی نے ہاتھ آگے بڑھا کر (محبوب کے) کجاوے کو تھام لیا۔)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ''عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ'' کا مظہر بنتے ہوئے اپنی نماز محبوب کے آرام پر قربان کر دی، جس کے نتیجے میں اس کشتۂ آتشِ عشق اور پیکرِ وفا کو وہ نماز نصیب ہوئی جو کائناتِ انسانیت میں کسی دوسرے کا مقدر نہ بن سکی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کب سے موقع کے متلاشی تھے کہ انہیں آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت اور قرب نصیب ہو۔ وہ ایسا نادر موقع کیونکر ہاتھوں سے جانے دیتے، وہ تو زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں گے:

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت جانا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ انور کے لئے اپنی گود بچھا دی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک سر رکھا اور اِستراحت فرمانے لگے۔ اب جیسا کے ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور نہ ہی آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا کہ نماز عصر ادا کر لی کہ نہیں؟

اِدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خوش بختی کے کیف میں آفتابِ نبوت کو تکے جا رہے تھے اور اُدھر آفتابِ جہاں تاب اپنی منزلیں طے کرتا ہوا غروب ہوتا جا رہا تھا۔ جب ان کی نظر ڈوبتے سورج

پر پڑی تو چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ کبھی نگاہ سورج پر ڈالتے اور کبھی محبوب ﷺ کے رخِ زیبا پر۔ کبھی مائل بہ غروب سورج کو تکتے تو کبھی آفتابِ رسالت کے طلوع کا منظر دیکھتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سورج ڈوب چلا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے، حضور ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ علی المرتضی رضی اللہ عنہ پریشانی کے عالم میں محوِ گریہ ہیں۔ پوچھا: کیا بات ہوئی؟ عرض کیا: آقا! میری نمازِ عصر رہ گئی ہے۔ فرمایا: قضا پڑھ لو۔ انہوں نے حضور رحمتِ عالم ﷺ کے چہرۂ اقدس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، جو زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیک وسلم کی غلامی میں نماز جائے اور قضا پڑھوں؟ اگر اس طرح نماز قضا پڑھوں تو پھر ادا کب پڑھوں گا؟

جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ قضا نہیں بلکہ نماز ادا ہی کرنا چاہتا ہے تو سرکارِ دوعالم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں دستِ اقدس دعا کے لئے بلند کر دیئے اور عرض کیا:

اللّٰھم! إنّ علیا في طاعتک وطاعۃ رسولک، فاردد علیه الشمس۔(۱)

’’اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا (کہ اس کی نماز قضا ہو گئی)، پس اس پر سورج کو پلٹا دے (تاکہ اس کی نماز ادا ہو)۔‘‘

نماز وقت پر ادا کرنا اللہ کی اطاعت ہے لیکن یہاں تو نماز قضا ہوگئی تھی اس کے باوجود حضور ﷺ اس قضا کو اللہ کی اطاعت قرار دے رہے تھے۔ کیا معاذ اللہ آرام اللہ پاک فرما رہا تھا؟ نہیں، وہ تو آرام سے پاک ہے۔ کیا نیند اللہ کی تھی؟ نہیں، وہ تو نیند سے بھی پاک ہے۔ آرام حضور ﷺ کا تھا، نیند حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی تھی، علی رضی اللہ عنہ کی نماز حضور ﷺ کی نیند پر قربان ہوگئی۔

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۴: ۱۵۱، رقم: ۳۹۰
۲۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۲۹۷
۳۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۱: ۴۰۰
۴۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة (السیرة)، ۶: ۸۳
۵۔ سیوطی، الخصائص الکبری، ۲: ۱۳۷
۶۔ حلبی، السیرة الحلبیه، ۲: ۱۰۳

اب چاہئے تو یہ تھا کہ حضور ﷺ فرماتے کہ ''اے اللہ! علی تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا''، لیکن آپ ﷺ کے اس فرمان سے اطاعت کا مفہوم بھی واضح ہوگیا کہ آپ ﷺ کی خدمت گری جیسی بھی ہو رب کی اطاعت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف تھے اس لئے ان کی قضا بھی اطاعتِ الٰہی قرار پائی۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے[1]

حدیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ جب آقائے دوجہاں ﷺ نے دستِ اقدس دعا کے لئے بلند فرمائے تو ڈوبا ہوا سورج اس طرح واپس پلٹ آیا جیسے ڈوبا ہی نہ ہو۔ یہ تو ایسے تھا جیسے حضور ﷺ کے ہاتھوں میں ڈوریاں ہوں جنہیں کھینچنے سے سورج آپ ﷺ کی جانب کھنچا آ رہا ہو۔ یہاں تک کہ سورج عصر کے وقت پر آ گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نمازِ عصر ادا کی۔[2]

۶۔ جاں نثارانِ اسلام رضی اللہ عنہم کا عدیم المثال اَدبِ مصطفیٰ ﷺ

سن ۶ ہجری میں جب حضور نبی اکرم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ حج کے ارادے سے مکہ معظّمہ کی طرف تشریف لے گئے تو راستے میں مشرکین نے روک لیا۔ آپ ﷺ چونکہ حج کے ارادے سے نکلے تھے اس لیے جذبہ جہاد سے سرشار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی مشتعل نہ ہونے دیا۔ اس دوران دو طرفہ سفارتی مذاکرات جاری رہے۔ جب کفار و مشرکین کی طرف سے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) سفیر بن کر آئے تو انہوں نے اس موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ کی والہانہ وابستگی کا بغور مشاہدہ کیا اور واپس جا کر مشرکین سے اس کا تذکرہ اِس طرح کیا:

أی قوم، واللہ، لقد وفدت علی الملوک، و وفدت علی قیصر وکسریٰ والنجاشی، و اللہ! إن رأیت ملکاً قط یعظمه أصحابه ما یعظم أصحاب محمدٍ ﷺ محمدًا، واللہ إن تَنخَّم نُخامةً إلا وقَعتْ في کف رجل منهم

---

(۱) أحمد رضا، حدائقِ بخشش

(۲) ردِ شمس کے معجزۂ مصطفی ﷺ کے تفصیلی مطالعه کے لیے ہماری تصنیف ''سیرۃ الرسول ﷺ (جلد نہم، معجزات)'' ملاحظه فرمائیں۔

فَدَلَکَ بها وجههٗ وجلده، و إذا أمرهم ابتدروا أمره، و إذا توضأ کادوا یقتتلون علٰی وضوئه، و إذا تکلم خفضوا أصواتهم عنده، وما یُحِدّون إلیه النظر تعظیماً له، وإنه قد عَرَضَ علیکم خُطة رُشد فاقبلوها۔ (۱)

’’اے قومِ (کفارِ مکہ!) اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں اور قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے ہاں بھی گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی محمد (ﷺ) کے صحابہ محمد (ﷺ) کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! انہوں نے جب کبھی کھنکھار پھینکا ہے تو وہ آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرا جسے انہوں نے اپنے منہ اور جسم پر مل لیا۔ جب وہ اپنے صحابہ کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں، اور جب وضو فرماتے ہیں تو وہ ان کے وضو کے پانی کے حصول کے لیے باہم جھگڑنے کی نوبت تک پہنچ جاتے ہیں، اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو صحابہ ان کے سامنے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور اَز رُوئے تعظیم ان کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے۔ انہوں نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے پس تم اسے قبول کر لو۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لما رمی رسول الله ﷺ الجمرة، ونحر نسکه، وحلق ناول الحالق شِقَّه الأیمن فحلقه، ثم دعا أبا طلحة الأنصاری فأعطاه إیاه، ثم ناوله الشِّقَّ الأیسر، فقال: احلق۔ فحلقه، فأعطاه أبا طلحة، فقال: اقسمه بین الناس۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الشروط، باب: الشروط فی الجهاد و المصالحة، ۲:۹۷۶، رقم: ۲۵۸۱

۲۔ بیهقي، دلائل النبوة، ۴: ۱۰۴

(۲) ۱۔مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب بیان أن السنة یوم النحر، ۲: ۹۴۸، رقم:۱۳۰۵

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب المناسك، باب الحلق و التقصیر، ۲: ۲۰۳، رقم: ۱۹۸۱

←

''جب رسولِ اکرم ﷺ نے کنکریاں ماریں اور اپنے جانور کی قربانی سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے سرِ اَنور کا دایاں حصہ حجام کے سامنے کردیا، اس نے بال مبارک مونڈھ دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ بال انہیں دے دیئے۔ اس کے بعد حجام کے سامنے دوسری جانب فرمائی، اس نے ادھر کے بال بھی مونڈھ دیئے۔ آپ ﷺ نے وہ بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیئے اور فرمایا: یہ بال لوگوں میں بانٹ دو۔''

اسی طرح ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لقد رأیت رسول اللہ ﷺ و الحَلّاق یَحلِقه وأطاف به أصحابه، فما یریدون أن تقع شعرة إلا في ید رجل۔(۱)

''میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کے سر مبارک کی حجامت بنا رہا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کا جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرے۔''

........۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب ماجاء بأی الرأس یبدأ فی الحلق، ۳: ۲۵۵، رقم: ۹۱۲،

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۱، ۲۰۸، ۲۱۴

۵۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۴: ۲۹۹، رقم: ۲۹۲۸

۶۔ حمیدی، المسند، ۲: ۵۱۲، رقم: ۱۲۲۰

۷۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۳۴

۸۔ بغوی، شرح السنة، ۷: ۲۰۶، رقم: ۱۹۶۲

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب قرب النبی ﷺ من الناس وتبرکھم به، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۳، ۱۳۷

۳۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۷: ۶۸

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۴۳۱

۵۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۴: ۱۴۰

۷۔ اسیرِ حسنِ مصطفیٰ ﷺ ...... سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا تھے، ابو عمارہ ان کی کنیت تھی اور وہ عمر میں حضور ﷺ سے دو چار سال بڑے تھے۔ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے انہیں بھی دودھ پلایا تھا، اس حوالے سے یہ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے تو تحریکِ اسلامی کے اراکین کو ایک ولولۂ تازہ عطا ہوا۔ آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ بڑا ہی ایمان افروز ہے جس سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی حق گوئی، جرأت اور بے باکی کا پتہ چلتا ہے۔

حضور نبیٔ اکرم ﷺ کو داعیٔ اعظم کی حیثیت سے فریضۂ تبلیغ سرانجام دیتے ہوئے چھ سال ہو گئے تھے لیکن کفار و مشرکینِ مکہ کی اکثریت نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی دعوتِ حق پر کان نہیں دھرتی تھی بلکہ انہوں نے شہر مکہ کو قریۂ جبر بنا رکھا تھا اور مسلمانوں پر جو اقلیت میں تھے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا اور خود حضور ﷺ کو نہ صرف دشنام طرازیوں اور طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جاتا بلکہ آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے تک بنائے جا رہے تھے۔ پورے مکہ کی فضا آپ ﷺ کے خون کی پیاسی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابھی شرفِ اسلام سے محروم تھے۔ وہ شمشیر زنی، تیراندازی اور شکار و تفریح کے مشاغل میں اس قدر مشغول تھے کہ دعوتِ اسلام پر غور کرنے کی فرصت ہی نہ مل سکی تھی۔

ایک دن حضور نبیٔ اکرم ﷺ کا کوہِ صفا (یا ایک روایت کے مطابق حجون) کے مقام سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلا رہے تھے کہ ابوجہل بھی ادھر آ نکلا۔ حضور ﷺ کو دیکھا تو آپے سے باہر ہوگیا۔ وہ بدبخت اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں ہذیان بکنے لگا، لیکن حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی جبینِ اقدس پر ایک بھی شکن نمودار نہ ہوئی۔ ابوجہل گالیاں بکتا رہا، حروفِ ناروا اُس کی گندی زبان سے کانٹوں کی طرح گرتے رہے۔ اس بدبخت نے آپ ﷺ کو جسمانی اذیت کا نشانہ بھی بنایا لیکن تاجدارِ کائنات ﷺ کے لبِ اقدس پر حرفِ شکوہ تک نہ آیا۔ آپ ﷺ خاموش رہے اور اس کی ہرزہ سرائی و اذیت رسانی پر کمال صبر و تحمل سے کام لیا۔ ایک عورت اپنے گھر میں بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے لوٹے تو اس خاتون سے نہ رہا گیا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی: کاش آپ تھوڑی دیر پہلے یہاں ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ ابوجہل نے آپ کے بھتیجے سے کتنا برا سلوک کیا ہے، انہیں گالیاں دی ہیں اور اُن پر ہاتھ بھی اٹھایا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر طیش میں آ گئے، چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور کہنے لگے: ابوجہل کی یہ جرأت کہ اُس نے میرے بھتیجے محمد (ﷺ) پر ہاتھ اٹھایا ہے، تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے خانہ کعبہ میں

پہنچے، ابوجہل کو دیکھا کہ کفار و مشرکین کی ایک مجلس میں بیٹھا لاف زنی کر رہا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دشمن ابوجہل کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے اور اس کی دریدہ دہنی اور شرارت کی سزا دینے کے لئے اپنی کمان اس کے سر پر دے ماری، جس سے اُس بدبخت شاتمِ رسول کا سر پھٹ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور کہا: ابوجہل! تیری یہ ہمت کہ میرے بھتیجے محمد (ﷺ) کو گالی دے اور ان سے بدسلوکی کرے۔ اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا باطن نورِ ایمان سے روشن ہو گیا اور ان کے مقدر کا ستارا اوجِ ثریا پر چمکنے لگا، اور محبتِ رسول ﷺ آنکھوں میں غیرتِ ایمانی کا چراغ بن کر جل اٹھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابوجہل سے کہنے لگے:

أتشتمه وأنا علی دينه أقول ما يقول؟ فرد ذلک علی إن استطعت۔[1]

’’کیا تو (میرے بھتیجے) محمد (ﷺ) کو گالیاں دیتا ہے؟ میں (بھی اُن کے دین پر ہوں اور) وُہی کہتا ہوں جو وہ فرماتے ہیں، میرا راستہ روک سکتے ہو تو روک کر دیکھو۔‘‘

اور پھر چشمِ فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے کے لئے آ رہے تھے تو اصحابِ رسول کو تردد ہوا لیکن جان نثارِ مصطفیٰ ﷺ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پورے اعتماد سے گویا ہوئے کوئی بات نہیں، عمر آتا ہے تو اُسے آنے دو، اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو ٹھیک اور اگر برے ارادے سے آیا ہے تو اس کی تلوار ہی سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔

۸۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے اَلوِداعیہ کلمات

حضرت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع غزوۂ اُحد میں شدید زخمی ہوگئے۔ بارہ نیزے ان کے جسم کے آر پار ہوئے، تلوار اور تیر کے زخم جو اس کے علاوہ تھے سَتّر (۷۰) کے لگ بھگ تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے جاں نثاروں سے فرمایا کہ سعد بن ربیع کی خبر کون لائے گا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے انہیں شہیدوں کے درمیان شدید زخمی حالت میں پایا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اُنہیں بتایا کہ مجھے حضور ﷺ نے

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۱۲۹
۲۔ طبری، تاريخ الطبری، ۱: ۵۴۹
۳۔ حلبی، السيرة الحلبيه، ۱: ۴۷۷
۴۔ محب طبری، ذخائر العقبیٰ، ۱: ۱۷۳

تمہارا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس پر اُنہوں نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فاذهب إليه فأقرئه منّي السلام، وأخبره أني قد طعنت اثنتي عشرة طعنة، وأني قد أنفذت مَقاتلي، وأخبر قومک أنّه لا عذر لهم عند الله، إنْ قتل رسول الله ﷺ، و واحد منهم حيّ۔(۱)

''میرے آقا ﷺ کے حضور میرا سلام پیش کرنا اور کہنا کہ مجھے نیزے کے بارہ زخم لگے ہیں اور میں نے اپنے مقابل کے جسم سے نیزہ آر پار کر دیا ہے۔ اپنے لوگوں سے کہنا کہ اگر حضور ﷺ کو کچھ ہوا اور تم میں سے ایک فرد بھی زندہ بچا تو قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں ان کا کوئی بھی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔''

یہ ان کا جذبۂ جاں نثاری تھا کہ بدن زخموں سے چور ہے اور زندہ بچ جانے کی کوئی اُمید نہیں مگر پھر بھی تصورِ محبوب ﷺ ہی میں کھوئے ہوئے ہیں اور اُن کے بارے میں نہ صرف فکر مند ہیں بلکہ اپنی قوم کو یہ پیغام بھی دے رہے ہیں کہ خبردار! اسی محبوب ﷺ کے دامن سے وابستہ رہنا۔

۹۔ غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مقامِ عشق

ایک نوجوان صحابی حضرت حنظلہ بن ابو عامر رضی اللہ عنہ شادی کی پہلی رات اپنی بیوی کے ساتھ حجلۂ عروسی میں تھے کہ کسی پکارنے والے نے آقائے دوجہاں ﷺ کے حکم پر جہاد کے لئے پکارا۔ وہ صحابی اپنے بستر سے اُٹھے۔ دلہن نے کہا کہ آج رات ٹھہر جاؤ، صبح جہاد پر روانہ ہو جانا۔ مگر وہ صحابی جو صہبائے عشق سے مخمور تھے، کہنے لگے: اے میری رفیقۂ حیات! مجھے جانے سے کیوں روک رہی ہو؟ اگر جہاد سے صحیح سلامت واپس لوٹ آیا تو زندگی کے دن اکٹھے گزار لیں گے ورنہ کل قیامت کے دن

---

(۱) ۱۔ مالك بن أنس، الموطا، ۲: ۴۶۵، ۴۶۶
۲۔ ابن عبد البر، الإستيعاب، ۲: ۵۹۰
۳۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۲۴: ۹۴
۴۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۳: ۵۲۴
۵۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۱: ۴۸۱
۶۔ عسقلانی، الاصابة فی تمييز الصحابة، ۳: ۵۹
۷۔ زرقانی، شرح علی الموطا، ۳: ۵۹

ملاقات ہوگی۔''

اس صحابی رضی اللہ عنہ کے اندر عقل و عشق کے مابین مکالمہ ہوا ہوگا۔ عقل کہتی ہوگی: ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟ جنگ تو کل ہوگی، ابھی تو محض اعلان ہی ہوا ہے۔ شبِ عروسی میں اپنی دلہن کو مایوس کر کے مت جا۔ مگر عشق کہتا ہوگا: دیکھ! محبوب کی طرف سے پیغام آیا ہے، جس میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی روا نہیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اسی جذبۂ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اللہ رب العزت کے فرشتوں نے انہیں غسل دیا اور وہ 'غسیل الملائکہ' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ جب جنگ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملائکہ کو انہیں غسل دیتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوئے:

إنّ صاحبكم لتُغَسّله الملائكة يعنى حنظلة، فسألوا أهله: ماشأنه؟ فسئلت صاحبته فقالت: خرج و هو جنب حين سمع الهائعة، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لذالك غسلته الملائكة، وكفى بهذا شرفاً و منزلة عندالله تعالىٰ۔(۱)

''تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتوں نے غسل دیا ان کے اہلِ خانہ سے پوچھو کہ ایسی کیا بات ہے جس کی وجہ سے فرشتے اسے غسل دے رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا گیا تو

---

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۳: ۲۲۵، رقم: ۴۹۱۷
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۴۹۵، رقم: ۷۰۲۵
۳۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ، ۴: ۱۵، رقم: ۶۶۰۵
۴۔ طبرى، تاريخ الأمم و الملوك، ۲: ۶۹
۵۔ ابن اسحاق، سيرة، ۳: ۳۱۲
۶۔ ابن ہشام، السيرة النبويه، ۴: ۲۳
۷۔ ابن كثير، البدايه والنهايه، ۴: ۲۱
۸۔ حلبى، السيرة الحلبية، ۲: ۵۲۵
۹۔ ابن اثير، اسد الغابة فى معرفة الصحابة رضی اللہ عنہم، ۲: ۸۶
۱۰۔ أبو نعيم، دلائل النبوة، ۱: ۱۱۰
۱۱۔ أبو نعيم، حلية الاولياء و طبقات الأصفياء، ۱: ۳۵۷

انہوں نے بتایا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جنگ کی پکار پر حالتِ جنابت میں گھر سے روانہ ہوئے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اسے غسل دیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مقام و مرتبے کے لئے یہی کافی ہے۔‘‘

اسی جذبے کے احیاء کی آج پھر ضرورت ہے۔ اگر ہم جوان نسل میں کردار کی پاکیزگی، تقدس اور ایمان کی حلاوت نئے سرے سے پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان میں اس تعلقِ عشقی کو کوٹ کوٹ کر بھرنا ہوگا۔

۱۰۔ سیدنا ابوہریرہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیتِ اِضطراب

یوں تو دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی آرزو اور تمنا ہر صحابی رسول کے دل میں اس طرح بسی ہوئی تھی کہ اُن کی زندگی کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں تھا۔ آپ ﷺ کی زیارت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکون کی دولت نصیب ہوتی اور معرفتِ الٰہی کے دریچے ان پر روشن ہو جاتے۔ اُن کے دل کی دھڑکن میں زیارتِ مصطفیٰ ﷺ کی خواہش اس درجہ سما گئی تھی کہ اگر کچھ عرصہ کے لئے آپ ﷺ کا دیدار میسر نہ آتا تو وہ بے قرار ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر جو کیفیت گزرتی تھی اس کے بارے میں وہ خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض گزاری:

إني إذا رأيتک طابت نفسي وقرت عيني، فأنبئني عن کل شئ، قال ﷺ: کل خلق الله من الماء۔ (۱)

’’جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں (تو تمام غم بھول جاتا ہوں اور) دل

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۲۳

۲۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۷۶، رقم: ۷۲۷۸

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۶: ۲۹۹، رقم: ۲۵۵۹

۴۔ هیثمی، موارد الظمآن، ۱: ۱۶۸، رقم: ۶۴۱

۵۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۱۶

۶۔ ابن راهویه، المسند، ۱: ۸۴، رقم: ۱۳۳

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۶۳، رقم: ۲۶۷۶

۸۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۶: ۲۵۲، رقم: ۸۰۵۱

خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، پس مجھے تمام اشیاء (کائنات کی تخلیق) کے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق پانی سے کی ہے۔‘‘

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی آقا و مولا کی ایک لمحہ کی جدائی گوارا نہ تھی، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے نظروں سے اوجھل ہوتے تو بے چین ہو جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے۔ ایک دن حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ان کے درمیان سے اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے، واپسی میں ذرا تاخیر ہوگئی تو غلامانِ مصطفیٰ کے چہرے مرجھا گئے، وہ پریشان ہوئے کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دوسروں کی نسبت زیادہ مضطرب تھے۔ جب انتظار کی گھڑیاں طویل ہوگئیں تو وہ سب تلاشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نکل پڑے۔ چلتے چلتے ایک باغ تک جا پہنچے، کوشش کے باوجود باغ کا دروازہ کہیں نظر نہ آیا، ایک چھوٹی سی نالی باغ میں داخل ہو رہی تھی۔ باقی تو باہر ٹھہر گئے لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سمٹتے سمٹاتے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے، وہاں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر جان میں جان آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اچانک اپنے درمیان پا کر پوچھا: ’’ابوہریرہ! تم ...... یہاں؟‘‘ جی آقا! غلام حاضر ہے۔ ’’کیا بات ہے؟‘‘ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیران ہو کر پوچھا۔ وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ہمارے درمیان سے اٹھ آئے تھے، واپسی میں دیر ہوگئی تو ہمیں اضطراب نے آ گھیرا، چنانچہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے اور چونکہ باغ میں داخل ہونے کا کوئی دروازہ نہ تھا اس لئے میں ایک نالی کے ذریعہ سمٹ سمٹا کر باغ کے اندر آیا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرے جاں نثار بھی میرے پیچھے تھے اور وہ باہر کھڑے ہیں۔[۱]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا، ۱:۶۰، رقم: ۳۱

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰:۴۰۹، رقم: ۴۵۴۳

۳۔ أبوعوانه، المسند، ۱: ۲۱، رقم: ۱۷

۴۔ ابن منده، الإيمان، ۱: ۲۲۶، رقم: ۸۸

۵۔ أبو نعيم، المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۴۱

۱۱۔ اَذاں اَزل سے ترے عشق کا ترانہ بنی

شارحِ 'صحیح البخاری' امام کرمانی نقل کرتے ہیں کہ جب آقائے دوجہاں ﷺ کا وِصال مبارک ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے شہرِ مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو جب آپ رضی اللہ عنہ کے ارادے کا علم ہوا تو اُنہیں اس ارادے کو ترک کرنے کے لئے فرمایا اور کہا کہ آپ پہلے کی طرح رسولِ خدا ﷺ کی مسجد میں اذان دیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو عرض کیا:

إني لا أريد المدينة بدون رسول الله ﷺ و لا أتحمل مقام رسول الله ﷺ خاليا عنه۔[۱]

''رسول اللہ ﷺ کے بغیر اب مدینہ میں میرا جی نہیں لگتا اور نہ ہی مجھ میں ان خالی و افسردہ مقامات کو دیکھنے کی قوت ہے جن میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے۔''

حضرت قیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن بلالا رضی اللہ عنہ قال لأبي بكر رضی اللہ عنہ: إن كنت إنما اشتريتني لنفسك فأمسكني، و إن كنت إنما اشتريتني لله فدعني۔[۲]

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ نے مجھے اپنے لیے خریدا تھا تو مجھے روک لیں اور اگر اللہ کی رضا کی خاطر خریدا تھا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔''

موسیٰ بن محمد بن حارث تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

لما توفي رسول الله ﷺ أذن بلال و رسول الله ﷺ لم يقبر، فكان إذا قال: أشهد أن محمدا رسول الله انتحب الناس في المسجد۔ قال: لما

---

(۱) کرمانی، شرح صحیح البخاری، ۱۵: ۲۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم، باب مناقب بلال بن رباح رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۷۱، رقم: ۳۵۴۵

۲۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۶: ۳۹۶، رقم: ۳۲۳۳۶

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۳۳۷، رقم: ۱۰۱۰

۴۔ مقریزی، إمتاع الأسماع، ۱۰: ۱۳۲، ۱۳۳

دفن رسول الله ﷺ قال له أبوبکر: أذن، فقال: إن کنت إنما أعتقتني لأن أکون معک فسبیل ذلک، و إن کنت إعتقتني لله فخلني و من أعتقتني له، فقال: ما أعتقتک إلا لله. قال فإني لا أؤذن لأحد بعد رسول الله ﷺ۔(۱)

''جب رسولِ خدا ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُس وقت اذان کہی کہ جب رسول خدا ﷺ دفن بھی نہ ہوئے تھے۔ جب انہوں نے أشهد أن محمدا رسول الله کہا تو لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ رسولِ خدا ﷺ دفن کر دیے گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: اذان کہیں۔ اُنہوں نے کہا: اگر آپ نے مجھے اس لئے آزاد کیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں تو اس کا راستہ یہی ہے، اور اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے اور اُسے چھوڑ دیجیے جس کے لئے آپ نے مجھے آزاد کیا ہے۔ تو اُنہوں نے کہا: میں نے تمہیں محض اللہ کے ہی کے لئے آزاد کیا ہے۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر میں رسولِ خدا ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ کہوں گا۔''

اِس رِوایت کو عربی زبان کی معروف لغت ''القاموس المحیط'' میں اِمام یعقوب فیروز آبادی کامل سند کے ساتھ ذِکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

کذا ذکره ابن عساکر في ترجمة بلال رضی اللہ عنہ، و ذکره أیضاً في ترجمة إبراهیم بن محمد بن سلیمان بسند آخر إلی محمد بن الفیض، فذکره سواء، و ابن الفیض روی عن خلائق، وروی عنه جماعة، منهم: أبو أحمد بن عدي و أبو أحمد الحاکم، و أبوبکر ابن المقري في معجمه و آخرون۔(۲)

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱: ۴۱۹، رقم: ۱۸۲۸
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۲۳۶، ۲۳۷
۳۔ ازدی، الجامع، ۱۱: ۲۳۴
۴۔ أبونعیم، حلیة الأولیا وطبقات الأصفیاء، ۱: ۱۵۰، ۱۵۱
۵۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۱: ۴۳۹
۶۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۱۰: ۳۶۱
(۲) فیروز آبادی، الصلات و البشر فی الصلاة علیٰ خیر البشر: ۱۸۷، ۱۸۸

''جیسا کہ یہ روایت ابن عساکر نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں ذکر کی ہے اور اسے ابراہیم بن محمد بن سلیمان کے حالات میں ایک اور سند کے ساتھ بیان کیا اور وہ سند مشہور محدث محمد بن الفیض تک جا پہنچتی ہے، اور ابن الفیض نے یہ روایت کثیر محدثین سے نقل کی اور آگے ابن الفیض سے روایت کرنیوالے بھی کثیر محدثین ہیں جیسے: ابو احمد بن عدی، ابو احمد الحاکم، ابو بکر بن المقری اور دیگر محدثین۔''

چنانچہ یہ کہہ کر کہ اب مدینے میں میرا رہنا دشوار ہے، آپ شام کے شہر حلب میں چلے گئے تقریباً چھ ماہ بعد خواب میں آپ ﷺ کی زِیارت نصیب ہوئی تو آپ ﷺ فرما رہے تھے:

ما هذه الجفوة، يا بلال! أما آن لک أن تزورني؟

''اے بلال! یہ کیا بے وفائی ہے؟ (تو نے ہمیں ملنا کیوں چھوڑ دیا)، کیا ہماری ملاقات کا وقت نہیں آیا؟''

خواب سے بیدار ہوتے ہی اونٹنی پر سوار ہو کر ''**لبیک یا سیدي یا رسول اللہ**'' کہتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نگاہوں نے عالمِ وارفتگی میں آپ ﷺ کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ کبھی مسجد میں تلاش کرتے اور کبھی حجروں میں، جب کہیں نہ پایا تو آپ ﷺ کی قبر انور پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ آ کر مل جاؤ، غلام حلب سے بہرِ ملاقات حاضر ہوا ہے۔ یہ کہا اور بے ہوش ہو کر مزارِ پُر انوار کے پاس گر پڑے، کافی دیر بعد ہوش آیا۔ اتنے میں سارے مدینے میں یہ خبر پھیل گئی کہ مؤذنِ رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ آ گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور بچے اکٹھے ہو کر عرض کرنے لگے: بلال! ایک دفعہ وہ اذان سنا دو جو محبوبِ خدا ﷺ کے زمانے میں سناتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں معذرت خواہ ہوں کیونکہ میں جب اذان پڑھتا تھا تو **أشهد أن محمداً رسول اللہ** کہتے وقت آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا اور آپ ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔ اب یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے کسے دیکھوں گا؟

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے سفارش کروائی جائے، جب وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے لیے کہیں گے تو وہ انکار نہ کرسکیں گے۔ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

یا بلال، نشتهی نسمع أذانک الذي کنت تؤذن به لرسول الله ﷺ في المسجد۔

''اے بلال! ہم آج آپ سے وُہی اذان سننا چاہتے ہیں جو آپ (ہمارے نانا جان) اللہ کے رسول ﷺ کو اِس مسجد میں سناتے تھے۔''

اب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو انکار کا یارا نہ تھا، لہٰذا اسی مقام پر کھڑے ہوکر اذان دی جہاں حضور ﷺ کی ظاہری حیات میں دیا کرتے تھے۔ بعد کی کیفیات کا حال کتبِ سیر میں یوں بیان ہوا ہے:

فلما أن قال: الله أکبر، الله أکبر، ارتجَّت المدینة، فلما أن قال: أشهد أن لا إلٰه إلا الله، ازداد رجّتها، فلما قال: أشهد أنّ محمداً رسول الله، خرجت العواتق من خدورهن، و قالوا: بعث رسول الله ﷺ فما رُئي یوم أکثر باکیا ولا باکیة بالمدینة بعد رسول الله ﷺ من ذالک الیوم۔[1]

''جب آپ رضی اللہ عنہ نے (بآوازِ بلند) اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ کہا، مدینہ منورہ گونج اٹھا (آپ جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے جذبات میں اِضافہ ہوتا چلا گیا)، جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ کے کلمات ادا کئے تو گونج میں مزید اضافہ ہو گیا، جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے

(۱) ۱۔ سبکی، شفاء السقام في زیارة خیر الأنام ﷺ: ۳۹، ۴۰
۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۷: ۹۷
۳۔ ذہبی، تاریخ الإسلام، ۳: ۲۰۴، ۲۰۵
۴۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۱: ۳۵۸
۵۔ فیروز آبادی، الصلات و البشر في الصلاة علی خیر البشر ﷺ: ۱۸۷
۶۔ ہیتمی نے 'الجوہر المنظم (ص: ۲۷)' میں کہا ہے کہ یہ واقعہ جید سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔
۷۔ سخاوی، التحفة اللطیفة فی تاریخ المدینة الشریفة: ۲۲۱
۸۔ شامی نے 'سبل الهدیٰ و الرشاد (۱۲: ۳۵۹)' میں کہا ہے کہ یہ واقعہ ابن عساکر نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
۹۔ حلبی، إنسان العیون في سیرة الأمین المأمون، ۲: ۳۰۸، ۳۰۹

کلمات پر پہنچے تو تمام لوگ حتی کہ پردہ نشین خواتین بھی گھروں سے باہر نکل آئیں (رِقت و گریہ زاری کا عجیب منظر تھا)۔ لوگوں نے کہا: رسول خدا ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ منورہ میں اس دن سے زیادہ رونے والے مرد و زن نہیں دیکھے گئے۔''

علامہ اقبالؒ اَذانِ بلال کو ترانۂ عشق قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذاں اَزل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اُس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی(۱)

۱۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشقِ رسول ﷺ

اسیرانِ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ میں خادمِ رسالت مآب حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی صفِ اوّل میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آنکھ کھولی تو گھر کی فضا کو اللہ اور اُس کے محبوب رسول ﷺ کے تذکارِ جمیل سے معمور پایا، گھر کا ہر فرد جاں نثارِ مصطفیٰ ﷺ تھا۔ حبِّ رسول ﷺ اُنہیں وراثت میں ملی تھی، دس سال تک حضور ﷺ کی خدمت پر بھی مامور رہے، پیغمبرِ انسانیت ﷺ کی سیرت و کردار سے اتنے متأثر ہوئے کہ ہر وقت عشقِ رسول ﷺ کی فضائے کیف و سرور میں گم رہتے۔ جب تاجدارِ کائنات ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ پر بھی قیامت ٹوٹ پڑی۔ جس شفیق ہستی کا ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل ہونا دل پر شاق گزرتا تھا، اس عظیم ہستی کی یاد میں آنکھیں اشکبار رہتیں۔ حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کرتے تو دل کو اطمینان ہوتا۔ ذکرِ نبی ﷺ کی محفل سجاتے، خود بھی تڑپتے اور دوسروں کو بھی تڑپاتے۔

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تاجدارِ کائنات حضور رحمتِ عالم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان فرما رہے تھے، حضور ﷺ کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمانے لگے:

ولا مَسِسْتُ خزّة ولا حريرَة ألين من كف رسول الله ﷺ، و لا شَمِمْتُ مسكة و لا عبيرة أطيب رائحة من رائحة رسول الله ﷺ۔(۲)

(۱) اِقبال، کلیات: ۸۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب ما یذکر من صوم النبي ﷺ وأفطاره، ۲: ۶۹۶، رقم: ۱۸۷۲

←

''اور میں نے آج تک کسی دیبا اور ریشم کو مَس نہیں کیا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ کہیں ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اَطہر کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اکثر خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی۔ مثنی بن سعید روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا:

ما من ليلةٍ إلاّ وأنا أرى فيها حبيبي، ثم يبكي۔(۱)

''(آپ ﷺ کے وِصال کے بعد) کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گذری جس میں میں اپنے حبیب ﷺ کی زیارت نہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے۔''

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی محبتِ رسول ﷺ

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند سیدنا عبداللہ کا اسمِ گرامی اسیرانِ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ میں بڑے ادب سے لیا جاتا ہے، آپ بھی اپنے عظیم باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محبتِ رسول کا پیکرِ اتم بن گئے تھے:

وكان ابن عمر يتحفظ ما سمع من رسول الله ﷺ و يسأل من حضر إذا غاب عن قوله وفعله وكان يتبع آثاره في كل مسجد صلى فيه وكان يعترض براحلته فى طريق رأى رسول الله ﷺ عرض ناقته وكان لا يترك الحج وكان إذا وقف بعرفة يقف في الموقف الذي وقف فيه

..........۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفضائل، باب طيب رائحة النبي ﷺ ولين مسه والتبرک بمسحه، ۴: ۱۸۱۴، رقم: ۲۳۳۰

۳۔ دارمی، السنن، المقدمة، باب في حسن النبي ﷺ، ۱:۴۵، رقم: ۶۱

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۱۱، رقم: ۶۳۰۳

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۰۷

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۷: ۲۰

۲۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۳: ۴۰۳

رسول اللہ ﷺ۔[1]

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے اُسے یاد کر لیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں آپ ﷺ کے بارے میں پوچھتے رہتے اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کا پورا ریکارڈ رکھتے۔ اتباعِ سنت میں جس جس جگہ آپ ﷺ نے نمازیں پڑھی ہوتیں وہیں پہ سجدہ ریز ہوتے۔ سفر کیلئے وہ راستے اختیار کرتے جن پر آپ ﷺ نے سفر کیا ہوتا اور ہر سال حج ادا کرتے اور وقوفِ عرفہ کے وقت اس جگہ ٹھہرتے جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا ہوتا۔''

کتب احادیث و سیر میں ان کے حوالے سے ایک روایت ہے:

ما ذکر ابن عمر رسول الله ﷺ إلا بکی، و لا مرّ علی ربعهم إلا غمض عینيه۔[2]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے رو پڑتے، اور جب بھی آپ ﷺ کے ٹھکانوں پر گذرتے آنکھیں بند کر لیتے۔''

حضرت عبد الرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ان کا پاؤں سُن ہو گیا، میں نے تجویز پیش کی:

أذکر أحب الناس إلیک۔

''جو ہستی آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کا نام لیجیے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے (آقا ﷺ کو پکارتے ہوئے) کہا:

یا محمداه!

''اے محمد صلی اللہ علیك وآلك وسلم! مدد فرمایئے۔''

---

(۱) عسقلاني، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۴: ۱۸۶

(۲) ۱۔ بیهقی، المدخل إلی السنن الکبریٰ، ۱: ۱۴۸، رقم: ۱۱۳

۲۔ عسقلانی، الإصابة، ۴: ۱۸۷

۳۔ ذهبي، تذکرة الحفاظ، ۱: ۳۸

حضرت عبد الرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فانتشرتْ۔(۱)

''دوسرے ہی لمحے ان کا پاؤں ٹھیک ہو چکا تھا۔''

۱۴۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا فقید المثال جذبۂ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

غزوۂ تبوک کے موقع پر مسلمان اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ جہاد کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اطاعت و اتباع اور ایثار و بے نفسی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ اپنی جان کی پروا کر رہے تھے اور نہ انہیں مال و دولت اور اہل و عیال کی محبت مرغوب تھی۔ ایسے میں بعض مخلص اور سچے اہلِ ایمان بھی بوجوہ پیچھے رہ گئے لیکن جب انہیں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آئے اور ان کی چشمِ تصور میں اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسنِ بے مثال منور و تاباں ہوا تو وہ دنیا کی تمام آسائشوں اور مرغوبات کو ٹھکراتے ہوئے سیدھے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں آ گرے۔ ایسے عشاقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ایک جاں نثار صحابی حضرت ابوخیثمہ مالک بن قیس رضی اللہ عنہ کا نام بھی آتا ہے۔ وہ بھی بوجوہ بروقت لشکرِ اسلام کے ساتھ روانہ نہ ہوسکے تھے لیکن احساسِ ندامت نے انہیں جلدی رختِ سفر باندھنے پر مجبور کردیا اور وہ سیدھے جاکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں قدم بوسی کے لئے حاضر ہوگئے۔ ان کی روانگی کا واقعہ بڑا ہی ایمان افروز اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔ اہلِ سیر لکھتے ہیں کہ ان کی دو بیویاں تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑے حسن و جمال سے نوازا تھا۔ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے غزوۂ تبوک کے موقع پر خطۂ عرب شدید قحط کی زد میں تھا اور اوپر سے سورج بھی آگ برسا رہا تھا۔ انہی ایام میں جب مجاہدینِ اسلام تبوک کی طرف روانہ ہونے کو تھے حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے کھجوروں کے باغ میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی دونوں بیویوں نے باغ کے اندر اپنے سائبانوں کو خوب اچھی طرح آراستہ پیراستہ کر کے اور پانی کے چھڑکاؤ سے خوب

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۵، رقم: ۹۶۴

۲۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۱۸

۳۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۳۶۹، رقم: ۲۵۳۹

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۴: ۱۵۴

۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۱: ۳۹۹

۶۔ مزی، تهذیب الکمال، ۱۷: ۱۴۲

ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ شدید گرمی کے اس موسم میں جب ہر ذی روح **العطش العطش** پکار رہا تھا ٹھنڈے پانی کا بھی وافر بندوبست تھا۔

علاوہ ازیں دونوں بیگمات خوب بن سنور کر ان کے لئے سراپا انتظار تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر نامدار کے لئے کھانا بھی تیار کر رکھا تھا اور دونوں کی یہی خواہش تھی کہ وہ پہلے اس کے خیمے میں آئیں۔ جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ باغ کے اندر آئے تو دروازے پر کھڑے ہوکر دونوں بیویوں کے بناؤ سنگھار کو دیکھا، ان کے خیموں کا خوب جائزہ لیا جنہیں انہوں نے بلا کی گرمی میں بے حد آرام دہ اور ٹھنڈا بنا رکھا تھا۔ اس موقع پر حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے عشق کا امتحان ہوا، لیکن انہوں نے اس ظاہری اور عارضی آرام اور عیش وعشرت پر اس دائمی و ابدی آرام کو ترجیح دی جو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں ان کا منتظر تھا۔ اہلِ سیر لکھتے ہیں کہ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

رسول الله ﷺ في الضح والرّيح والحر، وأبوحيثمة في ظل بارد وطعام مهيّا، و امرأة حسناء في ماله مقيم، ما هذا بالنصف! ثم قال: والله، لا أدخل عريس واحدة منكما حتى لحق برسول الله ﷺ فهيّأ لي زاداً، ففعلتا۔(1)

''رسول اللہ ﷺ تو دھوپ، آندھی اور گرمی میں سفر پر ہوں اور ابوخیثمہ یہاں ٹھنڈے سائے، تیار کھانے اور خوبرو حسین وجمیل بیویوں کے ہمراہ اپنے مال و متاع میں محوِ استراحت ہو، یہ قرینِ انصاف نہیں۔ پھر (اپنی بیویوں کو مخاطب کر کے) فرمایا: خدا کی قسم! میں تم دونوں میں سے کسی ایک کے بھی سائبان میں داخل نہیں ہوں گا یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں، لہٰذا تم دونوں فوراً میرے لئے زادِ راہ کا انتظام کرو، چنانچہ دونوں بیویوں نے ان کے لئے زادِ راہ تیار کیا۔''

لشکرِ اسلام سوئے تبوک روانہ ہوچکا تھا۔ چنانچہ بلاتاخیر حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۵:۲۰۰
۲۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۵:۷
۳۔ابن كثير، السيرة النبوية، ۳: ۱۳
۴۔ ابن قيم، زاد المعاد، ۳: ۵۳۰
۵۔ ابن عبد البر، الإستيعاب، ۴: ۱۶۴۲
۶۔ أبوعبدالله الدورقی، مسند سعد بن أبی وقاص، ۱:۱۴۰، رقم: ۸۰

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش و جستجو میں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ تبوک پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا، جسے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ یوں یہ عاشقِ صادق اور اسیرِ حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلووں سے فیض یاب ہوا۔

۱۵۔ حضرت زید بن دثِنّہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء کا کمالِ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رئیسِ قریش سفیان بن خالد نے ایک سازش کے تحت چند آدمی مدینہ منورہ بھیجے کہ اپنے مسلمان ہونے کا ڈھونگ رچائیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست کرکے چند مبلغین اپنے ہمراہ لائیں تاکہ اُنہیں مقتولینِ اُحد کا انتقام لینے کے لئے قتل کر دیا جائے۔ اس کام کے لئے انہیں سو اونٹوں کا لالچ دیا گیا۔ یہ سازشی عناصر مدینہ منورہ سے جن مسلمانوں کو اپنے ساتھ لائے ان میں حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ راستے میں اُنہوں نے اپنے مزید آدمیوں کو بلا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گھیرا تنگ کر دیا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمت نہ ہاری اور جرأت و بہادری سے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یہ مٹھی بھر مجاہد آخر دم تک لڑتے رہے اور سوائے دو افراد کے سب کے سب شہید ہو گئے، ان دو کو مکہ لے جا کر فروخت کر دیا گیا۔ ان میں ایک حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے، جنہیں صفوان بن اُمیہ نے پچاس اونٹوں کے عوض خریدا تاکہ باپ کے بدلے میں انہیں قتل کر کے اپنی آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کر سکے۔

کفار و مشرکین کے سازشی گروہ میں ایک عورت سُلافہ بنت سعد بھی شامل تھی جس کے دو بیٹے غزوۂ اُحد میں واصلِ جہنم ہوئے تھے۔ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر اُسے مل جائے تو وہ اُس کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے، تو اس سے قبل اُنہوں نے بارگاہِ خُداوندی میں دعا کی: یا اللہ! میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری شہادت سے آگاہ فرما دے۔ اے پروردگارِ عالم! میرا سر تیری راہ میں کاٹا جا رہا ہے تو اس کی حفاظت فرما۔

جب کفار حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر کاٹنے لگے تو کہیں سے شہد کی مکھیوں کا ایک غول نمودار ہوا، جس نے شہید کے بدن کو اپنے حصار میں لے لیا۔ کفار نے سر کاٹنے کا کام یہ سوچ کر رات پر ملتوی کر دیا کہ رات کو تو شہد کی مکھیاں غائب ہو جائیں گی، لیکن رات شدید بارش ہوئی اور شہید کی لاش کو طوفانی موج بہالے گئی۔ دوسری طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جانے لگا تو کفار و مشرکینِ مکہ کا ایک ہجوم جمع ہو گیا، جس میں ابوسفیان بھی شامل تھے۔ ابوسفیان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا:

أنشدک اللہ یا زید، أتحب أن محمداً الآن عندنا مکانک یضرب عنقه وأنک في أهلک؟

’’اے زید! تجھے اللہ رب العزت کی قسم، (سچ سچ بتا) کیا تو پسند کرتا ہے کہ اس وقت تمہارے بجائے محمد (ﷺ) ہمارے پاس ہوتے کہ ہم (نعوذ باللہ) اُنہیں قتل کرتے اور تم اپنے اہل وعیال کے پاس ہوتے؟‘‘

اسیرِ حُسنِ مصطفیٰ ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں اپنے محبوب آقا ﷺ کا چہرہ گھوم گیا، فرمایا:

واللہ، ما أحبّ أنّ محمداً الآن في مکانه الذي هو فیه تصیبه شوکة تؤذیه وأني جالسٌ في أهلي۔

’’خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا، کہ میرے آقا و مولا محمد ﷺ کو اس وقت جہاں بھی رونق افروز ہوں، کانٹا بھی چبھے، کہ جس سے اُنہیں تکلیف پہنچے اور میں آرام سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیٹھا رہوں۔‘‘

ابوسفیان نے غلامِ مصطفیٰ ﷺ کی جاں نثاری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

ما رأیتُ من الناس أحدا یحب أحداً کحبِ أصحاب محمد محمداً۔(۱)

’’میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ دوسروں سے ایسی محبت کرتا ہو جیسی محبت محمد (ﷺ) کے اصحاب محمد (ﷺ) سے کرتے ہیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۴: ۱۲۶
۲۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۱۹
۳۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة (السیرة)، ۴: ۶۵
۴۔ طبری، تاریخ الأمم و الملوک، ۲: ۷۹
۵۔ ابن اثیر، اسد الغابه، ۲: ۱۰۸، ۱۵۵، ۳۵۸
۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۵۵، ۵۶
۷۔ ابن جوزی، صفوة الصفوه، ۱: ۶۴۹

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بھی قیدی بنا لیا گیا تھا اور کچھ عرصہ بعد اُنہیں بھی تختہ دار پر لٹکا دیا گیا لیکن شہادت سے قبل آپ نے مہلت مانگی کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، اجازت ملنے پر وہ اطمینان سے بارگاہِ خُداوندی میں سجدہ ریز ہو گئے۔ تختہ دار پر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں التجاء کی کہ مولا! میرا سلام میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **وعلیکم السلام**۔ اس کے ساتھ ہی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ قریشِ مکہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے ایسے چالیس افراد بلائے جن کے آباء و اجداد جنگِ بدر میں واصلِ جہنم ہوئے تھے۔ اُنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، آپ رضی اللہ عنہ کی میت تختہ دار پر لٹکی رہی، جس کی نگرانی کے لئے کفار نے چالیس افراد کا ایک ٹولہ مقرر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی اُس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أیّکم ینزل خبیبًا عن ختبته و له الجنة۔(۱)

’’تم میں سے جو شخص بھی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو تختہ دار سے اُتارے گا اُس کے لئے جنت ہے۔‘‘

چنانچہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اس حکم کو قبول کیا اور اُنہیں تختہ دار سے اُتار کر لائے۔

۱۶۔ حضرت عداس رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں

طائف کے بازاروں میں اوباش لڑکوں نے شقاوتِ قلبی کی انتہا کر دی تھی، جسمِ اطہر پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ٹخنوں سے خون بہنے لگا۔ مضروبِ طائف حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر کے لئے ایک باغ میں رکے، یہ باغ ربیعہ نامی شخص کا تھا جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین دُشمن تھا۔ اس کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اس وقت باغ میں موجود تھے۔ اُنہوں نے ایک طشتری میں انگور کا ایک خوشہ دے کر اپنے غلام عداس کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا۔ آقائے محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر انگور کے دانے توڑے تو عداس کی نظریں چہرۂ اقدس پر جم کر رہ گئیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں کے لوگ بسم اللہ پڑھ کر کھانا نہیں کھاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلام سے پوچھا: تم کس ملک کے رہنے والے ہو اور تمہارا تعلق کس دین سے ہے؟

(۱) حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، ۳: ۱۶۰۔ ۱۶۱

اُس نے بتایا کہ میں ایک عیسائی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ نینویٰ جو یونس بن متی کا شہر ہے؟ عداس تصویرِ حیرت بن گیا اور بولا: آپ یونس بن متی کو جانتے ہیں؟ ارشادِ گرامی ہوا کہ یونس بن متی میرے بھائی ہیں، وہ بھی ربِ ذوالجلال کے نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ عداس فرطِ عقیدت سے اُٹھ کھڑا ہوا، پہلے رحمۃ للعالمین ﷺ کے سرِ انور کو چوما اور پھر آقائے مکرم ﷺ کے پائے اقدس کے بوسے لینے لگا۔ واپس اپنے مالکان کی خدمت میں پہنچا تو اُنہوں نے اسے ڈانٹا لیکن غلامِ بےنوا کے لبوں پر یہ الفاظ مچل اُٹھے:

ما في الأرض خير من هذا۔(۱)

’’روئے زمین پر آج ان سے بہتر کوئی نہیں۔‘‘

۱۷۔ حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کے محبت آمیز جذبات

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ کی مثل ایک اور روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب لشکرِ یمامہ کے سپہ سالار ثمامہ بن اُثال کو گرفتار کر کے تاجدارِ کائنات ﷺ کی بارگاہِ اَقدس میں پیش کیا گیا تو حضور ﷺ نے ثمامہ کو مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھنے کا حکم دیا۔ تین دِن تک ثمامہ مسجدِ نبوی کے ستون سے بندھے رہے۔ تیسرے دن اُنہیں حضور نبیٔ اکرم ﷺ سے گفتگو کا اِعزاز حاصل ہوا، جس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کر دیا جائے۔ جب ثمامہ کو رہا کر دیا گیا تو وہ مسجدِ نبوی کے قریب کھجوروں کے ایک باغ میں چلے گئے۔ وہاں جا کر اُنہوں نے غسل کیا اور دوبارہ رسولِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضرِ خدمت ہوئے، سرِ

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۲٦۸، ۲٦۹
۲۔ ابن حبان، الثقات، ۱:۷۸
۳۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ١٦: ۲۱۱
۴۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۳:۱۳٦
۵۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۵۵۴، ۵۵۵
٦۔ ابن اثير، الکامل فی التاريخ، ۲: ۹۲
۷۔ عسقلانی، الاصابه، ۴: ۲٦۷
۸۔ سيوطی، الخصائص الکبریٰ، ۱: ۳۰۰
۹۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۱: ۳۵۵، ۳۵٦

تسلیم خم کیا اور اِیمان کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے لئے یہ تاریخی کلمات عرض کئے:

يَامحمد، واللهِ ما كان على الأرضِ وجهٌ أبغض إليّ مِن وَجْهِکَ، فقد أصبح وَجْهُکَ أحبّ الوُجوهِ كلّها إليّ، واللهِ، ما كان مِن دينٍ أبغض إليّ مِن دِيْنِکَ، فأصبح دِيْنُکَ أحبّ الدينِ كلّه إليّ، واللهِ، ما كان مِن بلدٍ أبغض إليّ مِن بَلَدِکَ، فأصبح بَلَدُکَ أحبّ البلادِ كلّها إليّ۔(۱)

''یا محمد! قسم ہے ربِ کائنات کی! رُوئے زمین پر مجھے آپ ﷺ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی چیز ناپسندیدہ نہ تھی، مگر (اَب رُوئے اَنور کی زیارت کے بعد) آپ ﷺ کے چہرۂ اَنور سے بڑھ کر مجھے کوئی چیز محبوب نہیں۔ قسم ہے ربِ ذُوالجلال کی! آپ ﷺ کا دِین میرے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا، لیکن اَب یہ دین تمام اَدیان سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ قسم ہے خدائے رحیم و کریم کی! مجھے آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر ناپسندیدہ نہ تھا، لیکن اَب آپ ﷺ کا شہرِ دِلنواز مجھے تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازی، باب وفد بنی حنيفة و حديث ثمامة بن أثال، ۴: ۱۵۸۹، رقم: ۴۱۱۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب ربط الأسير وحسبه وجواز المن عليه، ۳: ۱۳۸۶، رقم: ۱۷۶۴

۳۔ نسائی، السنن، كتاب الطهارة، باب تقديم غسل الكافر إذا أراد أن يسلم، ۱: ۱۰۹، رقم: ۱۸۹

۴۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۱: ۱۰۷، رقم: ۱۹۴

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۴: ۴۳، رقم: ۱۲۳۹

۶۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۶: ۳۱۹، رقم: ۱۲۶۱۴

۷۔ أبوعوانة، المسند، ۴: ۲۵۸، رقم: ۶۶۹۷

۸۔ ابن عبد البر، الإستيعاب، ۱: ۲۱۵

۹۔ ابن قيم، زاد المعاد، ۳: ۲۷۷

۱۰۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۳: ۱۷۲

۱۸۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول ﷺ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ما كان أحد أحب إليّ من رسول الله ﷺ۔(۱)

’’میرے نزدیک رسول اکرم ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی نہ تھا۔‘‘

۱۹۔ حضرت سُمَیّہ رضي الله عنها سے روحِ ایمانی کو جدا نہ کیا جا سکا

جس طرح سب سے پہلے اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہونے کا اعزاز ایک معزز خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا اُسی طرح سب سے پہلے حق کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت بھی ایک خاتون کو حاصل ہوئی۔ یہ خاتون حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں، جنہوں نے ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی ان کے جذبۂ ایمانی کو طرح طرح سے آزمایا گیا لیکن جان کا خوف بھی ان کے جذبۂ ایمان کو شکست نہ دے سکا۔ روایات میں مذکور ہے کہ انہیں گرم کنکریوں پر لٹایا جاتا، لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا، لیکن تشنہ لبوں پر محبتِ رسول کے پھول کھلتے رہے اور پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ عورت تو نازک آبگینوں کا نام ہے جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ایمان کا حصارِ آہنی بن گئیں۔

وروي أن أباجهل طعنها في قبلها بحربة في يده، فقتلها، فهي أول شهيد في الإسلام، وكان قتلها قبل الهجرة، وكانت ممن أظهر الإسلام بمكة في أول الإسلام۔(۲)

---

(۱) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۵۶۷

۲۔ قسطلانی، المواهب اللدنية، ۳: ۲۷۷

۳۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۴۱

۴۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية، ۹: ۸۰

(۲) ۱۔ ابن أبی شيبة، المصنف، ۷: ۱۳، رقم: ۳۳۸۶۹

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۷: ۲۴، رقم: ۳۴۶۰

←

''روایت ہے کہ ابوجہل نے ان کے جسم کے نازک حصے پر برچھی کا وار کیا جس سے وہ شہید ہوگئیں، یہ اسلام کی پہلی شہید خاتون ہیں، جن کو ہجرت سے پہلے شہید کر دیا گیا اور یہ وہ خاتون ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام کے ابتدائی دور میں اپنے اسلام کا اعلانیہ اظہار کیا تھا۔''

ابن اسحاق نے آل عمار بن یاسر کے کسی شخص سے روایت نقل کی ہے کہ

أن سمية أم عمار عذبها هذا الحي من بني المغيرة على الاسلام، وهي تأبى حتى قتلوها، وكان رسول الله ﷺ يمر بعمار وأبيه وأمه وهم يعذبون بالأبطح في رمضاء مكة، فيقول: صبرًا، يا آل ياسر فإن موعدكم الجنة۔[1]

''اُمِ عمار حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بنی مغیرہ نے اسلام لانے کی پاداش میں تکلیفیں پہنچائیں مگر اس نے (اقرار اسلام کے سوا) ہر چیز کا انکار کیا حتی کہ اُنہوں نے اسے شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا جب حضرت عمار اور ان کے والد اور والدہ کے پاس سے گزر ہوتا جن کو کفار کی طرف سے مکہ کی شدید گرمی میں وادی ابطح میں عذاب دیا جا رہا ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے اے آلِ یاسر! صبر کرو، جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

۲۰۔ اُن پہ نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

......۳۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۱: ۲۱۶، رقم: ۴۱۷۴

۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱: ۱۵۰

۵۔ ابن اثیر، أسد الغابہ، ۷: ۱۵۳

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرك، ۳: ۴۳۲، رقم: ۵۶۴۶

۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۲۴: ۳۰۳، رقم: ۷۶۹

۳۔ بیهقی، شعب الإيمان، ۲: ۲۳۹، رقم: ۱۶۳۱

۴۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۳: ۴۹

۵۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۱۶۲

۶۔ ابن اثیر، أسد الغابة، ۷: ۱۵۲

مر رسول الله ﷺ بامرأة من بني دينار، وقد أصيب زوجها وأخوها وأبوها مع رسول الله ﷺ بأحد، فلما نُعوا لها، قالت: فما فعل رسول الله ﷺ؟ قالوا: خيرا يا أم فلان، هو بحمد الله كما تحبين، قالت: أرونيه حتى أنظر إليه؟ قال: فأشير لها إليه، حتى إذا رأته، قالت: كل مصيبة بعدک جلل۔(۱)

''قبیلہ بنو دینار کی ایک عورت (حمنہ بنت جحش) کا شوہر، اس کا بھائی اور باپ غزوۂ اُحد میں ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تھے، اسے ان تینوں کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو اس نے پوچھا: بتاؤ کہ رسولِ اکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟ جواب دیا گیا: اے اُمِ فلاں! خدا کے فضل و کرم سے آپ ﷺ بخیریت ہیں جیسا کہ تمہاری آرزو ہے۔ خاتون نے کہا: مجھے بتاؤ کہ آپ ﷺ کہاں ہیں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا گیا۔ اُس نے دیکھ لیا تو کہا: (یا رسول اللہ) آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔''

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

لما قيل يوم أحد قتل محمد ﷺ وكثرت الصوارخ بالمدينة، خرجت

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۴: ۵۰
۲۔ قاضی عياض، الشفاء، ۲: ۵۶۸
۳۔ بيهقی، دلائل النبوة، ۳: ۳۰۲
۴۔ طبری، تاريخ الأمم و الملوك، ۲: ۷۴
۵۔ كلاعی، الإكتفاء بما تضمنه من مغازی رسول الله ﷺ و الثلاثة الخلفاء، ۲: ۸۴
۶۔ ابن كثير، البداية و النهاية، ۴: ۴۷
۷۔ قسطلانی، المواهب اللدنية، ۳: ۲۷۶
۸۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۴۱، ۴۲
۹۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية، ۹: ۷۹
۱۰۔ حلبی، انسان العيون، ۲: ۵۴۲

امرأة من الأنصار، فاستقبلت بأخيها وابنها وزوجها وأبيها قتلى، لا تدرى بأيهم استقبلت، فكلما مرت بواحد منهم صريعاً قالت: من هذا؟ قالوا: أخوک وأبوک وزوجک وابنک، قالت: فما فعل النبي ﷺ؟ فيقولون: أمامک، حتى ذهبت إلى رسول الله ﷺ فأخذت بناحية ثوبه ثم جعلت تقول: بأبي أنت وأمي، يا رسول الله، لا أبالي إذا سلمت من عطب۔(۱)

’’جب غزوۂ اُحد کے موقع پر یہ مشہور کر دیا گیا کہ (معاذ اللہ) محمد مصطفٰی ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں اور اس خبر کی وجہ سے شہرِ مدینہ میں ایک اِضطراب برپا ہوگیا تو (اس پریشانی کے عالم میں حمنہ بنت جحش نامی) ایک انصاری خاتون (اپنے آقا ﷺ کی خبر کے لئے) نکل پڑی۔ پس اُس نے دیکھا کہ اُس کا بھائی، بیٹا، شوہر اور باپ قتل کر دیئے گئے ہیں مگر اُسے ہوش نہیں کہ اُس کے سامنے کون ہے۔ پس جب اس کے پاس سے کسی شہید کو لے کر گزرتے تو وہ پوچھتی: یہ کون ہے؟ جواب ملتا: یہ تیرا بھائی ہے، (کبھی جواب ملتا:) یہ تیرا باپ ہے، یہ تیرا خاوند ہے، یہ تیرا بیٹا ہے۔ وہ (ہر ایک کا جواب سن کر) کہتی: (مجھے فقط یہ بتاؤ کہ میرے آقا) حضور نبی اکرم ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: (آپ ﷺ بخیریت ہیں اور) آگے تشریف لے گئے ہیں۔ پھر وہ رسولِ خدا ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ کا مقدس دامن پکڑ کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! جب آپ محفوظ ہیں تو مجھے (ان تمام کے شہید ہونے پر) کوئی غم نہیں۔‘‘

اَعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ نے کیا خوب کہا ہے:

اُن پہ نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں(۲)

۲۱۔ اُستنِ حنانہ: ایک اِیمان اَفروز واقعہ

اسلام کے ابتدائی دور میں آقا دوجہاں ﷺ مسجدِ نبوی میں کھجور کے ایک خشک تنے کے

(۱) ۱۔ قسطلانی، المواهب اللدنية، ۳: ۲۷۶، ۲۷۷
۲۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنيه، ۹: ۷۹، ۸۰
(۲) احمد رضا، حدائقِ بخشش: ۴۰

ساتھ ٹیک لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے اور اس طرح آپ ﷺ کو کافی دیر کھڑے رہنا پڑتا۔ صحابہ کرام ﷺ کو آپ ﷺ کی یہ مشقت شاق گزری۔ ایک صحابی جس کا بیٹا بڑھئی تھا، نے حضور ﷺ کے لئے منبر بنانے کی درخواست کی تاکہ اُس پر بیٹھ کر آپ ﷺ خطبہ دیا کریں۔ آپ ﷺ نے اس درخواست کو پذیرائی بخشی، چنانچہ حضور ﷺ نے کھجور کے تنے کو چھوڑ کر اس منبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ اس تنے سے گریہ و زاری کی آوازیں آنے لگیں۔ اُس مجلسِ وعظ میں موجود تمام صحابہ کرام ﷺ نے اُس کے رونے کی آواز سنی۔ آقائے دوجہاں ﷺ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو منبر سے اُتر کر اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے اپنے دستِ شفقت سے تھپکی دی تو وہ بچوں کی طرح سسکیاں بھرتا ہوا چپ ہوگیا۔(۱)

اُس ستون کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ روایت اس طرح ہے:

كان النبی ﷺ يخطب إلى جذع، فلما اتخذ المنبر تحوّل إليه فحن الجذع، فأتاه فمسح يده عليه۔(۲)

’’رسالت مآب ﷺ ایک کھجور کے تنے کے ساتھ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب منبر تیار ہوگیا تو آپ ﷺ اُسے چھوڑ کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اُس تنے نے رونا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ اُس کے پاس تشریف لے گئے اور اُس پر دستِ شفقت رکھا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في بدء شأن المنبر، ۱:۴۵۵، رقم: ۱۴۱۷

۲۔ دارمی، السنن، المقدمة، باب ما أكرم النبي بحنين المنبر، ۱:۲۹، رقم: ۳۲

۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۲:۳۶۷، رقم: ۲۲۵۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳:۱۳۱۴، رقم: ۳۳۹۰

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، كتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب في آيات إثبات نبوة النبي ﷺ وما قد خصه الله، ۵:۵۹۴، رقم: ۳۶۲۷

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴:۴۳۵، رقم: ۶۵۰۶

۴۔ بیهقی، السنن الكبریٰ، ۳:۱۹۵، رقم: ۵۴۸۹

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما تنے کی کیفیت بیان کرتے ہیں:

فصاحت النخلة صياح الصبي، ثم نزل النبي ﷺ فضمها إليه، تئن أنين الصبي الذي يسكن۔(۱)

''کھجور کے تنے نے بچوں کی طرح گریہ و زاری شروع کر دی تو حضور ﷺ منبر سے اُتر کر اُس کے قریب کھڑے ہو گئے اور اُسے اپنی آغوش میں لے لیا، اس پر وہ تنا بچوں کی طرح سسکیاں لیتا خاموش ہو گیا۔''

حضرت انس بن مالک اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اُس تنے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فسمعنا لذالک الجذع صوتا کصوتِ العشار، حتی جاء النبي ﷺ فوضع يده عليها فسكنت۔(۲)

''ہم نے اُس تنے کے رونے کی آواز سنی، وہ اُس طرح رویا جس طرح کوئی اُونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے تشریف لا کر اُس پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور وہ خاموش ہو گیا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳:۱۳۱۴، رقم: ۳۳۹۱

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳:۱۹۵، رقم: ۵۴۸۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳:۱۳۱۴، رقم: ۳۳۹۲

۲۔ دارمی، السنن، المقدمة، باب ما أکرم النبي ﷺ بحنين المنبر، ۱:۳۰، رقم: ۳۴

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳:۱۹۵، رقم: ۵۴۸۷

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱:۲۵۳

۵۔ ابن جوزی، صفوة الصفوه، ۱:۹۸

لو لم أحتضنه لحن إلی یوم القیامة۔(۱)

’’اگر آپ ﷺ اس ستون کو بانہوں میں لے کر چپ نہ کراتے تو قیامت تک روتا رہتا۔‘‘

یہ آپ ﷺ کی پشتِ اقدس کے لمس کا اثر تھا کہ ایک بے جان اور بے زبان لکڑی میں آثارِ حیات نمودار ہوئے جس کا حاضرینِ مجلس نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیثِ مبارکہ میں اس طرح ہیں:

کان جذع نخلة في المسجد یسند رسول اللہ ﷺ ظهره إلیه إذا کان یوم الجمعة أو حدث أمر یرید أن یکلم الناس، فقالوا: ألا نجعل لک یارسول اللہ شیئاً کقدر قیامک، قال: لا، علیکم أن تفعلوا. فصنعوا له منبراً ثلاث مراق. قال: فجلس علیه، قال: فخار الجذع کما تخور البقرة جزعا علی رسول اللہ ﷺ، فالتزمه و مسحه حتی سکن۔(۲)

’’مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ خطبہ پڑھنے کے لئے جمعہ کے دن یا کسی ایسے وقت میں جب لوگوں کو کوئی حکمِ الٰہی پہنچانا ہوتا، کھجور کے ایک ستون سے پشت مبارک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اگر آپ حکم فرمائیں تو آپ کے لئے کوئی ایسی شے تیار کی جائے جس پر آپ کھڑے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسا کر سکتے ہو تو اجازت ہے۔ چنانچہ تین درجوں والا ایک منبر تیار کرایا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اُس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگے تو ستون سے رونے کی آواز سنی گئی۔ آپ ﷺ فوراً منبر سے اُترے، اُسے سینہ سے لگایا اور

---

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء في بدء شأن المنبر، ۱:۴۵۴، رقم: ۱۴۱۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۶۳، رقم: ۳۴۳۰
۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۶:۳۱۹، رقم: ۳۱۷۴۶
۴۔ أبویعلی، المسند، ۶:۱۱۴، رقم: ۳۳۸۴
۵۔ عبد بن حمید، المسند، ۱:۳۹۶، رقم: ۱۳۳۶

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۱۰۹، رقم: ۵۸۸۶

(جیسا کہ بچوں کے چپ کرانے کے لئے کیا جاتا ہے) اُس پر محبت اور شفقت سے ہاتھ پھیرتے رہے، یہاں تک کہ وہ پرسکون ہو گیا۔''

مثنوی مولانا رومؒ: ہجرِ نبی کا پیکرِ شعری

مولانا رومؒ نے اِسی واقعہ کو اپنے پیار بھرے اشعار میں یوں بیان کیا ہے:

اُستنِ حنانه دَر هجرِ رسول
ناله میزد همچو اربابِ عقول

(رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں کھجور کا ستون انسانوں کی طرح رو دیا۔)

درمیانِ مجلسِ وعظ آنچناں
کزوے آگاه گشت هم پیر و جواں

(وہ اس مجلسِ وعظ میں اس طرح رویا کہ تمام اہلِ مجلس اس پر مطلع ہوگئے۔)

در تحیر ماند اصحابِ رسول
کز چه مے نالد ستوں با عرض و طول

(تمام صحابہ حیران ہوئے کہ یہ ستون کس سبب سے سرتاپا محوِ گریہ ہے۔)

گفت پیغمبر چه خواهی اے ستوں
گفت جانم از فراقت گشت خوں

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ستون تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا: میری جان آپ کے فراق میں خون ہوگئی ہے۔)

مسندت من بودم از من تاختی
بر سرِ منبر تو مسند ساختی

(پہلے تو میں آپ کی مسند تھا، آپ نے مجھ سے کنارہ کش ہوکر منبر کو مسند بنالیا۔)

پس رسولش گفت کای نیکو درخت
اے شده باسر تو همراز بخت

گرھمے خواھی ترا نخلے کنند
شرقی و غربی ز تو میوہ چنند

(آپ نے فرمایا: اے وہ درخت جس کے باطن میں خوش بختی ہے، اگر تو چاہے تو تجھ کو پھر ہری بھری کھجور بنا دیں حتی کہ مشرق و مغرب کے لوگ تیرا پھل کھائیں۔)

یا دراں عالم حقت سروے کند
تا ترو تازہ بمانی تا ابد

(یا اللہ تعالیٰ تجھے اگلے جہاں بہشت کا سرو بنا دے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تروتازہ رہے۔)

گفت آن خواھم کہ دائم شد بقاش
بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

(اس نے عرض کیا: میں وہ بننا چاہتا ہوں جو ہمیشہ رہے۔ اے غافل! تو بھی بیدار ہو اور ایک خشک لکڑی سے پیچھے نہ رہ جا ﴿یعنی جب ایک لکڑی دار البقاء کی طلب گار ہے تو انسان کو تو بطریقِ اولیٰ اس کی خواہش اور آرزو کرنی چاہئیے﴾۔)

آں ستون را دفن کرد اندر زمین
تاچو مردم حشر گردد یومِ دیں[1]

(اس ستون کو زمین میں دفن کر دیا گیا، تاکہ قیامت کے دن اسے انسانوں کی طرح اٹھایا جائے۔)

۲۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وِصال پر جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیت

(۱) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب فراقِ مصطفیٰ ﷺ تھا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

كان سبب موت أبي بكر موت رسول الله ﷺ ما زال جسمه يجرى حتىٰ

(۱) مولانا روم، مثنوی مولوی معنوی

مات۔[(۱)]

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال (کا غم) تھا، یہی وجہ ہے کہ فراق میں آپ کا جسم نہایت ہی کمزور ہو گیا تھا حتی کہ آپ کا اِنتقال ہو گیا۔''

حضرت زیاد بن حنظلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

کان سبب موت أبي بکر الکمد علی رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[(۲)]

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال پر ہونے والا حزن و اَلم تھا۔''

(۲) فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نالۂ شوق

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ہجر و فراق کے ان لمحات میں یہ کلمات عرض کئے:

السلام علیک یا رسول الله! بأبي أنت و أمي، لقد کنت تخطبنا علی جذع نخلة، فلما کثر الناس اتخذت منبراً لتسمعهم، فحنّ الجذع لفراقک، حتی جعلت یدک علیه فسکن، فأمتک أولیٰ بالحنین إلیک لما فارقتها، بأبي أنت و أمي، یا رسول الله، لقد بلغ مِن فضیلتک عنده أن جعل طاعتک طاعته، فقال عزوجل: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔[(۳)]

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ پر سلام ہو، آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ آپ ہمیں کھجور کے تنے کے ساتھ کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے، کثرتِ صحابہ کے پیشِ نظر منبر بنوایا

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۳:۶۶، رقم: ۴۴۱۰
۲۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، ۱:۲۶۳
۳۔ سیوطی، مسند أبی بکر الصدیق: ۱۹۸، رقم: ۶۳۱
۴۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۸۱

(۲) سیوطی، مسند أبی بکر الصدیق: ۱۹۸، رقم: ۶۳۲

(۳) عبدالحلیم محمود، الرسول: ۲۲، ۲۳

گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیک وسلم اُس تنے کو چھوڑ کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو اس نے آپ صلی اللہ علیک وسلم کی جدائی میں سسکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیک وسلم نے اس پر دستِ شفقت رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ جب اس بے جان کھجور کے تنے کا یہ حال ہے تو اِس اُمت کو آپ صلی اللہ علیک وسلم کے فراق پر نالۂ شوق کا زیادہ حق ہے۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیک وسلم کو کتنی فضیلت عطا فرمائی ہے کہ آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دے دیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔''

دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

بأبي أنت وأمي، يا رسول الله، لقد بلغ من تواضعک أنک جالستنا، وتزوجتَ منّا، وأکلتَ معنا، ولبستَ الصوف، ورکبتَ الدواب، واردفت خلفه، ووضعت طعامک علی الأرض تواضعا منک۔[1]

''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیک وسلم پر قربان ہوں، آپ کا یہ عالم ہے کہ (عرش کے مہمان ہوکر) ہم خاک نشینوں کے ساتھ رہے، ہم لوگوں کے ساتھ نکاح کیا اور ہمارے ساتھ کھایا، صوف کا لباس پہنا، عام جانور پر سواری فرمائی بلکہ ہم جیسوں کو اپنے پیچھے بٹھایا اور اپنی تواضع کے پیشِ نظر زمین پر دسترخواں بچھایا۔''

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے: ایک رات آپ عوام کی خدمت کے لیے رات کو نکلے تو آپ نے ایک گھر میں دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اُون کاتتے ہوئے ہجر و فراق میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہی ہے:

علی محمد صلاة الأبرار صلی علیه الطیبون الأخیار

قد کنتَ قواماً بکا بالأسحار یا لیت شعري والمنایا أطوار

هل تجمعنی وحبیبی الدار[2]

---

(۱) عبدالحلیم محمود، الرسول: ۲۲، ۲۳

(۲) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۲۱

۲۔ ابن مبارک، الزہد، ۱: ۳۶۳

۳۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۴۰

(محمد ﷺ پر اللہ کے تمام ماننے والوں کی طرف سے سلام ہو اور تمام متقین کی طرف سے بھی۔ آپ راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام کرنے والے اور سحری کے وقت آنسو بہانے والے تھے۔ ہائے افسوس! اسبابِ موت متعدد ہیں، کاش مجھے یقین ہوجائے کہ روزِ قیامت مجھے آقا ﷺ کا قرب نصیب ہوسکے گا۔)

یہ اشعار سن کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بے اختیار اپنے آقا ﷺ کی یاد آگئی اور وہ زار و قطار رو پڑے۔ اہل سیر آگے لکھتے ہیں:

طرق عليها الباب، فقالت: من هذا؟ فقال: عمر بن الخطاب، فقالت: ما لي ولعمر في هذه الساعة؟ فقال: افتحی، يرحمک الله فلا بأس عليک، ففتحت له، فدخل عليها، وقال: ردی الكلمات التي قلتيها آنفا، فردتها، فقال: ادخليني معكما وقولي وعمر فاغفرله يا غفار۔[1]

''انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ خاتون نے پوچھا: کون؟ آپ نے کہا: عمر بن الخطاب۔ خاتون نے کہا: رات کے ان اوقات میں عمر کو یہاں کیا کام؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، تو دروازہ کھول تجھے کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ اس نے دروازہ کھولا، آپ اندر داخل ہوگئے اور کہا کہ جو اشعار تو ابھی پڑھ رہی تھی انہیں دوبارہ پڑھ۔ اس نے جب دوبارہ اشعار پڑھے تو آپ کہنے لگے کہ اس مسعود و مبارک اجتماع میں مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرلے اور یہ کہہ کہ ہم دونوں کو آخرت میں حضور ﷺ کا ساتھ نصیب ہو اور اے معاف کرنے والے عمر کو معاف کر دے۔''

بقول قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے بعد چند دن تک صاحبِ فراش رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی عیادت کے لئے آتے رہے۔

(۳) سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کا تاجدارِ کائنات ﷺ سے عشقِ لازوال

سیدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کا وِصال حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے بعد اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے ہوا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ اِس بارے میں مختلف روایات ہیں: سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کا وِصال حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے وِصال مبارک کے چھ (۶) ماہ بعد ہوا۔

(۱) خفاجی، نسیم الریاض، ۳: ۳۵۵

بعضوں نے آٹھ (۸) ماہ کہا ہے، بعضوں نے سو (۱۰۰) دن اور بعضوں نے (۷۰) دن کہا ہے، جبکہ صحیح قول چھ (۶) ماہ کا ہی ہے۔ وِصال کے وقت سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی عمر مبارک اُنتیس (۲۹) سال تھی۔ آپ نے منگل کی رات ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو وفات پائی۔ (۱)

سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی اِتنی کم عمری میں وفات کا سبب یہ ہے کہ آپ اپنے ابا جان تاجدارِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جدائی کا غم برداشت نہ کر سکیں، آپ اکثر غمگین رہتیں اور حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے وِصال کے بعد کبھی آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ (۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے وِصال کے موقع پر سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا نے یہ مرثیہ پڑھا۔

يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ
يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّتُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ

يَا أَبَتَاهُ إِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ
يَا أَبَتَاهُ مِنْ رَبِّهِ مَا أَدْنَاهُ (۳)

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۷۶، رقم: ۴۷۶۱
۲۔ محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۰۱
۳۔ ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ، ۲: ۸، ۹
۴۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ۷: ۲۲۱

(۲) ۱۔ دولابی، الذریۃ الطاھرۃ: ۱۱۱، رقم: ۲۱۲
۲۔ محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۰۳
۳۔ ابن اثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ۷: ۲۲۱

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، ۴: ۱۶۱۹، رقم: ۴۱۹۳
۲۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب في البکاء علی المیت، ۴: ۱۲، رقم: ۱۸۴۴
۳۔ ابن ماجۃ، السنن، کتاب ما جاء في الجنائز، باب ذکر وفاته ودفنه، ۱: ۵۲۲، رقم: ۱۶۳۰

اے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا بلاوا قبول فرمایا۔ اے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں قیام پذیر ہیں۔ اے ابا جان! میں اس غم کی خبر جبریل کو سناتی ہوں۔ اے ابا جان! آپ اپنے خدا سے کس قدر قریب ہیں۔)

محدثین نے بیان کیا ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین مبارک کے بعد واپس لوٹے تو سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا نے اِس اَلم ناک موقع پر اپنے جذبات کا اظہار یوں فرمایا:

يا أنس، أطابت أنفسكم إن دفنتم رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في التراب و رجعتم!(۱)

''اے انس! تمہیں اتنا حوصلہ کس طرح ہوا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مٹی کے نیچے دفن کر کے واپس لوٹ آئے۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصال کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالعموم مغموم رہتے، حتی کہ بعض نے مسکرانا ہی ترک کر دیا۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سیدہ عالم حضرت فاطمۃ الزہراء رضي الله عنها کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

ما رأيت فاطمة رضي الله عنها ضاحكة بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔(۲)

۴۔ دارمی، السنن، المقدمة، باب في وفاة النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱:۵۴، رقم: ۸۷

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴:۵۹۲، رقم: ۶۶۲۲

۶۔ أبويعلى، المسند، ۶:۱۱۱، رقم: ۳۳۸۰

مرثیہ کا چوتھا مصرعہ امام بخاری نے بیان نہیں کیا جبکہ دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاته، ۴:۱۶۱۹، رقم: ۴۱۹۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۰۴، رقم: ۱۳۱۳۹

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۵۹۲، رقم: ۶۶۲۲

۴۔ حاکم، المستدرك، ۱:۵۳۷، رقم: ۱۴۰۸

۵۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۳: ۴۰۹

۶۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۱:۱۱۸

۷۔ ابن اثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة رضی اللہ عنہم، ۷: ۲۲۱

(۲) ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفىٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۸۰۳

’’میں نے آپ ﷺ کے وِصال مبارک کے بعد کبھی بھی حضرت فاطمۃ الزہراء رضي الله عنها کو مسکراتے نہیں دیکھا۔‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضي الله عنها آقائے دوجہاں ﷺ کے مزارِ اَقدس پر حاضر ہوتیں تو آپ رضي الله عنها کی کیفیت اس طرح ہوتی کہ

أخذت قبضة من تراب القبر، فوضعتهٗ علی عینیها، فبکت و انشأت تقول:

ماذا علی من شم تربة أحمد
أن لا یشم مدی الزمان خوالیا
صبت عليّ مصائب لو أنها
صبت علی الأیام صرن لیالیا[1]

’’قبرِ اَنور کی مٹی مبارک اُٹھا کر آنکھوں پر لگا لیتیں اور حضور ﷺ کی یاد میں رو رو کر یہ اَشعار پڑھتیں:

(جس شخص نے آپ ﷺ کے مزارِ اَقدس کی خاک کو سونگھ لیا ہے اسے زندگی میں کسی دوسری خوشبو کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کے وِصال کی وجہ سے مجھ پر جتنے عظیم مصائب آئے ہیں اگر وہ دنوں پر اُترتے تو وہ راتوں میں بدل جاتے۔)

اِس غمناک صورتحال میں جب سیدہ کائنات سلام الله علیها کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے موت کو خوش دلی سے قبول کیا کیونکہ موت انہیں ربِ ذُوالجلال اور اپنے ابا جان سے ملانے والی تھی۔ اس کیفیت کا ذکر ائمہ و محدثین نے یوں کیا ہے:

عن أم سلمة رضي الله عنها قالت: اشتکت فاطمة سلام الله علیها شکواها التي قبضت فیه، فکنت أمرضها فاصبحت یوما کامثل ما رأیتها في شکواها تلک، قالت: وخرج عليّ لبعض حاجته، فقالت: یا أمه، اسکبي لي غسلا، فسکبت لها غسلا فاغتسلت کاحسن ما رأیتها تغتسل، ثم قالت: یا أمه، اعطینی ثیابي

---

(۱) ۱۔ذھبی، سیر أعلام النبلاء، ۲:۱۳۴
۲۔ مقدسی، المغنی، ۲:۲۱۳

الجدد، فاعطيتها فلبستها، ثم قالت: يا أمه، قدمي لي فراشي وسط البيت، ففعلت واضطجعت واستقبلت القبلة وجعلت يدها تحت خدها، ثم قالت: يا أمه، إني مقبوضة الآن وقد تطهرت، فلا يكشفني أحد فقبضت مكانها، قالت: فجاء عليّ فاخبرته۔[1]

’’حضرت ام سلمٰی رضي الله عنها بیان کرتی ہیں کہ جب سیدۂ فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنی مرضِ موت میں مبتلا ہوئیں تو میں ان کی تیمارداری کرتی تھی۔ مرض کے اس پورے عرصہ کے دوران میں جہاں تک میں نے دیکھا ایک صبح ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے۔ سیدہ نے کہا: اماں! میرے غسل کرنے کے لیے پانی لائیں۔ میں پانی لائی، آپ نے جہاں تک میں نے دیکھا بہترین غسل کیا۔ پھر بولیں: اماں جی! مجھے نیا لباس دیں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئیں، ہاتھ مبارک رُخسار مبارک کے نیچے کر لیا، پھر فرمایا: اماں جی! اب میری وفات ہوگی، میں پاک ہو چکی ہوں، لہٰذا مجھے کوئی بے پردہ نہ کرے۔ پس اسی جگہ آپ کی وفات ہوگئی۔

ام سلمٰی کہتی ہیں: پھر حضرت علی کرم اللہ وجهہ تشریف لائے تو میں نے انہیں سیدہ کے وِصال کی اطلاع دی۔‘‘

اَصحاب سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی وفات مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں ہوئی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور سیدنا علی، سیدنا عباس اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے آپ کو لحد میں اتارا۔ یوں آپ اپنے ابا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۶۱، ۴۶۲، رقم: ۲۷۶۵۶
۲۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابة، ۲: ۶۲۹، ۷۲۵، رقم: ۱۰۷۴، ۱۲۴۳
۳۔ دولابی، الذرية الطاهرة: ۱۱۳
۴۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۹: ۲۱۱
۵۔ زیلعی، نصب الراية، ۲: ۲۵۰
۶۔ محب طبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۰۳
۷۔ ابن اثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة رضی اللہ عنہم، ۷: ۲۲۱

جا ملیں۔[1]

(۴) حضرت حسان بن ثابت ...... مریضِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے وِصال کے بعد ہجرو فراق کی کیفیات اَشعار میں یوں بیان کی ہیں:

ما بال عينك لا تنام كأنما
كحلت مآقيها بكحل الأرمد

(اب آنکھوں میں نیند نہیں رہی بلکہ یہ ہر وقت یوں رہتی ہیں جیسے اِن میں کوئی اَشک آور چیز ڈال دی گئی ہے۔)

وجهي يقيك الترب لهفي ليتني
غيبت قبلك في بقيع الغرقد

(آپ کی تدفین اور وِصال پر مجھے اِحساس ہوا کہ کاش میں آپ سے پہلے بقیع کے قبرستان میں دفن ہو چکا ہوتا۔)

فظللت بعد وفاته متبلدا
يا ليتني صبحت سم الأسود

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۷۷، ۱۷۸، رقم: ۴۷۶۳-۴۷۶۵

۲۔ ابن أبی شیبۃ، المصنف، ۳: ۳۱، رقم: ۱۱۸۲۶

۳۔ ابن أبی شیبۃ، المصنف، ۷: ۲۵، رقم: ۳۳۹۳۸

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۳۱

۵۔ محب طبری، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ۱: ۱۷۵، ۱۷۶

۶۔ محب طبری، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ: ۱۰۴

۷۔ شیبانی، الآحاد و المثانی، ۵: ۳۵۵، رقم: ۲۹۳۷

۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۲۹

۹۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، ۲: ۸

۱۰۔ ابن اثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۷: ۲۲۱

(میرے آقا! میں آپ کے وصال کے بعد ہوش رفتہ بن گیا ہوں، کاش! مجھے آج ہی کوئی سانپ ڈس لے (اور میں اپنے آقا سے جا ملوں)۔)

أأُقیم بعدک بالمدینة بینهم
یا لیتنی صبحت سم الأسود

(اب میں آپ کے بعد مدینہ میں لوگوں کے ساتھ کیسے بیٹھوں؟ ہائے افسوس! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔)

واللہ أسمع ما بقیت بهالک
إلا بکیت علی النبي محمد

(خدا گواہ ہے کہ میں جب تک زندہ ہوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں روتا رہوں گا۔)

یا رب فاجمعنا معا و نبینا
فی جنة تثنی عیون الحسد[۱]

(اے ربِ کریم! ہمیں ہمارے آقا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت میں جمع فرما تاکہ حاسدین کی آنکھیں جھک جائیں۔)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور فراقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محدثین نے بیان کیا ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین مبارک کے بعد واپس لوٹے تو سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا نے اِس اَلم ناک موقع پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے تدفین کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یا أنس! أطابت أنفسکم إن دفنتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی التراب و رجعتم![۲]

(۱) ۱۔ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲:۳۲۳

۲۔ابن ہشام، السیرة النبویة، ۶:۹۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازي، باب مرض النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووفاته، ۴:۱۶۱۹، رقم: ۴۱۹۳

←

''اے انس! تمہیں اتنا حوصلہ کس طرح ہوا کہ تم رسول اللہ ﷺ کو مٹی کے نیچے دفن کر کے واپس لوٹ آئے۔''

حضرت حماد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد مشہور تابعی حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے تو:

بكى حتى تختلف أضلاعه۔(۱)

''وہ اتنا روتے کہ ان کی پسلیاں اپنی جگہ سے ہل جایا کرتی تھیں۔''

(٦) فراقِ رسول ﷺ میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب انہیں ان کے بیٹے نے حضور ﷺ کے وصال مبارک کی خبر دی تو اُس وقت وہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کی خبر سن کر غمزدہ ہوگئے اور بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر اُنہوں نے اُسی وقت یہ دعا مانگی:

اللهم أذهب بصري حتى لا أدري بعد حبيبي محمدا أحدا۔(۲)

''اے اللہ! میری بینائی اُچک لے کیونکہ میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔''

پس اُس صحابی کی دعا قبول ہوئی اوران کی بینائی لے لی گئی۔

.... ۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۰۴، رقم: ۱۳۱۳۹

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۵۹۲، رقم: ۶۶۲۲

۴۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۸

۵۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۴۰۹

۶۔ ابن جوزی، صفوة الصفوة، ۱: ۱۱۸

۷۔ ابن اثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة رضی اللہ عنہم، ۷: ۲۲۱

(۱) ابن جوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ ﷺ: ۸۰۳

(۲) ۱۔ قسطلانی، المواهب اللدنية، ۳: ۲۷۹

۲۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية، ۹: ۸۴، ۸۵

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن رجلا من أصحاب محمد ذهب بصره فعادوهٗ۔

''حضور علیه الصلوة والسلام کے صحابہ میں سے ایک صحابی کی بینائی (فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں) جاتی رہی تو لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے۔''

جب ان کی بینائی ختم ہونے پر افسوس کا اظہار کیا گیا تو وہ کہنے لگے:

كنتُ أريدهما لأنظر إلى النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فأما إذا قُبض النبي، فوالله ما يسّرنى أن بهما بظبى من ظباء تبالة۔(۱)

''میں ان آنکھوں کو فقط اس لئے پسند کرتا تھا کہ ان کے ذریعے مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ اب چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے اس لئے اگر مجھے چشمِ غزال (ہرن کی آنکھیں) بھی مل جائیں تو کوئی خوشی نہ ہوگی۔''

(۷) امام آلوسی نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تڑپاتی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدارِ فرحت آثار کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبارک حجروں میں تلاش کرتے۔

فجاء إلى ميمونة رضي الله عنها، **فأخرجت له مرأته، فنظر فيها، فرأى صورة رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولم ير صورة نفسه۔**(۲)

''پھر وہ حضرت میمونہ رضي الله عنها کے ہاں آ جاتے۔ پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی آئینہ اُس صحابی رضی اللہ عنہ کو دے دیتیں (جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا)۔ جب وہ صحابی رضی اللہ عنہ اُس آئینہ مبارک میں دیکھتا تو اسے اپنی صورت کی بجائے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت نظر آتی۔''

(۸) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے بارے منقول ہے:

أنه كان إذا سمع الحديث أخذه العويل و الزويل۔(۳)

---

(۱) بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۱۸۸، رقم: ۵۳۳

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۲۲: ۳۹

(۳) قاضي عياض، الشفاء، ۲: ۵۹۸

''جب حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث سنتے تو ان کی حالت غیر ہو جاتی اور چیخ چیخ کر روتے۔''

(۹) ایک روایت میں ہے:

أن امرأة قالت لعائشة: اكشفي لي قبر رسول الله ﷺ، فكشفته لها، فبكت حتى ماتت۔(۱)

''ایک عورت نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: مجھے رسولِ خدا ﷺ کی قبر مبارک کھول دیں، (میں مزارِ اَقدس کی زیارت کرنا چاہتی ہوں)۔ پس سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لیے کھول دیا، وہ عورت (ہجرِ رسول ﷺ کے صدمے سے) بہت روئی حتی کہ واصل بحق ہوگئی۔''

علامہ اقبالؒ اِسی سوز و گداز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوتِ قلب و جگر گردد نبی
اَز خدا محبوب تر گردد نبی(۲)

(حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی دل و جگر کی تقویت کا باعث بنتی ہے اور شدت اختیار کر کے خدا سے بھی زیادہ محبوب بن جاتی ہے۔)

سوزِ صدیق و علی اَز حق طلب
ذرۂ عشق نبی اَز حق طلب(۳)

(تو حق تعالیٰ سے عشق کی وہ تڑپ مانگ جو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ میں تھی۔ تو حق تعالیٰ سے آپ ﷺ کے عشق کا ذرّہ طلب کر۔)

(۱۰) اِمام مالک رضی اللہ عنہ سے حضرت ایوب سختیانی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء، ۲: ۵۷۰
۲۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوۃ، ۲: ۲۰۴، رقم: ۲۰۳
۳۔ ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۴۴

(۲) اِقبال، کلیات (اَسرار و رموز): ۱۱۳

(۳) اِقبال، کلیات (پیامِ مشرق): ۲۰۳

ما حدثتكم عن أحد إلا و أيوب أفضل منه۔

''میں نے جن جن بزرگوں سے تمہیں حدیث روایت کی ہے ان میں سے افضل ترین شخصیت حضرت ایوب سختیانی کی ہے۔''

اور پھر فرمایا:

وحج حجتين فكنت أرمقه و لا أسمع منه غير أنه كان إذا ذكر النبي ﷺ بكى حتى أرحمه، فلما رأيت منه ما رأيت و اجلاله للنبي ﷺ كتبت عنه۔(۱)

''اُنہوں نے دو حج کیے تھے، میں نے انہیں دیکھا تھا مگر ان سے سماع نہیں کیا تھا، ان کی حالت یہ تھی کہ جب ان کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ کیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات شروع ہو جاتی، یہاں تک کہ مجھ پر بھی رِقت کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ جب میں نے شوق نبی ﷺ میں اُن کا رونا اور حد درجہ اِحترامِ رِسالت مآب ﷺ کا منظر دیکھا تو ان سے حدیث کا علم حاصل کیا۔''

حضرت مصعب بن عبداللہ رضي الله عنهما فرماتے ہیں:

كان مالك إذا ذكر النبي ﷺ يتغير لونه وينحني حتى يصعب ذالك على جلسانه، فقيل له يوما في ذالك، فقال: لو رأيتم ما رأيت لما انكر تم على ما ترون۔(۲)

''جب امام مالک کی محفل میں سرکارِ دوجہاں ﷺ کا تذکرہ ہوتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا، تمام جسم سراپا ادب بن جاتا، حتی کہ آپ کے رفقاء پریشان ہو جاتے۔ ایک دن کسی نے آپ سے اس کیفیت کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: جو کچھ میں دیکھتا ہوں اگر تم بھی دیکھ لو تو تمہارا حال بھی ایسا ہی ہو جائے۔''

علامہ خفاجی اِمام مالک کے اِس جملہ ...... **لو رأيتم ما رأيت** ...... کا معنی بیان کرتے ہوئے

---

(۱) قاضي عياض، الشفاء، ۲: ۵۹۶، ۵۹۷

(۲) قاضي عياض، الشفاء، ۲: ۵۹۷

لکھتے ہیں:

لو رأیتم ما رأیت: من السلف من خشوعھم و اجلالھم لذکرہ ﷺ۔[1]

''جو کچھ میں دیکھتا ہوں اگر تم بھی دیکھ لو: (اِمام مالک کے اِس جملے سے واضح ہوتا ہے کہ) آپ ﷺ کے ذِکر کے موقعہ پر اَسلاف کے خشوع وخضوع اور عاجزی و اِنکساری کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔''

ملا علی قاری اس قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

لو عرفتم ما عرفت من جلال مقامه و جمال مرامه۔[2]

''(اِس قول سے مراد ہے کہ) اگر تمہیں میری طرح آپ ﷺ کے منصب و مقام اور حسن و جمال سے واقفیت ہو جائے تو پھر تمہاری بھی یہی حالت ہو۔''

لا یبعد أن یکون المعنی لو ابصرتم ما ابصرت من مشاھدة جمالهٖ ومطالعة جلالهٖ في مقام مکاشفة کماله۔[3]

''یہ معنی بھی بعید از قیاس نہیں کہ جس طرح مجھے آپ ﷺ کے جمال وجلال کا مشاہدہ ہوتا ہے اُسی طرح تمہیں بھی ہو جائے تو پھر سوال کی گنجائش ہی نہ رہے۔''

(۱۱) قاضی عیاض لکھتے ہیں:

لقد کنت أری محمد ابن المنکدر وکان سید القراء، لا نکاد نسأله من حدیث أبدا لا یبکی حتی نرحمه۔[4]

''میں نے سیدالقراء محمد بن منکدر کو دیکھا کہ ان سے جب بھی آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا گیا وہ (جواب دیتے وقت) رو پڑتے حتی کہ ہم پر بھی کیفیتِ رقت طاری ہو جاتی۔''

(۱۲) قاضی عیاض مزید لکھتے ہیں:

---

(۱) خفاجی، نسیم الریاض، ۳: ۳۹۹

(۲) ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۷۲

(۳) ملا علی قاری، شرح الشفاء، ۲: ۷۲

(۴) قاضي عیاض، الشفاء، ۲: ۳۶

لقد كان عبد الرحمن بن القاسم يذكر النبي ﷺ فينظر إلى لونه كأنه نزف منه الدم، وقد جف لسانه في فمه هيبة لرسول الله ﷺ۔[۱]

''(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے) عبد الرحمٰن بن قاسم جب حضور ﷺ کا ذِکر مبارک سنتے تو اُن کے جسم کا رنگ اِس طرح زرد پڑ جاتا جیسے اُس سے خون نچوڑ لیا گیا ہو اور آپ ﷺ کے ذِکر کی ہیبت کی وجہ سے اُن کی زبان ان کے منہ میں خشک ہو جاتی۔''

(۱۳) امام مالک فرماتے ہیں:

لقد كنت أتى عامر بن عبد الله بن الزبير، فإذا ذكر عنده النبي ﷺ بكى حتى لا يبقى في عينيه دموع۔[۲]

''میں اپنے وقت کے مشہور عابد و زاہد حضرت عامر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا، پس جب ان کے سامنے سرکارِ دو جہاں ﷺ کا ذِکرِ خیر کیا جاتا تو وہ اِتنا روتے کہ آنسو ان کی آنکھوں میں خشک ہو جاتے۔''

(۱۴) امام مالک مشہور تابعی محدث امام زہری کے بارے میں فرماتے ہیں:

لقد رأيت الزهري وكان من أهناء الناس وأقربهم، فإذا ذكر عنده النبي ﷺ فكأنه ما عرفك و لا عرفته۔[۳]

''میں نے زہری کو دیکھا کہ لوگوں کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی ...... سے ملتے مگر جب اُن کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ ہوتا تو ان کی یہ کیفیت ہو جاتی کہ نہ وہ تمہیں پہچان سکتے اور نہ تم ان کو پہچان سکتے۔''

(۱۵) وصالِ محبوب ﷺ پر سواری کا غم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد ہجرو فراق کی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) قاضي عياض، الشفاء، ۲: ۳۶

(۲) قاضي عياض، الشفاء، ۲: ۳۶

(۳) قاضي عياض، الشفاء، ۲: ۳۶

وناقۂ آنحضرت علف نمیخورد وآب نمی نوشید تاآنکه مُرد۔ از جمله آیاتی که ظاهر شد بعد از موتِ آنحضرت آں حماری که آنحضرت گاهی براں سوار میشد چنداں حزن کرد که خود را درچاهی انداخت۔[1]

’’آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی اونٹنی نے مرتے دم تک کچھ کھایا اور نہ پیا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جو عجیب کیفیات رونما ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس دراز گوش پر آپ ﷺ سواری فرماتے تھے وہ آپ ﷺ کے فراق میں اتنا مغموم ہوا کہ اس نے ایک کنویں میں چھلانگ لگادی اور اپنی جاں جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔‘‘

یہ صحابہ کرام و تابعین عظام ﷺ کی کیفیاتِ عشق و مستی کے چند نمونے ہیں جو آج بالعموم مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ آج کی مادیت زدہ تبلیغ اِن اَحوال کے تذکروں سے عمداً گریزاں ہے، اسلامی فکر کے بعض علم بردار علماء و مصنفین اپنے بیان کو ان محبت بھرے حوالوں سے بچا بچا کر چل رہے ہیں، بلکہ بعض انتہا پسند تو عشق و محبتِ رسول ﷺ کے ان تذکروں کو معاذ اللہ ’’مذہبی افیون‘‘ تک کہنے لگے ہیں اور وہ مسلمانوں کے اس شعور کی بیدار میں مصروف ہیں جس کا بدن ’’روحِ محمد ﷺ‘‘ سے خالی ہو۔ اُمت کی اس سے بڑی حرماں نصیبی اور کیا ہو گی کہ شجرِ ایمان کی جڑ کاٹ کر بقیہ درخت کی حفاظت کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور اس سے سایہ و پھل کی بے جا توقع کی جاری ہے۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ دین میں معیارِ حق قرآن و سنت اور صحابہ کرام ﷺ کا طرزِ عمل ہے انہیں ان احوالِ صحابہ کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے جس حبی و عشقی اور قلبی و وجدانی تعلق کو ہم شاعرانہ غلو یا محض صوفیانہ ذوق کہہ کر ردّ کر رہے ہیں یا اسے تصورِ دین اور موضوعِ سیرت سے خارج قرار دے رہے ہیں وہ تعلق صحابہ کرام ﷺ کی زندگیوں میں کس قدر عروج پر تھا۔ حق یہ ہے کہ صحابہ کرام ﷺ نسبتِ محمدی ﷺ کے باب میں عظیم پیکرانِ عشق تھے اور تعلیماتِ دین کے باب میں عظیم پیکرانِ عمل، ان کی زندگیاں دونوں پہلوؤں سے معمور و منور ہیں۔ سو آج دینِ اِسلام اور سیرتِ نبوی ﷺ کا صحیح تصور اُمت کے سامنے لانے کے لیے ہمیں پوری دیانت سے دونوں تصورات کو خوب اُجاگر کرنا ہوگا ورنہ ہم دین کے بعض پر ایمان اور بعض سے کفر کے مرتکب ہوں گے۔

---

(۱) ۱۔ عبدالحق محدث دهلوی، مدارج النبوۃ، ۲: ۴۴۴

۲۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون، ۳: ۴۳۳

باب سوُم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی دینی اَہمیت

سیرت نبوی ﷺ کی دینی ضرورت و اہمیت کو سمجھنے کے لئے یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دین اسلام کی تعلیمات بنیادی طور پر دو چیزوں سے عبارت ہیں: قرآن اور سنت۔ قرآن کلام الٰہی ہے جو نطقِ رسول ﷺ سے ثابت ہوا ہے؛ اور سنت کلام الٰہی کا منشاء و مقتضیٰ ہے جو فعلِ رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ سو دین کا پورا وجود حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی اور سیرت مقدسہ سے ثابت اور متحقق ہوا۔ اب ہم مختلف حوالوں سے اس امر کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ سیرۃُ الرسول ﷺ صداقت وحقانیت اسلام کی دلیل اتم ہے۔

۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ محبت و اطاعتِ الٰہی کی واحد عملی صورت ہے۔

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ شریعتِ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے۔

۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ حصول ہدایت کا ناگزیر ذریعہ ہے۔

۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ انسانیت کے لئے اخلاقی کمال کا ابدی نمونہ ہے۔

۶۔ سیرۃُ الرسول ﷺ حقیقت کے علم و آگہی کی واحد سبیل ہے۔

۷۔ سیرۃُ الرسول ﷺ ایمان اور اسلام کا مرکز و محور ہے۔

۱۔ سیرۃُ الرسول ﷺ صداقت وحقانیتِ اسلام کی دلیلِ اَتم ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب کفار ومشرکین کو پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام کی صداقت وحقانیت پر دلیل طلب کی۔ اس پر باری تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُراً مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۱)

’’بیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے ○‘‘

---

(۱) القرآن، یونس، ۱۰: ۱۶

اس آیتِ مبارکہ نے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو اسلام کی ابدی صداقت و حقانیت کی دلیلِ اوّل اور دلیلِ اَتم قرار دے دیا مراد یہ تھی کہ ''اے لوگو! اگر میری زندگی اور سیرت کی پاکیزگی اور صداقت کی دلیل تمہارے نزدیک وزنی، معتبر اور ناقابل تردید ہے تو دین اسلام کی دعوت قبول کرلو اور اگر (معاذ اللہ) میری سیرت اور شخصیت میں تمہیں کوئی نقص، عیب یا کجی نظر آتی ہے تو اسلام کی دعوت بھی رد کردو'۔ گویا اسلام کے ردّ و قبول کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور حیاتِ طیبہ کو ہی حتمی معیار اور کامل دلیل قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید نے آپ ﷺ کی ذات گرامی کا ذکر دلیلِ قطعی اور دلیلِ واضح کے لقب سے کیا۔ ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا○[1]

''اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (ذاتِ محمدی ﷺ کی صورت میں ذاتِ حق جل مجدہٗ کی سب سے زیادہ مضبوط، کامل اور واضح) دلیلِ قاطع آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف (اسی کے ساتھ قرآن کی صورت میں) واضح اور روشن نُور (بھی) اتار دیا ہے○''

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو ''برہان'' یعنی ذات حق اور دین اسلام کی حتمی، قطعی اور بلاواسطہ شہادت (Direct and Conclusive Evidence) قرار دیا گیا ہے۔

لفظ برہان ایک معنی خیز قرآنی اصطلاح ہے جو حضور ﷺ کی صحیح حیثیت کو متعین کر رہی ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ (م۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

البرهان أوكد الأدلة وهو الذي يقتضى الصدق أبدًا۔[2]

''برہان تمام دلائل میں سب سے زیادہ پختہ دلیل ہے جو ہمیشہ سچائی پر ہی دلالت کرتی ہے۔''

امام خازنؒ (۶۷۸۔۷۴۱ھ/۱۲۷۹۔۱۳۴۰ء) فرماتے ہیں:

البرهان دليل على إقامة الحق و إبطال الباطل والنبي ﷺ كان كذالك لأنه تعالٰى جعله حجة قاطعة قطع به عذر جميع الخلائق۔[3]

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۷۴

(۲) راغب أصفهانى، المفردات فى غريب القرآن: ۴۵

(۳) خازن، لباب التأويل فى معانى التنزيل، ۱: ۴۲۸

’’برہان اِحقاق حق اور اِبطال باطل پر مضبوط دلیل کو کہتے ہیں اور حضور نبی اکرم اسی کے مصداق تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حجتِ قاطعہ بنایا تھا جس سے تمام مخلوقات کے سوالات و اعتراضات کا حتمی جواب دے دیا۔‘‘

اسی طرح قرآن مجید نے ایمان کے باب میں آپ ﷺ کی ذات کو پیمانۂ حق قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ اٰمِنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔(۱)

’’اور اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دیئے اور ان کا حال سنوار دیا۔‘‘

یعنی جو کچھ حضور ﷺ اپنی زبان مبارک سے فرما رہے ہیں کہ یہ ہدایت ربانی ہے وہی حق ہے کیونکہ فرمان نبوی ﷺ کے علاوہ حق کو جانچنے کا اور کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے۔

ابونعیم اصبہانیؒ (۳۳۶۔۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء) اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

لأنهم لم يعرفوا إلا محمدًا ﷺ۔(۲)

’’کیونکہ انہوں نے حق کو محمد رسول ﷺ کی وساطت سے ہی پہچانا تھا۔‘‘

تعجب ہے کہ نسبتِ محمدی ﷺ کے بغیر نہ تو خدا کی معرفت نصیب ہو اور نہ دین حق کی ہدایت اور ہم اسی نسبتِ محمدی ﷺ کے اظہار و اعلان کو شخصیت پرستی کہہ کر رد کردیں اس کے بعد اسلام سے ہمارا واسطہ و تعلق ہی کیا رہ جائے گا اور ہم اپنی محمدیت کا انکار کر کے کس بنیاد پر مسلم کہلانے کے حقدار ہوں گے؟

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو قرآن نے ذاتِ محمدی ﷺ کو محض ایک شخصیت کی بجائے سراسر پیکرِ نبوت و رسالت کے روپ میں متعارف کرایا ہے تاکہ ہر چیز آپ ﷺ کی طرف محض ایک انسانی و بشری شخصیت کی حیثیت میں نہیں بلکہ صاحبِ نبوت و رسالت کی حیثیت میں منسوب ہو۔

---

(۱) القرآن، محمد، ۴۷: ۲

(۲) أبونعیم، دلائل النبوۃ، ۱: ۴۱

ارشادِ ایزدی ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔[1]

''اور محمد ﷺ (بھی تو) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا)۔''

اس آیت میں ذاتِ محمدی ﷺ کو سراسر پیکرِ رسالت کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے اور نفی و اثبات کا اندازہ اس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ شخصیتِ محمدی ﷺ کو رسالتِ محمدی ﷺ سے الگ کسی درجہ اور کسی مرحلہ پر بھی تصور نہ کیا جائے۔

لفظ محمد ﷺ کا اطلاق حضور ﷺ کی شخصیت کے جس جس گوشے اور پہلو پر ہوتا ہے، وصفِ رسالت بھی اسی گوشے اور پہلو کو محیط ہے، لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت نہ رسالت سے جدا ہے اور نہ رسالت حضور ﷺ کی شخصیت سے جدا ہے اور اسلام (دین حق) چونکہ رسالتِ محمدی ﷺ کی تعلیمات کا ہی مجموعہ ہے لہٰذا وحدت و عینیت کا جو تعلق اسلام اور رسالتِ محمدی ﷺ کے درمیان موجود ہے وہی تعلق ذاتِ مصطفوی ﷺ اور اسلام کے مابین ہے۔

تخلیقِ آدم تا بعثتِ محمدی ﷺ قرآن نے اس اَبدی دین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ۔[2]

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

ہر نبی کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر آج کوئی شخص یا طبقہ صحیح معنوں میں دینِ عیسوی یا دینِ موسوی کا پیروکار ہو۔توحید پر کامل ایمان رکھے اور شرک سے کلیتًا مجتنب رہے لیکن اس کا رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان نہ ہوتو اسے مسلمان کہنے میں کون سا امر مانع ہوگا؟

وہ صرف ذاتِ محمدی ﷺ اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت ہی ہے جس کے ساتھ ایمانی تعلق و اطاعت ہم کو شرف ایمان سے بہرہ ور کرتی ہے اور اس سے انکار و انحراف کفر و ضلالت پر منتج ہوتا ہے۔ چنانچہ نسبتِ محمدی ﷺ ہی دراصل اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل اور حق و باطل کے مابین خط امتیاز ہے۔ اس حقیقت کی مزید توضیح بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے:

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۴۴

(۲) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۹

من أطاع محمدًا ﷺ فقد أطاع الله ومن عصى محمدًا ﷺ فقد عصى الله و محمد ﷺ فرّق بين الناس۔(۱)

’’جس نے حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کی تو ضرور اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی تو وہ ضرور خدا کا نافرمان ہوا اور حضرت محمد ﷺ کی ذات نے لوگوں (یعنی حق و باطل، ایمان وکفر اور خیر وشر) میں خطِ امتیاز قائم فرمایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی و تابعیت میں ہے وہ مومنِ برحق ہے اور جو آپ ﷺ سے اختلاف کرتا ہے کافر و باطل ہے۔ بنا بریں قرآن مجید نے یہود کی گمراہیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ تورات اور پہلی کتابوں میں سیرت وکمالات محمدی ﷺ کا بیان چھپا لیتے تھے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(۲)

’’اور حق کی آمیزش باطل کے ساتھ نہ کرو اور نہ حق کو جان بوجھ کر چھپاؤ○‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضي الله عنهما فرماتے ہیں کہ یہاں شانِ محمدی ﷺ کو حق اور اسے چھپانے کو کتمانِ حق سے تعبیر کیا گیا ہے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی اور شان اقدس کو اسلام میں عینِ ’’حق‘‘ قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہی صداقت و حقانیت اسلام کے پرکھے جانے اور ثابت کئے جانے کا سب سے بڑا پیمانہ اور ثبوت ہے۔

واضح رہے کہ اسلام حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات وتعلیمات کے مجموعے کا ہی نام ہے اگر آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مقدسہ کو جو کہ سراسر پیکر رسالت ہے عینِ دین سے الگ تصور کرلیا جائے تو اہل اسلام کے پاس نہ وجود باری تعالیٰ کی کوئی یقینی تحقیق باقی رہتی ہے اور نہ توحید و اُلوہیت کی ناطق تصدیق۔ نہ قرآن کے وحی ہونے کی کوئی حتمی سند باقی رہتی ہے اور نہ اسلام کی صحت وحقانیت کی قطعی دلیل۔ اس لئے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنا اور اس کی زیادہ سے زیادہ معرفت حاصل کرنا حقانیتِ اسلام کے ادراک اور حق و باطل میں تمیز کے لئے ناگزیر ہے۔

---

(۱) بخاری، الصحيح، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ۶: ۲۶۵۵، رقم: ۶۸۵۲

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۴۲

۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ محبت و اِطاعتِ اِلٰہی کی واحد عملی صورت ہے

قرآن مجید نے بصراحت یہ اعلان کردیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت ہی اطاعت الٰہی ہے اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی پیروی کے بغیر باری تعالیٰ کی طاعت و بندگی کی کوئی اور صورت نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔ (۱)

''جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔''

۲۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ۔ (۲)

''(اے حبیب!) آپ فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنالے گا۔''

۳۔ انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ۔ (۳)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

مزید یہ کہ قرآن مجید میں جو احکام آئے ہیں ان کی تفصیلات اور عملی جزئیات بھی سنت و سیرت نبوی ﷺ نے ہی فراہم کی ہیں اگر سنتِ نبوی کی حجیت برقرار نہ رہے تو احکام قرآنی اور منشائے الٰہی کی اطاعت و تعمیل بھی ناممکن ہوجاتی ہے۔

۴۔ قرآن مجید نے بارہا ادائیگی نماز کا حکم دیا مگر نماز کیسے ادا کی جائے یہ طریقہ بیان نہیں فرمایا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ! ہم نماز کیسے پڑھیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۸۰

(۲) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۱

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۶۴

صلّوا کما رأیتمونی أصلّی۔[۱]

''جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسی طرح پڑھا کرو۔''

سو اسی سیرتِ محمدی ﷺ سے طریقۂ نماز متعین ہوگیا اور حکمِ الٰہی کی اطاعت عملاً ممکن ہوسکی۔

۵۔ اسی طرح حج کی فرضیت کا حکم آ گیا مگر اس کے مناسک اور صحیح طریقے کسی کو معلوم نہ تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خذوا عنّي مناسککم۔[۲]

''مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو۔''

۶۔ کسی نے پوچھا: ہمیں منشائے الٰہی معلوم نہیں ہوسکا کہ کیا حج ہر سال کے لئے فرض ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے، سائل نے پھر سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لو قلت: نعم؛ لوجبت۔[۳]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب الأذان للمسافر، ۱: ۲۲۶، رقم: ۶۰۵
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۴: ۵۴۱، رقم: ۱۶۵۸
۳۔ دارقطنی، السنن، ۱: ۲۷۳، رقم: ۲
۴۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۲۹۸
۵۔ ابن عبدالبر، التمھید، ۵: ۱۱۷

(۲) ۱۔ بیھقي، السنن الکبری، ۵: ۱۲۵
۲۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۲: ۱۸۴
۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۲۱۷
۴۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۲: ۶۹
۵۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ۵: ۱۸۲

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فرض الحج، ۲: ۹۷۵، رقم: ۱۳۳۷
۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الحج عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء کم فرض الحج، ۳: ۱۷۸، رقم: ۸۱۴
۳۔ ابن ماجۃ، السنن، کتاب المناسك، باب فرض الحج، ۲: ۹۶۳، رقم: ۲۸۸۴ ←

’’اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال کے لئے فرض ہو جاتا۔‘‘

۷۔ جملہ صحابہ کرام اپنے اعمال و عبادت کو سیرت نبوی ﷺ کے ذریعے ہی متعین کرتے اسی کو اطاعتِ الٰہی کی واحد ممکن العمل صورت سمجھتے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرِ اسود سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

إنّي أعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا أنّي رأيت النبيّ ﷺ يقبّلک ما قبّلتک۔(۱)

’’میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہی تو ہے نہ تو نفع پہنچانے پر قادر ہے اور نہ نقصان پر، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔‘‘

کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان کی تعمیل ہی اطاعت الٰہی ہے۔

۸۔ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنهما سے سوال کیا کہ قرآن میں نماز سفر (قصر) کی تفصیل نہیں ملتی آپ کیسے پڑھتے ہیں؟ ابن عمر نے جواباً فرمایا:

إن اللہ بعث إلينا محمدًا ﷺ ولا نعلم شيئًا فإنما نفعل كما رأينا محمدًا ﷺ يفعل۔(۲)

.... ۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۳، رقم: ۹۰۵

۵۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۴: ۱۲۹، رقم: ۲۵۰۸

۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۱۸، رقم: ۳۷۰۴

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب تقصير الصلاة في السفر، ۱: ۳۳۹، رقم: ۱۰۶۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۶۵، رقم: ۵۳۳۳

۳۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۲: ۷۲، رقم: ۹۴۶

(۲) ۱۔ بخارى الصحيح، كتاب الحج، باب ما ذكر فى الحجر الأسود، ۲: ۵۷۹، رقم: ۱۵۲۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود فى الطواف، ۲: ۹۲۵، رقم: ۱۲۷۰

”بس اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما دیا ہے اور ہم کچھ نہیں جانتے ہیں۔ ہم صرف اسی طرح کرتے جاتے ہیں جیسے حضور نبی اکرم ﷺ کو کرتے دیکھتے ہیں۔“

یہ تمام حقائق اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ قرآن مجید جو احکامات الٰہیہ پر مبنی کتاب ہے اس میں مجرد احکام(Abstract Commandments) تو موجود ہیں مگر وہاں ان احکام کی تفصیلات و جزئیات(Details) ہیں نہ ان پر عمل درآمد کی عملی شکلیں(Practical Models) اہل ایمان اگر ان احکامِ الٰہی کی عملاً اطاعت کرنا چاہیں تو سنت و سیرتِ نبوی ﷺ کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ قرآن، بغیر سیرتِ نبوی ﷺ کے فقط تعلیمات وتصورات کا مجموعہ رہ جاتا ہے اس کی عملی شکل وجود میں نہیں آ سکتی اور نہ ہی دین اسلام ایک عملی نظام کے طور پر دنیا کے سامنے آ سکتا ہے بلکہ بنیادی ارکانِ اسلام تک پر عمل ممکن نہیں رہتا۔ اس لئے ہر دور میں ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ سیرت الرسول ﷺ کی معرفت حاصل کی جائے تاکہ عملی زندگی میں احکام وتعلیمات الٰہیہ کی اطاعت ممکن ہو سکے اور اسلام کا صرف تعلیمی نہیں بلکہ عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے آ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے نسبت محبت و اطاعت استوار کرنے کی عملی صورت کا ذکر آیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کا بیان اکٹھا کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے اللہ تعالیٰ سے نسبت وتعلق واسطۂ رسالت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ نمونہ کے لئے چند ایک قرآنی مقامات ملاحظہ ہوں:

۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔[۱]

”ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے۔“

۲۔ وَاَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○[۲]

”اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اگر تم ایمان والے ہو○“

۳۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔[۳]

---

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۵

(۲) القرآن، الانفال، ۸: ۱

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۱۴

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلّت انگیز عذاب ہے۔''

۴۔ **ذَالِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ○**[۱]

''یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے○''

۵۔ **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْیُصَلَّبُوْٓا اَوْتُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○**[۲]

''بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریز رہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیئے جائیں۔ یہ (تو) ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے○''

۶۔ **اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ۔**[۳]

''کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ (مقرر) ہے۔''

۷۔ **وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔**[۴]

---

(۱) القرآن، الانفال، ۸: ۱۳

(۲) القرآن، المائدۃ، ۵: ۳۳

(۳) القرآن، التوبۃ، ۹: ۶۳

(۴) القرآن، التوبۃ، ۹: ۲۹

''اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔''

۸۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ۔(۱)

''اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔''

۹۔ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔(۲)

''اور کسی چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا۔''

۱۰۔ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ۔(۳)

''عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔''

۱۱۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ۔(۴)

''(یہ آیات) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی جانب سے تمام لوگوں کی طرف حجِ اکبر کے دن اعلانِ (عام) ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول (ﷺ) بھی (ان سے بری الذّمہ ہے)۔''

۱۲۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ○(۵)

''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے بیزاری (و دست برداری) کا اعلان ہے ان مشرک لوگوں کی طرف جن سے تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا (اور وہ اپنے عہد

(۱) القرآن، التوبۃ، ۹: ۵۹
(۲) القرآن، التوبۃ، ۹: ۷۴
(۳) القرآن، التوبۃ، ۹: ۵۹
(۴) القرآن، التوبۃ، ۹: ۳
(۵) القرآن، التوبۃ، ۹: ۱

پر قائم نہ رہے تھے)o‘‘

۱۳۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ۔[1]

’’پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو۔‘‘

۱۴۔ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔[2]

’’جس پر اللہ نے انعام فرمایا تھا اور اس پر آپ نے (بھی) اِنعام فرمایا تھا۔‘‘

۱۵۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔[3]

’’اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرمادیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو۔‘‘

۱۶۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔[4]

’’اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو۔‘‘

۱۷۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًاo[5]

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۹

(۲) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۳۷

(۳) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۳۶

(۴) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱

(۵) القرآن، النساء، ۴: ۶۱

رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیںo''

۱۸۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللهُ وَرَسُوْلُه' اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَo(۱)

''مسلمانو! (یہ منافقین) تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)o''

۱۹۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔(۲)

''(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔''

۲۰۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى۔(۳)

''اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگ ریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔''

۲۱۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo(۴)

''اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتےo اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہےo''

۲۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔(۵)

''بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے۔''

---

(۱) القرآن، التوبة، ۹: ۶۲

(۲) القرآن، الفتح، ۴۸: ۱۰

(۳) القرآن، الانفال، ۸: ۱۷

(۴) القرآن، النجم، ۵۳: ۳۔۴

(۵) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۵۷

۲۳۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ۝ (۱)

''بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۝''

۲۴۔ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۝ (۲)

''اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اگر تم ایمان والے ہو۝''

۲۵۔ قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ۝ (۳)

''آپ فرما دیں کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۝''

۲۶۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ۔ (۴)

''اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔''

توحید و رسالت ایک ہی نورِ لم یزل کی شعاعیں ہیں

دینِ اسلام کی حقانیت اور قرآن و سنت کی قطعیت و حتمیت کو تسلیم کرنے کا تقاضا ہے کہ ایمان کے اس اساسی اور بنیادی تصور کو قلب و باطن میں جاگزیں کر لیا جائے کہ توحید و رسالت ایک ہی شمع کی کرنیں ہیں اور دونوں انوار ایک ہی منبع و سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں۔ توحید باری تعالیٰ تک رسائی رسالت کے راستے ہی سے ممکن ہے اور یہی وہ منہاج ہے جو بنی نوع انسان کو توحید باری تعالیٰ کی منزل تک لے جاتا ہے۔ درِ رسالت پر پہنچے بغیر محض عقیدۂ توحید کا دعویٰ خام، بے بنیاد اور غیر معتبر ہے۔ رسول ﷺ کی نسبت کو درمیان سے نکال دینے سے دینِ اسلام کی عمارت دھڑام سے

---

(۱) القرآن، المجادلۃ، ۵۸: ۲۰

(۲) القرآن، الانفال، ۸: ۱

(۳) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۲

(۴) القرآن، الانفال، ۸: ۲۴

نیچے گر جائے گی اور انسان ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔

عقیدۂ توحید کے باب میں قرآن حکیم حضرت یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے کہ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر پوچھا:

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْم بَعْدِی۔(۱)

''تم میرے (انتقال کے) بعد کس کی عبادت کرو گے؟''

فرزندانِ یعقوب علیہ السلام نے بیک زبان قرآنی الفاظ میں یوں جواب دیا:

نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَ اِلٰهَ اٰبَآءِ کَ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔(۲)

''ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق (علیھم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ یکتا ہے، اور ہم (سب) اسی کے فرماں بردار رہیں گے۔''

یہی وہ جواب تھا جسے سن کر پیغمبر خدا مطمئن ہوئے اور اسے خود قرآن نے اپنی تعلیمات میں محفوظ فرما لیا۔ اب اگر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کے عزم کا ہی اظہار کرنا تھا تو براہ راست خدا کی عبادت کہہ کر بھی مدعا پورا ہوسکتا تھا۔ لیکن منشاء پیغمبر یہ تھی کہ صاحبزادے عبادت الٰہی یا ذات حق سے اپنے رشتہ و تعلق کا اظہار بھی اس طریق پر کریں جو نسبت نبوی کے حوالے سے متحقق ہو۔ گویا یہ کہلوانا مقصود تھا کہ اس معبود واحد کی عبادت کریں گے جس کی معرفت ہمیں ان انبیاء کرام کے ذریعے نصیب ہوئی ہے، جس کے سامنے جھکنے کی تلقین ہمیں یہ انبیاء کرام فرماتے رہے ہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ معبودانِ باطلہ کی پرستش کرنے والے بھی اپنی اپنی عبادتوں کو عبادت الٰہی اور اپنے معبودوں کو خدا کا نام دے دیں تو اس تشابہ اور ابہام کو اسی طرح ہی رفع کیا جاسکتا تھا کہ اس الٰہ کی پرستش کریں گے جس کی پرستش آپ اور آپ کے پیش رو انبیاء کرام کرتے رہے ہیں۔ معبود برحق تو سب کا ایک ہی ہے لیکن ذریعہ انبیاء کرام کے بغیر نہ کسی کو اس کے وجود کا علم ہے نہ اس کی الوہیت کا، نہ واسطہ انبیاء کرام کے بغیر کسی کو اس کی وحدانیت کا علم ہے نہ اس کی ربوبیت کا۔ جب انہیں (حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو) از خود خدا کی ذات و صفات کا نہ علم تھا اور نہ ایمان، تو وہ بلا

---

(۱) القرآن، البقرۃ، ۲: ۱۳۳

(۲) القرآن، البقرۃ، ۲: ۱۳۳

واسطہ اور براہ راست اس ذات حق کا ذہنی و علمی تشخص قائم کر کے اس کی عبادت کا ذکر کیسے کر دیتے۔ چنانچہ انہوں نے ضروری سمجھا کہ خدا کا ذکر بھی اسی حوالے سے کیا جائے جس کے ذریعے اس کی معرفت نصیب ہوئی ہے تاکہ ہمیں جواب میں حزم و یقین اور تشخص و امتیاز پیدا ہو سکے۔

بیٹوں کے اس جواب سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تسلی و تشفی ہوگئی۔ اس سے یہ عقدہ حل ہوا کہ انبیائے کرام کے واسطے کے بغیر کسی انسان کے لئے معبود حقیقی کی پہچان اور معرفت ممکن نہیں۔ اگر کوئی نبوت و رسالت کے بغیر خدا کی معرفت تک رسائی کی کوشش کرے گا تو وہ عقل و خرد کی بھول بھلیوں میں گم ہوکر ضلالت و گمراہی کا شکار بن جائے گا۔

توحید و رسالت کا باہمی ربط و تعلق انتہائی نازک نوعیت کا ہے جس کی تفہیم میں بہت سے اہل فکر و نظر دھوکا کھا گئے اور منزل مقصود سے بھٹک کر دور ہو گئے۔

اسی مضمون کو قرآن میں ایک اور انداز سے بھی بیان کیا گیا ہے:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا۔[1]

’’فرما دیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے، سوتم ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کرو۔‘‘

آیتِ مذکورہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ذات باری تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی وحدانیت و الوہیت پر ہمارا پختہ یقین ہے یا بالفاظ دیگر جو لوگ دین خدا پر کامل ایمان کا دعوی کرتے ہیں انہیں فرما دیجئے کہ تمہارے دعوے کی صحت و حقانیت اور تمہارے اخلاص صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ تم دین ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو کیونکہ دین ابراہیم کو اپنائے بغیر تمہارا دین حق پر ایمان کا دعوی و اعلان بے سود اور عبث ہے۔ گویا نسبت نبوی ہی نسبت الٰہیہ کے تحقق کا واحد معیار اور ثبوت ہے کیونکہ پیغمبر خدا ’’مقام حنیف‘‘ (یعنی حق و باطل کے درمیان خط امتیاز) پر فائز ہوتا ہے اسی لئے ایمان باللہ کا واحد ثبوت ایمان بالرسالت ہے اور دین الٰہی پر ایمان کی واحد دلیل دین نبوی کی پیروی ہے۔

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ شریعتِ اِسلامی کا بنیادی ماخذ ہے

تعلیماتِ اسلام اور احکامِ شریعت کے بنیادی ماخذ دو ہیں۔ قرآن اور سنت، سیرت

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۹۵

النبی ﷺ سے جو کچھ صحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے وہی سنت رسول ﷺ ہے۔ اسلام نے آپ ﷺ کی سنت و سیرت کو حجت مطلقہ قرار دیا ہے۔ اس کی اطاعت و پیروی بھی قرآن مجید کی طرح مستقل، دائمی و ابدی، غیر مشروط اور غیر متبدل ہے جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے بلاکم و کاست واجب ہے، پوری اُمت مل کر بھی سنت رسول ﷺ اور اس کے احکام کو قرآنی احکام کی طرح منسوخ، معطل یا تبدیل نہیں کرسکتی حتیٰ کہ اس کی حجیت اور واجب الاطاعت اور قابل عمل ہونے کا مطلقاً انکار کفر ہے اور اس پر ایمان و اعتقاد رکھنے کے باوجود اس سے عملی انحراف فسق، ظلم اور ضلالت ہے۔ مزید یہ کہ اس کے بغیر فقط قرآن مجید اور اس کے احکام پر ایمان رکھنے کو کافی سمجھنا بھی منافقت اور صریح گمراہی ہے اور ایسا عقیدہ عند اللہ نامقبول و مردود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَطِيْعُوْا اللهَ وَالرَّسُوْلَ۔(۱)

''آپ فرما دیں کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَ الرَّسُوْلِ۔(۲)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اوراپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو۔''

یہاں ''اطیعوا'' کا حکم لفظ اللہ کے بعد ''رسول'' کے لئے دوبارہ آیا ہے جبکہ ''اولی الامر'' کے لئے اس کا تکرار نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے مستقل اور مطلق ہے اسی طرح رسول خدا ﷺ کے لئے بھی مستقل اور مطلق ہے مگر اولی الامر کے لئے اطاعت نہ مستقل ہے نہ مطلق بلکہ عارضی اور مشروط ہے اگر ان کا حکم اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے تابع ہو تو ان کی اطاعت واجب ہے اگر اللہ و رسول کی نافرمانی پر مبنی ہو تو ان کی اطاعت جائز نہیں۔

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۲

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۵۹

تصورِ حاکمیت اور مقامِ رسالت

اسلام میں شارع یعنی واضع قانون کی حیثیت صرف خدائے لم یزل اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ خدا کی حاکمیت حقیقی اور اصلی ہے جبکہ رسول ﷺ کی حاکمیت خدا کے نائب اور مظہر ہونے کے اعتبار سے نیابتی و تفویضی ہے۔ آپ ﷺ خدا کی طرف سے تشریعی اختیارات کے حامل ہونے کی بنا پر ابد الآباد تک انسانیت کے لئے مطاع مطلق ہیں لہٰذا کسی بھی معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی دراصل خدا ہی کے اوامر و نواہی کہلاتے ہیں۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

۱۔ وَمَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (۱)

''اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

۲۔ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (۲)

''پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں ۝''

یہی وجہ ہے اطاعت رسول ﷺ کو اطاعت خداوندی کا درجہ حاصل ہے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے قطع نظر اطاعتِ خداوندی کا کوئی تصور ہی موجود نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

۳۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔ (۳)

---

(۱) القرآن، الحشر، ۵۹: ۷

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۶۵

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۸۰

''جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔''

۴۔ **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔**[(۱)]

''(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنالے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔''

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس تصور کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

۵۔ **فقد أقامه الله مقام نفسه في أمره و نهيه و أخباره و بيانه فلا يجوز أن يُفرّق بين الله والرسول في شئ من هذه الأمور۔**[(۲)]

''اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نواہی اور اخبار و بیان میں حضور ﷺ کو اپنے ہی مقام پر فائز فرما دیا ہے لہٰذا ان امور میں سے کسی ایک میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان تفریق کرنا ہرگز جائز نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے حاکم و شارع ہونے کی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فلسفہ بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ دو ہستیوں (خدا اور اس کے رسول ﷺ) کے لئے قرآن ضمیر واحد کیوں استعمال کرتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

۶۔ **وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ○**[(۳)]

''حالانکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حق دار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)○''

''ہٗ'' کی ضمیر ایک ذات کو ظاہر کرتی ہے لیکن یہاں بیک وقت خدا اور اس کے رسول ﷺ دونوں کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رضائے الٰہی اور رضائے رسول ﷺ حقیقت میں ایک ہی رضا ہے انہیں دو الگ حقیقتیں نہ سمجھا جائے۔

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۱

(۲) ابن تیمیة، الصارم المسلول: ۴۱

(۳) القرآن، التوبة، ۹: ۶۲

بمقام حدیبیہ بیعت رضوان کے موقع پر جب صحابہ ﷡ نے آنحضور ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کرتے ہوئے آپ کی غیر مشروط اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار و اعلان کیا تو قرآن نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللهَ یَدُ اللهِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔[۱]

''(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔''

غور فرمایئے یہاں اطاعت رسول اللہ ﷺ کو عین اطاعت خداوندی اور رسول ﷺ کے ہاتھ کو عین اللہ کا ہاتھ قرار دیا جا رہا ہے۔

یہی فلسفہ اس آیت میں بھی دہرایا گیا ہے۔

۸۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیo اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیo[۲]

''اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتےo اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہےo''

یہاں فرمان رسول ﷺ کو عین حکم الٰہی قرار دیا جا رہا ہے اس لئے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات کے مابین کوئی فرق و امتیاز گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

مزید برآں افعالِ رسول ﷺ کو بھی خدا اپنے افعال قرار دیتے ہوئے اپنی طرف منسوب کر رہا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

۹۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللهَ رَمٰی۔[۳]

''اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔''

یہ حقیقت درج ذیل آیات جس میں الوہیت اور رسالت کے درمیان تعلق کو واضح کرنے

(۱) القرآن، الفتح، ۴۸: ۱۰

(۲) القرآن، النجم، ۵۳: ۳۔۴

(۳) القرآن، الانفال، ۸: ۱۷

کے لئے رسول ﷺ کا اسم مبارک خدا کے اسم گرامی کے ساتھ متحد کیا گیا ہے مزید آشکار ہوجاتی ہے۔

۱۰۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔(۱)

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے۔‘‘

۱۱۔ ذَالِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ اللہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِo(۲)

’’یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہےo‘‘

۱۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰئِکَ فِی الاَذَلِّیْنَo(۳)

’’بیشک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول(ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیںo‘‘

۱۳۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ خَالِدًا فِیْھَا۔(۴)

’’کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ (مقرر) ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔‘‘

۱۴۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ...... وَاَطِیْعُوا اللہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَo(۵)

’’فرما دیجئے: اموالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول (ﷺ) ہیں ...... اور اللہ اور اس کے

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۵۷
(۲) القرآن، الانفال، ۸: ۱۳
(۳) القرآن، المجادلۃ، ۵۸: ۲۰
(۴) القرآن، التوبۃ، ۹: ۶۳
(۵) القرآن، الانفال، ۸: ۱

رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اگر تم ایمان والے ہو۝''

۱۵۔ قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ۝[1]

''آپ فرما دیں کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۝''

۱۶۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ۔[2]

''اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔''

یہاں بھی خدا اور اس کے رسول ﷺ کے لئے صیغۂ واحد استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی پکار، اعلان، حکم اور امر ایک دوسرے سے مختلف نہ سمجھے جائیں بلکہ دونوں کو ایک ہی چیز تصور کیا جائے۔

۱۷۔ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ۔[3]

''پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو۔''

۱۸۔ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا۝[4]

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتا ہے تو بیشک وہ بڑی کامیابی سے سرفراز ہوا۝''

۱۹۔ وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا۝[5]

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۲

(۲) القرآن، الانفال، ۸: ۲۴

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۵۹

(۴) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۷۱

(۵) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۳۶

’’اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا○‘‘

۲۰۔ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ۔ (۱)

’’اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔‘‘

۲۱۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔ (۲)

’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔‘‘

مذکورہ بالا تمام آیات قرآنی اس حقیقت کا واشگاف اعلان کرتی ہیں کہ قانون سازی کا حق صرف خدا اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے اور ان دونوں کے مابین کوئی فرق و امتیاز یا اختلاف و تناقض ہرگز نہیں۔ قانون سازی کا حق حقیقتاً ایک ہی حق ہے جو خدا کو ہی حاصل ہے مگر اسے اس کا رسول ﷺ سیاسی آئینی اور تشریحی و قانونی تقاضوں کے تحت نیابتی حیثیت سے بروئے کار لاتا ہے اس اعتبار سے رسول اکرم ﷺ ہی پوری امت مسلمہ کے لئے اور ہر اسلامی ریاست کے لئے مقتدر اَعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں اور تمام مسلم حکمران آپ کے خلفاء ہیں جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے:

إنه نيابة عن صاحب الشريعة في حفظ الدين وسياسة الدنيا۔ (۳)

’’خلافت دراصل صاحب شریعت یعنی رسول مقبول ﷺ کی نیابت کا ایسا منصب ہے جس کا مقصد دین کا تحفظ اور امور دنیا کو احسن طریقے سے چلانا ہے۔‘‘

موصوف مزید فرماتے ہیں:

---

(۱) القرآن، التوبة، ۵: ۲۹

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۴

(۳) ابن خلدون، مقدمة، ۱: ۱۹۱

و أما تسمية خليفة فلكونه يخلف النبي ﷺ فی أمته۔[1]

''خلیفہ کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ وہ امت میں حضور ﷺ کا نائب ہوتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے غیر مبہم انداز سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا:

۲۲۔ وَ اِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَا اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا○[2]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آ جاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں○''

یہاں یہ امر واضح ہوگیا ہے کہ دین و ایمان دو دعوتوں کا نام ہے: دعوت الیٰ اللہ اور دعوت الیٰ الرسول ﷺ۔ قرآنی اصول کے مطابق منافقین کی علامت یہ ہے کہ وہ ''دعوت الیٰ اللہ'' سے نہیں بلکہ ''دعوت الی الرسول ﷺ'' سے گریزاں ہوتے ہیں کیونکہ رسالت کی طرف رجوع کرنے سے ہی رجوع الیٰ اللہ عملاً متحقق ہوتا ہے، اتباعِ رسالت کی طرف رجوع کئے بغیر ''رجوع الی ما انزل اللہ'' کا دعویٰ مجرد عقیدہ و تصور ہی رہتا ہے اس کی عملی شکل وجود میں نہیں آ سکتی اس لئے منافق سمجھتا ہے کہ میرا انکار اسلام بھی ثابت نہ ہوا اور میں اسلام پر عمل کی پابندی سے بھی بچا رہا پابندی تو اس وقت شروع ہوگی جب احکام قرآنی اور اطاعت الٰہی کی عملی صورت سامنے ہوگی اور وہ عملی صورت صرف سنت و سیرت نبوی ﷺ ہی تھی جس کا اس نے انکار کر دیا اس لئے وہ سمجھتا ہی کہ میں قرآن کو مان کر اسلام کا منکر بھی نہ بنا اور اسلام سے آزاد بھی رہا اس نفسیات کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ ایسا شخص سرے سے مسلمان ہی نہیں، منافق ہے۔ جو شخص اتباع رسالت اور پیروی رسالت کے بغیر صرف قرآن کو حجت اور لائقِ اطاعت مانتا ہے اس کا دعویٰ اطاعت مردود ہے اور وہ عنداللہ زُمرہ منافقین میں شامل ہے یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ مآخذ شریعت کے طور پر سنت و سیرت نبوی ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں:

۱۔ سنت و سیرتِ نبوی ﷺ کی تشریحی حیثیت (Interpretative Authority)

۲۔ سنت و سیرتِ نبوی ﷺ کی تشریعی حیثیت (Legislative Authority)

(۱) ابن خلدون، مقدمہ، ۱: ۱۹۱

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۶۱

(۱) سنت و سیرتِ نبوی ﷺ کی تشریحی حیثیت

تشریحی جہت کے اعتبار سے سنت و سیرت نبوی ﷺ قران کی شارح ہوتی ہیں اور وہ احکام الٰہی کے صحیح منشاء و مراد کو واضح کرتی ہے اور اس کی تفصیلات و جزئیات متعین کرتی ہے۔

ا۔ تخصیص العام (Specification of General)

مثلاً آیۃ الجلد کی بیان کردہ حد زنا میں الزانی اور الزانیہ کے مفہوم کی تخصیص اور قرآن کے حکم وصیت پر ایک تہائی حصہ جائیداد کی تخصیص۔

۲۔ تقیید المطلق (Qualification of Absolute)

مثلاً حدِ سرقہ کے لئے نصاب کی قید، اور قطعِ ید کے لئے مفہوم حد کا تعین

۳۔ بیان المجمل (Explanation of Implicit)

مثلاً مفہوم صلوٰۃ، تعدادِ رکعات اور تفصیل اوقات وغیرہ کا بیان

۴۔ استثنٰی (Exemption)

مثلاً حرمت میتہ میں مچھلی اور ٹڈی کا استثنٰی اور غسل رجلین کے حکم میں ’’مسح علی الخفین‘‘ کا استثنٰی

۵۔ الزیادہ (Addition)

مثلاً حد زنا کے ساتھ ایک سال قید یا جلا وطنی (تغریب عام) کا اضافہ اور جمع بین الاختین کے حکم پر پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کے جمع کی ممانعت کا اضافہ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله وکلو واشربوا، ۴: ۱۶۴، رقم: ۴۲۴۰

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الصوم، باب وقت السحور، ۲: ۳۰۴، رقم: ۲۳۴۹

۳۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۳: ۲۰۹، رقم: ۱۹۲۶

۴۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۲: ۲۸۹، رقم: ۹۰۷۹

۶۔ توضیح المشکل

وقت سحری کے ضمن میں بیاض النہار اور سواد اللیل کے مفہوم کی توضیح۔

بعض علماء نے ''نسخ القرآن بالسنۃ'' کو جائز رکھا ہی اور اسے بھی سنت کے تشریحی دائرہ عمل میں شمار کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تصور درست نہیں۔ قرآن کی آیت صرف قرآن ہی سے منسوخ ہوسکتی ہے، سنت سے نہیں اور سنت صرف سنت کی ناسخ ہوسکتی ہے۔

(۲) سنت و سیرتِ نبوی ﷺ کی تشریعی حیثیت

اس سے مراد شریعت اسلامیہ کی وہ تشریع اور حکم سازی ہے جو قرآن مجید سے نہیں بلکہ براہ راست سنت نبوی ﷺ سے عمل میں آئی ہے۔ پہلی نسبت سے حضور ﷺ شریعت اسلامی کے شارح ہیں اور اس نسبت سے شارع۔ اسلام میں بہت سے احکام شرعی ایسے ہیں جو قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئے وہ حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمائے اور صرف احادیث مبارکہ کے ذریعے سے ثابت ہوئے مثلاً ''کفارۂ صوم'' مردوں کے لئے سونے اور ریشم کی حرمت وغیرہ۔

ان احکام شرعی کو بھی درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ تشریعِ اَمر

اس سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جن کے کرنے کا حکم صرف براہِ راست فرمانِ رسول ﷺ سے ثابت ہے؛ جیسے مسواک کرنا۔[۱]

۲۔ تشریعِ نہی

بعض اشیاء و اعمال کا براہ راست حرام ٹھہرایا جانا مثلاً مردوں کے لئے ریشم اور سونے

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الجمعة، باب السواك یوم الجمعة، ۱:۳۰۳، رقم: ۸۴۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۴۱۰، رقم: ۲۳۵۳۳

۳۔ طحاوي، شرح معاني الآثار، ۱:۴۳

۴۔ ابن عبد البر، التمهید، ۱۹:۵۸

۵۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۲:۹۷

کے زیور وغیرہ۔[۱]

۳۔تشریعِ جنائی

وہ احکامِ شرعی جو اصلاً قرآن مجید میں مذکور نہ تھے اور ان کی تشریع براہِ راست سنت نبوی ﷺ سے ہوئی مثلاً حدِ شرب۔ حرمتِ شراب کا حکم قرآن مجید میں تھا لیکن اس کی سزا قرآن نے نہیں سنت نبوی ﷺ نے متعین کی اور وہ ۸۰ (اسی) کوڑے ہے۔ حدِ رجم، شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سزائے زنا، حد ارتداد مرتد کی سزائے موت بھی سنت نبوی ﷺ سے متعین ہوئی۔[۲]

۴۔تشریعِ تسبب

وہ حکم جو کسی دیگر قانونی فعل کے سبب سے وجود میں آیا مگر اس کی تشریع بھی سنت نبوی ﷺ سے ہوئی مثلاً قاتل کا مقتول کی وراثت سے محروم ہونا۔[۳]

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحیح، کتاب اللباس عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الحرير والذهب، ۴:۲۱۷، رقم: ۱۷۲۰

۲۔ مقدسي، المغني، ۱:۳۴۴

۳۔ زيلعي، نصب الراية، ۴:۲۲۳

۴۔ عسقلاني، تلخيص الحبير، ۱:۵۲

۵۔ عظيم آبادي، عون المعبود، ۱۱:۷۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الحدود، باب حد الخمر، ۳:۱۳۳۰، رقم: ۱۷۰۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الحدود عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في حد السكران، ۴:۴۸، رقم: ۱۴۴۳

۳۔ نسائی، السنن الكبرى، ۳:۲۵۰، رقم: ۵۲۷۶

(۳) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الديات، باب ديات الأعضاء، ۴: ۱۸۹، رقم: ۴۵۶۴

۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۹:۴۰۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۲۰

۴۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۴۱۱، رقم: ۵۲۵۸

۵۔ تشریعِ کفارہ

اس کی مثال کفارۂ صوم ہے: ساٹھ مسلسل روزے یا ساٹھ مساکین کا کھانا۔[1]

٦۔ تشریعِ شہادات

مقدمات میں عدالتی ضابطہ جات اور شہادات کے قوانین مثلاً **البینة علی المدعی والیمین علی من انکر** سو اسلام اور احکام شریعت کو کاملاً سمجھنے اور ان پر صحیح عمل کرنے کے لئے قرآن اور سنت و سیرت لازم و ملزوم اور ناگزیر ہیں، دو میں سے کسی ایک کی بھی حجیت و ضرورتِ شرعی کا انکار دین اور شریعت اسلامی کو نامکمل اور ناقابل عمل بنا دے گا، بنابریں حضور ﷺ نے اُمت کو یہ تلقین فرمائی:

أمرین لن تضلوا ما مسکتم بهما کتاب الله و سنة نبيه۔[2]

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيء فتصدق عليه، ۲: ۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴، ۱۸۳۵

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب إذا وهب هبة فقبضها الآخر ولم يقل قبلت، ۲: ۹۱۸، رقم: ۲۴۶۰

۳۔ بخاري، الصحيح، كتاب الكفارات الأيمان، باب من أعان المعسر في الكفارة، ۶:۲۴۶۸، رقم: ۶۳۳۲

۵۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان على الصائم، ۲:۷۸۱، رقم: ۱۱۱۱

۶۔ ترمذي، السنن، كتاب الصوم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في كفارة الفطر في رمضان، ۳:۱۰۲، رقم: ۷۲۴

۷۔ أبوداود، السنن، كتاب الصوم، باب كفارة من أتى أهله في رمضان، ۲:۳۱۳، رقم: ۲۳۹۰

۸۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲: ۲۱۲، ۲۱۳، رقم: ۳۱۱۷، ۳۱۱۸

۹۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۴۱، رقم: ۷۲۸۸

(۲) ۱۔ إمام مالك، الموطأ، ۲: ۸۹۹

۲۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲۴: ۳۳۱، رقم: ۱۲۸

’’میں تمہارے اندر دو امر چھوڑ رہا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔ اگر تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔‘‘

اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كل أمتي يدخلون الجنّة إلا من أبى قالوا يا رسول الله و من يأبى؟ قال من أطاعني دخل الجنة و من عصاني فقد أبى۔(۱)

’’میری ساری اُمت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ انکار کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میری اطاعت کرے گا جنت میں جائے گا اور جو میری اطاعت سے روگردانی کرے گا وہی منکر ہو گا۔‘‘

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

قد يئس الشيطان بأن يعبد بأرضكم ولكنه رضي أن يطاع فيما سوى ذلك مما تحاقرون من أعمالكم فاحذروا يا أيها الناس إني قد تركت فيكم ما إن اعتصم به فلن تضلوا أبدًا كتاب الله وسنة نبيه۔(۲)

’’بے شک شیطان اب اس بات سے نا اُمید ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین پر آئندہ اس کی عبادت کی جائے گی (یعنی آئندہ اس کی عبادت نہیں ہو گی) لیکن وہ اس بات پر خوش ہے کہ عبادت کے علاوہ دیگر معاملات میں جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو اس کی اطاعت کی جائے گی، پس اس بات سے بچو، بے شک میں تمہارے اندر ایک ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔‘‘

چونکہ حضور ﷺ نے خود قرآن مجید کے ساتھ اپنی سنت و سیرت کو اُزت کے لئے لازم و

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ۶: ۲۶۵۵، رقم: ۶۸۵۱

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۹۶، رقم: ۱۷

(۲) حاكم، المستدرك، ۱: ۱۷۱، رقم: ۳۱۸

ناگزیر قرار دیا ہے سو جب تک قرآن ہے حضور ﷺ کی سنت و سیرت بھی اس وقت تک زندہ و تابندہ رہے گی اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور کتاب و سنت، خاتم النبیّین ہونے کی بناء پر قیامت تک قائم و دائم اور لازم و واجب رہیں گی، سو زمانوں کے بدلنے کے باوجود سیرت محمدی ﷺ کی کمالیت و دوامیت میں اس لئے فرق نہیں آ سکتا کہ آپ کی بعثت تمام زمانوں کے لئے ہے اور وہ روزِ محشر تک، روزِ اوّل کی طرح زندہ و تابندہ اور روشن و تابناک رہے گی کیونکہ وہ ناقابلِ عمل ہو جائے تو خاتمیت نبوت برقرار نہیں رہ سکتی، پھر نئے نبی کی بعثت لازمی ہو جاتی ہے اور یہ ناممکن ہے۔ قرآن مجید اور فرمانِ نبوی ﷺ کے ذریعے ابد الآباد تک کے لئے اس کا قطعی اعلان ہو چکا ہے۔(۱)

۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ حصولِ ہدایت کا ناگزیر ذریعہ ہے

قرآن مجید نے واضح طور پر ہدایت ربانی کو اطاعتِ رسول ﷺ پر منحصر قرار دے دیا ہے، ارشادِ ہے:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ○(۲)

''اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول (ﷺ) پر (احکام کو) صریحاً پہنچا دینے کے سوا (کچھ لازم) نہیں ہے○''

یہاں ہدایت کو اطاعتِ رسالت پر موقوف قرار دے کر یہ حقیقت واشگاف الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے کہ سیرت و سنت نبوی ﷺ کی حجیت کو اپنے اُوپر لازم کئے بغیر ہدایت کی کوئی اور سبیل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ سیرت و سنتِ نبوی ﷺ ترک کر کے کسی کو قرآن مجید سے بھی ہدایت میسر نہیں آ سکتی۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا○(۳)

''اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو

---

(۱) اس موضوع کی تفصیل کے لیے ہماری تصنیف ''الحکم الشرعی'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۲) القرآن، النور، ۲۴: ۵۴

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۱۱۵

چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہےo‘‘

اس آیت میں ایک نہایت لطیف نکتہ موجود ہے اور وہ یہ کہ ایک طرف تو ہدایت ربانی کے واضح طور پر بیان کئے جانے کا ذکر ہے اور دوسری طرف رسول ﷺ کی مخالفت کو گمراہی قرار دیئے جانے کا ذکر ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ گمراہی تو اسی مذکورہ اور مبینہ ہدایت کی مخالفت کو ہی قرار دیا جانا چاہیے جس کا ذکر آیت میں موجود ہے اور اس ہدایت کے سوا کسی اور چیز کی مخالفت ضلالت و گمراہی قرار نہیں پانی چاہیے۔ کیونکہ ایک اور مقام پر اسی نکتے کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔[1]

’’بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔[2]

’’پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے۔‘‘

یہاں ایمان و انکار کی نسبت اسی ہدایت ربانی اور رشد یزدانی کی طرف ہے جو دین حق کی صورت میں بنی نوع انسان کو دی جا چکی ہے لیکن پہلی آیت میں جو نکتہ غور طلب ہے وہ یہ کہ ہدایت ربانی کے بیان ہوجانے کے بعد جس چیز کو گمراہی و ضلالت قرار دیا گیا ہے وہ رسالتِ محمدی ﷺ کی مخالفت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ **من بعد ما تبین له الهدی** سے مراد وہ کون سی ہدایت ہے جس کے آشکار ہوجانے کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت عین ضلالت و گمراہی بن گئی۔ سن لیجئے وہ ہدایت اصل میں مقام رسالت اور اس کی معرفت تھی کہ خدا نے وحی کے ذریعے رسالت محمدی ﷺ کے مقام و منصب اور اس کی حقیقت و حیثیت کو انسانیت پر آشکار کردیا اور جب یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ بجز محمد مصطفیٰ ﷺ نہ کوئی ہدایت کی راہ ہے نہ نجات کی سبیل اور بجز محمد مصطفیٰ ﷺ

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۵۶

(۲) القرآن، الکهف، ۱۸: ۲۹

نہ خدا کے وجود کی کسی کو خبر ہے نہ اس کی معرفت کی دلیل، یہ رسول خدا کا مظہر کامل ہے عام بشر نہیں یہ رسول دین کل ہے محض پیامبر نہیں تو اب اس حقیقت رسالت کے آشکار ہوجانے کے بعد بھی کوئی اس رسول کو محض انسانی شخصیت ہی سمجھے اور مخالفت کرے تو اس کے لئے تباہی و ہلاکت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ کیونکہ اعلان رسالت سے پہلے لوگوں کی نظر میں حضور ﷺ کی حیثیت ایک عام انسان کی سی تھی کسی کو مقام محمدی ﷺ کی معرفت نہ تھی۔ آپ ﷺ کی صحیح عظمت کا کسی کو علم نہ تھا اور نہ حضور ﷺ اس وقت تک فریضہ تبلیغ پر مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ اس بے خبری کے عالم میں نہ کوئی شخص مکلّف تھااور نہ حضور ﷺ کے کسی حکم کی نافرمانی کو کفر و ضلالت قرار دیا جا سکتا تھا لیکن جب سلسلۂ وحی کا آغاز ہوا اور قرآن نے بنی نوع انسان کو حضور ﷺ کے مقامِ رسالت سے آشنا کر دیا تو اس ہدایت ربانی کے آجانے کے بعد اب ذات محمدی ﷺ لوگوں کے سامنے عام شخصیت کے طور پر نہیں بلکہ رسول مطلق کے طور پر موجود تھی۔ اب حضور ﷺ کا ہر قول وفعل کسی عام فرد و بشر کا نہیں خود ذاتِ الٰہی کا قول وفعل قرار پا رہا تھا، اب حضور ﷺ کے معمولاتِ زندگی سراسر احکام شریعت بن رہے تھے۔ اب آپ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا ہر لفظ قرآن تھا یا حدیث۔ اب آپ کی خلوت و جلوت، آپ ﷺ کے شب و روز، آپ کی حرکت وسکون، آپ کی نشست و برخاست، آپ کا لین دین، آپ کا جمال و جلال اور آپ کا کلام وسکوت الغرض حضور ﷺ کی کون سی ادا ایسی تھی جس سے وجود شریعت اور جسدِ اسلام تشکیل نہ پا رہا ہو؟ یہاں تک کہ آپ کا چہرہ دیکھ کر کعبے کی سمتیں بدلی جارہی تھیں اور آپ کی آرزو دیکھ کر تقدیر کے فیصلے ہو رہے تھے۔ اب اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی مخالفت کرتا تو وہ صریحاً اللہ کی مخالفت ہوتی، اسلام سے کفر ہوتا اور حق کا بطلان ہوتا۔ اسی لئے فرمایا کہ اس ہدایت یعنی شان رسالت محمدی ﷺ کے اچھی طرح آشکار ہو جانے کے بعد اب اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے رستے کے سوا کوئی اور رستہ اپنائے گا تو اس کے لئے تباہی و ہلاکت اور گمراہی و ضلالت ہے کیونکہ مسلمانوں کا راستہ تو حضور ﷺ کی سراسر اطاعت و غلامی ہے اور کفار و منافقین کا رستہ آپ کی غلامی سے صدود و انحراف۔

ایک ایمان افروز قرآنی دلیل

آنحضرت ﷺ ہجرت مدینہ سے قبل کعبہ مکہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے تھے لیکن ہجرت کے بعد بیت المقدس کو قبلہ بنالینے کا حکم ہوا تو اسی سمت میں نمازیں ادا ہونے لگیں اور یہ معمول سترہ ماہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کی خواہش ہوئی کہ بیت المقدس کی

بجائے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا جائے دل میں یہی آرزو تھی، حالت نماز میں تھے اور آپ ﷺ کی اقتداء میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ اسی حالت میں حضور ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس شدتِ آرزو کے باعث آسمان کی طرف بار بار اٹھایا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا۔(۱)

''(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔''

اس کے بعد ارشاد ہوا:

فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ شَطۡرَهٗ۔(۲)

''پس آپ اپنا رخ ابھی مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اسی کی طرف پھیرلو۔''

یہ وہ وحی تھی جو رب ذوالجلال نے اپنے رسول ﷺ کی طرف حالت نماز میں نازل فرمائی تھی جس کی اطلاع دنیا کے کسی فرد کو نہ تھی یہاں تک کہ فراغتِ صلوٰۃ کے بعد حضور ﷺ نے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ وحیٔ الٰہی سنادی دوران نماز تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ اور رسول ﷺ کے اس سلسلہ کلام سے قطعاً بے خبر تھے اور نہ ہی انہیں رسول ﷺ کے بتائے بغیر کسی وحی الٰہی کا علم ہوسکتا تھا وہ تو حضور ﷺ کی اقتداء میں بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوکر نماز میں داخل ہوئے تھے کہ دورانِ صلوٰۃ آنحضرت ﷺ نے دفعتہً اپنا چہرۂ انور بیت المقدس کی بجائے کعبہ مکرمہ کی طرف پھیر لیا اب یہ گھڑی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے امتحان و آزمائش کی گھڑی تھی درحقیقت انہیں تحویلِ کعبہ کا کوئی حکم ابھی تک اللہ کی طرف سے نہ ملا تھا یہ ظاہراً حضور ﷺ کا ایک عمل تھا یہ لمحہ اس لئے کٹھن آزمائش کا تھا کہ ایک طرف نماز اور قبلہ تھا دوسری طرف حضور ﷺ کا تبدیلی قبلہ کا عمل، اسی مقام کو قرآن نے بڑے لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡهَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ

(۱) القرآن، البقرۃ، ۲: ۱۴۴

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۴۴

عَلٰی عَقِبَیۡهِ ؕ وَ اِنۡ كَانَتۡ لَكَبِیۡرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۝[1]

’’اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم (پرکھ کر) ظاہر کر دیں کہ کون (ہمارے) رسول (ﷺ) کی پیروی کرتا ہے (اور) کون اپنے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، اور بیشک یہ (قبلہ کا بدلنا) بڑی بھاری بات تھی مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت (و معرفت) سے نوازا، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان (یونہی) ضائع کر دے، بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے ۝‘‘

یہ مرحلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے سخت آزمائش کا اس لئے تھا کہ قبلہ بیت المقدس خود رب العزت نے ہجرت مدینہ کے بعد مقرر فرمایا تھا اور ابھی اسے اختیار فرمائے ہوئے ڈیڑھ برس بھی نہ گزرا تھا بغیر کسی ظاہری حکم کے (کیونکہ وہ حکم ابھی تک صحابہ کے علم میں نہ تھا) حضور ﷺ نے اسے ترک فرما کر پہلے قبلے کی طرف اپنا چہرہ اقدس پھیر لیا تھا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں جن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا یا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نئے حکم پر مطلع ہونے تک ذات محمدی ﷺ کی بجائے خدا کے مقرر کردہ قبلہ کو مضبوطی سے تھامے رکھتے گویا ان کا تمسک بالدین قبلہ اسلام کے ذریعے قائم رہتا یا پہلے قبلہ کو چھوڑ کر دامن محمد ﷺ کو مضبوطی سے تھام لیتے اور یہ سمجھتے کہ اسلام کا قبلہ بھی وہی ہے جدھر چہرۂ مصطفیٰ ﷺ ہو اور جس سمت سے حضور ﷺ نے منہ پھیر لیا وہ قبلہ نماز بھی نہ رہا، یہ فیصلہ عشق کا تھا اور پہلا عقل کا۔ اب ذات حق بھی انہیں آزمائش میں ڈال کر یہ حقیقت منظر عام پر لانا چاہتی تھی کہ ’’لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡهِ‘‘ کون اپنا مسلمان ہونا نسبت کعبہ کے حوالے سے متعین کرتا ہے اور کون نسبت محمدی ﷺ کے حوالے سے، کون محمد ﷺ کی خاطر کعبے کو چھوڑتا ہے اور کون کعبے کی خاطر محمد کو چھوڑتا ہے؟

یہ کڑی آزمائش ضرور تھی لیکن اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ یعنی وہ لوگ جنہیں خدا نے خاص ہدایت سے بہرہ ور فرمایا تھا جس ہدایت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رسالت محمدی ﷺ کا مقام و مرتبہ آشکار کر دیا تھا وہ بڑی آسانی سے اس میں کامیاب ہو گئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک لمحہ بھر بھی توقف کئے بغیر قبلہ بیت المقدس سے منہ پھیر کر حضور ﷺ کی پیروی کر لی انہوں نے عشق کا فیصلہ قبول کر لیا کہ بیت المقدس یا کسی بھی قبلہ و کعبہ سے ہماری اپنی نسبت ہی کیا ہے؟ ہم نے بیت المقدس کو اسی لئے

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۴۳

قبلہ بنا لیا کہ چہرہ مصطفیٰ ﷺ کا رخ ادھر تھا۔ اب اگر وہ رخ ادھر نہیں رہا تو وہ ہمارا قبلہ بھی نہ رہا کیونکہ جب ہم نے بن دیکھے اسی ہستی کو خدا مان لیا جسے محمد ﷺ نے خدا کہہ دیا ہمارا قرآن وہی ہے جسے محمد ﷺ نے قرآن کہہ دیا، ہمارا مذہب وہی ہے جسے محمد ﷺ نے اسلام کہہ دیا تو ہمارا قبلہ بھی وہی ہے جسے محمد ﷺ نے اپنی توجہ کا شرف دے دیا۔ ایمان کی دنیا میں ہر چیز ذات محمدی ﷺ کی معرفت سے ہی ملتی ہے اور آپ کے بغیر کسی شے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حضور ﷺ خود 'دین همه اوست' کے مرتبہ پر فائز ہیں:

ذکر و فکر علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی(۱)

(یا رسول اللہ! میرا ذکر، فکر، علم اور عرفان آپ ہی ہیں۔ میرے لیے کشتی، (کشتی کو منزل تک لے جانے والا) دریا اور دریا کا طوفان بھی آپ ہی ہیں۔)

اگر اس وقت یہ فیصلہ نہ کیا جاتا تو صحابہ کے ایمان ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا لیکن یہ امر حق تعالیٰ کو گوارہ نہ تھا: ما کان اللہ لیضیع ایمانکم (اور اللہ کو یہ گوارا نہ تھا کہ تمہارے ایمان ضائع کرتا) کیونکہ محمدی و مصطفوی ﷺ ہوئے بغیر ایمان کی کوئی سند نہ تھی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبلہ سے منہ موڑ لیا اور محمدی و مصطفوی ﷺ ہو کر اپنی دولت ایمان کو بچا لیا۔ قرآن حکیم نے صحابہ کے اس عمل پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی اور ابدالاباد تک ملت اسلامیہ کے لئے یہ درخشاں نمونہ پیش کر دیا کہ نسبت مصطفوی ﷺ کے بغیر کوئی بھی نسبت بارگاہ ایزدی میں مقبول نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ گروہ جو صحبت نبوی ﷺ کا فیض یافتہ تھا، جو مکتب محمدی ﷺ کا پروردہ تھا جس نے اپنے قلب و نظر کو آفتاب رسالت کی کرنوں سے روشن کیا تھا جو فیضان مصطفوی ﷺ سے ہمہ وقت مستفید و مستنیر ہوتا تھا اس سے بڑھ کر اسلام کے مزاج کا شناسا اور کون ہوگا؟ جب اس طبقے نے نسبت مصطفوی ﷺ کو اپنے ایمان کی سند بنایا اور ذات محمدی ﷺ کو ہدایت کا واحد راستہ سمجھا تو ہم اسی نسبت و ہدایت کو اپنے لئے سند کیوں نہ بنائیں؟ کیونکہ غیر از مصطفیٰ ﷺ ایمان و اسلام کا کوئی وجود نہیں:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ(۲)

---

(۱) اقبال، بال جبریل: ۲۵

(۲) اقبال، بالِ جبریل

بنا بریں قرآن مجید نے اعلان کیا:

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ○[۱]

''اور تم انہی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاسکو○''

حضور ﷺ نے خود بھی اس امر کی تصریح ان الفاظ میں فرما دی ہے:

إن أحسن الحديث كتاب الله وأحسن الهدي هدي محمد۔[۲]

''بیشک سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے۔''

قرآن مجید نے اس تصور کو یوں اجاگر کیا ہے:

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيَاتُ اللهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○[۳]

''اور تم (اب) کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں، اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے○''

یہاں ہدایت اور اس کی ضمانت کو دو چیزوں پر منحصر اور موقوف کر دیا گیا ہے۔ آیات الٰہیہ (قرآن) اور رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی، اگر ان دونوں سے تمسک برقرار رہے تو اسی کا نام اعتصام باللہ ہے اور اسی میں کفر و ضلالت سے حفاظت کی ضمانت ہے۔ اس لئے قیامت تک امت بلکہ انسانیت کو طلب ہدایت کے لئے درِ رسول ﷺ کی دریوزہ گری ناگزیر ہے، ہدایت کی ضمانت اور

---

(۱) القرآن، الاعراف، ۷: ۱۵۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب فی الهدی الصالح، ۵: ۲۲۶۲، رقم: ۵۷۴۷

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ۶: ۲۶۵۵، رقم: ۶۸۴۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۱۹، رقم: ۱۴۴۷۱

۳۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۷۸۵

(۳) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۰۱

گمراہی سے حفاظت سب خیرات اسی بارگاہ سے نصیب ہو گی حتیٰ کہ اعتصام باللہ کی حقیقت بھی ربط رسالت مآب ﷺ ہی میں مضمر ہے یہی وجہ ہے کہ ابدالاباد تک سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ معرفت اور اس کی اتباع وتمسک ہدایت الٰہیہ کا واحد راستہ قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ پوری انسانیت کے لئے اَخلاقی کمال کا اَبدی نمونہ ہے

حضور ﷺ کے اخلاقی کمال کی ابدیت کی بنیاد آپ کی دو شانیں ہیں، شان اولیت اور شان خاتمیت، ان کی نسبت ارشاد فرمایا گیا:

وَ اِذَا اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتَابٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشّٰھِدِیْنَo[1]

’’اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اِقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوںo‘‘

تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم ارواح میں آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا عہد لیا جانا آپ ﷺ کی شان اولیت کی علامت ہے اور آپ ﷺ کا سب سے آخر میں مبعوث کیا جانا آپ ﷺ کی شان خاتمیت کی علامت ہے۔

قرآن مجید میں شان خاتمیت کی تصریح یوں کی گئی ہے:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًاo[2]

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۸۱

(۲) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۴۰

''محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہےo''

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو باری تعالیٰ نے انسانیت کے لئے اخلاق کمال کا ابدی و دائمی نمونہ بنایا ہے اس لئے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔(۱)

''فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔''

آپ ﷺ کا نمونہ کمال کسی مخصوص طبقہ و گروہ کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت و رسالت تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَانِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَo(۲)

''آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں جس کے لئے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے، سوتم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ جو (شانِ اُمیّت کا حامل) نبی ہے (یعنی اس نے اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں پڑھا مگر جمیع خلق سے زیادہ جانتا ہے اور کفر و شرک کے معاشرے میں جوان ہوا مگر بطنِ مادر سے نکلے ہوئے بچے کی طرح معصوم اور پاکیزہ ہے) جو اللہ پر اور اس کے (سارے نازل کردہ) کلاموں پر ایمان رکھتا ہے اور تم انہی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاسکوo''

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًاo(۳)

---

(۱) القرآن، الأحزاب، ۳۳: ۲۱

(۲) القرآن، الأعراف، ۷: ۱۵۸

(۳) القرآن، الفرقان، ۲۵: ۱

’’(وہ اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے (حق و باطل میں فرق اور) فیصلہ کرنے والا (قرآن) اپنے (محبوب و مقرب) بندہ پر نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہو جائےo‘‘

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰـکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًاo[1]

’’اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتےo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی اس امر کی درج ذیل الفاظ میں تصریح فرمائی ہے:

كان كل نبي يبعث إلى قومه خاصة و بعثت إلى كل أحمر وأسود۔[2]

’’ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔‘‘

اسی طرح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فُضّلت على الأنبياء بست أُعطيت جوامع الكلم ونُصرت بالرّعب أحلّت لي الغنائم وجُعلت لي الأرض طهورًا ومسجدًا وأُرسلت إلى الخلق كافة وخُتم بي النّبيون۔[3]

’’مجھے دیگر انبیاء پر چھ چیزوں کے باعث فضیلت دی گئی ہے میں جوامع الکلم سے نوازا گیا

(۱) القرآن، السبا، ۳۴: ۲۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، ۱: ۳۷۰، رقم: ۵۲۱
۲۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۲: ۲۹۱، رقم: ۱۲۴۸۹

(۳) ۱۔مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، ۱: ۳۷۱، رقم: ۵۲۳
۲۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب السير عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فى الغنيمة، ۴: ۱۲۳، رقم: ۱۵۵۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۱۱، رقم: ۹۳۲۶
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۸۷، رقم: ۲۳۱۳

ہوں اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے اور میرے لئے اموال غنیمت حلال کئے گئے ہیں اور میرے لئے (ساری) زمین پاک کر دی گئی ہے اور سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے اور میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔''

عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

سمعت رسول الله ﷺ يقول: إنّي عند الله مكتوب بخاتم النبيين وأن آدم لمنجدل في طينته۔(1)

''بیشک بارگاہ الوہیت میں میرا نام 'خاتم الانبیاء' اس وقت بھی لکھا ہوا تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی سے تیار بھی نہیں ہوا تھا۔''

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کاملہ کو تمام جہانوں کے لئے عام فرمایا گیا ہے، ارشاد ہوا:

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَ○(2)

''اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر○''

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور فیض نبوت و رسالت کی آفاقی وسعت وعمومیت اور ہمہ گیریت و دائمیت کے بیان کے بعد یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اخلاقی کمال کا جو نمونہ آپ ﷺ کی ذات گرامی نے انسانیت کو عطا فرمایا ہے وہ بھی کاملاً جامع و مانع اور ہمہ گیر و ہمہ جہت ہے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اس نمونہ اخلاق اور پیمانہ کمال کے دائرہ سے باہر نہیں۔

اس ارشاد ربانی میں اس نمونہ اخلاق و پیمانہ کمال کا ایک اجمالی نقشہ بیان کیا گیا ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ

(1) ١۔ ابن حبان، الصحيح، ١٤: ٣١٣، رقم: ٦٤٠٤

٢۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٤: ١٢٧

٣۔ هيثمي، موارد الظمان، ١: ٥١٢، رقم: ٢٠٩٣

(2) القرآن، الأنبياء، ٢١: ١٠٧

يُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰۤئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰۤئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝[1]

''(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اورمعاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۝''

صرف اس ایک آیت کریمہ میں آپ کی ذات گرامی اور سیرت طیبہ کے ضمن میں جن فضائل کا ذکر یا اشارہ موجود ہے ان میں سے چند نمایاں ابواب یہ ہیں:

۱۔ نبوی و رسالتی فضائل | ۲۔ شخصی و تاریخی فضائل
۳۔ دعوتی و تربیتی فضائل | ۴۔ تشریعی و تکوینی فضائل
۵۔ انسانی و اخلاقی فضائل | ۶۔ تحریکی و انقلابی فضائل
۷۔ حِبی و روحانی فضائل | ۸۔ عملی و اتباعی فصائل
۹۔ دینی و تعلیماتی فضائل | ۱۰۔ اکمالی و اتمامی فضائل

یہ مقام تفصیل نہیں اس لئے فقط عنوانات پر اکتفا کر لیا ہے۔ سیرت طیبہ کے اسی پہلو کا حوالہ قرآن مجید میں اس طرح بھی مذکور ہے:

(۱) القرآن، الأعراف، ۷: ۱۵۷

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ۝[۱]

’’بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۝‘‘

اس آیت میں مسلم و غیر مسلم تمام طبقات انسانی کے لئے آپ ﷺ کا ابدی نمونہ اخلاق اور نمونہ کمال بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیلات پورے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر درج ہیں۔

بنابریں آپ ﷺ کو باری تعالیٰ نے یوں مخاطب فرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۝[۲]

’’اور بیشک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متّصف ہیں)۝‘‘

یہ بات مسلّم ہے کہ اخلاقی کمال کا جو بھی معیار اور پیمانہ آج تک انسانی فکر اور علم الاخلاق نے مقرر کیا ہے، حضور ﷺ کی سیرت طیبہ نہ صرف اس پر پوری اترتی ہے بلکہ اس معیار سے کہیں بلند و بالا دکھائی دیتی ہے اور یہی صورت تا قیامت برقرار رہے گی اسی لئے چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود آپ ﷺ کی سنت و سیرت تازہ و تابندہ اور لائق تقلید و تعمیل ہے۔

الغرض اخلاقی و روحانی جدوجہد کا حوالہ ہو یا معاشرتی و سماجی جدوجہد کا، سیاسی و انقلابی زندگی کا پہلو ہو یا معاشی و اقتصادی زندگی کا، تہذیبی و ثقافتی اقدار کی جہت ہو یا علمی، دینی اور فلسفیانہ افکار کی، ہر میدان حیات میں آپ ﷺ کا اخلاقی مقام و مرتبہ کائنات انسانی میں سب سے بلند، تاریخ عالم میں سب سے نمایاں اور ادوارِ حیات انسانی میں ہر دور کے لئے قابل رشک نظر آتا ہے۔ آج تک ہزارہا ترقیات کے باوجود نہ تو انسانی فکر آپ ﷺ کے عمل سے بہتر نمونہ وضع کر سکی ہے اور نہ ہی انسانی اخلاق، تہذیب اور شائستگی آپ ﷺ کے نمونہ اخلاق کی گرد نورانی کو چھو سکی ہے گویا

(۱) القرآن، التوبہ، ۹: ۱۲۸

(۲) القرآن، القلم، ۶۸: ۴

انسان یا تو آپ ﷺ ہی کے پرتو انوار سے کائنات میں اپنا سفر طے کر رہا ہے یا آپ ﷺ کے مرکز نور کی تلاش میں آگے بڑھ رہا ہے۔ بقول اقبال:

هر کجا بینی جهان رنگ و بو
آنکه از خاکش بروید آرزو

یا زنورِ مصطفیٰ او را بهاست
یا هنوز اندر تلاش مصطفیٰ است[1]

(تو جہاں کہیں بھی کائنات کے آثار دیکھتا ہے کہ اِن اَشیائے کائنات کی خاک سے آرزو پیدا ہورہی ہے ان کی ساری قدر و قیمت نورِ مصطفیٰ کے تصدق سے ہے یا وہ ابھی معرفت مصطفیٰ کی تلاش میں ہیں۔)

۶۔ سیرۃُ الرسول ﷺ حقیقت کے علم و عرفاں کی واحد سبیل ہے

اللہ رب العزت نے انسان کو باقاعدہ ایک مقصد کے تحت تخلیق فرمایا ہے اس لئے اسے علم وفکر کے لئے ذرائع (sources of knowledge) عطا فرمائے ہیں۔ انسان کو سوچنے سمجھنے کے لئے طاقتور دماغ، دیکھنے کے لئے صاف شفاف آنکھیں، سننے کے لئے حساس کان، چکھنے کے لئے زبان، سونگھنے کے لئے ناک، چھونے کے لے ہاتھ اور احساس لمس کے لئے اعصاب بخشے گئے۔ ان ذرائع علم کو عقل اور حواس کہا جاتا ہے یہ اس ذات کی عنایت ہے کہ اس نے ان ذرائع کو بالعموم ہر انسان کے لئے کھلا رکھا ہے انہیں محدود اور مسدود نہیں فرمایا۔

انسان کو ذرائع علم عطا کئے جانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھرپور طریقے سے کائنات میں زندگی بسر کر سکے۔ مخلوقات اور ان کے خواص اور اوصاف کو جانے، ان کی حقیقتوں کا ادراک کرے اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف زاویوں سے غور وفکر کر سکے۔

---

(۱) اقبال، کلیات (جاوید نامه): ۲۰۱

اس اصول کی مزید تفصیل کے لئے راقم کی تصنیف ”اسلامی فلسفہ زندگی“ کا مطالعہ فرمائیں۔

ذرائعِ علم کی اقسام

اس مقصد کے لئے بلاتمیز رنگ ونسل انسان کو جو ذرائع علم عطا کئے گئے ہیں انہیں درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) حواسِ خمسہ ظاہری

حواسِ خمسہ کی پہلی قسم حواسِ خمسہ ظاہری کہلاتی ہے جو تعداد میں پانچ ہیں:

۱۔قوت لامسہ	:	چھونے کی قوت
۲۔قوت باصرہ	:	دیکھنے کی قوت
۳۔قوت سامعہ	:	سننے کی قوت
۴۔قوت ذائقہ	:	چکھنے کی قوت
۵۔قوت شامہ	:	سونگھنے کی قوت

یہ وہ پانچ ذرائع علم ہیں جن کی بدولت انسان اپنے گرد و پیش اور ماحول سے اپنا ادراکی تعلق قائم کرتا ہے مگر یہ حواس صرف ظاہری دنیا(Physical World) کی حقیقتوں کا ادراک کرنے تک محدود رہتے ہیں۔ یہ حواس انسانی ذہن کو فقط ظاہری خام مواد مہیا کرنے پر مامور ہیں۔ قوت لامسہ کا کام کسی چیز کو چھوکر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ چیز کیسی ہے؟ نرم و گداز ہے یا سخت اور کھردری لیکن اگر کوئی چیز غیر مادی جسم رکھتی ہے تو لاکھ کوشش کے باوجود اس کے وجود کا سراغ نہیں لگا سکتے لیکن آنکھ اسی وقت جسم کا سراغ لگا سکتی ہے جب کوئی چیز دیکھے جانے کے قابل ہو اگر کوئی چیز غیر مرئی ہے تو اس کو قوت باصرہ معلوم نہیں کرسکتی۔ علیٰ ہذا القیاس قوت سامعہ کا کام آواز کا پتا لگانا ہے۔ خوشبو یا بدبو کو قوت شامہ کے ذریعے جانا جاتا ہے مٹھاس یا کڑواہٹ کا احساس قوت ذائقہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

حواسِ ظاہری کا دائرہ کار محدود ہے

ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ ہر حس کا ایک مخصوص دائرہ کار ہوتا ہے جو اشیاء حواس ظاہری کے ذریعے معلوم کی جاتی ہیں انہیں ادراکات حسی کہتے ہیں۔ جو شے جس حس کے دائرہ کار میں آتی ہے اسے ہمیشہ اسی کی مدد ہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس کی بجائے اس پر دوسرے حواس آزمائے جائیں تو

ہزار کوششوں کے باوجود اس چیز کی صحیح ماہیت اور حقیقت کا ادراک ناممکن ہوتا ہے۔ آواز کو کان کے ذریعے سے معلوم کیا جائے گا تو وہ سمجھ آ سکتی ہے۔ رنگوں کو آنکھوں کے ترازو میں تولا جائے گا تو ان میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ خوشبو کو قوت شامہ کے ذریعے معلوم کیا جائے گا تو وہ انسانی ادراک میں آ سکتی ہے لیکن مذکورہ بالا حواس کے علاوہ اسی چیز کو کسی دوسری حس کی مدد سے جاننے کی کوشش بیکار ثابت ہوگی۔

طے یہ پایا کہ اگر کوئی وجود دنیا میں موجود ہے مگر اس کو معلوم کرنے والی خاص حس موجود نہیں تو پھر باقی سارے حواس آزمانے کے باوجود اس وجود کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس سے انسان اور اس کے حواس کی بے بسی عیاں ہو جاتی ہے کہ انسان کو اپنے جن حواس پر ناز ہے اور جن کے متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ ان سے ہر حقیقت جان اور پرکھ سکتا ہے ان کی حالت تو یہ ہے کہ اگر خود ان میں سے کوئی حس مفقود ہو جائے تو سب مل کر بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتے۔

(۲) عقل اور حواسِ خمسہ باطنی

ایک اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ اگر پانچوں حواس درست اور سلامت ہوں لیکن انہیں عقل کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو یہ پانچوں حواس کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک محسوس کرنے کے باوجود انسان کو کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچا سکتے۔ ان سے حاصل شدہ مواد کو خام مال (Raw Material) یا ادراک (Perception) کہہ سکتے ہیں یہ علم (Knowledge) قرار نہیں پاتا یہ ادراک اس وقت علم کا روپ اختیار کرتا ہے جب آنکھوں کی بصارت، کانوں کی سماعت، ہاتھوں کے لمس اور زبان کے ذائقے کا تاثر عقل پر وارد ہو اور عقل اس سے صحیح نتائج اخذ کر کے انسانی جستجو کو خاص مقام عطا کر دے یعنی اس ادراک کو منظّم کر دے۔

تحصیلِ علم میں عقل کا کردار

جس طرح حواس ظاہری کے پانچ حصے تھے اسی طرح عقل کے بھی پانچ گوشے ہیں۔ عقل کے یہ تمام حصے نہایت نظم و ضبط اور باہمی افہام و تفہیم سے کام کرتے ہیں۔ حواس خمسہ ظاہری جو کچھ محسوس کرتے ہیں، اس کے تاثرات جوں کے توں دماغ تک پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ عقل اپنے پانچوں شعبوں کی مدد سے ان تاثرات سے صحیح نتیجہ اخذ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ کان نے کیا سنا، ہاتھوں نے کیا چھوا، زبان نے کون سا ذائقہ چکھا اور آنکھ نے کیا دیکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حواس کا کام دماغ کے لئے معلومات کا خام مواد تیار کرنا ہے ان محسوسات کو سمجھنا نہیں، کان بذات خود

فیصلہ نہیں کر سکتے کہ سنے ہوئے الفاظ کا مطلب کیا ہے، آنکھ بذات خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ سرخ اور سبز رنگ میں کیا فرق ہے، ہاتھ اور زبان خود یہ نہیں بتا سکتے کہ فلاں چیز نرم ہے یا سخت، میٹھی ہے یا کڑوی آخری فیصلہ عقلِ انسانی ہی صادر کرتی ہے گویا علم کی آخری صورتگری عقل سے ہوتی ہے خواس خمسہ سے نہیں۔

انسانی حواس کی بے بسی

حواس ظاہری کا دائرہ کار پہلے ہی صرف مادی اور طبعی دنیا (Material and Physical World) تک محدود تھا غیر مادی اشیاء کا ادراک حواس ظاہری کے ذریعے ناممکن تھا۔ یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ انسانی حواس کی معلوم کردہ اشیاء کو اگر عقل انسانی منظّم اور مربوط نہ کرے تو حواس خمسہ کے یہ تمام تاثرات بھی علم کا روپ نہیں دھار سکتے۔ عقل انسانی کے مذکورہ پانچ مدرکات کو حواس خمسہ باطنی کہا جاتا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حسِ مشترک

انسانی عقل کا یہ گوشہ حواس ظاہری کے تاثرات کو وصول (Receive) کرتا ہے۔ حواس کے اولین تاثرات اس حصہ عقل پر جا کر جذب ہو جاتے ہیں مثلاً جب ہم اپنی آنکھ سے کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو انسانی عقل کے اس حصے میں اس کی تصویر مرتسم ہو جاتی ہے، اسی لئے اسے لوح النفس بھی کہتے ہیں۔

(۲) حسِ خیال

مدرکات اور محسوسات کی جو تصاویر اور شکلیں حس مشترک میں پہنچتی ہیں حس خیال ان کی ظاہری صورتوں کو اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے مثلاً جب ہم لفظ 'میں' بولتے ہیں تو اس لفظ کی ظاہری صورت م، ی، ن ہے چنانچہ اس کے ظاہر کا یہ تاثر حس مشترک پر منعکس ہوتا ہے اور یہ تاثر بصورت تصویر حس خیال میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۳) حسِ واہمہ

جس طرح محسوسات کی ظاہری شکل وصورت کو حس مشترک نے حواس ظاہری سے وصول کیا تھا اور 'حس خیال' نے اسے اپنے اندر محفوظ کر لیا تھا اسی طرح حس واہمہ مدرکات حسی کے معنی و

مفہوم یعنی ان کی معنوی اور باطنی شکل وصورت کا ادراک کرتی ہے۔

(۴) حسِ حافظہ

یہاں محسوسات کے مفہوم یعنی معنوی وجود کو حس واہمہ سے لے کر اسی طرح محفوظ کیا جاتا ہے، جس طرح ان کی ظاہری شکل کو حسِ خیال میں محفوظ کیا گیا تھا۔

(۵) حسِ متصرفہ

یہ پانچویں اور آخری حس ہے۔ جس کا کام یہ ہے کہ حسِ مشترک میں آنے والی ظاہری صورت کو قوت واہمہ میں حاصل ہونے والے معنی کے ساتھ اور حس خیال میں محفوظ شکل وصورت کو قوت حافظہ میں محفوظ مفہوم کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ اس طرح انسان مختلف الفاظ سن کر ان کا مفہوم سمجھنے، مختلف رنگ دیکھ کر ان میں تمیز کرنے اور مختلف ذائقے چکھ کر ان میں فرق کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ پانچوں حصے باہم مل کر ایک ادراک کو خاص نقطے تک پہنچاتے ہیں جسے علم کہا جاتا ہے۔ یہاں ادراک(Perception) علم(Conception) میں بدل جاتا ہے اگر حسِ مشترکہ موجود نہ ہوتو پانچوں حواس بے بس ہو کر رہ جائیں۔ اس طرح اگر ان میں حس واہمہ صحیح نہ ہوتو آپ سب کچھ دیکھیں گے لیکن جان کچھ نہ سکیں گے۔ آواز تو سنائی دے گی مگر اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ چیز کو ہاتھوں سے چھوا تو جا رہا ہوگا مگر نرم اور سخت چیزوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاسکے گا۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ علم تک رسائی حاصل کرنے کیلئے حواسِ ظاہری حواسِ باطنی کے محتاج ہیں۔ جب تک حواسِ ظاہری کے مدرکات حواسِ باطنی سے گزر کر ایک صحیح نتیجے تک نہ پہنچیں اس وقت تک حواسِ ظاہری کے ذریعے محسوس کئے جانے والے تمام مادی حقائق علم کی شکل اختیار نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف عقل اور حواسِ باطنی مکمل طور پر حواسِ ظاہری کے محتاج ہیں اگر آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، ناک سونگھنے سے اور زبان چکھنے سے قاصر ہوتو تمام عقلی حواس مل کر بھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے لہٰذا جہاں حواس عقل کے محتاج ہیں، وہاں خود عقل بھی حواس کی محتاج ہے۔

اگر کسی بچے کی پیدائش کے بعد ایسے مقام پر پرورش کی جائے جہاں کوئی آواز اس کے کام میں نہ پڑنے پائے تو ایسا بچہ پچاس سال کا ہو جانے کے باوجود نہ کچھ بول سکے گا اور نہ کچھ سمجھ سکے گا وجہ فقط یہ ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے بولتے ہیں یہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے ان آوازوں کا جو کان

دوسروں سے سنتے ہیں اور عقل انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتی ہے۔ جب یہ شخص اپنے کان سے کچھ سن ہی نہیں سکا اور اس کی عقل الفاظ، حروف، لہجوں اور آوازوں کو محفوظ ہی نہ کر سکی تو اس کا دماغ الفاظ کے معاملے میں سفید کاغذ کی طرح کورا رہا اسی طرح اس شخص کو اپنی کیفیات، حاجات اور خواہشات کے بیان پر بھی قدرت حاصل نہ ہو سکی۔ بنابریں آنحضرت ﷺ کے زمانے اقدس میں اہل عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی اولاد کو حضانت کے لئے بدوی عورتوں کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ ان لوگوں کی خالص اور فصیح عربی سن کر اس زبان کو اپنا سکیں۔

انسان اور اس کی بساطِ علم

اب یہ طے پا گیا کہ انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں تک حواس اپنا کام کرتے ہیں چنانچہ جو حقیقت آپ کی باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ اور شامہ کی دسترس سے باہر ہو اس کا ادراک عقل بھی نہیں کر سکتی حواس کے خام مال کے بغیر عقل ایک عضو معطل ہے اور عقل کے بغیر سارے کے سارے حواس عبث و بیکار ہیں پس انسان کو جو ذرائع عطا کئے گئے ہیں وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں اس لئے حواس خمسہ اور عقل کی فعالیت کے باوجود انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق اکثر سوالات تشنۂ طلب رہتے ہیں مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہوگا؟ اس کائنات سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اس کائنات میں زندگی گذارنے کے لئے کون سے قانون کی پاسداری کی جائے؟ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی بری؟ ظلم کیا ہے اور انصاف کیا ہے؟ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟ آیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے یا ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے؟ اگر وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے تو اس نظام زندگی کا مفہوم کیا ہوا، اور اگر مرنے کے بعد نئی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس کی کیفیت کیا ہے؟ مزید یہ کہ مرنے کے بعد اس سے کوئی جواب طلبی بھی ہوگی یا نہیں؟

الغرض یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ علی ہذا القیاس اگر انسانی زندگی بامقصد ہے تو انسان کو ان سوالات کا تسلی بخش جواب چاہیے۔ جب یہ تمام سوالات انسانی عقل کے دروازے پر دستک دیتے ہیں تو انسان ان کے جواب کے لئے اپنی آنکھوں کی طرف رجوع کرتا ہے وہ جواب دیتی ہیں کہ ہم تو خود تیرے باعث معرض وجود میں آئی ہیں، ہم تیری تخلیق سے پہلے کا حال کیوں کر جان سکتی ہیں۔ انسان اپنے کانوں سے پوچھتا ہے تو کان گویا ہوتے ہیں کہ ہمارا وجود خود تیری ہستی کا مرہون منت ہے۔ جو اشیاء ہمارے دائرہ ادراک سے ماورا ہیں، ہم ان کا جواب

کیسے دے سکتے ہیں۔ انسان اپنی ناک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ جواب دیتی ہے کہ یہ حقائق سونگھنے سے معلوم نہیں ہوسکتے، میں ان سوالات کا جواب کس طرح دوں؟ انسان اپنی زبان سے پوچھتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ان ماورائی حقیقتوں کو چکھا نہیں جاسکتا، میں بھی مجبور ہوں۔ پھر انسان اپنے ہاتھ سے سوال کرتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے، میں ان احوال کو چھو نہیں سکتا ان کی نسبت کیا بتاؤں۔ الغرض انسان نے حواس خمسہ میں سے ہر ایک کے دروازے پر دستک دی ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بتاؤ میرا خالق کون ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مجھے آنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ اچھائی اور برائی کیا ہے؟ مگر انسانی حواس انتہائی درماندگی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حقائق کوئی آواز نہیں کہ ہم سن کر بتاسکیں، کوئی رنگ نہیں کہ دیکھ کر جواب دے سکیں، مادی اجسام نہیں کہ چھو کر فیصلہ صادر کرسکیں ...... اس طرح انسانی حواس کی بے بسی اور عاجزی پوری طرح نمایاں ہوجاتی ہے۔ تب انسان اپنی عقل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دامن جھنجھوڑ کر کہتا ہے کہ اے میرے وجود کیلئے سرمایہ افتخار چیز! میری زندگی کے بنیادی حقائق سے متعلق مجھے تمام حواس نے مایوس کر دیا، اب تو ہی اس سلسلے میں میری راہنمائی کر مگر عقل بھی اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اے انسان! میں تو تیرے ہی حواس کی محتاج ہوں جو چیز حواس کے ادراک میں نہیں آسکتی اس کے متعلق میں کیسے فیصلہ صادر کرسکتی ہوں؟ اگر حواس خاموش ہیں تو مجھے بھی بے بس و مجبور سمجھ۔

رب العزت نے انسان کو ذریعہ علم کے طور پر ایک اور باطنی سرچشمہ بھی عطا کیا ہے۔ جسے وجدان کہتے ہیں۔

(۳) وجدان اور اس کے لطائف

انسانی وجدان کے بھی پانچ گوشے ہیں، ان کو لطائف خمسہ کہتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفی۔

ان لطائف کے ذریعے انسان کے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے حقائق سے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں، روح کے کان سننا شروع کر دیتے ہیں اور یوں انسانی قلب و روح بعض ایسی حقیقتوں کا ادراک کرنے لگتے ہیں جو حواس وعقل کی گرفت میں نہیں آسکتے تھے لیکن انسانی وجدان کی پرواز بھی نفسی اور طبیعی کائنات (Psychic and Physical World) تک محدود ہے۔ امام غزالیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

و وراء العقل طور آخر تنفتح فيه عين أخرى فيبصر بها الغيب وما سيكون في المستقبل و أموراً أخرى العقل معزول عنها۔(1)

اور عقل کے بعد ایک اور ذریعہ ہے جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس کے ذریعے غیبی حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جاتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر ہوتی ہے۔

لیکن وہ حقائق جو نفسی اور طبیعی کائنات کی وسعتوں سے ماورا ہیں، جو خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہیں، انسانی تخلیق اور اس کے مقصد تخلیق نیز اس کی موت اور مابعد الموت سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم وجدان بھی فراہم نہیں کر سکتا۔ انسان نے یکے بعد دیگرے تینوں ذرائع علم کے دروازوں پر دستک دی مگر ہر ایک نے اسے مایوس کر دیا۔ کوئی بھی ذریعہ اسے حتمی و قطعی علم نہ دے سکا۔

پیکرِ نبوت اور وحیِ اِلٰہی

انسان نے جب پوری طرح بے بسی اور فکری کم مائیگی کا اعتراف کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ندا آئی اے انسان! تو اپنے حواس و عقل اور فراست و وجدان کی بے بسی دیکھ چکا۔ ہم تجھے یہی سمجھانا چاہتے تھے کہ کہیں تو اپنے حواس و عقل اور فراست و وجدان کی بدولت یہ تصور نہ کر بیٹھے کہ میرا علم درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا علم ابھی ماورائی حقیقتوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا اسی لئے قرآن مجید میں اس حوالے سے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○(2)

''اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ○''

اب تجھے جس سرچشمۂ علم کی تلاش ہے وہ ہم نے پیکرِ نبوت و رسالت کی صورت میں اس کائنات میں مبعوث فرما دیا ہے۔ جا دروازہ نبوت پر دستک دے، اب اس چوکھٹ سے رہنمائی طلب کر، علم نبوت کے فیضان سے تم پر تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی چونکہ وجود نبوت میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا علم، حسی و عقلی نہیں الہامی و ربانی ہے، انسانی ذریعہ سے حاصل شدہ نہیں بلکہ وحی الٰہی سے

---

(1) غزالی، المنقذ من الضلال: ۵۴

(2) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۸۵

جاری ہوا ہے۔

سو پیکر نبوت کے ذریعے قدرت نے انسانوں کو وہ سرچشمہ علم عطا کر دیا، جو انہیں ان کے مقصد تخلیق بتلاتا ہے، ان کے خالق و مالک کی ذات کی نشاندہی بھی کرتا ہے، اس کی صفات اور افعال کی معرفت بھی عطا کرتا ہے، یہاں تک کہ مرنے کے بعد کی زندگی کی حقیقت بھی بیان کرتا ہے۔ گویا وہ سب بنیادی حقائق جو چشم عالم سے مخفی تھے، علوم نبوت کے طفیل آشکار ہوگئے۔ جن کی جستجو انسان ازل سے کرتا آیا تھا اور جن کی حتمی معرفت سے انسان کے حواس، عقل اور وجدان سب قاصر ہو چکے تھے، انوارِ رسالت نے تمام حجابات اٹھا کر انہیں تفصیل سے واضح کر دیا۔ لہٰذا اس وقت تک انسانی علم پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک نبوت و رسالت اس کی راہنمائی نہ کرے۔ اسی پیکر نبوت نے انسان کو خدا کی خبر دی ہے انسان خود اس سے بے بہرہ تھا۔ اسی نے تمام حقائق ایمانی کی خبر دی ہے انسان خود ان سے ناآشنا تھا۔ اسی سے راہ حقیقت معلوم ہوئی ہے انسان بے خبر تھا حتی کہ اسی سے انسان کو اپنی خبر ہوئی انسان اپنی حقیقت سے بھی بے خبر تھا۔ لہذا ضروری ہوا ہے کہ اس پیکر نبوت کی سیرت اچھی طرح معلوم کی جائے کیونکہ اسی کے علم ومعرفت سے انسان کا علم کامل ہوگا اور اسے راہ راست کو صحیح طور پر سمجھنے میں مدد ملے گی پھر حضور ﷺ کی ذات اقدس کے بعد باب نبوت بھی بند کر دیا گیا ہے لہٰذا قیامت تک حقیقت کے علم وعرفان کے لئے اسی ایک سیرت کا جاننا لازم رہے گا۔

۷۔ سیرۃُ الرسول ﷺ ایمان اور اسلام کا مرکز ومحور ہے

قرآن مجید نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ایمان اور اسلام کا مرکز ومحور قرار دیا ہے اور آپ ﷺ ہی کی نسبت کو مدار فلاح سے تعبیر کیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیَاتِنَا یُؤْمِنُوْنَ○ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الاُمِّیَّ۔ (۱)

’’اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے، سو میں عنقریب اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور وہی لوگ ہی ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں○ (یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی

(۱) القرآن، الاعراف، ۷: ۱۵۶، ۱۵۷

کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اورمعاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں)۔‘‘

یہاں تقویٰ، زکوٰۃ اور ایمان ہر چیز کو حضور ﷺ کی اتباع و غلامی سے مشروط کر دیا گیا ہے، اس نسبت کے بغیر کوئی شے بھی مقبول و معتبر نہیں ہے حتی کہ باری تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت کو بھی اسی نسبت کے ساتھ مقرون کر دیا ہے۔ پھر اس آیت کریمہ کے آخر میں یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○[1]

’’پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○‘‘

اس مقام پر ایمان و محبت، تعظیم و تعزیر، مدد و نصرت اور اتباع و اطاعت، ہر عمل کے لئے ’’ہ‘‘ کی ضمیر کا (جس کا مرجع حضور ﷺ ہیں) بار بار ذکر کیا جانا اس امر پر صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ قرآن آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ہی ایمان بلکہ پورے دین کا مرکز و محور قرار دے رہا ہے اور کوئی بھی دینی و ایمانی عمل اگر اس نسبت و تعلق سے خالی ہو تو وہ قطعاً نامقبول اور مردود ہو گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا○[2]

’’بیشک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے○ تا کہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان (کے دین) کی مدد کرو اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو○‘‘

یہاں بھی ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت، عبادت و تسبیح الٰہی اور ادب و تعظیمِ رسول ﷺ

(۱) القرآن، الاعراف، ۷:۱۵۷

(۲) القرآن، الفتح، ۴۸: ۸، ۹

حتی کہ دین نبوی کی مدد و نصرت، ہر عمل کی اساس و ابتدا حضور ﷺ کی رسالت ہے، آپ کا شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا جانا اور پھر لوگوں کا اس مرکز سے ایمانی تعلق کے ساتھ مربوط و منسلک ہو جانا ہی حقیقت ایمان ہے اور اسی طرح یہی برگزیدہ رسالت ہی مرکز و محور ایمان ہے۔

اسی سورۂ مبارکہ میں آگے ارشاد فرمایا گیا:

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰی اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِکَ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَکُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًاo وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَعِیْرًاo (۱)

’’بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول (ﷺ) اور اہلِ ایمان (یعنی صحابہ ﷺ) اب کبھی بھی پلٹ کر اپنے گھروالوں کی طرف نہیں آئیں گے اور یہ (گمان) تمہارے دلوں میں (تمہارے نفس کی طرف سے) خُوب آراستہ کر دیا گیا تھا اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے والی قوم بن گئےo اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہےo‘‘

اس مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کی نسبت سوء ظن یعنی جنگ میں آپ ﷺ کے وفات پا جانے کے گمان بد کو ہی کفر گردانا گیا ہے اور اسے باعث عذاب جہنم قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌo (۲)

’’اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں رسول ﷺ کی بے ادبی نہ ہو جائے)، بیشک اللہ (سب کچھ) سننے والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

یہاں بعض صحابہ کے فقط حضور ﷺ کی ذات گرامی پر قربانی یا روزہ جیسے عمل میں تقدم کو

(۱) القرآن، الفتح، ۴۸: ۱۲۔۱۳

(۲) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱

اللہ اور رسول پر تقدم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی مرکز ومحور ایمان ہے اس لئے اگر فقط اسی سے سوءِ ادب ہوگا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوءِ ادب قرار پائے گا۔

اس سے اگلی دو آیات کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَo اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌo(۱)

’’اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیٔ مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہوجائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہوجانے کا) شعور تک بھی نہ ہوo بیشک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چُن کر خالص کر لیا ہے۔ ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہےo‘‘

یہاں حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں آواز بلند کرنے یا آپ ﷺ کو بے تکلفانہ آواز دینے کی جسارت کو بھی گستاخی اور کفر قرار دیا گیا ہے جس کے باعث اس شخص کے تمام اعمال دینی برباد اور ایمان سلب ہو رہا ہے، اس کے برعکس آپ ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں سراپا نیاز و ادب ہونے سے ہی دلوں کو تقویٰ اور دولت ایمان و عمل نصیب ہو رہی ہے۔ ان دو تصریحات سے یہ حقیقت سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے کہ اسلام میں ایمان کا مرکز و محور کون ہے؟ اور مسلمانوں کے لئے ان کے ایمان و اسلام کے رد و قبول کا پیمانہ کیا ہے؟ وہ صرف حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس سے نسبت محبت و ادب اور تعلق غلامی و اتباع کے بغیر ایمان کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اب یہ بھی دیکھیں کہ درِ رسالت ﷺ پر اپنی جبیں ہائے نیاز نہ جھکانے والوں اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے عمداً دوری اختیار کرنے والوں کے متعلق قرآن کیا بیان کر رہا ہے، ارشاد فرمایا گیا:

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۲۔۳

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۝[1]

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں۝''

یعنی جب لوگوں کو اللہ کے احکامات کی پیروی اور حضور ﷺ سے نسبت غلامی استوار کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو ان میں سے منافق لوگ بارگاہ الوہیت میں جانے سے تو انکار نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے احکامات کو حق تسلیم کرتے ہیں لیکن **یصدون عنک صدودا** صرف آپ ﷺ کی بارگاہ میں آنے سے اعراض اور پس و پیش کرتے ہیں بس اسی وجہ سے ان کے گلے میں منافقت کا طوق پہنا دیا گیا ہے۔

اس آیت میں کافر و مسلم اور متقی و منافق کی پہچان کا کلیہ اور قاعدہ متعین فرما دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے در سے پھرنے والوں کو اسی لئے تو منافق گردانتا ہے کہ وہ اس ذات کو فراموش کر کے اللہ سے تعلق بحال کرنا چاہتے ہیں جس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی خبر دی اور اس کی وحدانیت اور شان خالقیت سے متعارف کرایا۔

یہاں اللہ تعالیٰ یہ بھی آشکار کر رہا ہے کہ جب میں نے انہیں اپنی طرف بلایا تو انہوں نے ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی اور میرے احکام کو ماننے پر بھی راضی ہو گئے لیکن جب اس رسول ﷺ کے درِ دولت پر جھکنے کو کہا تو اکڑ گئے کہ ہمیں اس سہارے اور واسطے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلقِ بندگی قائم کر کے متقی بن جائیں گے۔

اللہ رب العزت ان کے اس زعم باطل کو رد کر رہا ہے کہ نہیں محبوب ﷺ جو تیری بارگاہ میں جھکنے سے گریزاں ہے وہ میری بارگاہ میں روزانہ ہزارہا سجدے کرتا پھرے، ساری رات عبادت کرتا رہے اور شب و روز ریاضتیں، مجاہدے اور تسبیحات کرتا رہے اور پوری زندگی دین کے نام پر ختم کر دے، اس کا وہ دین کیا دین ہے جس میں تیری نسبت و تعلق کا سبق نہ ہو۔ ان کی عبادتیں کس کام کی جو تیری محبت میں بے قرار نہ ہوں اور ان کی شب بیداریوں کا کیا فائدہ جو تیری یاد میں اپنی آنکھوں کو اشکوں سے باوضو نہ رکھیں جب تک وہ تیری بارگاہ میں سر تسلیم خم نہیں کرتے، ان کا شجر

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۶۱

ایمان بے ثمر رہے گا ان کی نیکیوں کی قیمت بھی تیری غلامی کی تصدیق سے پڑے گی۔ یہاں تک کہ وہ اگر اپنے گناہوں کی معافی بھی براہ راست مجھ سے مانگیں گے تو اس وقت تک انہیں نہیں بخشوں گا جب تک وہ تجھ سے غلامی کا رشتہ استوار نہ کر لیں، اس کی گواہی قرآن دے رہا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○[1]

''اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اوراللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے○''

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ جس کو ناراض کیا گیا اب راضی کرنے بھی اسی کی بارگاہ میں جانا چاہئے تھا لیکن اس دنیائے محبت کے اصول وقواعد یہ ہیں کہ فرمایا: (جاءوک) محبوب اگر وہ مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کے طلب گار ہیں تو تیرے پاس آئیں اور پھر فرمایا (فاستغفروا اللہ) اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں یہاں کوئی سوچ سکتا تھا کہ باری تعالیٰ اگر آپ ہی سے معافی مانگنا تھی تو گناہگاروں کو اپنے رسول کے در پر کیوں بلایا ہے؟ تو فرمایا تمہیں یہی سبق سکھانا مطلوب تھا کہ

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں[2]

اس تعلق ونسبت نبوی ﷺ کی ایمانی اہمیت کا مزید اندازہ اس اعلان خداوندی سے کیجئے جس میں ارشاد ہوا:

وَ اعْلَمُوْآ اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَ نِعْمَةً وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ○[3]

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۶۴

(۲) احمد رضا، حدائقِ بخشش

(۳) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۷-۸

’’اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں، اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرما دیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفّر کر دیا، ایسے ہی لوگ دین کی راہ پر ثابت اور گامزن ہیںo (یہ) اللہ کے فضل اور (اس کی) نعمت (یعنی تم میں رسولِ اُمّی ﷺ کی بعثت اور موجودگی) کے باعث ہے، اور اللہ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہےo‘‘

یہاں واشگاف الفاظ میں حضور ﷺ کی ذات گرامی کو ایمان و اسلام کا مرکز و محور قرار دے دیا گیا ہے۔ یہی محبت و اطاعت رسول ﷺ ہی زینت ایمان ہے اور اس سے محرومی کفر و عصیان، یہی دولت فضل و رحمت الٰہی ہے اور اس سے تہی دامنی شقاوت و بدبختی۔

ایک اور مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔[1]

’’(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے۔‘‘

یہاں دعوت الی اللہ کا بیان سبیل ربک (اپنے رب کی راہ) کے عنوان سے کیا گیا ہے گویا باری تعالیٰ کی ربوبیت کو نسبت نبوی سے مقرون و منسلک کر کے یہی حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ تبلیغ دین میں توحید و الوہیت کی طرف بھی وہی دعوت مقبول ہے جو نسبت نبوی کو پختہ و مضبوط کرے دعوت الی اللہ کا ایسا کوئی بھی طریقہ جس سے نسبت محبت رسول کمزور پڑے دین میں مردود و باطل ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ ط وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًاo[2]

’’ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۱۲۵

(۲) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

(کسی کے لیے) ممنوع اور بند نہیں ہےo‘‘

یہاں باری تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی رحمتوں اور بخششوں کا بیان بھی ’’من عطاء ربک‘‘ (آپ کے رب کی عطائیں) کہہ کر فرمایا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان نسبت محمدی ﷺ کو حرزِ جان بنا لیں اور اللہ تعالیٰ کی جملہ عنایات و انعامات کے بواسطہ رسالت میسر آنے کا اعتقاد پختہ کر لیں۔ یہ قرآنی بیان اس اصول پر برہان قاطع ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo(۱)

’’پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیںo‘‘

یہاں باری تعالیٰ نے حتمیت و قطعیت کے ساتھ واضح فرما دیا کہ جو لوگ حضور ﷺ کی حکمیت و حاکمیت اور آپ ﷺ کی حکومت و ولایت کو اپنے اوپر واجب و لازم نہیں سمجھتے وہ مسلمان ہونے کا تصور بھی نہ کریں اور اس امر کی قسم بھی یوں اٹھائی گئی ’’آپ کے رب کی قسم‘‘ تاکہ اہل ایمان پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ جب باری تعالیٰ خود اپنی قسم بھی اپنے ’’حبیب کے رب ہونے‘‘ کے ناطے سے کھا رہا ہے تو وہ اس ذات گرامی سے قطع نسبت یا کمزوری محبت کو کب گوارا کرے گا اس لئے ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔(۲)

’’اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔‘‘

اس آیت نے یہ ایمانی اصول بصراحت بیان کر دیا ہے کہ رسالت کا انکار گویا اللہ تعالیٰ کا

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۶۵

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۹۱

انکار ہے کیونکہ رسالت کی نفی خود الوہیت کی ناقدری اور توحید کی نفی ہے لہٰذا رسالت کی قدر شناسی حقیقت میں الوہیت باری کی قدر شناسی ہوئی نتیجتاً سیرت محمدی ﷺ کی معرفت حقیقت میں عظمت باری کی معرفت بن جائے گی کیونکہ پیکر نبوت و رسالت ﷺ کی کوئی خوبی وحسن اور عظمت و کمال ذاتی نہیں سب عطاء الٰہی اور منصوبہ ربانی ہے کہ خالق نے اپنے برگزیدہ رسول ﷺ کی صورت، حیات اور سیرت کو یوں حسین اور اکمل بنایا ہے کہ ان کی ہر خوبی اپنے خالق کی عظمت کی دلیل بن سکے اور ان کی قدر شناسی عظمت خداوندی کی معرفت کا ذریعہ بن جائے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے اسے خوب سمجھا جائے اور اسے زیور حیات بنایا جائے کیونکہ یہی ایمان کا مرکز ومحور، دین کی جان اور توحید کی پہچان ہے۔ اسے گزشتہ زمانے کی داستان سمجھ کر نظرانداز کر دینا یا اس کی ابدالآباد تک زندہ و تابندہ حیثیت میں کمی کا خیال کرنا حقیقت میں دین و ایمان اور قرآن و اسلام کو ترک کر دینا ہے۔ اقبالؒ نے درست کہا ہے:

در دل مسلم مقام مصطفی است
آبروئے ما زنام مصطفی است

(ہر سچے مسلمان کے دِل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت نے گھر کر لیا ہے اور ہماری عزت و آبرو کا بھرم اُنہی کے نام سے قائم ہے۔)

طور موجے از غبار خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش[1]

(طور آپ ﷺ کے درِ دولت کی غبار کی ایک موج ہے اور آپ کا کاشانہ مبارک کعبہ کے لئے بیت الحرام کا درجہ رکھتا ہے۔)

عاشقی محکم شو از تقلید یار
تا کمند تو شود یزداں شکار[2]

(اگر تو عاشق ہے تو دوست یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال کر اپنے آپ کو مضبوط بنالے تاکہ تیری تدبیر سے ہر چیز تیرے قبضے میں آجائے۔)

---

(۱) اقبال، کلیات (اسرار و رموز): ۳۸

(۲) اقبال، کلیات (اسرار و رموز): ۴۱

علم حق غیر از شریعت هیچ نیست
اصل سنت جز محبت هیچ نیست[۱]

(علمِ شریعت کے سوا اور کوئی علم مبنی بر حق نہیں اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی پیروی ہی محبت کی بنیاد ہے۔)

تا شعارِ مصطفیٰ از دست رفت
قوم را رمز بقا از دست رفت[۲]

(جب سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور طریقے کو ترک کر دیا گیا ہے قوم میں زندہ رہنے کے طور پر طریقے ہی نہیں رہے۔)

غنچه ئی از شاخسار مصطفیٰ
گل شو از باد بهار مصطفیٰ

(تو باغِ مصطفیٰ ﷺ کی گھنی شاخ کا ایک غنچہ یعنی ملت کا ایک فرد ہے۔ لازم ہے کہ تو اس باغ میں چلنے والی بادِ بہاری سے کھل کر پھول بن جائے۔)

از بهارش رنگ و بو باید گرفت
بهره ئی از خلق او باید گرفت

(اس مصطفوی بہار سے تیرے اندر وہی رنگ و بو آ جائے اور آپ ﷺ کے اَخلاقِ حسنہ کی کچھ تاثیر تجھ میں پیدا ہو جائے۔)

مرشد رومی چه خوش فرموده است
آں که یم در قطره اش آسوده است

(میرے مرشد حضرت مولانا جلال الدین رومی نے کیا خوب فرمایا اور ان کے فرمان نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔)

مگسل از ختم الرسل ایام خویش

---

(۱) اقبال، کلیات (اسرار و رموز): ۱۳۵

(۲) اقبال، کلیات (اسرار و رموز): ۱۳۷

تکیه کم کن برفن و برگام خویش[۱]

(حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات سے اپنے آپ کو جدا مت کر یعنی آپ ﷺ کی اتباع کو اپنا شعار بنا لے اور اپنی عقل کی عیاریوں اور حیلہ سازیوں پر تکیہ کرنا چھوڑ دے۔)

هر که عشق مصطفی سامان اوست
بحر و بر در گوشه دامان اوست

(جس نے بھی عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنا زادِ راہ بنا لیا اس کی تابع خشکی اور سمندر پر محیط کل کائنات ہوگی۔)

زانکه ملت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست

(یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کے عشق ہی سے ملتِ اِسلامیہ کو زندگی نصیب ہوتی ہے اور کائنات کے ساز وسامان کا وجود آپ سے عشق پر منحصر ہے۔)

روح را جز عشق او آرام نیست
عشق او روزیست که را شام نیست[۲]

(آپ ﷺ کے عشق کے بغیر روح کو چین نصیب نہیں ہوتا اور یہ عشق ایک ایسے دِن کی طرح ہے جس کا مقدر شام نہیں۔)

عصر ما ما را زما بیگانه کرد
از جمالِ مصطفی بیگانه کرد[۳]

(ہمارا زمانہ جو مغربی تہذیب وتمدن کے زیر اثر ہے، اس نے ہمیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا ہے جس کے نتیجے میں ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے جلوۂ جمال سے محروم ہو گئے ہیں۔)

---

(۱) اقبال، کلیات (اسرار و رموز): ۱۴۰

(۲) اقبال، کلیات (اسرار و رموز): ۲۰۳

(۳) اقبال، کلیات (پس چه باید کرد مسافر): ۶۹۲

باب چہارُم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی آئینی و دستوری اہمیت

زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی، نظم کے لئے کسی ضابطے، قانون اور آئین کی محتاج ہے۔ انسان نے روز اول سے جوں جوں تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کیا، اس کی زندگی میں قوانین و ضوابط کا عمل دخل بھی بڑھتا گیا۔ اجتماعی سطح پر معاشرے کو منظّم کرنے کے لئے کبھی تو طاقت کا سہارا لیا گیا اور کبھی معاشرے کو قوانین وضوابط کے بندھن میں باندھنے کی کوششیں ہوئیں۔ ایتھنز اور سپارٹا کی قدیم ریاستیں ہمارے سامنے یہی منظر پیش کرتی ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں یہ اعزاز اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے شعور انسانی کو ایک واضح دستور کے تصور سے آشنا کیا کہ ریاست کو ایک ایسے دستور و آئین کے تحت چلایا جائے جو نہ صرف ریاست کے تمام اعضائے ترکیبی کے افعال و وظائف کی تشریح کرے بلکہ ریاست کے جملہ طبقات کے حقوق و فرائض کا تحفظ وتعین بھی کرے۔

قرآن حکیم کی روشنی میں دستور سازی کے اُصول

(Principles of Constitution in Holy Quran)

قرآن کریم کی بہت سی ایسی آیات ہیں دستوری و آئینی رہنمائی کی حامل ہیں۔ یہاں دستوری اور سیاسی رہنمائی فراہم کرنے والی چند آیات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اسلام کے آئینی نظریے کی بنیاد کو صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ ان آیات میں سیاسی نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے کلیدی ہدایات اور احکام بیان کیے گئے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

۱۔ **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○**[۱]

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں اور

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۸، ۵۹

جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے○ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ امر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے○‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ○[1]

’’اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور اُن کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور اس مال میں سے جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے خرچ کرتے ہیں○‘‘

۳۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ○[2]

’’(اے حبیبِ والا صفات) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بیشک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے○‘‘

۴۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا○[3]

---

(۱) القرآن، الشوری، ۴۲: ۳۸

(۲) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۸۳

''اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ (بجائے شہرت دینے کے) اسے رسول اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور ان میں سے وہ لوگ جو (کسی) بات کا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں اس (خبر کی حقیقت) کو جان لیتے اگر تم پر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا تم (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتےo''

۶۔ **یَاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَطِیْعُوْا اللهَ وَ اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ۔**[۱]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''

۷۔ **فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔**[۲]

''تو اسے حتمی فیصلہ کے لیے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

اگلی آیت مبارکہ میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

۸۔ **اَلَم تَرَاِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْآ اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْبِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً بَعِیْداًo**[۳]

''کیا آپ نے ان (منافقوں) کونہیں دیکھا جو (زبان سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (اس کتاب یعنی قرآن) پر ایمان لاہے جو آپ کی طرف اتارا گیا اور ان (آسمانی کتابوں) پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئیں (مگر) چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات (فیصلے کے لئے) شیطان (یعنی احکام الٰہی سے سرکشی پر مبنی قانون) کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں حاکم دیا جاچکا ہے کہ اس کا (کھلا) انکار کر دیں اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ انہیں دور دراز گمراہی میں بھٹکا تا رہےo''

۹۔ **وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللهُ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَo**[۴]

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۹

(۲) القرآن، النسا، ۴: ۶۹

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۶۰

(۴) القرآن، المائدۃ، ۵: ۴۴

’’اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے سو وہی لوگ کافر ہیںo‘‘

۱۰۔ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِي كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهُ فِي قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ أُوْلٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَo(۱)

’’اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں، اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہارا کہنا مان لیں تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرما دیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفّر کر دیا، ایسے ہی لوگ دین کی راہ پر ثابت اور گامزن ہیںo‘‘

اَحادیثِ نبوی کی روشنی میں دستور سازی کے اُصول

(Principles of Constitution in the Hadith)

سیرت نبوی میں بھی ہمیں قرآں حکیم کی ان تعلیمات کی عملی توضیح وتشریح ملتی ہے جس سے ریاست کے مثالی آئین کی تفصیلات ہمارے سامنے آتی ہیں:

۱۔ **عن علي رضي الله عنه. قال: قلت يا رسول الله، إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي، فما تأمرنا؟ قال: شاوروا الفقهاء والعابدين، ولا تمضوا فيه رأي خاصة۔(۲)**

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس میں امر اور نہی کا بیان نہ آیا ہو تو آپ اس میں ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم فقہاء اور عابدین سے مشورہ کیا کرو اور اس میں چند خاص لوگوں کی رائے نہ نافذ کیا کرو۔‘‘

۲۔ **عن علي، قال: قلت: يا رسول الله! إن عرض لي أمر لم ينزل فيه قضاء في**

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۷

(۲) هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۸

أمره ولا سنة كيف تأمرني؟ قال: تجعلونه شورى بين أهل الفقه والعابدين من المؤمنين ولا تقضي فيه برأي خاصة۔(۱)

''حضرت علی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اگر میرے پاس کوئی معاملہ آئے اور اس کے فیصلے کے بارے میں قرآن و سنت کا حکم نہ پاؤں تو میں اس کا فیصلے کیسے کروں؟ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اس کو مومنین فقہاء اور عابدین کے مشورے سے حل کرو اور چند خاص لوگوں کی رائے کے مطابق فیصلہ نہ کر۔''

۳۔ **قال ﷺ: لو اجتمعتما في مشورة ما خالفتكما – قاله لأبي بكر و عمر۔**(۲)

''حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ابوبکر اور عمر سے فرمایا: کہ اگر تم دونوں کسی مشورہ میں اکٹھے ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہ کروں یہ آپ علیہ الصلاۃ و السلام نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔''

۴۔ **قال ﷺ: شرار أمتي من يلي القضاء إن اشتبه عليه لم يشاور و إن أصاب بطر، و إن غضب عنف و كاتب السوء كالعامل به۔**(۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جن کے پاس مشتبہ معاملہ آتا ہے اور وہ مشاورت نہیں کرتے اور اگر درست فیصلہ کر لیں تو اِترائیں اور اگر غصہ کی حالت میں ہوں تو سختی سے کام لیں وہ لوگ میری امت کے بدترین لوگ ہیں اور برا لکھنے والا بھی برا عمل کرنے والے کی طرح ہے۔''

۵۔ **قال ﷺ: أقيموا حدود الله في القريب والبعيد، ولا تأخذكم في الله لومة لائم۔**(۴)

---

(۱) سیوطي، الجامع الکبیر، ۲: ۴۷

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۲۷

۲۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۹: ۵۳

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۱۲۸،

(۳) عجلوني، کشف الخفاء، ۷، ۲

(۴) ابن ماجه، السنن، کتاب الحدود، باب إقامة الحدود، ۲: ۸۴۹، رقم: ۲۵۴۰

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی حدوں کو قائم کرو اپنے قریبی رشتہ داروں میں اور غیروں میں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں لعن طعن کرنے والوں کی لعن طعن (حدود کے نفاذ سے) نہ روکے۔''

۶۔ **قال ﷺ ما إكثاركم عليّ في حد من حدود الله ﷻ وقع على أمة من إماء الله. والذي نفس (محمد) بيده لو كانت فاطمة بنت رسول الله نزلت بالذي نزلت به هذه المرأة لقطع محمد يدها۔**(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں کا یہ کیا حال ہے کہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد جو اس کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر قائم کی جا رہی ہے تم اس کی سفارش میں مجھ پر اصرار کرتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی اس طرح کا فعل سرانجام دیتی جس طرح کا فعل اس عورت نے سرانجام دیا ہے۔ تو میں (محمد ﷺ) اس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔''

۷۔ **عن عبدالرحمن بن سابط، قال: أرسل عمر بن الخطاب إلى سعيد بن عامر الجمحي، فقال: إنا مستعملوک على هؤلاء لتسير بهم إلى أرض العدو فتجاهد بهم، فقال: يا عمر لا تفتني فقال عمر: والله لا أدعكم جعلتموها في عنقي، ثم تخليتم عني إنما أبعثک على قوم لست أفضلهم، ولست أبعثک لتضرب أبشارهم ولتنتهک أعراضهم ولكن تجاهد بهم عدوهم وتقسم بينهم فيئهم۔**(۲)

''حضرت عبد الرحمٰن بن سابط بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے سعید بن عامر جمحی کو لکھا: میں تمہیں ان لوگوں پر عامل مقرر کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ تم دشمن ملک کی

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الحدود، باب الشفاعة في الحدود، ۲: ۸۵۱، رقم: ۲۵۴۸

۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۴۲۱، رقم: ۸۱۴۷

(۲) ۱۔ ہندی، کنز العمال، ۵: ۷۸۷، رقم: ۱۴۲۰۳

۲۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق الكبير، ۲۱: ۱۴۵

طرف جا کر اس کے خلاف جہاد کرو۔ انہوں نے کہا: اے عمر! آپ مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: اللہ کی قسم میں تمہیں یونہی نہیں چھوڑوں گا کہ خلافت کی ذمہ داری تم نے میری گردن میں ڈال دی اور پھر مجھ سے دور ہوگئے۔ میں تمہیں اس قوم کی طرف بھیج رہا ہوں جس سے تم بہتر نہیں ہو اور میں تمہیں ان کی طرف اس لئے نہیں بھیج رہا کہ تم ان کے لوگوں کو قتل کرو اور ان کی عزتوں کی ہتک کرو بلکہ اس لئے کہ تم ان سے مل کر ان کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو اور ان میں مالِ فے (انصاف کے ساتھ) تقسیم کرو۔‘‘

۸۔ **عن ضبة بن محصن قال: كتب عمر بن الخطاب إلى أبي موسى الأشعري، أما بعد: فإن للناس نفرة من سلطانهم، فأعوذ بالله أن تدركني وإياك، فأقم الحدود ولو ساعة من النهار، وإذا حضر أمران أحدهما لله، والآخر للدنيا فآثر نصيبك من الله فإن الدنيا تنفد والآخرة تبقى وأخف الفساق واجعلهم يدًا يدًا ورجلاً ورجلاً، عد مريض المسلمين، واحضر جنائزهم، وافتح بابك وباشر أمورهم بنفسك، فإنما أنت رجل منهم غير أن الله جعلك أثقلهم حملاً، وقد بلغني أنه تشأ لك ولأهل بيتك هيئة في لباسك ومطعمك ومركبك، ليس للمسلمين مثلها، فإياك يا عبدالله أن تكون بمنزلة البهيمة مرت بواد خصب، فلم يكن لها هم إلا التسمن وإنما حتفها في السم، واعلم أن العامل إذا زاغ زاغت رعيته، وأشقى الناس من شقيت به رعيته۔**[1]

’’ضبۃ بن محصن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: بیشک لوگوں کے ہاں اپنے بادشاہ کے لئے نفرت پائی جاتی ہے پس میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اس نفرت کا سامنا مجھے یا تمہیں کرنا پڑے پس تم حدود کو قائم کرو چاہے مہلت دن کی ایک ساعت ہی ہو۔ اگر تمہارے پاس دو ایسے امور ہوں جن سے ایک اللہ کے لئے اور دوسرا دنیا کے لئے ہو تو اللہ کی طرف سے اپنے نصیب کو ترجیح دو کیونکہ دنیا ختم ہونے

(۱) ہندی، کنز العمال، ۵: ۸۸۹، رقم: ۱۴۲۰۹

والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے اور فاسقوں کو ڈراؤ اور انہیں (حدود کا نفاذ کر کے) ایک ایک ہاتھ والا اور ایک ایک ٹانگ والا بناؤ اہل اسلام کے مریضوں کی عیادت کرو اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔ لوگوں کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھو اور خود براہ راست ان کے امور میں دلچسپی لو تم انہی میں سے ایک فرد ہو فرق اتنا ہے کہ اللہ نے تم پر ان سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ ڈالا ہے اور مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ تم اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے ایسا لباس، کھانا اور سواری چاہتے جو لوگوں کے پاس نہیں (یعنی لوگوں سے بہتر ہے)۔ پس اے اللہ کے بندے! میں تجھے خبردار کرتا ہوں کہ اس جانور کی طرح نہ ہو جانا جو کسی سرسبز و شاداب وادی میں گیا وہاں اس کو صرف موٹاپے سے سروکار تھا اور بیشک اس کی موت زہر میں ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب حکمران راہِ راست سے ہٹ جاتا ہے تو اس کی رعایا بھی راہِ راست سے ہٹ جاتی ہے۔ کمزور ہو جائیں تو ان کی رعایا بھی کمزور ہو جاتی ہے اور لوگوں میں سے بدنصیب ترین وہ شخص ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی قوم گمراہ اور بدبخت ہوتی ہو۔‘‘

۹۔ **قال ﷺ: المستشار مؤتمن، فإذا استشير فليشر بما هو صانع لنفسه۔**(۱)

’’جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے، پس اسے چاہئے کہ ویسا ہی بہتر مشورہ دے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہو۔‘‘

۱۰۔ **عن أبي جعفر قال: قال عمر بن الخطّاب لأصحاب الشوری: تشاوروا في أمركم، فإن كان اثنان و اثنان فارجعوا في الشوری و إن كان أربعة و اثنان فخذوا صنف الأكثر۔**(۲)

’’حضرت جعفر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب شوریٰ سے کہا کہ تم اپنے معاملات میں مشاورت کیا کرو اور ایک طرف دو اور دوسری طرف بھی دو ہوں تو مشاورت کریں اور اگر چار اور دو ہوں تو زیادہ لوگوں کی بات مان لو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۲: ۳۴۹، رقم: ۲۱۹۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۹۶

(۲) ابن سعد، الطبقات الكبری، ۳: ۶۱

۱۱۔ **عن أسلم عن عمر قال: و إن اجتمع رأي ثلاثة و ثلاثة فاتبعوا صنف عبد الرحمن بن عوف واسمعوا و أطيعوا۔**[1]

''حضرت اسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر ایک بات میں رائے پر تین تین کا گروپ ہو تو جس گروپ میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اس گروپ کی رائے سنیں اور ان کی پیروی کریں۔''

متذکرہ بالا آیات اور احادیث مبارکہ سے درج ذیل دستوری و آئینی اصول مترشح ہوتے ہیں:

۱۔ اسلامی ریاست میں اعلی ترین حاکمیت اللہ اور رسول ﷺ (Supreme Authority of Almighty Allah and Holy Prophet) کی ہوگی۔

۲۔ قرآن و سنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون (Quran & Sunnah Supreme Law of State) ہوگا۔

۳۔ عدلیہ کی بالادستی (Supremacy of Judiciary) کو ہر حال میں یقینی بنایا جائے گا۔

۴۔ آئینی نظام کے نفاذ کا وجوب (Essentaility of Enforcement of Constitution) کے درجے کا حامل ہوگا۔

۵۔ قانون کی حکمرانی و بالادستی (Rule of Law) ہوگی۔

۶۔ آئینی وسیاسی عہدے شرائطِ اہلیت (Qualification for Constitutional and Political Office) کے حامل افراد کو ہی دیئے جائیں گے۔

۷۔ سربراہ مملکت (Muslim Head of State) مسلمان ہوگا۔

۸۔ ریاستی و حکومتی عہدے بطور امانت و نیابت (State Responsibilities as Trust) سونپے جائیں گے۔

۹۔ ہر شہری آئینی منصب امانت (Constitutional Status of Trustee for every Citizen) کا حامل ہوگا۔

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۶۱

۱۰۔ حکومت کا حقِ اِطاعت مشروط (Conditional Superordination of State) ہوگا۔

۱۱۔ ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی (Adult Franchise) حاصل ہوگا۔

۱۲۔ حق رائے دہی جنسی امتیاز (No Gender Discrimination in Adult Franchise) سے ماوراء ہوگا۔

۱۳۔ اختلاف رائے کو بنیادی حقوق (Difference of Opinion as Fundamental Right) کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔

۱۴۔ اکثریت کی رائے کا احترام (Respect of Majority Opinion) کیا جائے گا۔

۱۵۔ اسلامی حکومت، منتخب اور نمائندہ حکومت (Elected and Representative Govt) ہوگی۔

۱۶۔ نظام حکومت کی ہیت ترکیبی (Structure of Govt System) عوام کی صوابدید پر ہوگی۔

۱۷۔ حکومت دوطرفہ معاہدہ (Govt - a Bilateral Contract) متصور ہوگا۔

۱۸۔ حکومت کا مقصد نظام عدل و فلاح کا قیام (Purpose of Govt: Maintenance of Justice & Welfare System) ہوگا نہ کی شخصی اقتدار کا قیام۔

۱۹۔ حکومت اور عوام کو باہم حقوق و فرائض (Duties & Rights of Govt & People) حاصل ہوں گے۔

۲۰۔ اقتدار کے اختیار کا مقصود خلافت نبوی کا نفاذ (Vice regency of Holy Prophet in Exercise of Govt Powers) ہوگا۔

۲۱۔ مذہبی آزادی کی ضمانت (Guarentee of Religious Freedom) دی جائے گی۔

۲۲۔ سیاسی آزادی کی ضمانت (Guarentee of Political Freedom) دی جائے گی۔

۲۳۔ بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت (Guarentee of Equal Human Rights) ہوگی۔

۲۴۔ حکومتی اختیارات کی جواب دہی (Accountability in Exercise of Govt Powers) ریاست کے آئینی نظام کا حصہ ہوگی۔

سیرتِ نبوی کا آئینی پہلو(Constitutional Aspect of Seerah)

حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد جن امور کو اپنی ترجیحات میں رکھا ان میں سرفہرست آئینی ریاست کی تشکیل اور اس کا دستور متفقہ طور پر منظور کروانا تھا۔ نئی ریاست کے دستور کی تیاری آپ نے قیام مدینہ کے ابتدائی دنوں میں ہی شروع کر دی تھی کیونکہ مدینہ طیبہ میں آپ سے پہلے ہونے والی جنگوں خصوصاً جنگ بعاث نے اہل مدینہ کو اس سوچ بچار پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ مدینہ میں مستقل خون ریزی اور قتل غارت کے خاتمے کیلئے کچھ اقدامات کریں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد اس بات کے امکانات بہت روشن ہو گئے کہ مدینہ طیبہ لاقانونیت کی کیفیت سے نکل کر ایک منظّم معاشرے میں ڈھل جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی خدا داد پیغمبرانہ صلاحیت کے ذریعے شروع ہی سے ایسے اقدامات کیے جن سے آگے چل کر ایک متفقہ دستور کی منظوری کی راہ ہموار ہوئی مثلاً آپ ﷺ نے قباء کے بعد اہل خزرج کے ہاں قیام فرمایا۔ کیونکہ یہاں کے اکثر لوگ آپ ﷺ کے رشتہ دار تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی والدہ قبیلہ خزرج سے ہی تھیں۔ چنانچہ یہاں سے آپ کو دستور کی تیاری اور دستور کی منظوری کے حوالے سے واضح حمایت ملنے کے امکانات روشن تھے۔ آپ ﷺ نے وہاں قیام کیا جہاں بنونجار کا قبیلہ رہتا تھا اور جلد ہی وہاں کے لوگوں کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں مدینہ کی وادی کے تمام نمائندے موجود تھے اور ان کے سامنے قیام حکومت کی تجویز پیش کی گئی۔ اس تجویز کو تقریباً سبھی لوگوں نے قبول کر لیا۔ مخالفت کرنے والے قبیلہ اَوس کے دو یا چار افراد تھے۔ اس طرح ایک مملکت کے قیام کی ابتداء ہوئی جس سے تاریخ انسانیت میں ایک نئے علمی، سیاسی، فکری، دستوری، معاشی اور سماجی دور کا آغاز ہوا اور انسانیت دور قدیم سے دور جدید میں داخل ہوگئی۔

بنیادی سنگ میل جو اس دورِنو کے آغاز کا باعث بنا، حکمرانوں اور رعایا کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کرنے والا ایک تاریخی دستور تھا۔ یہ دستور تمام شرکاء اجلاس کے مشورے سے مرتب اور منظور ہوا۔ اس طرح کائنات انسانی کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا۔

یہ دستور ریاست کی نوعیت و حیثیت، افراد ریاست کی آئینی حیثیت اور دیگر ریاستی امور سمیت تمام تفصیلات کا جامع احاطہ کرتا تھا جس کی تفصیل یہاں بیان کی جا رہی ہے۔

ریاستِ مدینہ کے آئین کا دستوری و سیاسی تجزیہ

(Analysis of Constitution of Madina)

میثاق مدینہ نہ صرف دنیا کا پہلا تحریری دستور ہونے کے ناطے امتیازی حیثیت کا حامل ہے بلکہ اپنے نفس مضمون کے اعتبار سے بھی اعلیٰ ترین دستوری اور آئینی خصوصیات کا مرقع ہے۔ اگر جدید آئینی و دستوری معیارات اور ضوابط کی روشنی میں میثاق مدینہ کا تجزیہ کیا جائے تو وہ تمام بنیادی خصوصیات جو ایک مثالی آئین میں ہونی چاہئیں، میثاق مدینہ میں موجود نظر آتی ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے:

۱۔ آئینِ ریاستِ مدینہ کے بنیادی اُصول

(Fundamental Principles of Constitution of Madina)

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی حاکمیت کا تصور

(Real & ultimate Soveresiguty of Almighty Allah)

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی نیابتی حاکمیت کا تصور

(State Authority of the Holy Prophet ﷺ)

۳۔ تحریری دستور (Written Constitution)

۲۔ تشکیلِ مملکت (Establishment of State)

۱۔ روحِ جمہوریت (Spirit of Democracy)

۲۔ مملکت کی اخلاقی اساس (Moral Foundation of State)

۳۔ کثیر الثقافتی سوسائٹی کا قیام

(Establishment of Multi Cultural Society)

۴۔ قومی وحدت (National Unity)

۵۔ ریاستی قومیتوں کا تصور

(Recognition of Different Nations of State)

۳۔ نظامِ مملکت (System of State)

۱۔ اختیارات کی عدم مرکزیت (Devolution of Authority)

۲۔ اختیارات کا توازن (Balance of Powers)

۳۔ علاقائی خودمختاری (Regional Autonomy)

۴۔ قانون کی حکمرانی اور بالادستی (Rule of Law)

۵۔ مقامی رسوم وقوانین کا احترام
(Recognition of Local Customs & Laws)

۶۔ معاشی کفالت کا تصور (Economics Self Reliance)

۷۔ دفاعی معاہدات (Defence Pacts & Alliances)

۴۔ معاصر امتیازات (Contemporary Distinctions)

۱۔ بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت
(Guarantee of Fundamental Human Rights)

۲۔ مذہبی آزادی کا تحفظ (Protection of Religious Freedom)

۳۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ (Protection of Minority Rights)

۴۔ خواتین کے حقوق کا تحفظ (Protection of Women Rights)

۵۔ نفاذِ آئین کی ضمانت
(Gaurantee of Constitution's Enforcement)

۱۔ سازشی اور تخریبی سرگرمیوں کا تدارک

(Eradication of Conspiracies)

۲۔ مدینہ کا دار الامن قرار دیا جانا (Madina was Declared Sanctuary)

آئین مدینہ کی یہی جامعیت تھی کہ آج کے دستوری و آئینی ارتقاء کے زمانے میں بھی اغیار نے اس کی اس اہمیت کا اعتراف کیا۔معروف مغربی مفکر واٹ (Watt M. Watt) ریاست

مدینہ کے دستور کی آئینی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

In the main early source (apart from the Qur'an) for the career of Muhammad there is found a document which may conveniently be called 'the Constitution of Medina'.(1)

''اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن حکیم کے علاوہ بھی ایک ایسا document پایا جاتا ہے، جسے عام طور پر ''دستورِ مدینہ'' کہا جاتا ہے۔''

Thus the term 'Messenger of God' in contrast to 'Prophet' may indicate that the practical and political activity in which Muhammad engaged was commissioned by God. If we look more generally at the relation between religion and politics, it is helpful to consider first the place of religion in the life of an individual. In the case of a person to whom religion means something and is not a merely nominal adherence, two points may be emphasized. First, the ideas of his religion constitute the intellectual frame - work within which he sees all his activity taking place. It is from this relationship to a wider context that his activities gain their significance, and a consideration of this relationship may influence his general plan for his life in particular ways. Secondly, because religion brings an awareness of this wider context in which the possible aims for a man's life are set, it may often generate the motives for his activity; indeed, without the motives given by religion some activities cannot be carried out. From these two points it is seen that religion has a central position in a man's life, not because it determines many of the details (though in some cases it may), but because it gives him general aims in life and helps to concentrate his energies in the pursuit of these aims.(2)

(1) Watt Montgomery Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, p. 4.
(2) Watt Montgomery Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, p. 28.

’’نبی (Prophet) کی بجائے پیغمبرِ خدا (Messenger of God) کی اصطلاح کا استعمال واضح کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ جس عملی و سیاسی سرگرمیوں میں مشغول تھے وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کی گئی تھیں۔ اگر ہم مذہب و سیاست کے باہمی تعلق پر غور کریں تو فرد کی زندگی میں مذہب کے مقام کا تعین کرنا سہل ہوگا۔ جس شخص کے نزدیک مذہب صرف برائے نام وابستگی کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ واقعتاً کچھ وقت رکھتا ہے، اس کے بارے میں دو نکات قابل غور ہیں:

۱۔ اس کے مذہبی نظریات اس کا عقلی ڈھانچہ ترتیب دیتے ہیں، جس میں وہ اپنے تمام اعمال پرکھتا ہے۔ اسی تعلق کے وسیع تناظر میں اس کی سرگرمیاں اپنی اہمیت اختیار کرتی ہیں، اور اسی تعلق پر غور وفکر اس فرد کی زندگی کے خاص گوشوں کو عمومی طور پر متاثر کرتا ہے۔

۲۔ چونکہ مذہب اس وسیع تناظر کے بارے میں شعور پیدا کرتا ہے جس میں آدمی کے مقاصد حیات متعین ہوتے ہیں اس لیے یہ اس کے اعمال کا محرک بھی ہوتا ہے۔ درحقیقت مذہبی ترغیب کے بغیر کئی سرگرمیاں جاری نہیں رکھی جاسکتیں۔

’’مذکورہ نکات سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب کو فرد کی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ مذہب زندگی کی بہت سی جہات متعین کرتا ہے بلکہ اس لیے کہ یہ زندگی کے عام مقاصد متعین کرتا ہے اور فرد کو ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی توانائیاں مرکوز کرنے میں مدد دیتا ہے۔‘‘

اب ہم دستور مدینہ کا درج ذیل عنوانات کے تحت مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ مبادیات (Preliminaries)

۲۔ ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ (Supreme Authority of State)

۳۔ عمومی اُصول (Fundamental Principles)

۴۔ بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

۵۔ قانون سازی (Legislation)

۶۔ عدلیہ (Judiciary)

۷۔ انتظامی معاملات (Executive Matters)

۸۔ دفاع (State defence)

۹۔ خارجہ اُمور (Foriegn Affairs)

۱۰۔ اقلیتیں (Minorities)

۱۱۔ نظام کا تسلسل (Continuty of System)

۱۲۔ آئینِ مدینہ اور دساتیرِ عالم: ارتقاء و نفاذ کا جائزہ (Constitution of Madina & World Constitutions: Development & Execution)

ا۔ مبادیات (Preliminaries)

اگر ہم دستور مدینہ کا تقابل جدید دساتیر کے ساتھ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دستور مدینہ میں جزئیات اور تفصیلات طے کرنے سے پہلے دستوری مبادیات کا ذکر کیا گیا۔ ان تصورات کی توضیح و تعریف کی گئی جو ریاست کی تشکیل، آئین کے نفاذ اور اس کی مؤثریت کی حدود کا تعین کرتے ہیں۔ ان مبادیات میں اہل مدینہ کا آئینی مرتبہ، ریاست مدینہ کی آئینی حیثیت اور اس کی حدود وغیرہ کا تعین شامل ہیں جیسا کہ درج ذیل آرٹیکلز سے ظاہر ہے:

(ا) دستوری قومیت کا تصور (Concept of Constitutional Nation)

أنهم أمة واحدة من دون الناس۔[1]

''تمام (دنیا کے دیگر) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت (قومیت) ہوگی۔''

(۲) ریاست کی جغرافیائی حدود (Territory of the State)

و أن يثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحيفة۔[2]

''اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے) اس دستور والوں کے

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۹

لیے حرم (دار الامن) ہوگا (یعنی یہاں آپس میں جنگ کرنا منع ہوگا)۔''

مدینہ منورہ کا حرم ہونا نہ صرف دستور مدینہ کی مروجہ بالا شق سے ثابت ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی دستاویزات میں مدینہ کی اس خصوصی حیثیت کا ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر اہل مدینہ اور قرب و جوار کے لوگوں کو مدینہ کی اس حیثیت سے تحریری و غیر تحریری طور پر آگاہ کیا تاکہ وہ ریاست مدینہ کی حدود اور اس کے تقدس کو جان لیں۔ یہاں چند روایات بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ روی أحمد في مسنده بإسناده عن نافع بن جبیر قال: ''خطب مروان الناس فذکر مکة و حرمتها فنادا رافع بن خدیج فقال: ''إنّ مکّة إن تکن حرماً فإنّ المدینة حرم حرّمها رسول اللہ ﷺ و هو مکتوب عندنا في أدیم خولاني إن شئت أن نُقرئکه فعلنا، فناداہ مروان أجل بلغنا ذلک''۔[1]

''احمد بن حنبل نے ''مسند'' میں اپنی اِسناد سے حضرت رافع بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مروان نے لوگوں کو خطاب کیا اور مکہ اور حرمتِ مکہ کا ذکر کیا تو رافع بن خدیج نے اس کو پکار کر کہا اگر مکہ حرمت والا ہے تو مدینہ بھی حرمت والا ہے اس کی حرمت خود حضور نبی اکرم ﷺ نے بیان کی ہے اور وہ ہمارے پاس چمڑے پر لکھی ہوئی موجود ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم اس کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں، پس مروان نے کہا ٹھیک ہے ہمیں یہ بات (پہلے ہی) پہنچ چکی ہے۔''

۲۔ عن أبي جحیفة: أنّه دخل علی عليّ رضی اللہ عنہ فدعا بسیفه، فأخرج من بطن السیف أدیمًا عربیًّا فقال: ما ترک رسول اللہ ﷺ کتاب اللہ الذي أنزل إلّا وقد هذا فإذا فیه: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم. محمد رسول اللہ، قال: لکلّ نبيّ حرم، و حرمي المدینة''۔[2]

''ابن جحیفہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار منگوائی اور اس کے غلاف سیف سے ایک عربی چمڑا نکالا اور آپ نے کہا کہ حضور

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱

(۲) ۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۱

۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ٦: ٣٥٦، رقم: ٦٦٠٧

نبی اکرم ﷺ نے کتاب اللہ جو ان پر نازل ہوئی میں سے جو کچھ چھوڑا وہ یہی ہے اور اس چمڑا میں یہ بھی مکتوب تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حرم ہے اور میرا حرم مدینہ ہے۔‘‘

معروف مغربی مفکر واٹ (Watt M. Watt) ریاست مدینہ کی جغرافیائی حدود کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> From most parts of Arabia tribes or sections of tribes sent representatives to Medina seeking alliance with him. By the time of his death in June 632, despite rumblings of revolt, he was in control of much of Arabia. The Islamic state had no precisely defined geographical frontiers, but it was certainly in existence.(1)

’’بہت سے عرب قبائل اور مدینہ کی طرف بھیجے گئے قبائلی وفود حضرت محمد ﷺ سے اتحاد (alliance) کے خواہاں تھے۔ بہت سی باغیانہ کوششوں کے باوجود جون ۶۳۲ء میں آپ ﷺ کے وصال تک بیشتر جزیرہ عرب پر آپ ﷺ کا اقتدار اور حکومت تھی۔ اگرچہ اسلامی سلطنت کی کوئی معروف جغرافیائی حدود متعین نہیں کی گئی تھی لیکن یہ عملاً وجود میں آ چکی تھی۔‘‘

(۳) ریاست کی آبادی (Population of the State)

هذا كتاب من محمد النبى (رسول الله) ﷺ بين المؤمنين و المسلمين من قريش و (أهل) يثرب و من تبعهم، فلحق بهم وجاهد معهم، أنهم أمة واحدة من دون الناس۔(۲)

’’یہ اللہ کے نبی اور رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے دستوری تحریر (دستاویز) ہے۔ یہ معاہدہ مسلمانانِ قریش اور اہلِ یثرب اور ان لوگوں کے مابین ہے جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہوجائیں اور ان کے ہم راہ جنگ میں حصہ لیں۔ (یہ سب گروہ

(1) Watt Montgomery Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, p. 4.

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱، ۲، ۳

ریاستِ مدینہ کے آئینی طبقات متصور ہوں گے)۔ تمام (دنیا کے دیگر) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت (قومیت) ہوگی۔‘‘

و أنه من خرج آمن ومن قعد آمن بالمدينة، إلا من ظلم و أثم۔(۱)

’’اور جو جنگ کو نکلے وہ بھی اَمن کا مستحق ہوگا اور جو مدینے میں بیٹھ رہے تو وہ بھی اَمن کا مستحق ہوگا، سوائے اس کے جو ظلم اور قانون شکنی کا مرتکب ہو۔‘‘

ریاست مدینہ کی آبادی بعض مضافاتی قبائل پر بھی مشتمل تھی۔ ریاست مدینہ کی بنیادی حدود سے باہر ایسے قبائل بھی تھے جنہوں نے دستور مدینہ کی اتھارٹی کو تسلیم کر کے ریاست مدینہ سے الحاق کر لیا تھا۔ آپ نے ان کی طرف بھی معاہداتی اور ہدایاتی دستاویزات بھجوائیں ان میں ان قبائل اور گروہوں کی بطور ریاست مدینہ کی آبادی کے توثیق ملتی ہے۔ یہ دستاویزات ان قبائل کے ان تمام حقوق و فرائض کو بیان کرتی ہیں جو کسی ریاست کے عام شہریوں کو اس ریاست کا آئین اور قانون عطا کرتا ہے۔ یہاں بنی غفار اور بنی نہد کی طرف آپ کے بھیجے گئے مکاتیب بیان کئے جاتے ہیں۔ بنی غفار کے نام آپ نے لکھا:

إنهم من المسلمين لهم ما للمسلمين و عليهم ما على المسلمين، وإن النّبي عقد لهم ذمّة الله و ذمّة رسوله على أموالهم و أنفسهم، و لهم النصر على من بدأهم بالظلم، و إن النّبي إذا دعاهم لينصروه أجابوه و عليهم نصره إلّا من حارب في الدين ما بلّ بحر صوفة، و إن هذا الكتاب لا يحول دون إثم۔(۲)

’’بے شک وہ مسلمانوں میں سے ہیں اور ان کے لئے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے لئے ہیں اور ان پر وہی فرائض اور ذمہ داریاں واجب ہیں جو دیگر مسلمانوں پر واجب ہیں۔ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے اموال و جانوں کا ذمہ اپنے اور خدا کے ذمے قرار دیا ہے۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ ان کو نصرت و مدد کے لئے پکاریں تو وہ آپ کی مدد کریں اور آپ ان پر آپ ﷺ کی مدد کرنا ضروری ہے سوائے اس کے جو دین

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۲

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۲۷۴

۲۔ ابن حبیب، کتاب المحبر، ۱۱۱

میں جھگڑا کرے اور جو گمراہی کے سمندر میں گرے اور یہ خط (عہد نامہ) گناہ کے علاوہ کسی کام میں حائل ہونے والا نہیں ہے۔''

اس توثیق سے کنفیڈریشن (confederation) کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ یہ قبائل سیاست مدینہ تشکیل دینے والے بنیادی گروہوں میں شامل نہیں تھے۔ انہوں نے بعد ازاں اس ریاست سے الحاق کیا۔

آپ ﷺ نے قیس بن الحصین ذی الغصّۃ کو بنوحارث اور بنو نہد کے لئے یہ دستاویز بھجوائی:

إن لهم ذمة الله و ذمة رسوله، لا يحشرون ولا يعشرون ما أقاموا الصلاة، و آتوا الزكاة، و فارقوا المشركين، و أشهدوا على إسلامهم، و إن في أموالهم حقّاً للمسلمين۔[۱]

''بے شک ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ انہیں نہ جلا وطن کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے عشر وصول کیا جائے گا جب تک انہوں نے نماز قائم کیے رکھی اور زکوۃ ادا کی اور مشرکین سے جدائی اختیار کی اور ان کے اسلام پر گواہ ہوجاؤ۔ اور بے شک ان کے اموال میں مسلمانوں کا بھی حق ہے۔''

(۴) کثیر الثقافتی معاشرے کا تصور (Multicultural Society)

بين المؤمنين و المسلمين من قريش و (أهل) يثرب و من تبعهم۔[۲]

''یہ معاہدہ مسلمانانِ قریش اور اہلِ یثرب اور ان لوگوں کے مابین ہے جو ان کے تابع ہوں۔''

المهاجرون من قريش على ربعتهم يتعاقلون بينهم معاقلهم الأولى، و هم يفدون عانيهم بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔[۳]

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۲۶۸
(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲
(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴

’’قریش میں سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کروائیں گے۔‘‘

و بنو عوف علی ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولی، و كل طائفة تفدی عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔(۱)

’’اور بنی عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

۲۔ ریاست کے اِقتدارِ اَعلیٰ کا تصور

(Supreme Authority & Sovereignty of State)

آئین مدینہ سے پہلے ریاست، حکمران اور اقتدار کی تمیز کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ حاکم وقت ہی مقتدرِ اعلیٰ ہوتا تھا، وہی اقتدار کا سر چشمہ اور قانون کا حتمی منبع و ماخذ بھی تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اقتدار اعلیٰ کا تصور دیتے ہوئے ریاست کے اجزائے ترکیبی کو روحانی اجزائے ترکیبی اور مادی اجزائے ترکیبی میں تقسیم کر کے ریاست کے حکمرانوں کو اقتدار اعلیٰ سے بالکل الگ کر دیا اور انہیں عوام ہی کی طرح اقتدار اعلیٰ کے سامنے جواب دہ اور ذمہ دار ہونے کا تصور دیا۔ حکمرانوں کے اقتدار کے تمام تر استبدادی، استحصالی اور جابرانہ امکانات کو مسدود کرنے کیلئے آپ ﷺ نے مطلق اقتدار کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا جس کی نیابت رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ہی آنے والے ایام میں ریاست مدینہ میں اقتدار الٰہی کے استعمال کی حدود کا تعین اپنے عمل کے ذریعے کرنا تھا۔ جس سے مستقبل کے تمام حکمرانوں کو رہنمائی ملنی تھی اور ان کیلئے اقتدار اعلیٰ کے نام پر کسی بھی طرح اصولوں کی پامالی یا ذاتی تمناؤں اور خواہشات کو پورا کرنے کیلئے اصولوں اور ضابطوں کو نظرانداز کرنے کے تمام اختیارات کا قلع قمع ہو جانا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے یہ امر دستور مدینہ میں اصولی طور پر طے کر دیا کہ اقتدار اعلیٰ کا منبع اللہ کی ذات ہو گی اور اس کے نیابتی نمائندہ

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵

حضور ﷺ ہوں گے۔ جس کا بین السطور مفہوم یہ بھی تھا کہ مستقبل میں آنے والا ہر حکمران حضور نبی اکرم ﷺ کا نائب ہوگا جیسا کہ آگے چل کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں بھی ارشاد فرمایا۔(۱)

اب ہم اس باب میں ریاست مدینہ کے کچھ آرٹیکل پیش کرتے ہیں:

اللہ اور رسول ﷺ مقتدرِ اعلیٰ ہیں

(Allah & Prophet Muhammad ﷺ are the Sovereign)

ریاست مدینہ میں حقیقی مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ اور آئینی، سیاسی اور انتظامی حیثیت میں مقتدر اعلیٰ حضور نبی اکرم ﷺ ہوں گے۔ وہ اس حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اقتدار کو روبہ عمل لائیں گے:

هذا كتاب من محمد النبي (رسول الله) ﷺ۔(۲)

''یہ اللہ کے نبی اور رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے دستوری تحریر (دستاویز) ہے۔''

وأنكم مما اختلفتم فيه من شئ، فإن مرده إلى الله وإلى محمد (ﷺ)۔(۳)

''اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اِختلاف ہو تو اسے اللہ اور محمد (ﷺ) کی طرف لوٹایا جائے گا، (کیوں کہ آخری اور حتمی حکم اللہ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کا ہی ہے)۔''

و أنه لا يخرج منهم أحد إلا بإذن محمد (ﷺ)۔(۴)

''اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اِجازت کے بغیر (فوجی کارروائی کے لیے) نہیں نکلے گا۔''

---

(۱) ۱۔ ابن ہشام، السيرة النبوية، ۶:۸۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳:۱۸۲

۳۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۵:۲۴۸

۴۔ حلبی، السيرة الحلبية، ۳: ۴۸۳

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۸

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۱

و أنه ما كان بين أهل هذه الصحيفة من حدث، أو اشتجار يخاف فساده، فإن مرده إلى الله و إلى محمد رسول الله ﷺ و أن الله على أتقى ما فى هذه الصحيفة و أبرّه۔[1]

''اور یہ کہ اِس دستور والوں میں جو بھی قتل یا جھگڑا رونما ہو، جس سے فساد کا ڈر ہو تو اِس میں خدا اور خدا کے رسول محمد (ﷺ) سے رجوع کیا جائے گا، اور خدا اس شخص کے ساتھ ہے جو اِس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ اِحتیاط اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔''

وأن الله جار لمن برّ و اتقى، و محمد رسول الله (ﷺ)۔[2]

''جو اِس دستور کے ساتھ وفا شعار رہے اور نیکی و اَمن پر کاربند رہے، اللہ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) اس کے محافظ و نگہبان ہیں۔''

دستورِ مدینہ کے یہ آرٹیکل ریاست کی حاکمیت اعلیٰ کے تعین کے ساتھ ساتھ آپ کی پیغمبرانہ بصیرت اور کمال دستوری مہارت کے شاہد بھی ہیں۔ آرٹیکل نمبر ا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اہلِ مدینہ نے اس دستور کے مطابق آپ کو معاہدہ اور میثاق کے برابر فریق کے طور پر نہیں بلکہ دستورساز اتھارٹی (Law Giving Authority) کے طور پر قبول کیا جیسا کہ آرٹیکل نمبر ا کے الفاظ ...... **هذا كتاب من محمد النبى** ﷺ ...... سے ظاہر ہے جبکہ معاہدہ کے فریقین کا ذکر ''بین'' کے بعد اس طرح کیا گیا:

بين المؤمنين و المسلمين من قريش و (أهل) يثرب و من تبعهم، فلحق بهم و جاهد معهم۔

''یہ معاہدہ مسلمانانِ قریش اور اہلِ یثرب اور ان لوگوں کے مابین ہے جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہم راہ جنگ میں حصہ لیں۔''

ان فریقین کے معاہدہ کے برابر کا شریک بن جانے کے بعد ان کی دستوری و آئینی وحدت کو بیان کیا گیا ہے:

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۲

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۳

أنهم أمة واحدة من دون الناس۔

”(یہ سب گروہ ریاستِ مدینہ کے آئینی طبقات متصور ہوں گے۔) تمام (دنیا کے دیگر) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت (قومیت) ہوگی۔“

گویا یہ تمام فریق باہم مل کر دیگر اقوام کے مقابلہ میں ایک قوم اور ایک ملت ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ ان سب پر حاکم، مقتدر اور ان کے دستور دہندہ ہیں۔ دستور مدینہ کے ان آرٹیکلز نے مستقبل میں قائم ہونے والی اسلامی ریاستوں میں بھی حاکمیت اعلیٰ کے مسئلے کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا۔ یعنی آئندہ جو بھی اسلامی ریاست قائم ہوگی وہ ریاستی طبقات کے درمیان ایک معاہدہ پر قائم ہوگی اور اس معاہدہ کے نتیجہ میں مقرر ہونے والا سربراہ چاہے اس کا نام (Nomenclature) کچھ بھی ہو حضور نبی اکرم ﷺ کا نائب اور اس منصب حکمرانی کا امین ہوگا۔ اس نیابت و امانت کے باعث ہی وہ منصبًا خلیفہ متصور ہوگا۔ اس طرح اس کا ریاستی کردار، اقتدار اعلی کا نہیں بلکہ نیابت (Vicegerency) کا رہے گا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اولین خطبہ خلافت سے ظاہر ہے۔[1]

۳۔ عمومی اُصول (Fundamental Principles)

مبادیات کو بیان کرنے کے بعد دستور کے عمومی اصولوں کو بیان کیا گیا۔ جن میں ریاست کی حاکمیت اعلیٰ اور ریاستی معاملات کو چلانے کیلئے دستور کی فوقیت کو بیان کیا گیا۔ قانون سازی، انفرادی اور اجتماعی معاملات، بین الاقوامی معاملات دوسرے معاشروں اور قبائل کے ساتھ ربط کار میں دستور کی پیروی جیسے امور بھی بیان کیے گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ عمومی اصولوں کے باب میں جن امور کا ذکر کیا گیا ان میں اکثر کلیتًا فکری، مجرد اور ریاست کے روحانی عناصر کی حیثیت رکھتی ہیں جن کا اس دور تک کوئی بھی تصور نہیں تھا لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کا دستور مدینہ کے عمومی اصولوں کے باب میں ریاست کے روحانی، مابعد الطبیعاتی، مادی اور طبیعاتی عناصر کو بیان کرنا انسانیت پر ایک

---

(۱) ۱۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، ۶:۸۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳:۱۸۲

۳۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۵:۲۴۸

۴۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، ۳: ۴۸۳

ایسا احسان ہے جس کے باعث آگے چل کر انسانی معاشرے کی تشکیل اور ریاست و اقتدار کے باب میں ظلم اور جبر کے تمام امکانات کو مسدود کرنے کی راہ ہموار ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں ریاست کے روحانی اور مادی عناصر کو بیان کرنے والے مفکرین کے پس منظر میں ہمیں ریاست مدینہ کے آئین کی یہی فکر اور اسلوب کارفرما نظر آتا ہے۔ اب اس کی تائید میں ہم ریاست مدینہ کے آئین سے کچھ آرٹیکلز پیش کر رہے ہیں۔

(۱) ریاستی معاملات دستور کے تابع ہوں گے

(State Matters would be under Constitution)

و أنه لا يحلّ لمؤمن أقرّ بما في هذه الصّحيفة، و آمن بالله و اليوم الآخر أن ينصر محدثاً أو يؤويه، و أن من نصره، أو آواه، فإن عليه لعنة الله و غضبه يوم القيامة، و لا يؤخذ منه صرف و لا عدل۔(۱)

’’اور کسی ایسے ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل (صحیفہ) کے مندرجات (کی تعمیل) کا اِقرار کر چکا ہو اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان لاچکا ہو، یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوگا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘

و أن البر دون الإثم، لا يكسب كاسب إلا على نفسه۔(۲)

’’اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی، جو جیسا کرے گا ویسا ہی خود بھرے گا۔‘‘

و أن الله على أصدق ما في هذه الصحيفه و أبرّه۔(۳)

’’اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔‘‘

و أنه لا يحول هذا الكتاب دون ظالم أو آثم۔(۴)

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۷

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۹

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۰

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۱

’’اور یہ دستوری دستاویز کسی ظالم یا عہد شکن کے علاوہ کسی کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔‘‘

دستور کی حکمرانی کے قیام کے لئے موجود رسوم و روایات کو بھی بروئے کار لایا گیا۔ واٹ (Watt M. Watt) کے بقول:

The essential points defining the nature of the state (apart from the functions and privileges of the head of state) are the following:

The believers and their dependents constitute a single-community (umma). ...... Before we discuss these points in more detail the general comment may be made that this document is no invention of a political theorist, but is rooted in the mentality and mores of pre-Islamic Arabia. So any consideration of the nature of the Islamic state must begin by looking at the political conceptions which guided the activities of the pre-Islamic Arabs.(1)

’’سربراہِ ریاست کے فرائض اور اختیارات کے علاوہ نوعیت ریاست واضح کرنے والے چند نکات درج ذیل ہیں:

’’مسلمان اور ان کے تابع ایک جماعت (امہ) کی تشکیل کرتے ہیں ......قبل اس کے کہ ہم ان نکات پر بالتفصیل بحث کریں، عام تبصرہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ مسودہ سیاسی مفکر کی ایجاد نہیں بلکہ اس کی جڑیں قبل از اسلامی عرب کی ذہنی سوچ اور تہذیب میں پائی جاتی تھیں۔ پس اسلامی ریاست کی نوعیت پر غور و فکر کا آغاز ان سیاسی تصورات پر غور و فکر سے ہونا چاہیے جو قبل از اسلامی عرب کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔‘‘

(۲) دستور کی مخالفت کی ممانعت

(Prohibition to Violate Constitution)

و أن البر دون الإثم، لا یکسب کاسب إلا علی نفسه۔(۱)

(۱) Watt Montgomery Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, p. 6.

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۹

''اور (دستور کے ساتھ) وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی، جو شخص بھی اس کے (خلاف) کوئی اقدام کرے گا اس کا خمیازہ بھی وہ خود بھگتے گا۔''

و أن الله على أصدق ما في هذه الصحيفه و أبره۔(۱)

''اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔''

(۳) قانون کی حکمرانی (Rule of law)

و أن المؤمنين المتّقين أيديهم على كل من بغى منهم، أو ابتغى دسيسة ظلماً أو إثماً أو عدواناً أو فساداً بين المؤمنين، و أن أيديهم عليه جميعاً و لو كان ولد أحدهم۔(۲)

''اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ان میں سے ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے، یا پر امن شہریوں (مؤمنوں) میں فساد پھیلانا چاہے اور ایسے شخص کے خلاف سب مل کر اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔''

و أنه ما كان بين أهل هذه الصّحيفة من حدث، أو اشتجار يخاف فساده، فإن مردّه إلى الله و إلى محمد رسول الله (ﷺ)، و أن الله على أتقى ما في هذه الصّحيفة و أبرّه۔(۳)

''اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو بھی قتل یا جھگڑا رونما ہو، جس سے فساد کا ڈر ہو تو اُس میں خدا اور خدا کے رسول محمد (ﷺ) سے رجوع کیا جائے گا، اور خدا اُس شخص کے ساتھ ہے جو اِس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ اِحتیاط اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔''

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۰

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۶

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۲

و إذا دعوا إلی صلح یصالحونه ویلبسونه، فإنهم یصالحونه و یلبسونه، و أنهم إذا دعوا إلی مثل ذلک فإنه لهم علی المؤمنین۔[1]

''اور اگر ان (یہودیوں) کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے ہی اَمر کے لئے بلائیں تو مؤمنین کا بھی فریضہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں۔''

و أن البر دون الإثم، لا یکسب کاسب إلا علی نفسه۔[2]

''اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی؛ جو جیسا کرے گا ویسا ہی خود بھرے گا۔''

و أن اللہ علی أصدق ما فی هذه الصحیفة و أبرّه۔[3]

''اور خدا اُس کے ساتھ ہے جو اِس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔''

و أنه لا یحول هذا الکتاب دون ظالم أو آثم۔[4]

''اور یہ دستوری دستاویز کسی ظالم یا عہد شکن کے علاوہ کسی کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔''

(۴) قانون شکنی کی بیخ کنی (Prohibition of Violating Law)

و أنه لا یحلّ لمؤمن أقرّ بما فی هذه الصحیفة، و آمن باللہ و الیوم الآخر أن ینصر محدثاً أو یؤویه، و أن من نصره، أو آواه، فإن علیه لعنة اللہ و غضبه یوم القیامة، و لا یؤخذ منه صرف و لا عدل۔[5]

''اور کسی ایسے ایمان والے کے لیے، جو اس دستور العمل (صحیفہ) کے مندرجات (کی تعمیل) کا اِقرار کر چکا ہو اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہوگی کہ

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۵

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۹

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۰

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۱

(۵) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۷

کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوگا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''

(۵) اُمتِ مسلمہ کا اِمتیازی تشخص

(Distinguished Status of Muslim Ummah)

و أن المؤمنین بعضهم موالی بعض دون الناس۔(۱)

''اور ایمان والے بقیہ لوگوں کے مقابل باہم بھائی بھائی ہیں۔''

(۶) ریاستی باشندوں کا تشخص (Identity of State Citizens)

أنهم أمة واحدة من دون الناس۔(۲)

''ریاست مدینہ کے باشندے دنیا کے دیگر لوگوں کے بالمقابل ایک علیحدہ سیاسی وحدت (قومیت) ہوں گے۔''

(۷) دِفاعی اُمور کی نگرانی و قیادت

(Supervision and Leadership of Defence Affairs)

و أنه لا یخرج منهم أحد إلا بإذن محمد۔(۳)

''اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اِجازت کے بغیر (فوجی کارروائی کے لیے) نہیں نکلے گا۔''

(۸) بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری

(Observance of International Treaties)

(فإنه لهم علی المؤمنین) إلا من حارب فی الدین۔(۴)

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۹

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۱

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۲

’’(اسی طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر انہیں کسی معاہدۂ امن میں شرکت کی دعوت دی جائے تو وہ اس کی مکمل پابندی کریں) بجز اس کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔‘‘

۴۔ بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

آغاز اسلام کے وقت حقوق کا واضح تصور موجود نہ تھا۔ جدید مغربی تاریخ بھی گواہ ہے کہ مغرب نے حق کے تصور سے آشنا ہونے میں اسلام کے بعد کم و بیش ایک ہزار سال تک انتظار کیا۔ دستور مدینہ میں بنیادی حقوق کا جامع تصور دیا گیا۔ جس میں بنیادی حقوق کی ضمانت اور تمام افراد معاشرہ حتی کہ خواتین اور معاشرتی اور معاشی طور پر محروم طبقات (Have nots) کے حقوق کے تحفظ کی بات کی گئی۔ آئین میں حقوق کی ادائیگی، حقوق کو قانونی تحفظ فراہم کرنے اور حقوق کے ادا کیے جانے سے متعلق امور کو بطور خاص بیان کیا گیا۔ اس باب میں آئین مدینہ کے نمایاں آرٹیکلز درج ذیل ہیں:

(ا) بنیادی اِنسانی حقوق کا تحفظ

(Protection of Fundamental Human Rights)

و أن ذمة الله واحدة، يجير عليهم أدناهم۔(۱)

’’اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے۔ ان (مسلمانوں) کا اَدنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔‘‘

و أنه من تبعنا من يهود فإن له النصر والأسوة غير مظلومين ولا متناصر عليهم۔(۲)

’’اور یہودیوں میں سے جو ہماری (ریاستِ مدینہ کی) اِتباع کریں گے انہیں مدد اور مساوات حاصل ہوگی، اور ان پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔‘‘

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۸

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۰

و أن لیھود بنی النجار مثل ما لیھود بنی عوف۔[۱]

’’اور بنونجار کے یہودیوں کو بھی بنوعوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔‘‘

و أن لیھود بنی الحارث مثل ما لیھود بنی عوف۔[۲]

’’اور بنو حارث کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔‘‘

و أن لیھود بنی ساعدۃ مثل ما لیھود بنی عوف۔[۳]

’’اور بنو ساعدہ کے یہودیوں کو بھی بنوعوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔‘‘

و أن لیھود بنی جشم مثل ما لیھود بنی عوف۔[۴]

’’اور بنوجشم کے یہودیوں کو بھی بنوعوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔‘‘

و أن لیھود بنی الأوس مثل ما لیھود بنی عوف۔[۵]

’’اور بنواَوس کے یہودیوں کو بھی بنوعوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔‘‘

و أن لیھود بنی ثعلبۃ مثل ما لیھود بنی عوف، إلا من ظلم و أثم فإنه لا یوقع إلا نفسه و أھل بیته۔[۶]

’’اور بنوثعلبہ کے یہودیوں کو بھی بنوعوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ ہاں جوظلم یا عہدشکنی کا اِرتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔‘‘

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۱

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۲

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۳

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۴

(۵) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۵

(۶) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۶

و أن جفنة بطن من ثعلبة كأنفسهم۔[1]

’’اور (قبیلہ) جفنہ کو بھی ...... جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے ...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو (قبیلہ) ثعلبہ کو حاصل ہیں۔‘‘

و أن لبنی الشطيبة مثل ما ليهود بنی عوف، و أن البر دون الإثم۔[2]

’’اور بنو شطیبہ کو بھی بنو عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے، اور (اِس دستور سے) وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔‘‘

و أن موالی ثعلبة كأنفسهم۔[3]

’’اور قبیلہ ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو قبیلہ ثعلبہ کو۔‘‘

و أن بطانة يهود كأنفسهم۔[4]

’’اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اَصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔‘‘

(۲) آئینی تشخص کا حق (Right of Constitutional Identity)

بين المؤمنين و المسلمين من قريش و (أهل) يثرب و من تبعهم فلحق بهم و جاهد معهم۔[5]

’’یہ معاہدہ مسلمانانِ قریش اور اہلِ یثرب اور ان لوگوں کے مابین ہے جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہوجائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں، (یہ سب گروہ ریاستِ مدینہ کے آئینی طبقات متصور ہوں گے)۔‘‘

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۷

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۸

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۹

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۰

(۵) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲

(۳) آئینی مساوات کا حق (Right of Constitutional Equality)

و أن یهود الأوس موالیهم و أنفسهم علی مثل ما لأهل هذه الصحیفة، مع البر المحض من أهل هذه الصحیفة۔[۱]

''اور (قبیلہ) اوس کے یہودیوں کو......موالی ہوں یا اصل ...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو حاصل ہیں، اور وہ بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔''

(۴) حقوق میں برابری (Equality in Rights)

و أن لیهود بنی النجار مثل ما لیهود بنی عوف۔[۲]

''اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و ان لیهود بنی الحارث مثل ما لیهود بنی عوف۔[۳]

''اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن لیهود بنی ساعدة مثل ما لیهود بنی عوف۔[۴]

''اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن لیهود بنی جشم مثل ما لیهود بنی عوف۔[۵]

''اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۸
(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۱
(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۲
(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۳
(۵) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۴

و أن ليهود بنی الأوس مثل ما ليهود بنی عوف۔[۱]

''اور بنی اَوس کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن ليهود بنی ثعلبة مثل ما ليهود بنی عوف، إلا من ظلم و أثم، فإنه لا يوقع إلا نفسه و أهل بيته۔[۲]

''اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا اِرتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔''

و أن جفنة بطن من ثعلبه كأنفسهم۔[۳]

''اور (قبیلہ) جفنہ کو بھی ...... جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے ...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو (قبیلہ) ثعلبہ کو حاصل ہیں۔''

و أن لبنی الشطيبة مثل ما ليهود بنی عوف، و أن البر دون الإثم۔[۴]

''اور بنی شطیبہ کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے، اور (اس دستور سے) وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔''

و أن موالی ثعلبة كأنفسهم۔[۵]

''اور بنو ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنو ثعلبہ کو۔''

و أن بطانة يهود كأنفسهم۔[۶]

''اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۵

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۶

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۷

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۸

(۵) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۹

(۶) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۰

(۵) قانون کی اِطاعت و نفاذ میں برابری کا حق

(Right of Equality in Obedience of Law)

و کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف و القسط بین المؤمنین۔(۱)

''ہر گروہ اپنے قیدیوں کا زرِ فدیہ ادا کر کے انہیں مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔''

(۶) عدل و اِنصاف پر مبنی قوانین کے تحفظ کا حق

(Right to Continue Just Laws)

المهاجرون من قریش علی ربعتهم یتعاقلون بینهم معاقلهم الأولی، و هم یفدون عانیهم بالمعروف و القسط بین المؤمنین۔(۲)

''قریش میں سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔''

و بنو عوف علی ربعتهم یتعاقلون معاقلهم الأولی، و کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔(۳)

''اور بنی عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔''

و بنو حارث (بن الخزرج) علی ربعتهم یتعاقلون معاقلهم الأولی، و کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف و القسط بین المؤمنین۔(۴)

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۳

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶

''اور بنو حارث بن خزرج اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔''

وبنو ساعدة على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔[1]

''اور بنو ساعدہ اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔''

و بنو جشم على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔[2]

''اور بنو جشم اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔''

و بنو النجار على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔[3]

''اور بنونجار اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔''

و بنو عمرو بن عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔[4]

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۷

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۸

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۹

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۰

’’اور بنوعمرو بن عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔‘‘

و بنو النبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔(۱)

’’اور بنو نبیت اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔‘‘

و بنو الأوس على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔(۲)

’’اور بنو اَوس اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔‘

(۷) قانون کی پابندی کرنے پر ریاستی تحفظ کا حق

(Right of State Security on Abiding State Law)

و أن المؤمنين المتقين على أحسن هدى و أقومه۔(۳)

’’اور بلاشبہ ایمان اور تقویٰ والے سب سے اچھے اور سیدھے راستے پر ہیں۔‘‘

و أن الله جار لمن بر و أتقى، و محمد رسول الله۔(۴)

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۱

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۲

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۴

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۳

''جو اس دستور کے ساتھ وفا شعار رہے اور نیکی و اَمن پر کاربند رہے تو اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ اس کے محافظ و نگہبان ہیں۔''

(۸) مظلوم کا حصولِ اِنصاف کا حق

(Right of Justice for Oppressed)

و أنه لا يأثم امرء بحليفه، و أن النصر للمظلوم۔[۱]

''کوئی فریق یا جماعت اپنے کسی حلیف کی وجہ سے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گی اور مظلوم کی داد رسی لازماً کی جائے گی۔''

(۹) ناکردہ جرائم سے برات کا حق

(Freedom from the Penalty of Undone Crimes)

وأنه من فتک فبنفسه فتک وأهل بيته إلا من ظلم، وأن الله على أبر هذا۔[۲]

''اور جو خون ریزی کرے تو صرف اس کی ذات اور اس کا گھرانہ ہی ذمہ دار ہوگا (کوئی دوسرا نہیں) سوائے اس کے کہ اس پر ظلم ہوا ہو اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس (دستور العمل) کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔''

(۱۰) غیر منصفانہ حمایت و تائید سے تحفظ کا حق

(Right of Protection from Unjust Favouritism)

و أن لا يحالف مؤمن مولى مؤمن دونه۔[۳]

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۷

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۳

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۵

''اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (معاہداتی بھائی) سے اس کی مرضی کے بغیر معاہدہ نہیں کرے گا۔''

(۱۱) معاشی کفالت کا حق (Right of Economic Support)

و أن المؤمنین لا یترکون مفرحاً بینھم، أن یعطوہ بالمعروف فی فداء أو عقل۔(۱)

''اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، جن کے ذمہ زرِ فدیہ یا دیّت ہے۔''

(۱۲) خواتین کی عزت وحرمت کے تحفظ کا قانون

(Right of Protection for Women)

و أنه لا تجار حرمة إلا بإذن أھلھا۔(۲)

''اور کسی عورت کو اس کے خاندان (اہلِ خانہ) کی رضا مندی کے بغیر (ایسی) پناہ نہیں دی جائے گی (جو اس عورت کی عزت وحرمت پر تہمت لائے)۔''

(۱۳) مذہبی آزادی کا حق (Right of Religious Freedom)

و أن یھود بنی عوف أمة مع المؤمنین، للیھود دینھم، و للمسلمین دینھم، موالیھم و أنفسھم إلا من ظلم و أثم، فإنه لا یوقع إلا نفسه و أھل بیته۔(۳)

''اور بنی عوف کے یہودی مؤمنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودیوں کیلئے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کیلئے اپنا دین ہے خواہ ان کے موالی ہوں یا وہ بذاتِ خود ہوں، ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔''

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۴

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۱

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۰

(۱۴) ریاستی معاملات میں مشورہ کا حق

(Right of Cousultation in State Matters)

و أن بینهم النصح والنصیحة و البر دون الإثم۔[1]

’’اور ان میں باہم حسنِ مشورہ اور بہی خواہی ہوگی، اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔‘‘

۵۔ قانون سازی (Legislation)

کسی بھی ریاست کے معاملات کو درست طور پر چلانے کے لئے ریاست کے قانون ساز ادارہ کا موجود ہونا اور اس کا اپنے وظیفہ کار کو بتمام و کمال انجام دینا ایک لازمی امر ہے۔ عرب معاشرے میں قائم ہونے والی پہلی منظّم ریاست مدینہ سے پہلے اس طرح کے کسی ادارے کا تصور تک موجود نہیں تھا۔ جب ریاست مدینہ وجود میں آئی تشکیل قوانین کا عمل ارتقائی مراحل سے گزر رہا تھا۔ کیونکہ اسلامی ریاست کے انفرادی و اجتماعی قوانین کا بنیادی منبع وحی الٰہی تھی چونکہ نزول قرآن کا عمل جاری تھا لہٰذا قرآن کے نزول کے ساتھ احکام واضح اور مرتب ہوتے جا رہے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے عمل، سنت اور ارشادات وفرامین کے ذریعے وحی الٰہی سے ملنے والے قوانین کی توضیح وتشریح فرما رہے تھے۔ ان کے انطباق و اطلاق کے ذریعے مزید قانون سازی کے نظائر بھی امت کو عطا فرما رہے تھے۔

آپ ﷺ کے فرامین نہ صرف انفرادی، معاشرتی، سماجی اور معاشی معاملات میں بلکہ بین الاقوامی معاملات میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے مختلف معاہدات اسلام کے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد بنتے جا رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کی قانون سازی کے عمل کو صرف وحی الٰہی اور سنت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں مستقبل میں مزید فروغ اور توسیع کیلئے ایک اور راستہ بھی کھلا رکھا جو حضرت معاذ بن جبل کے یمن میں بطور قاضی تقرری کے دوران کی جانے والی گفتگو کے دوران سامنے آیا۔[2] یہی بعد میں اجتہاد کہلایا۔ گویا قانون سازی کے جو بھی بنیادی اور لازمی طرق ہو سکتے تھے

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴٦

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الأقضیة، باب اجتهاد الرأی فی القضاء، ۳: ۳۰۳، رقم: ۳۵۹۲

←

آپ ﷺ نے خود متعارف کروا دیئے اور قانون سازی کی وحی کے ذریعے میسر آنے والے بنیادی ضابطوں کو ایک وسیع بنیاد عطا کی جس میں مقامی رسوم، قوانین اور نظائر کا احترام بھی شامل تھے جن کی بنیادی روح مشاورت تھی۔ قانون سازی کے باب میں میثاق مدینہ کے متعلقہ آرٹیکلز یہاں بیان کیے جارہے ہیں:

مقامی رسوم وقوانین کی توثیق

(Recognition of Local Laws and Conventions)

میثاق مدینہ کے آرٹیکل نمبر۴ تا ۱۲ میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے:

المهاجرون من قريش على ربعتهم يتعاقلون بينهم معاقلهم الأولى، وهم يفدون عانيهم بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’قریش میں سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائیں گے۔‘‘

و بنو عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى و كل طائفة تفدى ئانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’اور بنی عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ رہا کرائے گا۔‘‘

و بنو حارث (بن الخزرج) على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’اور بنو حارث بن خزرج اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الأحکام، باب ما جاء فی القاضی، ۳: ۶۱۶، رقم: ۱۳۲۷

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۱۱۴، رقم: ۲۰۳۳۹

باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

و بنو ساعده على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’اور بنو ساعدہ اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

و بنو جشم على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’اور بنوجشم اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

و بنو النجار على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’اور بنونجار اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

و بنو عمرو بن عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’اور بنوعمرو بن عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

و بنو النبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى و كل طائفة تفدى

عانیها بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

’’اور بنونبیت اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

و بنو الأوس علی ربعتهم یتعاقلون معاقلهم الأولی و کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔[1]

’’اور بنو الاوس اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر مومنین کے درمیان (باہمی معاملات میں) نیکی اور انصاف کے ساتھ چھڑائے گا۔‘‘

۶۔ عدلیہ (Judiciary)

ریاست میں قانون کی توضیح و تشریح اور نفاذ کیلئے فیصلہ جات عدلیہ کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ آئین مدینہ میں عدلیہ کا بنیادی ڈھانچہ اور طریقہ کار بھی طے کر دیا گیا۔ اعلیٰ ترین عدالتی اختیارات حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے چونکہ آپ ﷺ انسانیت کے لئے اللہ کی راہنمائی کا رابطہ اور واسطہ کامل تھے، لہٰذا ہر معاملہ میں قانون کی توضیح و تشریح اور تنازعات کے فیصلہ میں آپ ﷺ ہی اعلیٰ ترین اتھارٹی تھے۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ اپنی شکایات لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو سکے۔ معمول یہ تھا کہ اگر کوئی تنازعہ ہوتا تو لوگ پہلے اپنے قبیلے کے سردار سے رجوع کرتے۔ اگر مقامی سطح پر فیصلہ نہ ہوسکتا تو وہ اپنا تنازعہ لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آتے اور آپ ﷺ تنازعہ کا فیصلہ فرماتے۔ اس سے نہ صرف عدالتی امور طے ہوتے بلکہ قوانین کی توضیح و تشریح اور مستقبل میں تنازعات کو حل کرنے کیلئے بھی قوانین طے پا جاتے۔ آپ ﷺ نے ریاست کے اندر مختلف مقامات میں مقامی عدالتی انتظامات بھی کئے جب نجران کے عیسائی مدینہ منورہ اسلام قبول کرنے کے لئے آئے اور اسلام قبول کرنے کی بجائے انہوں نے مملکت میں بطور ماتحت رہنا قبول کیا اور کچھ شرائط طے کیں تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے درخواست

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴ تا ۱۲

کی کہ ہمیں مسلمان حاکم کی غیر جانبداری پر اعتماد ہے لہٰذا آپ ﷺ ہمیں کوئی مسلمان جج مہیا کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے لیے جج متعین کیا جو 'امین ھذہ الامۃ' کے لقب سے نوازے گئے تھے۔[1] ان کی منصفانہ عدالتی کارکردگی سے پورے علاقے میں اسلام پھیلنے لگا اور بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے۔

جب حضور ﷺ نے سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی بطور قاضی تقرری فرمائی تو آپ نے انہیں ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: جب کوئی بھی شخص تمہارے پاس تنازعہ یا کسی معاملہ میں شکایت لے کر آئے، اس کی بات سن کر فیصلہ نہیں کرنا بلکہ فریق ثانی کو بلا کر اس کی بات بھی سن لیں اور اس کے بعد دونوں کی بات سن کر فیصلہ کرنا۔[2] حضرت علی کرم اللہ وجہہ، فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ساری عمر عدالتی فیصلے کرتا رہا لیکن مجھے کہیں بھی کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ یعنی ریاست مدینہ میں نہ صرف عدالتی نظام کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور مختلف مقامات پر عدالتی عملے اور عدلیہ کے عہدیداروں کی تقرریاں کی گئیں بلکہ ان کی تربیت اور فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے ہدایات بھی دی گئیں۔ جس سے عدالتی نظام کے خدوخال نمایاں ہونے لگے۔ ذیل میں ہم آئین مدینہ سے وہ آرٹیکل پیش کرتے ہیں جن کا تعلق ریاست مدینہ کے عدالتی نظام سے تھا۔

اَعلیٰ عدالتی اتھارٹی: رسول اللہ ﷺ

(Supreme Judicial Authority: The Holy Prophet ﷺ)

و أنکم مما اختلفتم فیه من شیٔ، فإن مردّه إلی الله و إلی محمد۔[3]

''اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف ہو تو اسے اللہ اور محمد ﷺ کی طرف لوٹایا

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب قصة أهل نجران، ۴: ۱۵۹۲، رقم: ۴۱۱۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أبی عبیدة الجراح، ۴: ۱۸۸۱، رقم: ۲۴۱۹

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الأحکام عن رسول الله، باب ما جاء فی القاضی، ۳: ۶۱۸، رقم: ۱۳۳۱

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأقضیة، باب کیف القضاء، ۳: ۳۰۱، رقم: ۳۵۸۲

(۳) میثاق مدینه، آرٹیکل: ۲۸

جائے گا (کیونکہ آخری اور حتمی حکم اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ ہی ہے)۔''

و أنه ما كان بين أهل هذه الصحيفة من حدث، أو اشتجار يخاف فساده، فإن مردّه إلى الله و إلى محمد رسول الله ﷺ و أن الله على أتقى ما في هذه الصحيفة و أبرّه۔(۱)

''اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو بھی قتل یا جھگڑا رونما ہو، جس سے فساد کا ڈر ہو تو اس میں خدا اور خدا کے رسول محمد ﷺ سے رجوع کیا جائے گا اور خدا اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔''

۷۔ اِنتظامی معاملات (Executive Matters)

ریاست مدینہ میں آپ ﷺ کے آنے سے پہلے وہاں کوئی بھی انتظامی ڈھانچہ موجود نہ تھا بلکہ باہمی تنازعات کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ باہم دست و گریبان تھے مثلاً ہجرت سے پہلے مدینہ کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا تو ان میں سے اوس اور خزرج کے لوگوں نے اپنے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے دوسرے قبیلے کے امام کے پیچھے نماز پڑھنے تک سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً مکہ سے ایک صحابی کو امام بنا کر بھیجا گیا تاکہ اوس اور خزرج اجتماعی طور پر اس کی اقتداء میں نماز پڑھ سکیں۔(۲) لیکن جب حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے انتظامی معاملات کو سدھارنے اور مستقبل کی ریاست کے انتظامی ڈھانچے کی تشکیل کے لئے ابتدائی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ باہمی خلفشار، باہمی چپقلش اور تنازعاتی ماحول کے خاتمے کے لئے آپ ﷺ کے جس عمل نے بنیادی کردار ادا کیا وہ مواخات تھا۔ مواخات نے نہ صرف مہاجرین کے معاشی مسائل حل کیے بلکہ مقامی سطح پر بھی اس سے ایک ایسی صحت مندانہ فضاء پیدا ہوگئی جس سے مستقبل کے انتظامی اور ریاستی ڈھانچے کے روبہ عمل ہونے میں حائل ہونے والے جملہ رویے اور سماجی اور نفسیاتی رکاوٹیں دور ہوگئیں۔ آپ کی آمد سے پہلے ریاست مدینہ میں کوئی بھی ریاستی ادارہ موجود نہ تھا۔ آپ ﷺ نے دینی معاملات کے

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۲

(۲) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳۷۷

۲۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۳: ۱۵۱

۳۔ حلبي، إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون، ۲: ۱۶۴

ساتھ دنیاوی معاملات چلانے والے ریاستی اداروں مثلاً فوج، خزانہ، عدلیہ اور شہری منصوبہ بندی کا آغاز بھی کیا۔ شہری منصوبہ بندی کے سلسلے میں آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ شہر مدینہ کے اندر گلیوں کو اتنا چوڑا رکھا جائے کہ دو لدے ہوئے جانور بآسانی گزر جائیں۔

إذا شككتم في الطريق فاجعلوا سبعة أذرع تختلف فيه الحاملتان۔[1]

''جب تم (شہر کے) راستوں میں توسیع کرو تو انہیں سات گز چوڑا رکھو (تاکہ) دو لدے ہوئے جانور بآسانی آمنے سامنے سے گزر سکیں۔''

گویا آپ نے دو رویہ ٹریفک (Double Way Traffic) کا اصول بھی عطا فرمایا جو بلدیاتی انتظامات کی طرف ایک قدم تھا۔ اس میں مکانات کا درمیانی راستہ بھی شامل تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے چند کاتبوں (Secretaries) پر مشتمل ایک مرکزی دفتر قائم کیا جسے اس دور کا مرکزی ریاستی سیکرٹریٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔[2] اس سیکرٹریٹ میں موجود کاتبوں کے ذمہ کئی فرائض تھے مثلاً وحی لکھنا، زکوٰۃ کے اندراجات، رقم کی وصولی اور خرچ کے معاملات، جنگ میں مال غنیمت کے حسابات، فوجیوں کی تنخواہیں اور ان کو دی جانے والی رقمیں وغیرہ ان تمام معاملات کے لئے الگ الگ کاتب مقرر تھے۔ تاریخ میں ہمیں دس بارہ شعبوں کی تفصیل ملتی ہے جن کے لکھنے والے کاتب الگ الگ تھے۔ مالی معاملات کو باقاعدہ ترتیب دینے کے لئے آپ نے ایک مستقل شعبہ قائم فرمایا جہاں ریاستی آمدنی کے تمام معاملات کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس شعبہ کی نگرانی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی مسجد نبوی کا ایک حجرہ اس کے لئے مخصوص تھا وہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔[3] اس میں سرکاری ملکیت کی رقم اور اشیاء رکھی جاتی تھیں گویا یہ اس دور کی وزارت خزانہ کی ابتدائی شکل تھی۔

قرآن حکیم نے بھی ریاست کو ملنے والی تمام آمدنی، جس میں زکوٰۃ، عشر وغیرہ شامل تھے اور جملہ محصولات کے خرچ کا ضابطہ فراہم کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○[4]

---

(۱) بیہقي، السنن الکبری، ۶: ۱۵۵، رقم: ۱۱۶۴۲

(۲) کتاني، التراتيب الادارية، ۲: ۷۷

(۳) أبو نعيم، حلية الأولياء، ۱: ۳۴۹

(۴) القرآن، التوبة، ۹: ۶۰

’’بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے) یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہےo‘‘

آمدن وخرچ کے ان قرآنی احکامات نے ہی اسلامی ریاست کی بجٹ سازی (Budgeting) و مالیاتی انتظام (Financial Management) کی اساس فراہم کی۔

اب ہم آئین مدینہ کے وہ حصے بیان کرتے ہیں جن کا تعلق ریاست کے انتظامی امور سے تھا:

(۱) جبر اور دہشت گردی کے خلاف ریاستی مزاحمت

(Resistance against Aggression & Terrorism)

ریاست مدینہ ظلم، اثم، عدوان، فساد (Unjustice, Mischief, Aggression & Terrorism) جیسے جرائم کے خاتمہ کے لئے جد و جہد کرے گی:

و أن المؤمنين المتقين أيديهم على كل من بغى منهم أو ابتغى دسيعة ظلم أو إثما أو عدوانا أو فسادا بين المؤمنين و أن أيديهم عليه جميعا ولو كان ولد أحدهم۔[۱]

’’اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ان میں سے ہر اُس شخص کے خلاف اُٹھیں گے جو سرکشی کرے یا اِستحصال بالجبر کرنا چاہے، یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے، یا پراَمن شہریوں (مومنوں) میں فساد پھیلانا چاہے اور ایسے شخص کے خلاف سب مل کر اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۶

(۲) اِنسانی قتل و غارت گری کے خلاف مزاحمت

(Resistance against Human Killings)

ولا يقتل مؤمن مؤمناً في كافر، ولا ينصر كافرا على مؤمن۔[(۱)]

’’اور کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا، اور نہ کسی کافر کی کسی مومن کے خلاف مدد کرے گا۔‘‘

و أن ذمة الله واحدة يجير عليهم أدناهم۔[(۲)]

’’اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے۔ ان (مسلمانوں) کا اَدنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔‘‘

و أنه من تبعنا من يهود فإن له النصر والأسوة غير مظلومين ولا متناصر عليهم۔[(۳)]

’’اور یہودیوں میں سے جو ہماری (ریاست مدینہ کی) اِتباع کرے گا اُسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی، بغیر اس پر کوئی ظلم روا رکھے ہوئے اور اس کے خلاف کسی کی مدد کرتے ہوئے۔‘‘

و أن يثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحيفة۔[(۴)]

’’اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے) اِس دستور والوں کے لیے حرم (دارالامن) ہوگا (یعنی یہاں آپس میں جنگ کرنا منع ہوگا)۔‘‘

(۳) قصاص کا حق (Right of Retaliation)

و أنه من اعتبط مؤمناً قتلا عن بينّة فإنه قود به، إلا أن يرضى ولي المقتول

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۷

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۸

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۰

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۹

(بالعقل)، و أنّ المؤمنين عليه كافّةً، ولا يحل لهم إلا قيام عليه۔[1]

''اور جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے اور ثبوت پیش ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے؛ اور تمام ایمان والے اس (قصاص) کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہو گی۔''

(۴) قانونِ قصاص کا مساوی نفاذ

(Equal Enforcement of Retaliation Law)

وأنه لا ينحجز على ثأر جرح۔[2]

''اور کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔''

(۵) ریاستِ مدینہ سے ملحقہ علاقوں کے لیے اِنتظامی قواعد وضوابط

(Administrative Orders for Regions Affiliated with Madina)

ریاستِ مدینہ کے انتظامی قواعد وضوابط مدینہ سے باہر ریاستی آبادی پر بھی نافذ تھے۔ آپ نے ریاست مدینہ کی عملداری میں شامل مختلف قبائل اور علاقوں کو وقتاً فوقتاً کئی احکامات ارسال فرمائے جن میں دینی، دنیاوی، ریاستی اور مالیاتی امور سے متعلق ہدایات و احکام دیئے گئے۔ ان احکامات پر مشتمل آپ کی دستاویزات ریاست مدینہ کے عمومی ریاستی نظم ونسق کی نوعیت کو واضح کرتی ہیں۔ اس امر کی وضاحت کے لئے درج ذیل دستاویزات کا متن دیا جا رہا ہے:

۱۔ جنادہ اور اس کی قوم کے نام آپ کا مکتوب

۲۔ اہل ہمدان کے نام مکتوب

۳۔ اہل یمن کے نام مکتوب

۴۔ یمن میں متعین عمال کے نام مکتوب

۵۔ علاء الحضرمی کے نام مکتوب

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۶

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۲

٦۔ اہل مقنا کے ساتھ معاہدہ

٧۔ عاملین زکوٰۃ کے نام مکتوب

٨۔ حاکم یمن عمرو بن حزم کے نام مکتوب

(i) جنادہ اور اس کی قوم کے نام آپ کا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لجنادۃ و قومہ و من اتّبعہ بإقام الصلاۃ، و إیتاء الزکاۃ، و أطاع اللہ و رسولہ، و أعطیٰ الخمس من المغانم خمس اللہ، و فارق المشرکین فإن لہ ذمۃ اللہ و ذمۃ محمد. (١)

ترجمہ:

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور یہ خط جنادہ اور اس کی قوم کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔ اور جس نے ان کی اتباع کی، نماز قائم کرتے ہوئے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور مال غنیمت میں خمس دیا کہ خمس اللہ کے لئے ہے اور مشرکوں سے دور رہا بس اس کا ذمہ اللہ اور محمد ﷺ کے ذمے ہے۔''

(ii) اہلِ ہمدان کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ھذا کتاب من محمد رسول اللہ إلیٰ عمیر ذي مرّان، و من أسلم من ھمدان، سلم أنتم فإني أحمد اللہ إلیکم الذي لا إلہ إلّا ھو.

أمّا بعد ذلک، فإنہ بلغني إسلامکم مرجعنا من أرض الروم، فأبشروا، فإن اللہ قد ھداکم بھداہ، و إنکم إذا شھدتم أن لا إلہ إلّا اللہ، و أن محمداً عبد

---

(١) ١۔ ابن اثیر، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ١: ٣٠٠

٢۔ ابن حجر عسقلانی، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ١: ٢٤٧

٣۔ ہندی، کنز العمال، ٥: ٣٢٠

الله ورسوله، و أقمتم الصلاة، وآتيتم الزكاة، فإن لكم ذمة الله وذمة رسوله علىٰ دمائكم وأموالكم، وأرض البور التي أسلمتم عليها سهلها وجبلها وعيونها وفروعها غير مظلومين، ولا مضيّق عليكم، وإن الصدقة لا تحلّ لمحمد ولا لأهل بيته، إنما هي زكاة تزكونها عن أموالكم لفقراء المسلمين، وإن مالک بن مرارة الرهاوي قد حفظ الغيب و بلّغ الخبر، فآمركم به خيراً فإنه منظور إليه. وكتب علي بن أبي طالب۔(1)

ترجمہ:

’’اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ حضرت محمد اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے عمیر ذی مران اور جو بھی ہمدان میں مسلمان ہوا اس کے نام آپ پر سلامتی ہو اور میں آپ کے لئے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی معبود نہیں۔

’’اس کے بعد یہ کہ آپ کے اسلام کی خبر مجھے پہنچی ہے اور آپ رومی ہیں پس تمہارے لئے بشارت ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں راہ کی ہدایت دی ہے اور جب تم نے یہ شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور بندے ہیں اور نماز قائم کی اور تم نے زکوٰۃ دی پس تمہارا ذمہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ تمہارے خون کا، تمہارے اموال کا اور زمین جس میں آپ نے اسلام قبول کیا اس کے پہاڑ وادیاں اور چشموں کا ذمہ بھی اور آپ پر تنگی نہ ہو گی اور بے شک صدقہ محمد ﷺ اور آپ کی آل پر حلال نہیں۔ بے شک یہ زکوٰۃ ہے اور تم اس سے اپنے اموال کا تزکیہ کرتے ہو اور یہ فقراء مسلمانوں کے لئے ہے اور بے شک مالک بن مرارہ الرھاوی نے غیب کی حفاظت کی اور آپ تک اس پیغام کو پہنچا دیا پس اس نے تمہیں خیر کا حکم دیا اور وہ اس کے لئے متعین

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷: ۴۷، ۴۸
۲۔ ابن ابي شيبة، المصنف، ۱۴: ۳۳۹، ۳۴۰، رقم: ۱۸۴۷۹
۳۔ يعقوبي، التاريخ، ۲: ۶۵
۴۔ ابن اثیر، أسد الغابة فی معرفة الصحابة، ۴: ۱۴۷
۵۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۳: ۱۲۱

ہے اوراس دستاویز کو علی ابن ابی طالب نے لکھا۔‘‘

(iii) اہلِ یمن کے نام مکتوب

قال اليعقوبي: وكتب ﷺ إلى أهل اليمن:

بسم الله الرحمن الرحيم: هذا كتاب من محمد رسول الله إلى أهل اليمن، فإني أحمد الله إليكم الذي لا إله إلّا هو وقع بنا رسولكم مقدمنا من أرض الروم فلقانا بالمدينة فبلّغنا ما أرسلتم به و أخبرنا ما كان قبلكم و نبّأنا بإسلامكم و إنّ الله قد هداكم إن أصلحتم و أطعتم الله و أطعتم رسوله و أقمتم الصلاة و آتيتم الزكاة و أعطيتم من الغنائم خمس الله و سهم النبي و الصفي.

و ما على المؤمنين من الصدقة عشر ما سقٰى البعل و سقت السماء و ما سقي بالقرب نصف العشر. و إنّ في الإبل من الأربعين حقة قد استحقت الرحل و هي جذعة و في الخمس و العشرين ابن مخاض و في كل ثلاثين من الإبل ابن لبون و في كل عشرين من الإبل أربع شياة و في كل أربعين من البقر بقرة و في كل ثلاثين من البقر تبيع ذكر أو جذعة و في كل أربعين من الغنم شاة فإنها فريضة الله الذي افترض على المؤمنين فمن زاد خيرًا فهو خير له.

فمن أعطى ذلک و أشهد على إسلامه و ظاهر المؤمنين على الكافرين فإنه من المؤمنين، له ذمة الله و ذمة رسوله محمد رسول الله و أنه من أسلم من يهودي أو نصراني فإنه من المؤمنين له مثل مالهم و عليه ما عليهم و من كان على يهوديته أو نصرانيته فإنه لا يغير عدها و عليه الجزية في كل حالم من ذكر أو انثٰى حرّ أو عبد دينار وافٍ من قيمة المعافري أو عرضه فمن أدّىٰ ذلک إلى رسول الله فإن له ذمّة الله و ذمّة رسوله، و من منعه فإنه عدو الله و لرسوله و للمؤمنين.

و إن رسول الله مولى غنيكم وفقيركم و إنّ الصدقة لا تحلّ لمحمد و لا أهله إنما هي زكاة تؤدّونها إلى فقراء المؤمنين في سبيل الله.

و إن مالک بن مرامرة قد أبلغ الخبر و حفظ الغيب فأمركم به خيرًا.

إني قد أرسلت إليكم من صالحی أهلي و أُولي كتابهم و اُولي علمهم فأمركم به خيرًا فإنه منظور إليه و السلام۔[1]

ترجمہ:

اور یعقوبی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اہل یمن کی طرف لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے اہل یمن کے نام ہے۔ پس میں تمہارے ساتھ اس اللہ کی نعمت پر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ ہمیں تمہارا قاصد سرزمین روم سے ہماری طرف بڑھتا ہوا مدینہ میں ملا اور ہمیں وہ کچھ پہنچایا جو اس کو دے کر بھیجا گیا تھا اور اس نے ہمیں خبر دی جو کچھ تم سے پہلے تھا اور اس نے ہمیں تمہارے اسلام کی خبر دی اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے گا اگر تم نے اصلاح اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اگر تم نے نماز ادا کی اور زکوٰۃ ادا کی اور غنیمتوں میں سے اللہ کا خمس اور اس کے نبی مکرّم ﷺ کا حصہ عطا کیا۔

''اور مومنین پر زکوٰۃ میں سے جو کچھ فرض ہے وہ اس زمین کا عشر ہے جس کو خچر وغیرہ نے سیراب کیا ہو اور آسمان نے سیراب کیا ہو اور جو راہٹ وغیرہ سے سیراب کی جائے اس میں آدھا عشر ہے اور اونٹوں کی زکوٰۃ میں چالیس اونٹوں میں ایک حصہ (تین سال کا اونٹنی

---

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۳: ۱۲۸
۲۔ عسقلاني، الإصابة في تمييز الصحابة، ۳: ۴۲۷
۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۲۶۴
۴۔ يعقوبي، التاريخ، ۲: ۶۴
۵۔ بلاذري، فتوح البلدان: ۹۶، ۹۸
۶۔ شافعي، المسند، ۱: ۱۵۲
۷۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۵۹

کا بچہ) ہے اور پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض (اونٹنی کا ایک سال کا بچہ) اور تیس اونٹوں میں ایک بنت لبون (اونٹنی کا دو سال کا بچہ) اور بیس اونٹنیوں میں چار بھیڑیں اور چالیس گائیوں میں ایک گائے اور تیس گائیوں میں ایک مذکر تبیع یا ایک جذعہ (اونٹنی کا چار سال کا بچہ) اور ہر چالیس بکریوں میں ایک بھیڑ پس بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا فرض ہے جو اس نے مومنین پر فرض کیا ہے۔ پس جو کوئی نیکی میں بڑھے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

''پس جو یہ زکوٰۃ ادا کرے اور اس کے اسلام کی گواہی بھی دی جائے اور کافروں کے مقابلہ میں مومنین کی مدد بھی کرے تو بے شک وہ مومنین میں سے ہے اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا ذمہ ہے اور بے شک جو یہودیوں اور عیسائیوں میں سے مسلمان ہوا تو وہ مومنین میں سے ہے اس کے لیے وہی کچھ ہے جو ان کے لیے ہے اور جو یہودیت یا عیسائیت پر قائم رہا تو بے شک وہ ان کی تعداد نہیں تبدیل کر سکتا اور اس پر جزیہ لازم ہے ہر مذکر یا مونث حالم (جس کو احتلام ہوتا ہو) آزاد یا غلام میں ایک پورا دینار ہے قبیلہ معافر کے دینار کے برابر یا اس کے متبادل۔ پس جس نے یہ دینار اللہ کے رسول کو ادا کیا تو بے شک اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے اور جس نے یہ دینار نہ دیا تو وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مومنین کا دشمن ہے اور رسول اللہ تمہارے امیروں اور فقیروں کے مولا ہیں اور صدقہ محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے اہل کے لیے، بے شک وہ زکوٰۃ ہے جو تم مومن فقراء کو اللہ کی راہ میں ادا کرتے ہو۔

''اور مالک بن مرامرہ نے خبر پہنچا دی ہے اور غیب کی حفاظت کی ہے پس میں تمہیں اس کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔

''میں نے تمہاری طرف اپنے اہل اور ان کے اہل کتاب اور اہل علم میں سے نیک لوگ بھیجے ہیں پس میں تمہیں ان کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔ یہی اس کا منظور نظر ہے۔ والسلام۔''

(iv) یمن میں متعین عمال کے نام مکتوب

قال سيف: أنبأنا سهيل بن يوسف عن أبيه عن عبيد بن صخر قال: عهد النبي ﷺ إلى العمّال على اليمن عهودًا من عهد واحد:

بسم الله الرحمن الرحيم هذا عهد من النّبي رسول الله إلى فلان.

وأمره أن يتّقي في أمره كلهّ فإنّ الله مع الذين اتّقوا والذين هم محسنون أن يأخذ الحقوق كما افترضها الله تعالىٰ وأن يؤدّيها كما أمره الله تعالىٰ وأن ييسّر للخير بعمله و ألّا يماريه فيما بينهم فإن هذا القرآن حبل الله فيه قسمة العدل، وسابغ العلم وربيع القلوب فاعملوا المحكمة وانتهوا إلىٰ حلاله وحرامه، وآمنوا بمتشابهه فإنه حقّ علىٰ الله أن لا يعذّب أحدًا بعد أداء الفرائض وأن يقبل المعروف ممن يجاء به و يحسّنه له وأن يردّ المنكر على من جاء به ويقبّحه عليه.

وأن يحجز الرعية عن التظالم، لا تهلكوا، فإن الله تعالىٰ إنما جعل الراعي عضدًا للضعفاء و حجازًا (حجزًا) للأقوياء ليدفعوا القوي عن الظلم ويعينوا الضعيف على الحقّ. والحج فريضة الله مرّة واحدة على من استطا ع إليه سبيًلا والعمرة الحج الأصغر.

وأنهاهم عن لباس الصمّاء والاحتباء في الثُوب الواحد، وعن صيامين: الفطر و الأضحى وعن صلاتين بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغيب الشمس وعن دعوى القبائل وعن زي الجاهلية إلّا ما حسّنه الاسلام.

وحدهم بأخلاق الله وأحملهم عليها فإن الله تعالىٰ يحب معالي الأخلاق (و) يبغض مدامها (مذامها)

وأمرهم ليصلوا الصلوات لمواقيتها وإسباغ الوضوء والوضوء غسل الوجه والأيدي إلىٰ المرافق والأرجل إلىٰ الكعاب ومسح الرأس، وإتمام الركوع و السجود والخشوع بالقراءة بما استيسر من القرآن.

وصلّ كل صلاة في أرفع الوقت بهم: إن تعجيل، فتعجيل وإن تأخير

فتأخير صلاة الفجر وقتها مع طلوع الفجر إلى قبل أن تطلع الشمس والظهر مع الزوال إلٰى ما بينها وبين العصر والعصر إذا كان الظل مثله إلى مادامت الشمس حية و المغرب إلى مغيب الشفق، و العشاء إذا غاب الشفق إلى أن يمضي كواهل الليل و أن تأمرهم بإتيان الجمعات و لزوم الجماعات. و أن تأخذ من الناس ما عليهم في أموالهم من الصدقة.

من العقار عشر ما سقٰى البعل و السماء و نصف العشر فيما سقي بالرشاء.

وفي كل خمس من الإبل شاة إلٰى خمس وعشرين، فإن زادت ففيها ابن مخاض إلٰى خمسة وثلاثين فإن زادت ففيها ابنة لبون إلٰى خمس وأربعين فإن زادت واحدة ففيها حقّة إلٰى أن تبلغ ستين فإن زادت واحدة ففيها ابنتا لبون إلٰى أن تبلغ خمسًا وسبعين فإن زادت واحدة ففيها جذعة فإن زادت واحدة ففيها ابنتا لبون إلٰى أن تبلغ تسعين، فإن زادت واحدة ففيها حقّتان إلٰى أن تبلغ عشرين ومائة ثم في كل خمسين حقة.

وفي كل سائمة من الغنم في أربعين شاة إلى عشرين ومائة وإن زادت فشاتان إلى مائتين فإن زادت فثلاث ثم في كل مائة بعد شاة. وفى كل خمس بقرات شاة إلى ثلاثين فان بلغت ثلاثين ففيها تبيع وفى كل أربعين مسنة وليس فى الأوقاص بينهما شيء.

وفي كل عشرين مثقالاً من الذهب نصف مثقال وفي كلّ مائتين من الورق خمسة دراهم.

وفي كل خمسة أوسق نصف الوسق من البر والتمر والشعير والسلت، وعفا الله عن سائر الأحبة إلا أن يتطوع أمرؤ.

ومن أجاب إلى الإسلام فله مالنا و عليه ما علينا، ومن ثبت على دينه من أهل الأديان، فإنه لا يضيق عليه، و على كل حالم من الجزية على قدر

طاقته: الدينار فما فوق ذلک، أو القيمة، فمن أدّى ذلک فله الذمة و المنعة، و من أبى ذلک فلا ذمة له.

وأن يأمرهم بإجلال الكبير، و إجلال حامل القرآن، وتوقير الأعلام، وتنزية القرآن، و أن يمسّوه على وضوء. ومن أبى إلا الدعاء بدعوى الجاهلية أو حاول غير قابلة أن يقطعوا بالسيف۔(۱)

ترجمہ:

’’حضرت سیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن یوسف رضی اللہ عنہ نے ہمیں اپنے والد سے اور انہوں نے عبید بن صخر سے بیان کردہ حدیث بتائی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یمن پر تعینات عمال سے عہد لیا۔ اور وہ یہ ہے:

’’یہ معاہدہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے فلاں کی طرف ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے تمام معاملات میں اللہ سے ڈرے کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ جو احسان کرتے ہیں اور یہ کہ وہ اس طرح حقوق کو حاصل کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو فرض قرار دیا ہے اور ان حقوق کو اسطرح اداء کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اداء کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے نیکی کے لئے آسانی پیدا کرے۔ اور یہ کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کرے۔

’’بے شک یہ قرآن اللہ کی رسی ہے اس میں عدل کا حصّہ ہے اور بہت زیادہ علم ہے اور دلوں کی بہار ہے پس اس کی محکم آیات پر عمل کرو اور اس کے بتائے ہوئے حلال وحرام کو جانو اور اس کی متشابہ آیات پر ایمان لاؤ بے شک یہ بات اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی کے بعد عذاب نہیں دیتا اور جو نیک کام کرتا ہے وہ اس کے نیک کام کو قبول فرماتا ہے اور اس کو اس کے لئے بہتر بناتا ہے اور وہ برائی کو اس کے کرنے والے پر لوٹا دیتا ہے اور اس کو اس کے لئے ناپسند کرتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۱۹۵

۲۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۵: ۷۶

''اور یہ کہ وہ (حکمران) عوام کو ظلم سے بچائے، اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حکمران کو کمزوروں کے لئے مدد گار بنایا ہے اور طاقتوروں کے لئے آڑ بنایا ہے تاکہ وہ طاقتور کو ظلم سے دور رکھ سکیں اور کمزور کی حق کے معاملات میں مدد کر سکیں اور زندگی میں ایک دفعہ حج کرنا اس کے لئے فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو اور عمرہ حج اصغر ہے۔

''اور میں انہیں تنگ لباس پہننے اور ایک کپڑے میں ملبوس ہونے سے منع کرتا ہوں اور عیدالفطر اور عید الاضحیٰ کے روزے سے اور فجر اور سورج طلوع ہونے کے بعد نماز اداء کرنے سے اور عصر کے بعد نماز اداء کرنے سے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے اور قبائلی دعوؤں سے اور زمانہ جاہلیت کے لباس سے روکتا ہوں مگر جس کو اسلام نے بہتر قرار دیا۔

''اور ان کو اللہ کے اخلاق کی ترغیب دو اور اس پر ابھارو بے شک اللہ تعالیٰ بلند اخلاق کو پسند کرتا ہے اور برے اخلاق کو ناپسند کرتا ہے۔

''اور ان کو حکم دو کہ وہ وقت پر نماز اداء کریں اور اچھے طریقے سے وضو کریں اور وضو چہرے کو دھونا اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا اور پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا اور چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ اور رکوع و سجود کا پورا کرنا اور قرآن پاک سے جو کچھ میسر ہو اس کی عاجزی و انکساری کے ساتھ قرأت کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔

''اور ہر نماز کو ان کے مناسب وقت میں اداء کرو اگر جلدی ہو تو جلدی کے ساتھ نماز اداء کرو اور اگر جلدی نہ ہو تو تاخیر کے ساتھ۔ صبح کی نماز اس کا وقت طلوع فجر کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے جو کہ طلوع شمس تک رہتا ہے۔ اور ظہر کا وقت زوال کا وقت ختم ہونے کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے۔ اور عصر کے وقت تک رہتا ہے اور عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل تک ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج غروب نہیں ہوتا اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہو کر شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے اور نمازِ عشاء کا وقت غروبِ شفق سے لے کر اس وقت تک ہے جب رات کی تاریکی ختم ہونے لگے۔ اور یہ کہ تو ان کو نماز جمعہ پڑھنے کی اور جماعت کو لازم پکڑنے کی تلقین کرو۔

''اور یہ کہ تو لوگوں سے ان کے اموال میں سے جو صدقہ ان پر فرض ہے لو اور اس زمین

سے جس کو نہروں یا آسمانی بارش نے سیراب کیا ہو عشر لازم ہے اور اس زمین سے جس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا ہو نصف عشر لازم ہے۔

''اور ہر پانچ اونٹوں میں زکوٰۃ ایک بھیڑ ہے اور یہ ۲۵ اونٹوں تک ہے اور اگر اونٹ ۲۵ سے زائد ہو جائیں تو ان میں زکوٰۃ اونٹنی کا ایک سال کا بچہ ہے اور یہ ۳۵ اونٹوں تک ہے اور اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کا دوسالہ بچہ ہے اور یہ ۴۵ اونٹوں تک ہے اور اگر ایک اونٹ زائد ہو جائے تو اس میں ۴ سال کا اونٹنی کا بچہ اور یہ ۶۰ اونٹوں تک ہے پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں زکوٰۃ اونٹنی کے دو سالہ دو بچے اور یہ ۷۵ اونٹوں تک ہے پھر اگر ایک بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کا پانچ سالہ بچہ ہے پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کے دوسالہ دو بچے ہیں یہاں تک کہ وہ اونٹ ۹۰ ہوجائیں پھر اگر ان میں ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں زکوٰۃ اونٹنی کے چارسالہ دو بچے ہیں یہاں تک اونٹوں کی تعدا ۱۲۰ ہوجائے پھر ہر پچاس اونٹ میں اونٹنی کا چارسالہ ایک بچہ ہے۔

''اور کھیتوں میں چرنے والی چالیس بکریوں میں یہ ۱۲۰ بکریوں تک ہے پھر اگر ایک بکری بڑھ جائے تو اس میں دو بھیڑیں ہیں اور یہ ۲۰۰ بھیڑوں تک ہے پھر اگر ایک بکری بڑھ جائے تو اس میں تین بکریاں ہیں پھر اس کے بعد سو بکریوں میں ایک بکری ہے۔

''اور پانچ گائیوں میں ایک بکری ہے اور یہ تیس گائیوں تک ہے پھر اگر ۳۰ گائیں ہو جائیں تو اس میں ایک تبیع ہے اور ہر چالیس گائیوں میں دو سالہ بچھڑا ہے اور گائیوں کے چھوٹے بچوں میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

''اور ہر بیس مثقال سونے میں آدھا مثقال سونا زکوٰۃ ہے اور ہر دوسو چاندی کے ورق میں ۵ درہم زکوٰۃ ہے۔

''اور ہر پانچ اوسق غلے میں آدھا اوسق زکوٰۃ ہے اور یہ غلہ گندم، کھجور، جو اور بغیر چھلکے والے جو کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے سارے دانے دینے سے معاف کیا مگر یہ کہ کوئی آدمی اپنی رضا سے دے دے۔

''اور جس نے اسلام قبول کیا تو وہ کچھ اس کے لئے ہے جو ہمارے لئے ہے اور اس پر وہ کچھ لازم ہے جو ہم پر ہے اور جو اپنے سابقہ دین پر ثابت قدم رہا تو اس پر دائرہ حیات تنگ نہیں کیا جائے گا اور ہر جزیہ دینے والے پر اس کے حسبِ حال جزیہ لیا جائے گا یعنی

ایک دینار یا اس سے کچھ زیادہ یا اس کے برابر قیمت پس جس نے یہ جزیہ اداء کیا تو اس کے لئے ذمہ اور حفاظت ہے اور جس نے یہ جزیہ دینے سے انکار کیا تو اس کے لئے کوئی ذمہ نہیں ہے۔

''اور یہ کہ وہ (حکمران) ان کو بڑوں کی قدر کرنے، حامل قرآن کی قدر کرنے اور بڑی بڑی شخصیات کی عزت کرنے اور قرآن کی پاکی بیان کرنے کا حکم دے اور یہ کہ وہ قران بغیر وضو نہ چھوئیں۔ اور جس نے اس چیز کا انکار کیا اور فقط جاہلیت والا دعویٰ کیا یا کوئی اور ناجائز حرکت کی تو اس کو تلوار کے ذریعے کاٹ دیا جائے گا۔''

(۷) علاء الحضرمی کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

هذا كتاب من محمد رسول الله ﷺ النّبي الأُمي القرشيّ الهاشميّ رسول الله و نبيه إلٰى خلقه كافة (إلى كافة خلقه) للعلاء بن الحضرمي و من تبعه من المسلمين عهدًا أعهده (عهده) إليهم.

اتّقوا الله أيها المسلمون ما استطعتم فإني قد بعثت إليكم العلاء بن الحضرمي و أمرته أن يتّقي الله وحده لا شريک له و أن يلين فيكم الجناح (و أن يلين الجناح فيكم) و يحسن فيكم السيرة و يحكم بينكم و بين من لقاه من الناس بما أمر الله في كتابه من العدل و أمرتكم بطاعته إذا فعل ذلک فإن حكم فعدل و قسّم فأقسط و استرحم فرحم فاسمعوا له و أطيعوا وأحسنوا مؤازرته ومعونته فإن لي عليكم من الحق طاعة و حقًا عظيمًا لا تقدّرونه كل قدره و لا يبلغ القول كنه عظمة حقّ الله و حق رسوله و كما أن ولرسوله على الناس عامة وعليكم خاصة حقًا واجبًا في طاعته والوفاء بعهده فرضي الله عمن اعتصم بالطّاعة حقّ كذلک للمسلمين على ولاتهم حقّ واجب وطاعة فإن الطاعة درک خير و نجاة من كل شر يتّقىٰ.

وأنا أُشهد الله علىٰ (كل) من ولّيته شيئًا ممن أمر المسلمين قليلًا أو كثيرًا

فليستخيروا الله عند ذلک ثم ليستعملوا عليهم أفضلهم في أنفسهم۔[(۱)]

ترجمہ:

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ نبی امی قرشی ہاشمی اللہ کے رسول اور اس کے نبی جنہیں اس نے اپنی تمام مخلوقات کی طرف بھیجا ہے کی طرف سے علاء بن حضرمی اور وہ جو مسلمانوں میں سے اس کی اتباع کریں ایک وصیت ہے جو میں ان کی طرف کر رہا ہوں۔

’’اے مسلمانو! جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرو۔ میں نے علاء بن حضرمی کو تمہاری طرف بھیجا ہے اور اس کو حکم دیا ہے کہ وہ فقط اللہ وحدہ لا شریک سے ڈرے اور یہ کہ وہ تمہارے لیے نرمی کا گوشہ اختیار کرے اور تمہارے درمیان اپنے کردار کو اچھا رکھے اور تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن سے وہ ملے اس چیز کے ساتھ فیصلہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں عدل کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے اور میں تمہیں اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اگر اس نے ایسا کیا۔ پس اگر اس نے فیصلہ کیا تو عدل کے ساتھ اور اگر تقسیم کیا تو انصاف کے ساتھ اور اگر کسی نے رحم طلب کیا تو اس پر رحم کیا تو تم لوگ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اور اچھے طریقے سے اس کی مدد و معاونت کرو۔ پس تم پر میرے لیے اطاعت کا حق ہے اور یہ بہت بڑا حق ہے تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی کوئی قبول اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حق کی حقیقت کو پہنچ سکتا ہے اور جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول کا لوگوں پر عام طور اور تم پر خاص طور پر حق واجب ہے ان کی اطاعت کا اور ان کے ساتھ کیے عہد و پیمان کا پس اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوا جو اطاعت

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۸: ۸۹، رقم: ۱۶۵
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۹: ۴۳۷
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۳۱۰
۴۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۶: ۱۳
۵۔ ابن اثير، أسد الغابة فى معرفة الصحآبة، ۲: ۲۳۸
۶۔عسقلاني، المطالب العالية، ۲: ۲۳۷
۷۔ عسقلاني، الإصابة فى تمييز الصحابة، ۲: ۱۷۸

کے ذریعے محفوظ ہوگیا اسی طرح مسلمانوں پر حق ہے کہ اپنے والیوں کی اطاعت کریں۔ پس بے شک اطاعت بھلائی کا خزانہ ہے اور ہر ڈر والے شر میں نجات ہے۔

''اور میں اللہ تعالیٰ کو ہر اس پر گواہ بناتا ہوں جس کو میں نے مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی چیز کا بھی والی بنایا ہے خواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پس اللہ تعالیٰ سے اس معاملہ میں خیر طلب کرو اور اس کو اپنا عامل بناؤ جو تم میں سے افضل ہے۔''

(vi) اہلِ مقنا کے ساتھ معاہدہ

بسم الله الرحمن الرحيم. من محمد رسول الله إلى بني جنبة و إلى أهل مقنا.

أما بعد! فقد نزل على آيتكم راجعين إلى قريتكم، فإذا جاءكم كتابي هذا فإنكم آمنون، لكم ذمّة الله و ذمّة رسوله. و إن رسوله غافر لكم سيئاتكم و كلَّ ذنوبكم، و إن لكم ذمة الله و ذمة رسوله، لا ظلم عليكم و لا عَدى. و إنَّ رسول الله جارلكم مما منع منه نفسه.

فإن لرسول الله بَزّكم و كل رقيق فيكم و الكُراع و الحَلقة، إلا ما عفا عنه رسولُ الله، أو رسولُ رسولِ الله. و إن عليكم بعد ذلك ربع ما أخرجت نخلكم، و ربع ما صادت عروككم، و ربع ما اغتزل نساؤكم. و إنكم برئتم بعدُ من كل جزية أو سُخرةٍ.

فإن سمعتم و أطعتم، فإن على رسول الله أن يكرم كريمَكم و يعفو عن مُسيئكم.

أما بعد فإلى المؤمنين و المسلمين: من أطلع أهل مقنا بخير فهو خير له، و من أطلعهم بشرٍ فهو شرٌ له.

و أن ليس عليكم أمير إلا من أنفسكم. أو من أهل رسول الله. والسلام. و كتب علي بن أبي طالب في سنة تسع۔ (۱)

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۲۷۷

۲۔ مقريزي، إمتاع الأسماع، ۱: ۴۳۹

ترجمہ:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنی جنبہ اور اہل مقنا کی طرف۔

''تحقیق میرے پاس تمہارے کچھ راہنما آئے اور میں نے ان کو تمہارے علاقے کی طرف لوٹتے ہوئے یہ خط دیا پس جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے گا تو تم یہ یقیناً ایمان لے آؤ گے پھر تمہارے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہوگا اور بے شک اللہ کا رسول ﷺ تمہارے لئے تمہاری خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور تمہارے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے نہ تم پر کوئی ظلم ہوگا اور نہ ہی دشمنی اور اللہ کا رسول تمہیں اس چیز سے بچانے والا ہے جس سے اس نے اپنے آپ کو بچایا ہوا ہے۔

''بے شک تمہارا اسلحہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اس طرح تم میں سے ہر کمزور اور تمہارے گھوڑے، خچر اور گدھے اور ان کی رسیاں مگر جو چیز حضور نبی اکرم ﷺ نے معاف فرما دیا رسول اللہ ﷺ کے پیامبر نے تو اس کے بعد تم پر تمہاری کھجور کی پیدوار کا چوتھائی حصہ دینا لازم ہے اور جو شکار تمہارے شکاری کریں اس کا چوتھائی حصہ اسی طرح جو سوت تمہاری عورتیں کاتیں اس کا چوتھائی حصہ اور بے شک اس کے بعد تم ہر طرح کے جزیے اور بیگار سے بری ہو اور اگر تم (میری بات) سنو اور اس کی اطاعت بجالاؤ تو بے شک اللہ کے رسول ﷺ پر یہ بات لازم ہے کہ وہ تمہارے معززین کی عزت کرے اور تمہارے گناہگاروں سے درگزر کرے۔

''اس کے بعد تمام مؤمنوں اور مسلمانوں کی طرف: جس نے اہل مقنا کو بھلائی سے آگاہ کیا تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور جس نے ان کو برائی سے آگاہ کیا تو یہ اس کے لئے برا ہے اور غیروں میں سے تم پر کوئی امیر نہیں مگر تمہارے اندر سے یا حضور نبی اکرم ﷺ کے بھیجے ہوئے افراد میں سے۔ اس خط کو حضرت علی بن ابو طالب نے سن ۹ ہجری میں لکھا۔''

(vii) عاملینِ زکوٰۃ کے نام مکتوب

عن سالم بن عبد الله: كتب رسول الله ﷺ كتاب الصدقة فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض فقرنه بسيفه. فعمل به أبوبكر حتى قُبض. ثم عمل به عمر حتى قُبض. فكان فيه:

فی خمس من الإبل (فی روایة أخری: فی خمس ذود) شاة. و فی عشر شاتان. و فی خمس عشرة ثلاث شیاه. و فی عشرین أربع شیاه. و فی خمس و عشرین ابنة مخاض، إلی خمس و ثلاثین. فان زادت و احدة ففیها بنت لبون، إلی خمس و أربعین. فان زادت واحدة ففیها حقة، إلی ستین. فاذا زادت و احدة ففیها جذعة، إلی خمس و سبعین. فإذا زادت واحدة ففیها بنتا لبون، إلی تسعین. فإذا زادت واحدة فیها حقتان، إلی عشرین و مائة. فان کانت الإبل أکثر من ذلک ففی کل خمسین حقة، و فی کل أربعین ابنة لبون.

و فی الغنم: فی کل أربعین شاةً شاةٌ، إلی عشرین و مائة. فإذا زادت واحدة فشاتان إلی مائتین. فإذا زادت علی المائتین ففیها ثلاث شیاه إلی ثلاث مائة. فإذا کانت الغنم أکثر من ذلک ففی کل مائة شاةٍ شاةٌ ولیس فیها شیء حتی تبلغ المائة.ولا یفرق بین مجتمع ولا یجتمع بین متفرق مخافة الصدقة و ما کان من خلیطین فإنهما یتراجعان بالسویة.ولا توخذ فی الصدقة هرمة ولا ذات عوار

روایة ثانیة عند البیهقی:

فی خمس ذود شاة. و فی عشر شاتان. و فی خمس عشرة ثلاث شیاه و فی عشرین أربع شیاه و فی خمس و عشرون ابنة مخاض، إلی خمس و ثلاثین. فإذا لم تکن ابنة مخاض فابن لبون ذکرٌ. فإذا کانت ستا و ثلاثین فابنة لبون، إلی خمس و أربعین. فاذا کانت ستا و أربعین فحقه، إلی ستین، فإذا کانت إحدی و ستین فجذعة، إلی خمس و سبعین. فإذا زادت فابنتا لبون، إلی تسعین، فإذا زادت فحقتان، إلی عشرین و مائة. فإذا کثرت الإبل، ففی کل خمسین حقة، و فی کل أربعین ابنة لبون۔[1]

(١) ١۔ ترمذی، السنن، کتاب الزکاة، باب ما جاء فی زکاة الإبل والغنم، ٣: ١٧، رقم: ٦٢١

٢۔ بیہقی، السنن الکبری، ٤: ٨٨، رقم: ٧٠٤٣

ترجمہ:

''حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں خط لکھا لیکن اپنی حیات مبارکہ میں یہ خط عاملین زکوٰۃ کو نہ دیا اور اس خط کو آپ ﷺ نے اپنی تلوار کے ساتھ چسپاں کیا ہوا تھا پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی اس پر عمل کیا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی اس پر عمل کیا پس اس خط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ

''پانچ اونٹوں میں ایک بھیڑ ہے اور دس اونٹوں میں دو بھیڑیں اور پندرہ اونٹوں میں تین بھیڑیں اور بیس اونٹوں میں چار بھیڑیں اور پچیس اونٹوں میں اونٹنی کا ایک سالہ بچہ اور یہ پنتیس اونٹوں تک رہے گا پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کا دو سالہ بچہ اور یہ پنتالیس اونٹوں تک رہے گا پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کا چار سالہ بچہ اور ساٹھ اونٹوں تک رہے گا پس پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کا پانچ سالہ بچہ اور یہ پچھتر اونٹوں تک رہے گا پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کے چار سالہ دو بچے اور یہ ایک سو بیس اونٹوں تک رہے گا پھر اگر اونٹ اس سے زیادہ ہوں تو ہر پچاس اونٹوں میں اونٹنی کا ایک چار سالہ بچہ اور ہر چالیس اونٹوں میں اونٹنی کا ایک دو سالہ بچہ اور بکریوں میں ہر چالیس بھیڑوں میں ایک بھیڑ اور یہ ایک سو بیس بھیڑوں تک ہے پھر اگر ایک بڑھ جائے تو دو بھیڑیں اور یہ دو سو تک ہے پھر اگر دو سو بھیڑوں پر ایک بھیڑ بڑھ جائے تو اس میں تین بھیڑیں ہیں اور یہ تین سو بھیڑوں تک ہے پھر اگر بھیڑیں اس سے زیادہ ہوں تو ہر سو بھیڑ میں ایک بھیڑ اور اگر سو سے کم ہو تو اس میں کوئی چیز نہیں ہے۔

''اور جمع شدہ بھیڑوں کو علیحدہ نہیں کیا جائے اور اسی طرح علیحدہ بھیڑوں کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا صدقے کے ڈر کی بناء پر۔ اور جو جانور دو گروہوں سے ہوں تو برابر طور پر اپنے اپنے گروہ کی طرف لوٹ جائیں گے اور بوڑھے اور کانے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

(امام بیہقی کی بیان کردہ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:)

''پانچ اونٹوں میں ایک بکری، دس میں دو بکریاں، پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس اونٹوں میں اونٹنی کا ایک سالہ بچہ اور یہ پنتیس تک ہے اور اگر اونٹنی کا مؤنث بچہ نہ ہو تو اس کا مذکر بچہ اور اگر چھتیس اونٹ ہو جائیں تو اونٹنی کا دو سالہ بچہ اور

پینتالیس اونٹوں تک ہے پس اگر چھیالیس اونٹ ہو جائیں تو اونٹنی کا چار سالہ بچہ اور یہ ساٹھ اونٹوں تک ہے پھر اگر اکسٹھ اونٹ ہوجائیں تو اونٹنی کا پانچ سالہ بچہ اور یہ پچھتر اونٹوں تک ہے پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں اونٹنی کے دو دو سالہ بچے اور یہ نوے تک ہے پھر اگر ایک اونٹ بڑھ جائے تو اس میں چار سالہ اونٹنی کے دو بچے اور یہ ایک سو بیس اونٹوں تک ہے۔ پس پھر اگر اس تعداد سے اونٹ بڑھ جائیں تو ہر پچاس اونٹوں میں اونٹنی کا ایک چار سالہ بچہ اور ہر چالیس اونٹوں میں اونٹنی کا ایک دوسالہ بچہ۔‘‘

(viii) حاکمِ یمن عمرو بن حزم کے نام مکتوب

و قد كان بعث رسول الله ﷺ إلى بنى الحارث بن كعب بعد أن ولى وفدهم عمرو بن حزم ليفقههم فى الدين، و يعلمهم السنة و معالم الإسلام. و يأخذ منهم الصدقات، و كتب له كتاباً عهد فيه عهده و أمره فيه أمره:

بسم الله الرحمن الرحيم.

۱۔ هذا بيان من الله و رسوله: يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود– عهدُ محمدٍ النبى رسول الله، لعمرو بن حزم حين بعثه إلى اليمن.

۲۔ أمرهُ بتقوى الله فى أمره كله، فإن الله مع الذين اتّقوا و الذين هم محسنون.

۳۔ و أمره أن يأخذ بالحق كما أمره الله.

۴۔ و أن يُبشِرَ الناسَ بالخير و يأمرهم به و يعلِّم الناس القرآن و يفقّههم فيه، و ينهى الناس، فلا يمسّ القرآن إنسانٌ إلا و هو طاهر.

۵۔ و يخبر الناس بالذى لهم و الذى عليهم.

۶۔ و يلين للناس فى الحق و يشتدَّ عليهم فى الظلم، فإن الله كره الظلم و نهى عنه فقال: ألا لعنة الله على الظالمين.

۷۔ و يبشّر الناس بالجنة و يعلمها، و ينذر الناس النار و عملها.

۸۔ و يستألف الناس حتى يفقهوا فى الدين، و يعلّم الناس معالم الحج و سنة و فريضته و ما أمر الله به، و الحجُّ الأكبر الحجُّ الأكبر، والحج الأصغر هو العمرة.

۹۔ و ينهى الناسَ أن يصلى أحدٌ فى ثوبٍ واحدٍ صغير، إلا أن يكون ثوباً يثنى طرفيه على عاتقَيه. وينهى أن يحتبى أحد فى ثوبٍ يُفضى بفرجه إلى السماء.

۱۰۔ و ينهى أن يعقِص أحد شَعر رأسه فى قَفاه.

۱۱۔ و ينهى إذا كان بين الناس هَيُجٌ عن الدعاء إلى القبائل و العشائر، و ليكن دعواهم إلى الله وحده لا شريک له. فمن لم يدعُ إلى الله و دعا إلى القبائل و العشائر، فليقطفوا بالسيف حتى يكون دعواهم إلى الله وحده لا شريک له.

۱۲۔ و يأمر الناس بإسباغ الوضوء: وجوههم و أيديهم إلى المرافق، و أرجلهم إلى الكعبين، و يمسحون برؤوسهم كما أمرهم الله.

۱۳۔و أمر بالصلاة لوقتها، و إتمام الركوع و الخشوع يُغلس بالصبح ويهجر بالهاجرة حين تميل الشمس، و صلاة العصر و الشمس فى الأرض مدبرة، و المغرب حين يقبل الليل ولا تؤخر حتى تَبدو النجوم فى السماء أولَ الليل.

۱۴۔و أمر بالسعى إلى الجمعة إذا نودى لها، و الغُسل عند الرواح إليها.

۱۵۔ و أمره أن يأخذ من المغانم خُمس الله.

۱۶۔ و ما كتب على المؤمنين فى الصدقة: من العقار عُشرُ ما سَقَت العينُ و سقت السماء. و على ما سَقى الغَرب نصف العُشر.

۱۷۔و فى كل عَشرٍ من الإبل شاتان، و فى كل عشرين أربع شياه.

۱۸۔ و فى كل أربعين من البقر بقرةٌ، و فى كل ثلاثين من البقر تبيعٌ: جذعٌ أو جذعةٌ.

۱۹۔ و فی کل أربعین من الغنم سائمةً و حدها شاةٌ

۲۰۔ فإنما فریضة الله التی افترَض علی المؤمنین فی الصدقة، فمن زاد خیراً فهو خیر له.

۲۱۔ و إنه من أسلم من یهودی أو نصرانی إسلاماً خالصاً من نفسه و دان بدین الإسلام فإنه من المؤمنین، له مثل ما لهم و علیه مثل ما علیهم ومن کان علی نصرانیته أو یهودیته فإنه لا یُرَدّ عنها. و علی کل حالم – ذکرٍ أو أنثی حرٍ أو عبدٍ – دینارٌ وافٍ أو عرضه ثیاباً.

۲۲۔فمن أدّی ذلک فإن له ذمةَ الله و ذمةَ رسوله، ومن منع ذلک فإنه عدو لله و لرسول و للمؤمنین جمیعاً۔ (۱)

ترجمہ:

''حضور نبی اکرم ﷺ نے بنی حارث بن کعب کی طرف یہ خط بھیجا بعد اس کے آپ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ان کا حکمران مقرر کیا تاکہ وہ ان کو دین کا فہم عطاء کریں اور ان کو سنت اور اسلام کے معالم کی تعلیم دیں اور ان سے زکوٰۃ وصول کریں آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک خط لکھا جس میں آپ ﷺ نے اپنا عہد اور حکم لکھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بیان ہے:

یٰـاَیُّـهَا الَّذِینَ آمَنُوا اَوْفُوا بِالْعُقُودِ۔ (۲)

''اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔''

حضور نبی اکرم ﷺ جو اللہ کے سچے رسول اور نبی ہیں کا عہد عمرو بن حزم کے لئے جب آپ ﷺ نے آپ کو یمن کی طرف بھیجا۔

(۱) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظمیم، ۲: ۴

۲۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، ۵: ۲۹۴

۳۔ سیوطی، تنویر الحوالك، ۱: ۱۵۹

(۲) القرآن، المائدة، ۵: ۱

۲۔ آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے تمام معاملات میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔

۳۔ آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حق کو اس طرح لیں جس طرح کہ اللہ نے ان کو حکم دیا ہے۔

۴۔ اور یہ کہ وہ لوگوں کو نیکی کی خوشخبری دیں اور اس کے کرنے کا حکم دیں اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس میں تفقہ کی تلقین کریں اور لوگوں کو برے کاموں سے روکیں اور یہ کہ کوئی انسان قرآن کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے۔

۵۔ اور لوگوں کو اس چیز کے بارے بتائیں جو ان کے لئے ہے یا ان پر لازم ہے۔

۶۔ اور حق کے معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور ظلم کے معاملہ میں ان پر سختی کرے بے شک اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ناپسند کیا ہے اور اس سے منع کیا ہے اور فرمایا:

اَلاَ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ○[1]

''جان لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے○''

۷۔ لوگوں کو جنت کی خوشخبری دو اور دوزخ کے عذاب سے ڈراؤ۔

۸۔ لوگوں کے ساتھ الفت اور پیار کے ساتھ پیش آ ؤ یہاں تک کہ وہ آپ سے دین کو سمجھ سکیں اور لوگوں کو حج کے معالم اور اس کی سنت اور فرض اور جس چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ سکھائے اور حج اکبر سے مراد حج اکبر ہے اور حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔

۹۔ اور یہ کہ وہ لوگوں کو ایک کپڑا میں نماز پڑھنے سے منع کریں مگر ایک کپڑا اس طرح کا ہو کہ اس کے دونوں کنارے کندھے پر باندھے جاسکتے ہوں اور ایک کپڑے میں گھٹنے کھڑے کر کے لیٹنے سے منع کیا۔

۱۰۔ اور اس چیز سے منع کرے کہ کوئی آدمی اپنے سر کے بالوں کی چوٹی بنائے۔

۱۱۔ اور لوگوں کو منع کرے جب ان کا ان کے قبائل اور خاندانوں کو پکارنے کی وجہ ایک

---

(۱) القرآن، ہود، ۱۱: ۱۸

دوسرے کے ساتھ دشمنی ہو پس چاہیے کہ ان کا پکارنا ایک خدا وحدہ لاشریک کے لئے ہو پس جو کوئی اللہ کو نہیں پکارتا اور اپنے قبائل اور خاندانوں کو پکارتا ہے تو اس کو تلوار کے ذریعے کاٹا جائے یہاں تک کہ ان کا پکارنا خدا وحدہ لاشریک کے لئے نہ ہو جائے۔

۱۲۔ اور لوگوں کو اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دے: وہ اپنے چہرے اور ہاتھ کو کہنیوں سمیت دھوئیں اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اپنے سروں کا اس طرح مسح کریں جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے۔

۱۳۔ اور ان کو نماز اس کے اوقات میں پڑھنے کا حکم دے اور اتمام رکوع اور عاجزی و انکساری کا حکم دے اور صبح کی نماز اس وقت تک پڑھے جب رات کی تاریکی تھوڑی شروع ہو اور عصر کی نماز جب سورج ڈوبنے کی طرف بڑھنا شروع کردے اور مغرب کی نماز جب رات آجائے اور اس کو اتنا مؤخر کرے کہ ستارے نظر آنے لگیں اور عشاء کی نماز رات کے پہلے حصے میں۔

۱۴۔ اور جمعہ کی نماز کے لئے جلدی کا حکم دے جب اس کے لئے ندا (اذاں) دی جائے اور نماز جمعہ کی طرف جانے سے پہلے غسل کرے۔

۱۵۔ اور آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے لے۔

۱۶۔ اور مسلمانوں پر جو زکوٰۃ فرض ہے اس کھیت کا عشر جو آسمانی پانی یا نہری پانی سے سیراب کی جائے اور اس زمین کا نصف عشر جو کنویں وغیرہ کے پانی سے سیراب کی جائے۔

۱۷۔ اور ہر دس اونٹوں میں دو بھیڑیں زکوٰۃ ہے اور ہر بیس اونٹوں میں چار بھیڑیں۔

۱۸۔ اور ہر چالیس گائیوں میں ایک گائے اور ہر تیس گائیوں میں اونٹنی کا پانچ سالہ بچہ (مذکر یا مؤنث)۔

۱۹۔ اور ہر چالیس چرنے والی بکریوں میں سے ایک بھیڑ۔

۲۰۔ پس یہ وہ فریضہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے پس جو اس میں اضافہ کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔

۲۱۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو خلوص دل کے ساتھ اسلام قبول کرے گا تو بے شک وہ مؤمنین میں سے ہے اور اس کے لئے وہی ہے جو ان کے لئے ہے اور اس پر وہی لازم ہے جو ان پر لازم ہے اور جو اپنے یہودی او عیسائی مذہب پر قائم رہے گا تو اس کو اس مذہب سے نہیں ہٹایا جائے گا اور ہر ان میں سے ہر مذکر و مؤنث آزاد اور غلام پر ایک پورا دینار یا اس کی قیمت کے برابر کپڑے دینا لازم ہے۔

۲۲۔ پس جو یہ جزیہ دے گا تو اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے اور جس نے یہ جزیہ دینے سے انکار کیا پس بے شک وہ اللہ اور اس کے رسول ا ﷺ اور تمام مؤمنوں کا دشمن ہے۔''

۸۔ دفاع (State Defence)

مکہ میں دعوت دین میں پیش آنے والی مشکلات اور ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ میں یہود، منافقین اور دیگر مضافاتی قبائل کی طرف سے متوقع خطرات کے پیش نظر ریاست مدینہ کے دفاع کو آئین مدینہ میں نمایاں اہمیت دی گئی۔ ریاست کے دفاع کو یقینی بنانے کے لئے وہ تمام اقدامات تجویز کیے گئے جو اس سلسلے میں ضروری تھے۔ دفاع کی اعلیٰ ترین اتھارٹی حضور نبی اکرم ﷺ تھے۔ ریاست کے دفاع کے حتمی فیصلے جنگ، امن، صلح اور معاہدات کرنے کا آخری اختیار آپ کے پاس تھا۔ ریاست کے دفاع کے حوالے سے جن امور کو طے کیا گیا وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ریاست مدینہ کے تمام باشندوں کے لئے امن اور جنگ کی حیثیت مساوی اور برابر ہوگی یعنی اگر امن ہوگا تو تمام باشندوں کے لئے اور جنگ ہوگی تو سارے باشندوں کیلئے۔ باہمی جنگ و جدل، خلفشار اور لاقانونیت کے مدنی معاشرے کے لئے امن اور جنگ کا یہ ضابطہ ایک ایسا بنیادی سنگ میل تھا جس نے آگے چل کر مدینہ میں امن اور بقائے باہمی کی راہ ہموار کی۔

۲۔ دفاعی اور عسکری اختیارات حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے یعنی جنگ شروع کرنے، ختم کرنے، جنگ میں کسی فرد، گروہ، قبیلہ یا ریاست کے شریک رہنے یا نہ رہنے اور مشتبہ لوگوں کو نکالنے سمیت تمام معاملات کے اختیارات آپ ﷺ کے پاس تھے۔ گویا عسکری اور پالیسی سازی راہنما ہوتے ہوئے حتمی فیصلے آپ نے ہی کرنے تھے۔ ریاست مدینہ کے آئین میں یہ

تجویز رکھ کر ریاست کے خلاف کسی بھی سازش یا مستقبل میں پیش آنے والی مشکلات کا خاتمہ کر دیا گیا۔

۳۔ ریاستی دفاع تمام افراد معاشرہ اور باشندگان ریاست کی مشترکہ ذمہ داری قرار دی گئی۔ یعنی اس امر کو طے کیا گیا کہ اگر کوئی دشمن ریاست مدینہ پر حملہ آور ہو تو لوگ وہاں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ تاہم جنگ کی صورت میں پیش آنے والی مشکلات کو حل کرنے کے لئے آئین مدینہ میں یہ طے کیا گیا کہ فوج میں جو بھی اخراجات ہوں گے وہ ہر قبیلہ، ہر محلّہ اور متعلقہ متاثر ہونے والا حصہ خود برداشت کرے گا۔ چونکہ اس وقت تک ریاست کا کوئی مرکزی خزانہ یا مالیاتی ادارہ موجود نہ تھا لہٰذا یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا کہ لوگ خود اختیاری اور رضا کارانہ بنیادوں پر ریاست کے دفاع کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

۴۔ اندرون ریاست امن و امان کے لئے بھی ضابطے طے کیے گئے کہ اگر کسی فیصلے میں جھگڑا رونما ہو تو اولین فیصلہ قبیلے کا سردار کرے گا۔ لیکن اگر اس کے باوجود بھی ایسا نہ ہو پایا تو اعلیٰ ترین اتھارٹی حضور نبی اکرم ﷺ ہوں گے، جن کے پاس معاملہ جائے گا اور آپ ﷺ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

۵۔ اندرون ریاست قیام امن کے لئے شدید ترین جرائم مثلاً قتل کی صورت میں قانون پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کے لئے ممکنہ اقدامات کو آئین کا حصہ بنایا گیا۔ مثلاً اگر کسی کے ذمہ قانون کے تحت فدیہ یا خون بہا ادا کرنا لازم ہو اور وہ ادا کرنے سے معذور ہو تو یہ مشترکہ ذمہ داری قرار دے دی گئی کہ وہ قبیلہ خود یا اس کا ہمسایہ قبیلہ یا ان کا مرکزی قبیلہ اس رقم کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور قانون کی پابندی ہر حال میں یقینی ہو۔

۶۔ دفاع کے باب میں نہ صرف باشندگان مدینہ بلکہ وہاں آباد اقلیتوں یعنی یہودیوں کے کردار اور ان کے حقوق و فرائض کا تعین بھی کیا گیا۔ حتی کہ اس بات کا تعین بھی کیا گیا کہ ریاست مدینہ کے مستقل دشمن قریش مکہ کے ساتھ اہل مدینہ کا طرز عمل، ضابطہ کار اور تعلقات کی نوعیت کیا ہو گی۔

اب ہم دستور کی ان دفعات کو بیان کرتے ہیں جو ریاستی دفاع سے متعلق ہیں:

(۱) ریاست کی اَعلیٰ عسکری اتھارٹی: رسول اللہ ﷺ

(Supreme Defence Authority of State: The Holy Prophet ﷺ)

وأنه لا يخرج منهم أحد إلا بإذن محمد۔(۱)

''اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر (فوجی کارروائی کے لئے) نہیں نکلے گا۔''

(۲) اِسلامی ریاست کے دشمنوں کی بیخ کنی

(Eradication of State Enemies)

و أنه لا تجار قريش ولا من نصرها۔(۲)

''اور قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔''

(۳) دشمن سے ساز باز وتعاوُن کی ممانعت

(Prohibition of Conspiracy Against Islamic State)

وأنه لا يجير مشرک مالاً لقريش ولا نفساً، ولا يحول دونه على مؤمن۔(۳)

''اور (مدینہ کی غیر مسلم رعیت میں سے) کوئی مشرک قریش کی جان و مال کو کوئی پناہ دے گا نہ ان کی خاطر کسی مومن کے آڑے آئے گا۔''

(۴) ریاستی دِفاع میں تمام طبقات کی شمولیت

(Involvement of all Communities in State Defence)

وأن على اليهود نفقتهم، وعلى المسلمين نفقتهم۔(۴)

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۱

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۳

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۵

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۴

’’اور یہودیوں پر ان کے خرچے کا بار ہوگا، اور مسلمانوں پر ان کے خرچے کا۔‘‘

وأن بينهم النصر علی من حارب أهل هذه الصحيفة۔[1]

’’اور جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے تو ان (یہودیوں اور مسلمانوں) میں باہم امداد عمل میں آئے گی۔‘‘

(۵) ریاست کے دِفاع کی ذمہ داری کا حق

(Responsibility of State Defence)

و أن بينهم النصر علی من دهم يثرب۔[2]

’’کسی بیرونی حملہ کی صورت میں ریاستِ مدینہ کا دفاع اِمدادِ باہمی کے تحت ان (یہودیوں اور مسلمانوں) کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی۔‘‘

(۶) دفاعی ذمہ داریوں کی تقسیم

(Right of Relaxation in Defence Responsibilities)

وأن كل غازيةٍ غزت معنا، يعقب بعضها بعضا۔[3]

’’اور ان تمام گروہوں کو جو ہمارے ہمراہ (دشمن کے خلاف) جنگ کریں باہم نوبت بہ نوبت رخصت دلائی جائے گی۔‘‘

(۷) ملکی دفاع میں مختلف طبقات کی نمائندگی کا حق

(Right of Representation in State Defence)

و أن اليهود ينفقون مع المؤمنين ما د اموا محاربين۔[4]

’’اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ (جنگی) اخراجات برداشت کرتے رہیں گے

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۵

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۴

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۲

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۹

جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں گے۔‘‘

(۸) خوں ریزی کے بدلہ کا حق

(Right to Retaliate the Bloodshed)

وأن المؤمنين يبيئ بعضهم عن بعض بما نال دماء هم فی سبيل الله۔[۱]

’’اور ایمان والے راہِ خدا میں اپنی ہونے والی خوں ریزی کا ایک دوسرے کے لیے (دشمن سے) انتقام لیں گے۔‘‘

(۹) دِفاعی کردار کی ادائیگی

(Defence Role of State Communities)

علی کل أناس حصتهم، من جانبهم الذی قبلهم۔[۲]

’’ہر گروہ کے حصے میں اُسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔‘‘

(۱۰) اَمن و سلامتی کا حق (Right of Security)

وأن سلم المؤمنين واحدة، لا يسالم مؤمن دون مؤمن فی قتال فی سبيل الله، إلا علی سواء و عدل بينهم۔[۳]

’’اور ایمان والوں کی صلح (معاہدۂ امن) ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی کے دوران کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔‘‘

وأنه من خرج آمن، ومن قعد آمن بالمدينة، إلا من ظلم و أثم۔[۴]

’’اور جو جنگ کو نکلے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا، اور جو مدینے میں بیٹھا رہے تو وہ بھی امن کا

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۳

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۷

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۱

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۲

مستحق ہوگا، سوائے اس کے جو ظلم اور قانون شکنی کا مرتکب ہو۔‘‘

(۱۱) باہمی جنگ و جدل سے تحفظ کا حق

(Right of Protection from Mutual Warfare)

وأن يثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحيفة۔(۱)

’’اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے) اس دستور والوں کے لیے حرم (دارالامن) ہوگا (یعنی یہاں آپس میں جنگ کرنا منع ہوگا)۔‘‘

(۱۲) زندگی کے تحفظ کا حق (Right of Life)

ولا يقتل مؤمن مؤمنا فی کافر، ولا ينصر کافرا علی مؤمن۔(۲)

’’اور کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا، اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔‘‘

وأن ذمة الله واحدة يجير عليهم أدناهم۔(۳)

’’اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے، ان (مسلمانوں) کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔‘‘

وأن الجار کالنفس غير مضار ولا آثم۔(۴)

’’پناہ گزین سے وہی برتاؤ ہوگا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ، اُسے ضرر پہنچایا جائے گا نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔‘‘

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۹
(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۷
(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۱۸
(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۰

۹۔ اُمور خارجہ (Foreign Affairs)

ریاستِ مدینہ کی پالیسی برائے خارجہ اُمور اُن آفاقی قواعد وضوابط اور اُصولوں پر مبنی تھی جو کسی بھی منظّم اور مہذب ریاست کے ہو سکتے ہیں۔ ریاستِ مدینہ نے خارجہ اُمور اور دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کار کے حوالے سے وہ نظری اور عملی بنیادیں فراہم کیں، جس سے آگے چل کر مسلم بین الاقوامی قانون وجود میں آیا اور اس کے دوسری اقوام پر بھی اثرات پڑے۔ تاریخ عالم میں بین الاقوامی قانون کے باب میں یونان کی شہری ریاستوں کے ہاں بین الاقوامی قانون سے متعلقہ دستاویزات کا وجود ملتا ہے۔ ان کا Treaty of Delphi بعد میں Amphictyonic League کے وجود میں آنے کا باعث بنا۔[1] جدید دور میں بین الاقوامی قانون کا آغاز Hugo Groitous (1583-1645) سے ہوتا ہے۔[2] تاہم مسلم و غیر مسلم بین الاقوامی قانون کا تقابلی مطالعہ بتاتا ہے کہ اِنسانی اَقدار و حرمت کا جتنا لحاظ مسلم قانون میں رکھا گیا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے نظام قانون میں نہیں ملتی۔ دنیائے عیسائیت کے کئی حکمرانوں نے ان تمام بین الاقوامی قوانین کو کالعدم قرار دے دیا تھا جو عیسائیت سے متعلق نہیں تھے۔[3]

اسلامی قانون کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں اصطلاحات سے لے کر تفصیلات تک ہر اَمر کا اِحاطہ کیا گیا ہے۔ مسلم قانون میں بین الاقوامی تعلقات کے باب میں عہد (pledge)، معاہدہ (treaty)، میثاق (covenant/pact)، صلح (peace treaty) اور حلف (alliance) کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔[4] مسلم ماہرین قانون نے معاہدہ کی جو تعریف کی ہے وہ جدید قانونی معیارات پر پورا اترتی ہے:

''معاہدہ سے مراد وہ عقد ہے جو کسی معاملے پر باہمی رضامندی سے طے پائے اور وہ

(1) Hugh Bowden, *Classical Athens and the Delphic Oracle, Divination and Democracy*, pp. 91, 138.
(2) Hugo Grotius, *On the Law of War & Peace*, - <http://www.constitution.org/gro/djbp.htm>
(3) http://en.wikipedia.org/wiki/Christian_opposition_to_anti-Semitism
(۴) سعدی ابوحبیب، موسوعہ الجماع فی الفقہ الاسلامی، ۱۵۱، ۲۷۰، ۳۶۶، ۴۱۵

قانون مضمرات رکھتا ہو۔‘‘[۱]

مغربی ماہرین قانون کے مطابق:

A treaty is a written agreement by which two or more States or international organizations create or intend to create a relation between themselves operating within the sphere of international law.[2]

’’میثاق سے مراد باقاعدہ معاہداتی دستاویز ہے جس کے ذریعے بین الاقوامی قانون کے تحت دو یا زیادہ ریاستیں باہم تعلقات قائم کرتی ہیں یا تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔‘‘

میثاق (treaty) کی مابین ریاستی معاہداتی حیثیت کو کئی دیگر سیاسی مفکرین نے بھی بیان کیا ہے۔[۳] جدید قانون (Vienna Convention on the Law of Treaties, 1969) میں کسی treaty کے معیاری ہونے کو جانچنے کے لئے اس کا درج ذیل اَجزاء پر مشتمل ہونا ضروری ہے:

1. Form
2. Preamble
3. Procedure for conclusion of treaty
4. Capacity to conclude a treaty
5. Mode or time of entry into force
6. Peiod of validatoin or duration
7. Procedure for amendments or modifications
8. Expression of consent to be bound by treaty
9. Grounds and procedure for termination

---

(۱) شیبانی، السیر الکبیر مع شرح سرخسی، ۴: ۶۰

(2) Lord A. McNair, *The Law of Treaties 4*, 1961.

(3) i. "*Draft Convention on the Law of Treaties*," 29 AM. J. INR'L L. (Supp.) 653, 657.

ii. Guyora Binder, *Treaty Conflict and Political Contradiction: The Dialectic of Duplicity*, p. 7.

iii. Oppenheim L., *International Law* Sec. 491, at 877.

10. Principle of Pacta Sunt Servenda[1]

ریاستِ مدینہ کے معاہدات اور دوسری اقوام وقبائل کے ساتھ طے پانے والی دستاویزات مذکورہ تمام تقاضوں کو بدرجہ اتم پورا کرتے ہیں اور ریاست مدینہ کی طرف سے ان معاہدات اور دستاویزات کی روح یعنی Pacta Sunt Servanda (معاہدات کا احترام کیا جائے گا)[۲] کا عملی مظاہرہ ابوجندل اور ابوبصیر کو واپس بھیج کر کیا گیا۔[۳]

ریاست مدینہ نے خارجہ امور کی انجام دہی میں جو اصولی اور عملی طریق کار اختیار کیا وہی آگے چل کر نہ صرف اسلامی بلکہ غیر اسلامی دنیا کے لئے بھی بین الاقوامی قانون وتعلقات کے باب میں رہنما ثابت ہوا۔ مغرب کا بین الاقوامی قانون اسلام کے قانونِ سِیَر کے زیر اثر ہی وجود میں آیا۔[۴]

اسلام کے بین الاقوامی قانون پر جسے ''السیر'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے، علمائے امت نے اس پر بہت تحقیقی کام کیا۔ امام محمد کی 'السیر الکبیر' اسلام کے بین الاقوامی قانون کے انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں نہ صرف ریاست اور ریاست کے درمیان تعلقات اور ان کے درمیان معاملات کو طے کرنا شامل کیا گیا ہے بلکہ اس امر کی توضیح وتشریح بھی کی گئی ہے اگر غیر ملک کے باشندے اسلامی ملک میں رہ رہے ہوں تو ان پر قانون کا اطلاق کس طرح ہو گا۔ اگر وہ اسلامی ریاست کے قانون سے رجوع کریں تو ان کے معاملات کا فیصلہ کس طرح کیا جائے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں ایک نوجوان (یہودی) جوڑے کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا جن پر زنا کا الزام تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا کہ زنا کا کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا: تورات میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کے منہ پر سیاہی لگا کر انہیں گدھے پر سوار کروا کر پورے شہر میں گھمایا جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور جب تورات لائی گئی تو اس یہودی اور حضرت عبد اللہ بن سلام کو آپ نے حکم

---

(1) *Vienna Convention on the Law of Treaties*, reprinted in S. Rosenne, *The Law of Treaties: A Guide to the Legislative History of the Vienna Convention 108*.
(2) Vladimir Uro Degan, *Sources of International Law*, p. 394.
(۳) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۸۶۲
(4) i. M De Taube, *Le Monde Le L'Islam et Son Influence Sur L'Europe Orientate*, pp. 380-397.
ii. Ernest Nys, Les Origines de droit international.

فرمایا کہ تورات پڑھ کر سناؤ۔ اس یہودی نے پڑھنا شروع کیا اور ایک مقام پر انگلی رکھ کر آگے پڑھا تو حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ انگلی کے نیچے کیا ہے؟ تو وہاں لکھا تھا کہ زنا کی سزا رجم ہے۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں رجم کروایا۔(۱)

اسی طرح اس حدیث اور دیگر احادیث اور روایات قرآنی کی روشنی میں اسلام کے بین الاقوامی قانون میں اس بات کی توضیح وتشریح بھی کی گئی ہے کہ اگر اجنبی لوگ اسلامی ریاست میں رہ رہے ہوں تو ان کے معاملات میں عدالتی چارہ جوئی کا طریقہ کار کیا ہوگا اور ان پر ان کا قانون اسلامی ریاست میں کس طرح نافذ کیا جائے گا۔

ریاست اور ریاست کے مابین معاملات سے متعلقہ بین الاقوامی قانون کے تمام ضوابط بھی آپ ﷺ نے طے فرمائے۔ جس میں قانون جنگ، قانون امن، قانون سفارت کاری، سفراء کا تقرر، ان کے فرائض اور ان کے منصب کے تقدس جیسی تمام تفصیلات شامل ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم دنیا میں مستقل سفیروں کا تقرر آج کی جدید مغربی دنیا سے دوسو سال پہلے شروع ہو چکا تھا۔

خارجہ تعلقات کے قرآنی اصول (Principles of Foreign Policy)

اسلامی ریاست کی دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہو؟ ہمیں اس کی بنیادی رہنمائی براہ راست قرآن حکیم سے ملتی ہے۔ قرآن حکیم سے ملنے والی رہنمائی کی روشنی میں حضور نبی اکرم ﷺ نے دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلقات استوار فرمائے اور اپنے عمل اور سنت سے قرآن حکیم کے اصولوں کی توضیح وتشریح فرمائی۔ ہم یہاں قرآن حکیم کی کچھ آیات بیان کر رہے ہیں جن کا تعلق براہ راست خارجہ تعلقات سے ہے:

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب قول اللہ تعالی یعرفونہ، ۳: ۱۳۳۰، رقم: ۳۴۳۶

۲۔ ابو داود، السنن، کتاب الحدود، باب رجم الحدود، ۴: ۱۵۳، رقم: ۴۴۴۶

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۲۷۹، رقم: ۴۴۳۴

فَعَلَيكُمُ النَّصرُ الَّا عَلَى قَومٍ بَينَكم وَبَينَهُم مِّيثَاق وَاللهُ بِمَا تعمَلُون بَصِير o[1]

''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور جو لوگ ایمان لائے (مگر) انہوں نے (اللہ کے لئے) گھر بار نہ چھوڑے تو تمہیں ان کی دوستی سے کوئی سروکار نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین (کے معاملات) میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر (ان کی) مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں (مدد نہ کرنا) کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح و امن کا) معاہدہ ہو، اور اللہ ان (کاموں) کو جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہےo''

۲۔ **اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ط اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَo**[2]

''سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ (اپنے عہد کو پورا کرنے میں) کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ پر کسی کی مدد (یا پشت پناہی) کی سو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک ان کے ساتھ پورا کرو، بیشک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہےo''

۳۔ **كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ج فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَo**[3]

''(بھلا) مشرکوں کے لئے اللہ کے ہاں اور اس کے رسول کے ہاں کوئی عہد کیونکر ہوسکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس (حدیبیہ میں) معاہدہ کیا ہے سو جب تک وہ تمہارے ساتھ (عہد پر) قائم رہیں تم ان کے ساتھ قائم رہو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہےo''

---

(۱) القرآن، الانفال، ۸: ۷۲

(۲) القرآن، التوبۃ، ۹: ۴

(۳) القرآن، التوبۃ، ۹: ۷

۴۔ وَاِنْ نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ○(۱)

''اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم (ان) کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو بیشک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تا کہ وہ (اپنی فتنہ پروری سے) باز آجائیں○''

۵۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط اَتَخْشَوْنَهُمْ ج فَاللهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○(۲)

''کیا تم ایسی قوم سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا حالانکہ پہلی مرتبہ انہوں نے تم سے (عہد شکنی اور جنگ کی) ابتداء کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو جبکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم مومن ہو○''

۶۔ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط اِنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ○(۳)

''اور تم اللہ کا عہد پورا کر دیا کرو جب تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد انہیں مت توڑا کرو حالانکہ تم اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنا چکے ہو بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو○''

۷۔ وَلاَ تَشتَرُوا بِعَهدِ اللهِ ثَمَنًا قَلِيلاً انَّمَا عِندَ اللهِ هُوَ خَير لَّكم ان كنتُم تَعلَمُونَ○(۴)

''اور اللہ کے عہد حقیر سی قیمت (یعنی دنیوی مال و دولت) کے عوض مت بیچ ڈالا کرو بیشک جو (اجر) اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (اس راز کو) جانتے ہو○''

---

(۱) القرآن، التوبة، ۹: ۱۲

(۲) القرآن، التوبہ، ۹: ۱۳

(۳) القرآن، النحل، ۱۶: ۹۱

(۴) القرآن، النحل، ۱۶: ۹۵

۸۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًاo[۱]

’’اور تم یتیم کے مال کے (بھی) قریب تک نہ جانا مگر ایسے طریقہ سے جو (یتیم کے لئے) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور وعدہ پورا کیا کرو بے شک وعدہ کی ضرور پوچھ گچھ ہوگیo‘‘

دستورِ مدینہ اور خارجہ تعلقات

(Constitution of Madina & Foreign Relations)

(۱) اَمن و اَمان کی ضمانت اور فروغ

(Guarantee of Promotion of Peace & Security)

وأن سلم المؤمنين واحدة، لا يسالم مؤمن دون مؤمن فی قتال فی سبيل الله، إلا علی سواء وعدل بينهم۔[۲]

’’اور ایمان والوں کی صلح (معاہدۂ امن) ایک ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے دوران کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا، جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔‘‘

(۲) بقائے باہمی کا اُصول (Principle of Peaceful Coexistence)

و إذا دعوا إلی صلح يصالحونه ويلبسونه، فإنهم يصالحونه ويلبسونه، وأنهم إذا دعوا إلی مثل ذلک فإنه لهم علی المؤمنين۔[۳]

’’اور اگر ان (یہودیوں) کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے، اور اگر وہ کسی ایسے ہی اَمر کے لیے بلائیں تو مومنین کا بھی فریضہ ہوگا

(۱) القرآن، الاسراء، ۱۷: ۳۴

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۱

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۵۵

کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں۔''

(۳) امن و صلح کی بنیاد دستور کا اِحترام ہوگا

(Reconciliation & Peace is Subject to Constitution)

و أنّ اللہ جار لمن برّ واتّقی، و محمّد رسول اللہ (ﷺ)۔[(۱)]

''جو اِس دستور کے ساتھ وفا شعار رہے اور نیکی و اَمن پر کاربند رہے، اللہ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) اس کے محافظ ونگہبان ہیں۔''

۴۔ ریاست مدینہ

(۴) خارجہ پالیسی پر مشتمل ریاست مدینہ کی آئینی دستاویزات

(Constitutional Documents of Madina's Foreign Policy)

ریاست مدینہ کے قریش، دیگر قبائل اور دوسرے علاقوں کے ساتھ طے پانے والے معاہدے ریاست کی خارجہ پالیسی اور اسلام کے قانون سیر کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہاں درج ذیل معاہداتی دستاویزات (Documents of Treaties) کا متن دیا جا رہا ہے:

۱۔ معاہدۂ حدیبیہ

۲۔ اہل ہمدان سے معاہدہ

۳۔ کسرائے فارس کے نام مکتوب

۴۔ اسیخب بن عبداللہ کے نام مکتوب

۵۔ نجاشی کے نام مکتوب

(i) معاہدۂ حدیبیہ

جس معاہدہ میں قریش کے وکیل سہیل بن عمرو تھے، اس قرارداد کا عنوان مختلف الفاظ میں ہے:

الف: **هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله وسهيل بن عمرو۔**

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۶۳

’’یہ معاہدہ ہے محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو کا۔‘‘

ب: **هذا ما قاضی علیه محمّد بن عبد الله أهل مکّة۔**

’’یہ معاہدہ ہے محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کا اہل مکہ سے۔‘‘

۱۔ باسمک اللّهمّ

۲۔ هذا ما صالح علیه محمد بن عبد الله سهیل بن عمرو

۳۔ و اصطلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یأمن فیهن الناس و یکف بعضهم عن بعض

۴۔ علی أنه من قدم مکة من أصحاب محمد حاجّاً أو معتمراً أو یبتغی من فضل الله فهو آمِنٌ علی دمه و ماله. و من قدم المدینة من قریش مجتازاً إلی مصر أو إلی الشام یبتغی من فضل الله فهو آمِنٌ علی دمه وماله.

۵۔ علی أنّه من أتی محمّداً من قریش بغیر إذن وَلیِّه ردّه علیهم، و من جاء قریشاً ممّن مع محمّد لم یردّوه علیه.

۶۔ و أن بیننا عیبة مکفوفة، و إنه لا إسلال و لا إغلال

۷۔ و أنّه من أحبَّ أن یدخل فی عقد محمّد و عهده دَخَلَه، و من أحبَّ أن یدخل فی عقد قریش و عهدهم دَخَلَ فیه.

فتواثبت خزاعة فقالوا: ’’نحن فی عقد محمد و عهد‘‘ و تواثبت بنو بکر فقالوا: ’’نحن فی عقد قریش و عهدهم‘‘.

۸۔ و أنت ترجع عنا عامک هذا، فلا تدخل علینا مکة، و أنه إذا کان عامٌ قابل، خرجنا عنک فدخلتَها بأصحابک فأقمتَ بها ثلاثًا، معک سلاح الراکب: السیوف فی القُرُب، ولا تدخلها بغیرها.

۹۔ و علی أن هذا الهدی حیث ما جئناه و محله فا تقدمه علینا

۱۰۔ أشهد علی الصلح رجال من المسلمین و رجال من المشرکین: أبو بکر الصدیق، و عمر بن الخطاب، و عبد الرحمن بن عوف، و عبدالله بن سهیل بن عمرو، و سعدُ بن أبی و قاص، و محمودُ بن مسلمة.

و مکرز بن حفص (و من المشرکین)

و علی بن أبی طالب و کَتَبَ۔[1]

ترجمہ:

''۱۔ اے اللہ! تیرے نام سے آغاز ہے!

۲۔ یہ معاہدہ صلح ہے محمد بن عبداللہ کا جو سہیل بن عمرو کے ساتھ ہوا ان شرائط پر:

۳۔ فریقین میں دس سال کے لئے جنگ کرنا ممنوع ہے

۴۔ ان دس برسوں میں اگر یاران محمد ﷺ مندرجہ ذیل تین اغراض میں سے کسی ایک کے لئے مکہ میں آئیں تو اھل مکہ پر ان کی جان اور مال کی ذمہ داری ہے۔

الف: حج کے لیے

ب: عمرہ کے لیے

ج: تجارت کے لیے

اگر قریش تجارت کے لئے مدینہ کے راہ سے مصر یا شام کی طرف جائیں تو مسلمان ان کی جان اور مال کے ذمہ دار ہوں گے۔

۵۔ اہل مکہ میں سے جو شخص اپنے خاندانی سربراہ کی اجازت کے بغیر مسلمان ہوکر مدینہ چلا آئے تو محمد ﷺ پر اس کا مکہ لوٹا دینا واجب ہے۔

بخلاف اس کے اگر کوئی شخص مدینہ میں سے اسلام ترک کرکے مکہ میں پناہ گزین ہو تو

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۲۵

۲۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۱۲۳

قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

۶۔ ایک دوسرے کے خلاف کسی خفیہ سازش یا کینہ پروری کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ ان قبائل میں سے جو قبیلہ اھل مکہ کے ساتھ معاہد رہنا چاہے وہ مختار ہے اگر کوئی قبیلہ اسی قبیلہ کی مانند محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے تو یہ بھی آزاد ہے۔

(اس موقعہ پر بنوخزاعہ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ۔)

۸۔ اس مرتبہ محمد ﷺ اور آپ کے ہمراہیوں کو عمرہ کئے بغیر واپس لوٹنا ہوگا۔

آئندہ سال وہ مکہ میں عمرہ کے لئے آنے کے مجاز ہیں۔

ان کے داخلے پر قریش اور ان کے ہمسائے شہر خالی کر دیں گے۔

مسلمان اپنے ساتھ صرف سواری کے شایاں اسلحہ لا سکتے ہیں مگر تلواریں میان میں ہوں نہ کہ کسی اور غلاف سے ڈھکی ہوئی۔

انہیں مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام کی اجازت نہ ہوگی۔

۹۔ مسلمان اس سفر میں عمرہ کے لئے ھدی کے جانور جو اپنے ہمراہ لاتے ہیں وہ منیٰ میں لے جا کر ذبح نہیں کئے جا سکتے۔

۱۰۔ فریقین میں سے اس معاہدہ پر مندرجہ ذیل افراد کے دستخط ہوئے مسلمانوں میں سے اور مشرکین میں سے:

۱۔ ابوبکر صدیق	۵۔ عبداللہ بن سہیل بن عمرو
۲۔ عمر بن الخطاب	۶۔ محمود بن سلمہ
۳۔ عبدالرحمٰن بن عوف	۷۔ مکرز بن حفص
۴۔ سعد بن ابی وقاص	

محرر وثیقہ : علی بن ابی طالب

(ii) حضور ﷺ کا وفدِ ہمدان کے لیے نامۂ مبارک

بسم الله الرحمن الرحیم

هذا كتاب من محمّد رسول الله إلى مخلاف خارف و أهل جناب الهضب و حفاف الرمل. مع وافدها ذي المشعار مالک بن نمط، و من أسلم من قومه علىٰ أنّ لهم فراعها ووهاطها و عزازها ما أقاموا الصلاة، و آتوا الزكاة، يأكلون علافها، و يرعون عفاها، لنا من دفئهم و صرامهم ما سلّموا بالميثاق والأمانة، ولهم من الصدقة الثلب والناب والفصيل والفارض (والداجن) والكبش الحوري، وعليهم الصالغ والقارح۔[1]

ترجمہ:

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحیم ہے۔ اور یہ خط حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مخلاف خارف اور اہل جناب الھضب اور ریت والی زمین میں رہنے والوں اور ان کے ساتھ ذی مشعار مالک بن نمط کے وفود کے لیے ہے اور اس (ذی شعار مالک بن نمط) کی قوم میں جو ایمان لایا تو ان کے لئے ہے اس زمین کے بلند پہاڑ اور پرسکون جگہیں اور ایسی بنجر زمینیں جن کا کوئی مالک نہیں ہے جب تک وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ وہ اس کا اناج کھائیں گے (یا ان کے جانور اس زمین کا چارہ کھائیں گے) اور ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہیں اس کی دیکھ بھال کریں گے اور ہمارے لئے ہے ان کے اونٹوں کی انتاجات اور ان کے پھل جب تک وہ معاہدہ اور امانت کی پاسداری کریں گے اور ان کے لیے ہے۔''

(۱) ۱۔ زینی دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۳: ۸۹

۲۔ خفاجی، نسیم الریاض، ۱: ۳۹۲

۳۔ قاضی عیاض، الشفا، ۱: ۱٦۸

۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۴: ۲٦۹

(iii) حضور ﷺ کا کسرائے فارس کے لیے نامۂ مبارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمّد رسول اللہ إلی کسری عظیم فارس: سلام علی من اتبع الھدی، و آمن باللہ و رسولہ، و شھد أن لا إلہ إلّا اللہ وحدہ لا شریک لہ، و أنّ محمدًا عبدہ و رسولہ، أدعوک بدعایۃ اللہ فإنی أنا رسول اللہ إلی الناس کافۃ لأنذر من کان حیًا و یحق القول علی الکافرین أسلم تسلم، فإن أبیت فعلیک إثم المجوس۔[1]

ترجمہ:

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے عظیم فارس کے بادشاہ کسریٰ کے نام۔ اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور یہ گواہی دی کہ کوئی الہ نہیں مگر اللہ جو احد ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد اس کا بندہ اور رسول ہے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تا کہ میں اس کو ڈراؤں جو زندہ ہے اور تا کہ کافروں پر عذاب برحق ہوجائے۔ تم اسلام لاؤ، سلامتی پاجاؤ گے اور اگر تم نے انکار کیا تو تم پر (تیری رعایا) تمام مجوس (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ ہوگا۔“

(iv) حضور ﷺ کا اسیخب بن عبد اللہ کے لیے نامۂ مبارک

إنہ قد جاءني الأقرع بکتابک و شفاعتک لقومک و إني قد شفعتک

---

(۱) ۱۔ حلبی، السیرۃ النبویۃ، ۳: ۲۷۷
۲۔ زیني دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۳: ۶۵
۳۔ یعقوبي، التاریخ، ۲: ۲۶
۴۔ ابن کثیر، البدایۃ و النھایۃ، ۴: ۲۶۹
۵۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۲۱۳
۶۔ طبري، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۱۴۴

وصدقت رسولک الأقرع في قومک فأبشر فيما سألتني بالذي تحبّ، و لكنّي نظرت أن أعلمه و تلقاني، فإن تجئنا أكرمک، و إن تقعد أكرمک.

أمّا بعد! فإنّي لا أستهدى أحدًا و إن تهد إليّ أقبل هديتک و قد حمد عمّا لي مكانک، و أوصيک بأحسن الّذي أنت عليه من الصّلاة و الزّكاة، و قرابة المؤمنين، و إنّي قد سمّيت قومک بني عبد الله، فمرهم بالصّلاة و بأحسن العمل، و أبشر، و السّلام عليک و على قومک المؤمنين۔[1]

ترجمہ:

''بے شک میرے پاس اقرع نامی قاصد تمہارا خط اور تمہاری اپنی قوم کے لئے سفارش لے کر آیا ہے اور بے شک میں نے تمہاری سفارش قبول کر لی ہے اور تمہارے قاصد اقرع کی تمہاری قوم میں تصدیق کر دی ہے۔ پس تجھے اس چیز کے بارے خوشخبری ہو جس کا تو نے مجھ سے سوال کیا، اس چیز کا واسطہ دے کر جس کو تو پسند کرتا ہے لیکن میں نے غور کیا کہ میں اس کو سکھاؤں اور تو مجھ سے ملاقات کرے۔ پس اگر تو ہمارے پاس آئے گا تو میں تیری عزت کروں گا اور اگر تو نہیں آئے گا پھر بھی میں تمہاری عزت کروں گا۔

''امابعد بے شک میں کسی سے ہدیہ طلب نہیں کرتا اور اگر تو تم ہدیہ پیش کروگے تو میں تیرا ہدیہ قبول کروں گا اور میرے عمّال نے تمہارے مقام و مرتبہ کی تعریف کی ہے۔ اور میں تجھے نماز، زکوۃ اور قرابت مؤمنین کے جس مقام پر تو ہے اس سے بہتر کی وصیت کرتا ہوں۔ اور بے شک میں نے تمہارے قوم کا نام عبداللہ رکھا ہے۔ پس تو انہیں نماز اور اچھے اعمال کا حکم دے اور تجھے خوشخبری ہو اور تجھ پر اور تیری مومن قوم پر سلامتی ہو۔''

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۷۵
۲۔ ابن حجر عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۱: ۱۰۶
۳۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۱۰۷
۴۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ۱: ۳۴۸

(۷) حضور ﷺ کا نجاشی کے لیے نامۂ مبارک

بسم الله الرحمن الرحیم

هذا کتاب من محمّد رسول الله إلی النّجاشي الأصحم عظیم الحبشة سلام علٰی من اتّبع الهدی، و آمن بالله و رسوله، و شهد أن لا إله إلّا الله وحده لا شریک له لم یتخذ صاحبة و لا ولدًا و أن محمّدًا عبده و رسوله، أدعوک بدعایة الله فإنّي أنا رسوله، فأسلم تسلم یا أهل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا و بینکم ألا نعبد إلا الله و لا نشرک به شیئًا و لا یتخذ بعضنا بعضا أربابًا من دون الله فإن تولّوا فقولوا اشهدوا بأنّا مسلمون فان أبیت فعلیک إثم النصاری من قومک۔[1]

ترجمہ:

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی اَصحم حبشہ کے عظیم بادشاہ کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور یہ گواہی دی کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ بے شک میں اس کا رسول ہوں۔ پس تم اسلام لاؤ سلامت رہوگے۔ اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم نہ عبادت کریں مگر اللہ کی اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہی ہم سے بعض بعض کو رب مانیں اللہ کے مقابلہ میں۔ پس اگر تم پیٹھ پھیر لو اور یہ کہو کہ یہ گواہی دو کہ ہم مسلمان ہیں۔ پس اگر تو نے انکار کیا تو تجھ پر تیری قومِ نصاریٰ (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ ہوگا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۲: ۷۸

۲۔ حاکم، المستدرك، ۲: ۶۲۳

۳۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ۲۱۰

۴۔ ابن کثیر، البدایة و النهایة، ۳: ۸۳

۵۔ زیني دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۳: ۶۹

کامیاب دفاعی اور خارجہ پالیسی کے اَثرات وثمرات

(Effects of Successful Defence & Foreign Policy)

دعوت اسلام کے آغاز سے یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی کامیاب دعوتی پالیسی کا اثر تھا کہ آنے والے ہر دن میں اسلام فروغ پذیر رہا اور باوجود بے شمار مشکلات، رکاوٹوں اور مخالفین کی سازشوں کے اسلام کا اثر و رسوخ کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا گیا۔ جب ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو دعوت اسلام کے فروغ کے لئے اپنی دعوتی حکمت عملی کے ساتھ خارجہ حکمت عملی بھی آپ کا مرکز توجہ رہی۔ جس نے اسلام کے فروغ کی رفتار کو کئی گنا تیز کر دیا۔ یہ آپ ﷺ کی کامیاب دفاعی پالیسی ہی تھی ہجرت کے بعد آپ نے ایک غیرمنظّم معاشرے پر مشتمل جس مختصر سی شہری ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔ جب آپ ﷺ کے وصال کے وقت اس ریاست کا رقبہ ۳۰ لاکھ مربع کلو میٹر سے زیادہ تھا۔ یہ ساری توسیع محض آئینی اور سیاسی اقدامات کے نتیجے میں ہوئی اور آپ ﷺ نے جنگیں بھی تب ہی لڑیں جب وہ ناگزیر تھیں۔ اگر آپ ﷺ کی دفاعی حکمت عملی، آپ ﷺ کی زیر قیادت ہونے والی جنگوں، غزوات اور سرایا کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں بھی کئی ایسے پہلو ہیں، جن کی نظیر تاریخ انسانی میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ ان جنگوں میں دشمن کے جتنے لوگ مرے ان کی اوسط تعداد مہینے میں دو سے زیادہ نہیں۔ دس سال کی مدت میں ان جنگوں میں کم وبیش دو سو چالیس افراد مارے گئے اور مسلمانوں کا سب زیادہ نقصان صرف جنگ احد میں ہوا جب کہ شہید ہونے والے افراد ۷۰ کے قریب تھے لیکن اتنی کثرت سے جانی نقصان بھی محض مسلمانوں کی اپنی غلطی اور حضور نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی دفاعی پالیسی پر عمل پیرا نہ ہونے سے ہوا۔ دشمنوں کے قتل ہونے کی مہینے میں اوسطاً دو سے بھی کم تعداد اس امر کی دلیل ہے کہ ریاست مدینہ میں آپ ﷺ کی دفاعی اور خارجہ پالیسی آپ ﷺ کی پیغمبرانہ بصیرت، تدبر اور معاملہ فہمی کی مظہر ہے جو نہ صرف اہل اسلام بلکہ عالم انسانیت کے لئے ہدایت کا وسیع سامان رکھتی ہے۔

۱۰۔ اَقلیتیں (Minorities)

اسلام سے پہلے اقلیتوں کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اقلیتوں کو معاشرے میں وہی مقام عطا کیا جو معاشرے کے بنیادی شہریوں کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے اقلیتوں کی جان و مال، عزت و آبرو، ناموس حتی کہ ان کے مذہبی حقوق کے تحفظ کو آئین کا حصہ

بنایا چونکہ اقلیتوں کا معاملہ، خصوصاً اسلامی ریاست کے تناظر میں اس دور کا ایک بہت ہی اہم سوال بن چکا ہے۔ لہٰذا ہم نہ صرف آئین مدینہ بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دیگر فرامین کی روشنی میں بھی اس امر کی توضیح کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو کون سے حقوق اور تحفظات حاصل ہیں۔

(ا) اَقلیتوں کے حقوق کے لیے فرامینِ نبوی

(Holy Prophet's Instructions for Minorities' Rights)

۱۔ **قال ﷺ لأهل الذمة: ما أسلموا عليه من ذراريهم و أموالهم و أراضيهم وعبيدهم ومواشيهم، وليس عليهم إلا الصدقة۔** (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ذمی کے لئے وہ کچھ ہے جس کے لئے اس نے اطاعت کی۔ذمی کی اولاد اموال، اراضی، غلام اور ان کے مواشی کا خیال رکھو۔ ان پر صدقہ کے سوا کچھ نہیں۔''

۲۔ **قال ﷺ: المؤمنون تتكافأ دماؤهم، و يسعى بذمتهم أدناهم، لا يقتل مسلم بكافر، ولا ذو عهد في عهده۔** (۲)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مومنوں کے خون آپس میں برابر اور ان کے ذمہ کی ادائیگی کے لئے ان میں سے جو ادنی ہیں وہ بھی کوشش کریں۔ کسی کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے اور کسی معاہد کو اس کی مدت معاہدہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔''

۳۔ **قال ﷺ: إذا ظلم أهل الذمة، كانت الدولة دولة العدو، و إذا كثر الزنا كثر السبا، و إذا كثر اللوطية رفع الله يده عن الخلق، ولا يبالي في أي واد هلكوا۔** (۳)

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۵۷
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۳۲

(۲) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۲۹
۲۔ دارقطني، السنن، ۳: ۹۸
۳۔ أبو يعلىٰ، المسند ۸: ۱۹۷

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الكبر، ۲: ۱۸۴، رقم: ۱۷۵۲
۲۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۵: ۲۰۰

’’جب ذمیوں پر ظلم کیا جائے تو (اسلامی) مملکت دشمن مملکت ہوگی۔ اور جب زنا کثرت میں ہو جائے تو قیدی کثرت سے ہو جاتے ہیں اور جب لوطی کثرت سے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ مخلوقات سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور وہ پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہو رہے ہیں۔‘‘

۴۔ **قال ﷺ: من قتل نفسا معاهدًا لم يرح رائحة الجنة، و أن ريحها ليوجد من مسيرة أربعين عاماً۔** (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی معاہد (جس سے معاہدہ کیا ہوا ہو) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک محسوس ہوتی ہے۔‘‘

۵۔ **قال ﷺ: من قتل معاهدًا فی غیر کنهه، حرّم الله عليه الجنّة۔** (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص معاہد کو بغیر کسی وجہ سے قتل کر دے اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دیتا ہے۔‘‘

٦۔ **قال ﷺ: منعني ربي أن أظلم معاهدًا ولا غيره۔** (۳)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے روکا ہے کہ میں معاہد اور اس کے علاوہ کسی پر ظلم کروں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الديات، باب، إثم من قتل، ٦: ۲۵۳۳، رقم: ٦۵۱٦

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الدیات، باب ما جاء فیمن یقتل نفسا معاهدتا، ۴: ۲۰، رقم: ۱۴۰۳

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الوفاء، ۳: ۸۳، رقم: ۲۷٦۰

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴: ۲۲۱، رقم: ۲٦۹۴۹

۳۔ أحمدبن حنبل، المسند، ۵: ۳۸

۴۔ حاکم، المستدرك، ۲: ۱۵۴

(۳) حاکم، المستدرك، ۲: ٦۷۸

۷۔ قال ﷺ أنا أکرم من وفیَّ بذمته۔[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اس معاہد کی عزت کرتا ہوں جو اپنے عہد کو وفا کرتا ہے۔''

۸۔ قال ﷺ: من کان بینه وبین قوم عهد، فلا یشد عقدة ولا یحلها، حتی ینقضي أمرها أو ینبذ إلیه علی سواء۔[2]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص اور قوم کے درمیان کوئی عہد ہو وہ نہ تو اسے مضبوط کرے اور نہ ہی پامال کرے یہاں تک کہ معاملہ پورا ہو جائے اور اس کا حق برابر اس کو ادا کر دیا جائے۔''

۹۔ قال ﷺ: لعلّکم تقاتلون قومًا فتظهرون علیهم، فیتّقونکم بأموالهم دون أنفسهم و أبنائهم قال سعید فی حدیثه فیصالحونکم علی صلح ثم اتفقا فلا تصیبوا منهم شیئًا فوق ذلک فإنه لا یصلح لکم۔[3]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شاید تم کسی قوم سے جنگ کرو گے اور ان پر غالب آ جاؤ گے۔ پس وہ اپنے آپ کو اور اپنے بیٹوں کو تم سے بچائیں گے اپنے اموال کے ساتھ۔ پھر تم سے ایک چیز پر صلح کریں گے۔ یہاں دونوں راوی متفق ہیں پس تم اس سے زیادہ ان سے کوئی چیز نہ لینا کیونکہ یہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔''

۱۰۔ قال ﷺ: من قتل معاهدًا له ذمّة اللہ و ذمّة رسوله، فقد خفر ذمة اللہ، ولا یرح رائحة الجنة، و أن ریحها لیوجد من مسیرة سبعین عاما۔[4]

---

(۱) ۱۔ دار قطني، السنن، ۳: ۱۳۴
۲۔ بیہقي، السنن الکبری، ۸: ۳۰

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۱۱

(۳) أبوداود، السنن، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اهل الذمه، ۳: ۱۷۰، رقم ۳۰۵۱

(۴) حاکم، المستدرک، ۲: ۱۳۸، رقم: ۲۵۸۱

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو ایسے معاہد کو قتل کرے گا جو اللہ اور اس کے رسول (محمد ﷺ) کے عہد میں ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آتی ہوگی۔‘‘

۱۱۔ **قال ﷺ: من قتل نفسًا معاهدة بغير حلّها، حرّم الله عليه الجنة أن يشّم ريحها۔**(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص معاہد کو اس کے حق کے بغیر قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حتی کہ جنت کی خوشبو بھی حرام فرما دے گا۔‘‘

۱۲۔ **قال ﷺ: من أمن رجلاً على دمه فقتله، فأنا بريء من القاتل، و إن كان المقتول كافرًا۔**(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی شخص کو اپنے خون پر امین بنایا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو میں قاتل سے بری ہوں اگرچہ مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

۱۳۔ **قال ﷺ: حسن العهد من الإيمان۔**(۳)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عہد کی اچھی طرح نگہداشت ایمان میں سے ہے۔‘‘

۱۴۔ **عن حذيفة بن اليمان قال: ما منعني أن أشهد بدرًا إلا أني خرجت أنا و أبي حسيل. قال: فأَخَذَنا كفّار قُريش، قالوا: إنّكم تريدون محمّدًا، فقلنا: ما نريده، ما نريد إلا المدينة، فأخذوا منّا عهد الله و ميثاقه، لننصرفنّ إلى المدينة ولا نقاتل معه، فأتينا رسول الله ﷺ فأخبرناه الخبر، فقال:**

---

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب القسامہ، باب تعظیم قتل المعاہد، ۸: ۲۵، رقم: ۴۷۴۸

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۲۴۱، رقم: ۴۸۸۲

(۲) ۱۔ أحمد، المسند، ۵: ۲۲۴

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۴۱

(۳) حاكم، المستدرك، ۱: ۶۲

انصرفا، نفي بعهدهم و نستعين الله عليهم۔(۱)

’’حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے کسی چیز نے غزوہ بدر میں حاضر ہونے سے نہ روکا مگر یہ کہ میں ابی حسیل کے ساتھ نکلا پس ہم کو کفارِ قریش نے آ لیا۔ انہوں نے کہا کیا تم محمد کو چاہتے ہو؟ ہم نے کہا ہم ان کو نہیں بلکہ مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ پس انہوں نے ہم سے اللہ کا عہد اور میثاق لیا کہ ہم ضرور بضرور مدینہ کی طرف جائیں گے لیکن ہم ان (حضور) کی معیت میں (کفار کے خلاف) قتال نہیں کریں گے۔ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو خبر دی تو انہوں نے فرمایا: تم دونوں واپس لوٹ جاؤ ہم ان کے عہد کے ساتھ وفا کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے ہم ان کے مقابلے میں مدد چاہیں گے۔‘‘

۱۵۔ **قال ﷺ: خيار عباد الله الموفون المطيبون۔**(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو وعدہ وفا کرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔ پاک وصاف حق پورا کرنے والوں کو۔‘‘

۱۶۔ **قال ﷺ: من أمن رجلاً على دمه، فقتله وجبت له النار، و إن كان المقتول كافرًا۔**(۳)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کو امان دے اور پھر اسے قتل کر دے اس پر جہنم کی آگ واجب ہوگئی اگرچہ قتل ہونے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

۱۷۔ **قال ﷺ: من أمن رجلًا على دمه فقتله، فإنه يحمل لواء غدر يوم القيامة۔**(۴)

---

(۱) ۱۔ احمدبن حنبل، مسند، ۵: ۳۹۵
۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۳: ۱۶۲
۳۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۴۲۷

(۲) ۱۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۳۴۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۶۸

(۳) طبراني، المعجم الکبير، ۲۰: ۴۱

(۴) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الديات، باب من امن رجلا۲: ۸۹۶، رقم: ۲۶۸۸
۲۔نسائی، السنن ، ۵: ۲۲۵رقم: ۸۷۳۹

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کو امان دے کر قتل کرے تو قیامت کے دن غداری اور مکر کا جھنڈا اٹھائے گا۔''

۱۸۔ قال ﷺ: ما بال أقوام جاوز بهم القتل اليوم حتى قتلوا الذرية، ألا إن خياركم أبناء المشركين، ألا لا تقتلوا ذرية، ألا لا تقتلوا ذرية، كل نسمة تولد على الفطرة، فما نزال عليها حتى يعرب عنها لسانها، فأبواها يهودّانها أو ينصرانها۔(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان اقوام کو کیا ہوگیا جن میں قتل حد سے تجاوز کر گیا یہاں تک کہ انہوں نے اولاد کو قتل کر ڈالا خبر دار! تم میں سے بہتر مشرکین کے بچے ہیں خبردار! اولاد کو قتل نہ کرو، خبردار! اولاد کو قتل نہ کرو ہر جان فطرت پر پیدا ہوتی ہے اور وہ اسی فطرت پر رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی زبان اس کے بارے میں بیان نہ کرے۔ پس اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔''

۱۹۔ عن أبي عياض قال: قال عمر: لا تشتروا رقيق أهل الذمة فإنّهم أهل خراج، و أرضهم فلا تبتاعوها، ولا يقرن أحدكم بالصغار بعد إذ أنجاه الله منه۔(۲)

''حضرت ابو عیاض سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ذمیوں سے آٹا نہ خریدو کیونکہ وہ اہل خراج میں سے ہیں اور نہ ہی ان کی زمین کی خرید و فروخت کرو اور تم میں سے کوئی بھی کسی کو حقیر نہ جانے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے نجات دی ہے۔''

۲۰۔ عن زياد بن حدير أن أباه كان يأخذ من نصراني العشر في كلّ سنة مرتين، فأتى عمر بن الخطاب، فقال: يا أمير المؤمنين إنّ عاملک يأخذ مني العشر في كلّ سنة مرّتين، فقال عمر: ليس ذلک له، إنما له في كل سنة مرّة، ثم أتاه فقال: أنا الشيخ النصراني، فقال عمر: و أنا الشيخ الحنيف، قد كتبت لک في حاجتک۔(۳)

---

(۱) دارمي، السنن، ۲: ۲۹۴

(۲) بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۹: ۱۴۰

(۳) بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۱۱

’’زیاد بن حدیر سے مروی ہے کہ اس کا باپ نصرانی سے سال میں دو مرتبہ عشر وصول کرتا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کا عامل مجھ سے سال میں دو مرتبہ عشر وصول کرتا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے لئے یہ جائز نہیں اسے چاہیے کہ وہ سال میں ایک دفعہ عشر لے پھر وہ آیا گیا تو اس نے کہا: میں بوڑھا نصرانی ہوں۔ آپ نے فرمایا میں شیخ حنیف (مسلمان) ہوں۔ میں نے آپ کی ضرورت لکھ دی ہے۔‘‘

۲۱۔ قال ﷺ: ليس على العبد الآبق إذا سرق قطع، ولا على الذمي۔[۱]

’’باغی غلام جب چوری کرے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹیں جائیں اور نہ ہی ذمیوں کے۔‘‘

۲۲۔قال ﷺ: من قذف ذميًّا حدّ له يوم القيامة بسياط من نار۔[۲]

’’حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے ذمی پر حد قذف لگائی قیامت کے دن کو آگ کے کوڑوں سے مارا جائے گا۔‘‘

۲۳۔ عن ابن عباس: أن النبي ﷺ كتب إلى حبر تيماء يسلم عليه۔[۳]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے تیماء کے یہودی عالم کی طرف لکھا کہ وہ اسلام قبول کرے۔‘‘

۲۴۔ عن أبي موسى قال: كانت اليهود يتعاطسون عند النبي ﷺ رجاء أن يقول: يرحمكم الله، وكان يقول: يهديكم الله و يصلح بالكم۔[۴]

---

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۴۲۴
۲۔ دار قطني، السنن، ۳: ۸۶،
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۴۷۹

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۵۷، رقم: ۱۳۵
۲۔ ہيثمي، مجمع الزوائد، ۶: ۲۸۰

(۳) ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۴۹۷

(۴) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأدب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء كيف تشميت العاطس، ۵: ۸۲، رقم: ۲۷۳۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۰۰
۳۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۲۹۸، رقم: ۷۶۹۲

''حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ یہودی حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس اس امید سے چھینکتے کہ آپ ان کے لئے فرمائیں: یرحمکم الله (اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے) لیکن آپ فرماتے: اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست فرمائے۔''

۲۵۔قال ﷺ: إذا فتحت مصر فاستوصوا بالقبط خيرًا، فإن لهم ذمّة ورحمًا۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب مصر فتح ہو جائے تو قبط کے بارے میں اچھی وصیت کرو کیونکہ ان کے لئے ذمہ بھی ہے اور رحم بھی۔ (کیونکہ حضرت ہاجرہ جو عربوں کی ماں ہے وہ قبطیہ تھیں۔)''

۲۶۔عن جابر: أن عمر قال: يا رسول الله! ائذن لي فأقتل ابن صياد، قال: إن ين هو فلست صاحبه إنما صاحبه عيسى ابن مريم، و إن لم يكن هو فليس لک أن تقتل رجلاً من أهل العهد۔ (۲)

''حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اجازت دیں میں ابن صیاد کو قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک وہ تمہارا صاحب نہیں ہے بلکہ وہ عیسیٰ ابن مریم کا صاحب ہے اگر وہ ایسا نہ ہو تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو اہل عہد میں سے کسی کو قتل کرے۔''

۲۷۔قال ﷺ: دية الذمي دية المسلم۔ (۳)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ذمی کی دیت مسلمان کی دیت ہے۔''

---

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۲: ۶۰۳
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۹: ۶۱
۳۔ أبو نعيم، دلائل النبوة، ۱: ۲۲۶

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۲: ۶۰۳
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۹: ۶۱
۳۔ أبونعيم، دلائل النبوة، ۱: ۲۲۶

(۳) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۶: ۱۲۸
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۴۱

۲۸۔ عن إبراهيم: أن رجلاً مسلماً قتل رجلاً من أهل الكتاب من أهل الحيرة فأقاد منه عمر۔(۱)

''ابراہیم سے روایت ہے کہ ایک مسلمان آدمی نے اہل حیرہ میں سے اہل کتاب کا کوئی آدمی قتل کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے قصاص لیا۔''

۲۹۔ عن أبي حنيفة عن الحكم بن عتيبة أن عليًّا قال: دية اليهودي والنصراني و كلّ ذميّ مثل دية المسلم قال أبو حنيفة: و هو قولي۔(۲)

''یہودی نصرانی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے حضرت ابوحنیفہ نے فرمایا: یہ میرا قول ہے۔''

۳۰۔ عن ابن جريج قال: أخبرني عمرو بن شعيب أن رسول الله ﷺ فرض على كل مسلم قتل رجلاً من أهل الكتاب أربعة آلاف درهم، و أنه ينفى من أرضه إلى غيرها۔(۳)

''ابن جریج سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عمرو بن شعیب نے بتایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر مسلمان پر جس نے اہل کتاب میں سے کوئی آدمی قتل کیا ہو چار ہزار درہم فرض قرار دیئے اور یہ کہ اس کو اپنی زمین سے کسی دوسری زمین کی طرف جلاوطن کر دیا جائے۔''

۳۱۔ عن معمر عن الزهري قال: دية اليهودي والنصراني والمجوسي و كلّ ذمي دية المسلم، قال: و كذلک كانت على عهد رسول الله ﷺ و أبي بكر و عمر و عثمان، حتى كان معاوية فجعل في بيت المال نصفها، و أعطى أهل المقتول نصفها۔(۴)

---

(۱) عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۱۰۱

(۲) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۶: ۱۲۸

۲۔ دارقطني، السنن، ۳: ۱۴۹،

۳۔ طبري، جامع البيان فی تفسير القرآن، ۵: ۲۱۳

(۳) عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۹۲

(۴) عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۹۶

''زہری روایت کرتے ہیں۔ یہودی، نصرانی، مجوسی ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر، عمر، عثمان کے زمانے میں تھا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ نے بیت المال میں اس کا نصف مقرر کیا اور مقتول کے اہل کو اس کا نصف دیا۔''

۳۲۔ قال ﷺ: لا تدخلوا بیوت أهل الذمة إلا باذن۔[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بغیر اجازت کے اہل الذمہ کے گھر میں مت داخل ہو۔''

۳۳۔ قال ﷺ: إذا مرت علیکم جنازة مسلم أو یهودي أو نصراني فقوموا لها، فإنا لیس لها نقوم، إنما نقوم لمن معها من الملائکة۔[2]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس سے کسی مسلمان، یہودی یا نصرانی کا جنازہ گزرے تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ ہم اس کے لئے کھڑے نہیں ہوتے ہم تو اس کے ساتھ جو فرشتے ہیں ان کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔''

۳۴۔ قال ﷺ: إن الرجل إذا أدّب الأمة فأحسن أدبّها ثم أعتقها فتزوّجها، کان له أجران اثنان، و إنّ الرّجل من أهل الکتاب إذا آمن بکتابه ثم آمن بکتابنا فله أجران اثنان، و أن العبد إذا أدّی حقّ الله و حقّ سیده کان له أجران اثنان۔[3]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اس کے لئے دو ثواب ہیں جو آدمی اہل کتاب میں سے ہے جب وہ اپنی کتاب پر ایمان لائے پھر ہماری کتاب پر ایمان لے آیا اس کے لئے دو ثواب ہیں اور جو غلام اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا کا حکم مانے تو اس کے لئے بھی دو ثواب ہیں۔''

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۱۲۰، رقم: ۵۸۵۰
(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۱۳
(۳) حمیدی، المسند، ۲: ۳۳۹

(۲) دستورِ مدینہ اور اَقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

(Minorities' Rights in Constitution of Madina)

(i) غیر مسلموں کے لیے زندگی کے تحفظ کا حق

(Right of Life for Minorities)

و أنه من تبعنا من یهود، فإن له النصر والأ سوة غیر مظلومین، ولا متناصر علیهم۔[۱]

’’اور یہودیوں میں سے جو ہماری (ریاستِ مدینہ کی) اتباع کرے گا اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی، بغیر اس پر کوئی ظلم روا رکھے ہوئے اور بغیر اس کے خلاف کسی کی مدد کیے ہوئے۔‘‘

(ii) آئینی اور قانونی مساوات کی ضمانت

(Guarantee of constitutional & legal equality)

و أن یهود الأوس موالیهم و أنفسهم علی مثل ما لأهل هذه الصحیفة مع البرّ المحض من أهل هذه الصحیفة۔[۲]

’’اور (قبیلہ) اَوس کے یہودیوں کو ...... موالی ہوں یا اَصل ...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اِس دستور والوں کو حاصل ہیں، اور وہ بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔‘‘

(iii) اَقلیتوں کے حقوق کی حفاظت

(Protection of the Rights of Minorities)

وأن یهود بنی عوف أمة مع المؤمنین، للیهود دینهم، و للمسلمین دینهم، موالیهم و أنفسهم إلا من ظلم و أثم، فإنه لا یوقع إلا نفسه و أهل بیته۔[۳]

---

(۱) میثاق مدینه، آرٹیکل: ۲۰

(۲) میثاق مدینه، آرٹیکل: ۵۸

(۳) میثاق مدینه، آرٹیکل: ۳۰

''اور بنو عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودیوں کے لیے اُن کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہے خواہ اُن کے موالی ہوں یا وہ بذاتِ خود ہوں؛ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا اِرتکاب کرے تو اُس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔''

و أن ليهود بني النجار مثل ما ليهود بني عوف۔(۱)

''اور بنو نجار کے یہودیوں کو بھی بنو عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن ليهود بني الحارث مثل ما ليهود بني عوف۔(۲)

''اور بنو حارث کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن ليهود بني ساعدة مثل ما ليهود بني عوف۔(۳)

''اور بنو ساعدہ کے یہودیوں کو بھی بنو عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن ليهود بني جشم مثل ما ليهود بني عوف۔(۴)

''اور بنو جشم کے یہودیوں کو بھی بنو عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن ليهود بني الأوس مثل ما ليهود بني عوف۔(۵)

''اور بنو اَوس کے یہودیوں کو بھی بنو عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

و أن ليهود بني ثعلبة مثل ما ليهود بني عوف، إلا من ظلم و أثم فإنه لا يوقع إلا نفسه و أهل بيته۔(۶)

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۱

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۲

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۳

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۴

(۵) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۵

(۶) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۶

''اور بنو ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی بنو عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا اِرتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔''

و أن جفنة بطن من ثعلبة كأنفسهم۔[(۱)]

''اور (قبیلہ) جفنہ کو بھی ...... جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے ...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو (قبیلہ) ثعلبہ کو حاصل ہیں۔''

و أن لبني الشطيبة مثل ما ليهود بني عوف، و أن البر دون الإثم۔[(۲)]

''اور بنو شطیبہ کو بھی بنو عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے، اور (اِس دستور سے) وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔''

و أن موالي ثعلبة كأنفسهم۔[(۳)]

''اور بنو ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنو ثعلبہ کو۔''

و أن بطانة يهود كأنفسهم۔[(۴)]

''اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اَصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

(iv) مذہبی آزادی کی ضمانت (Freedom of Religion & Culture)

و أن يهود بني عوف أمة مع المؤمنين، لليهود دينهم، و للمسلمين دينهم، مواليهم و أنفسهم إلا من ظلم و أثم، فإنه لا يوقع إلا نفسه و أهل بيته۔[(۵)]

''اور بنو عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کیے جاتے ہیں۔

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۷

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۸

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۹

(۴) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۰

(۵) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۳۰

یہودیوں کے لیے اُن کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہے خواہ اُن کے موالی ہوں یا وہ بذاتِ خود ہوں؛ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا اِرتکاب کرے تو اُس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔‘‘

(v) اَقلیتوں کا دِفاعی کردار (Role of Minorities in State Defence)

و أن الیھود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین۔(۱)

’’اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ (جنگی) اَخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔‘‘

۳۔ اَقلیتوں کے حقوق آئینی دستاویزات کی روشنی میں

(Minorities' rights in constitutional documents of Seerah)

اقلیتوں کے حقوق اور تحفظ کے لئے قرآن و سنت میں وارد ہدایت اور دستور مدینہ میں طے کردہ اصولوں پر عمل مدینہ میں آپ کے دس سالہ دور اقتدار اور خلفائے راشدین کے زمانے میں کاملاً (in letter and spirit) جاری رہا، جس کے مظہر چند آئینی و قانونی نظائر یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ اہل ایلہ کے نام آپ کا مکتوب

۲۔ حضرت عمر کا فارس اور مدائن کے عیسائیوں کے لئے معاہدہ

۳۔ ابوموسیٰ اشعری کے نام حضرت عمر کا مکتوب

(i) اہلِ ایلہ کے نام آپ کا مکتوب

إلی مُرُیُحَنَّۃ بن رُؤْبَۃ وَ سَروات أھل أیلۃَ: سلم أنتم، فإنی أحمد إلیکم اللہ الذی لا إلہ إلا ھو، فإنی لم أکن لأقاتلَکم حتی أکتبَ إلیکم، فأسلِم أو أعطِ الجزیۃَ، و أطع اللہ و رسولہ، و رسل رسولہ، و أکرمھم، و اکسھم کسوۃً حسنۃً غیرہ کسوۃ الغزآء، واکس زیداً کسوۃً حسنۃً، فمھما رضیَتُ

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۸

رسلي رضيتُ، و قد عُلِمَ الْجزيةُ. فإن أردتم أن يأمنَ البرُّ و البحر فأطِعِ اللّٰهَ و رسوله. و يُمنَع عنكم كل حق كان للعرب و العجم إلا حق الله و حق رسوله. و إنك إن رددتهم و لم تَرْضهم لا آخُذ منكم شيئاً حتى أقاتلكم فأسبي الصغير و أقتل الكبير، فإني رسول الله بالحق أومن بالله و كتبه و رسله، و بالمسيح ابن مريم أنه كلمة الله، و إني أومن به أنه رسول الله.

وائتِ قبل أن يمسّكم الشر، فإني قد أوصيتُ رسلي بكم. و أعطِ حرملة ثلاثة أوسق شعير، و إن حرملة شفع لكم. و إني لو لا الله و ذلك، لم أراسلكم شيئاً حتى ترى الجيش. و إنكم إن أطعتم رسلي، فإن الله لكم جار و محمد و من يكون منه.

وإن رسلي شرحبيل و أُبَيٌّ و حرملةُ و حريثُ بن زيد الطائي. فإنهم مهما قاضوك عليه فقد رضيتُه، و إن لكم ذمةَ الله و ذمةَ محمد رسول الله.

والسلام عليكم ان أطعتم و جهزوا أهل مقنا إلى أرضهم۔[1]

ترجمہ:

''مريحنه بن رؤبه اور أهل أيله کے سرداروں کی طرف

''سلامت رہو، پس بے شک میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بھی شکر بجالاتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ بیشک میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہارے ساتھ قتال کروں یہاں تک کہ میں تمہاری طرف لکھ نہ لوں، پس تم اسلام قبول کرلو یا جزیہ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے رسول ﷺ کے پیامبروں کی پیروی اور عزت کرو اور ان کو اچھا لباس پہناؤ نہ کہ لڑائی لڑنے والوں کا لباس اور زید کو اچھا لباس پہناؤ۔ پس جب تک میرے پیامبر راضی ہیں میں بھی راضی ہوں، اور تحقیق تمہیں جزیہ معلوم ہو چکا ہے پس اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بر و بحر سلامت رہیں تو اللہ اور

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۲۷۷

۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۴: ۱۱۴

اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لاؤ اور تم سے ہر عرب و عجم کا حق روکا جاتا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق اور اگر تم نے میرے پیامبروں کو واپس لٹا دیا اور ان کو راضی نہ کیا تو میں تم سے اس وقت تک کوئی چیز نہیں لوں گا جب تک میں تمہارے چھوٹوں کو قیدی نہ بنالوں اور تمہارے بڑوں کو قتل نہ کرلوں۔ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا برحق رسول ہوں اللہ تعالیٰ اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں اور مسیح ابن مریم پر جو کہ کلمۃ اللہ ہیں اور میں ان پر یہ بھی ایمان رکھتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

''پس جزیہ دو قبل اس کے کہ تمہیں شر پہنچے پس بے شک میں نے اپنے پیامبروں کو تمہارے لئے وصیت کی ہے اور حرملہ کو تین اوسق جو دو بے شک حرملہ تمہارے لئے شفاعت ہے اور بے شک میں اگر مجھے اللہ اور حرملہ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں کبھی بھی تمہاری طرف خط نہ بھیجتا یہاں تک کہ تم جیش اسلامی کو دیکھ نہ لیتے اور اگر تم نے میرے پیامبروں کی اطاعت کی تو بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اور میں محمد اور جو ہم میں سے ہے وہ تمہارا مددگار ہوگا اور بے شک میرے پیامبر شرجیل اور ابی اور حرملہ اور حریث بن زید طائی ہیں پس تمہارے لئے جو فیصلہ وہ کریں گے میں اس پر راضی ہوں اور بے شک تم پر اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا ذمہ ہے۔ اور تم پر سلامتی ہو اگر تم اللہ اور اس کی اطاعت بجالاؤ اور اہلِ مقنا کو ان کی زمین پر سامان مہیا کرو۔''

(ii) حضرت عمر کا فارس اور مدائن کے عیسائیوں کے لئے معاہدہ

و توفى أبوبكر، و ولى الأمر بعده عمر بن الخطاب، ففتح البلاد و قرّر الخراج على ما تحتمله أحوال الناس. و بقى ذلک التقرير إلى أيام معاوية بن أبي سفيان. و لقيه إيشوعيب الجاثليق، و خاطبه بسبب النصارى. فكتب له عهداً نسخته:

هذا كتاب من عبدالله عمر بن الخطاب أمير المؤمنين:

لأهل المدائن، و بهر سير، و الجاثليق بها، و قسانها، و شمامستها، جعله عهداً مرعياً، و سجلاً منشورًا، و سنة ماضيةً فيهم، و ذمةً محفوظةً لهم فمن كان عليها كان بالإسلام متمسكاً، و لما فيه أهلاً. ومن ضيّعه و نكث

العهد الذى فيه، و خالفه و تعدى ما أمر به، كان لعهد الله ناكثاً، و بذمته مستهينًا، سلطاناً كان أو غيره من المسلمين.

أما بعد: فإنى أعطيتكم عهد الله و ميثاقه، و ذمة أنبيائه و رسله، و أصفيائه و أوليائه من المسلمين، على أنفسكم و أموالكم و عيالاتكم و أرجلكم (كذا)، و أمانى من كل أذًى. و الزمتُ نفسى أن أكون من ورائكم، ذابًّا عنكم كل عدو يريدنى و إياكم، بنفسى و أتباعى و أعوانى و الذابين عن بيضة الإسلام و أن أعزل عنكم كل أذى فى المؤن التى يحملها أهل الجهاد من الغارة، فليس عليكم جبر و لا إكراه على شىء من ذلك. ولا يغير أسقف من أساقفتكم ولا رئيس من رؤسائكم، و لا يهدم بيتٌ من بيوت صلواتكم ولا بيعة من بيعكم، ولا يدخل شيء من بنائكم إلى بناء المساجد ولا منازل المسلمين، ولا يعرض لعابر سبيل منكم فى أقطار الأرض، ولا تكلفوا الخروج مع المسلمين إلى عدوهم لملاقاة الحرب. ولا يجبر أحد ممن كان على ملة النصرانية على الإسلام، كرهاً لما أنزل الله إليه كتابه: ”لا إكراه فى الدين قد تبيّن الرشد من الغيّ“، ولا تجاد لوا [أهل الكتاب] إلا بالتى هى أحسَن.

و تكف أيدى المكروه عنكم حيث كنتم، فمن خالف ذلك فقد نكث عهد الله و ميثاقه، و عهد محمد ﷺ و خالف ذمة الله و العهد الذى استوجبوا به حقن الدماء، و استحقوا أن يذب عنهم كل مكروه لأنهم نصحوا و أصلحوا و نصروا الإسلام

ولى شرط عليهم: ألايكون أحد منهم عينا لأحد من أهل الحرب على أحد من المسلمين فى سرٍ ولا علانية، ولا يؤوى فى منازلهم عدوَا للمسلمين، فيكون منه وجود فرصة أو غِرَّةُ و ثبة، ولا يرفدوا أحداً من أهل الحرب على المؤمنين و المسلمين بقوةِ عارية، لسلاح ولا خيل ولا رجال، ولا

يدلوا أحداً من الأعداء ولا يكاتبوه و عليهم إن احتاج المسلمون إلى اختفاء أحد منهم عندهم و فى منازلهم، أن يخفوه ولا يظهروا العدوَّ عليه، و يرفدوهم و يواسوهم ما أقاموا عندهم. ولا يخدوا شيئًا مما شرط عليهم. فمن نكث منهم شيئًا من هذه الشروط و تعداها إلى غيرها، فقد برىء من ذمة الله و رسوله (عليه الصلاة والسلام). و عليهم تلك العهود والمواثيق التى أخذت على الأخبار و الرهبان و النصارى من أهل الكتاب، و أشد ما أخذ الله على أنبيائه من الأيمان بالوفاء أين كانوا و على الوفا، بما جعلتُ لهم على نفسي و على المسلمين رعايته لهم لمعرفتهم به و الانتهاء إليه، حتى تقوم الساعة و تنقضى الدنيا.

شهد على ذلک عثمان بن عفان، و المغيرة بن شعبة، فى سنة سبع عشرم للهجرة۔[1]

ترجمہ:

’’حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ان کے بعد عنانِ حکومت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنبھالی آپ رضی اللہ عنہ نے بلاد کو فتح کیا اور لوگوں پر ان کے حسبِ حال خراج کا حکم دیا اور یہ خراج کا حکم حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت تک جاری رہا اور آپ رضی اللہ عنہ سے ایشوعیب جاثلیق ملا اور نصاریٰ کے بارے آپ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک معاہدہ لکھا جس کا نسخہ یہ ہے:

’’یہ خط ابوعبد اللہ عمر بن الخطاب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل مدائن اور بہر سیر اور اس میں بسنے والے جاثلیق اور قسان اور شامسہ کے لئے ہے۔

’’آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا ایک ایسا معاہدہ بنایا جس کی رعایت کو ضروری قرار دیا اور ایک نشر کیا جانے والا رجسٹر اور ایک ایسا طریقہ اور سنت جو ان میں گزر چکی تھی اور ایک ایسا ذمہ جس کو ان کے لئے محفوظ کر دیا گیا تھا پس جو اس معاہدہ پر عمل پیرا ہوا وہ متمسک بالاسلام

(۱) حمیداللہ، الوثائق السیاسیة: ۱۶۳

اور جو کچھ اس میں ہے اس کا اہل ٹھہرا اور جس نے اس کو ضائع کر دیا اور اس عہد کو جو اس میں ہے توڑ ڈالا اور اس کی مخالفت کی اور جس چیز کا اس کو حکم دیا گیا اس سے اس نے تجاوز کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو توڑنے والا اور اس کے ذمہ سے مذاق اڑانے والا ٹھہرا چاہے وہ بادشاہ ہے یا مسلمانوں میں سے کوئی اور۔ اما بعد

''پس بے شک میں نے تمہیں اللہ کا عہد اور میثاق دیا ہے اور اس کے انبیاء اور رسولوں اور مسلمانوں سے اصفیاء اور اولیاء کا ذمہ دیا ہے۔

''تمہاری جانوں، تمہارے اموال، تمہارے خاندان اور تمہارے آدمیوں کے لئے اور تمہیں ہر اذیت سے امان دیا ہے اور یہ بات میں نے اپنے اوپر لازم کر لی ہے میں (تمہاری مدد کے لئے) تمہارے پیچھے رہوں اور تم سے ہر اس دشمن کو جو مجھے اور تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے اپنی کوشش اپنے پیروکاروں اور مددگاروں سے دور ہٹاؤں اور یہ کہ میں تم کو ہر اس تکلیف سے دور رکھوں جو اہل جہاد حملہ کرتے وقت اٹھاتے ہیں پس تم پر اس جہاد کے معاملہ میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے۔

''اور تمہارے پادریوں میں سے کسی پادری کو تبدیل نہیں کیا جائے گا اور اسی طرح تمہارے روؤسا میں سے کسی رئیس کو بھی تبدیل نہیں کیا جائے گا اور تمہارے عبادت والے گھروں میں سے کسی گھر کو نہیں گرایا جائے گا اور نہ ہی تمہاری بیعتوں میں سے کسی بیعت کو توڑا جائے گا اور تمہارے بیٹوں میں سے کوئی بھی کسی مسجد کی عمارت یا مسلمانوں کے گھروں میں داخل نہیں ہو گا اور زمین پر آباد ملکوں میں تمہارے کسی راہگیر کے آڑے نہیں آیا جائے گا اور نہ تمہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی خاطر ان کے دشمنوں کی طرف جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

لا إكراه فی الدين قد تبيّن الرّشد من الغيّ۔[1]

''دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۲۵۶

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ۔[1]

’’اور (اے مومنو!) اہلِ کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو۔‘‘

’’اور یہ کہ برائی والے ہاتھ تم جہاں کہیں بھی ہو رک جائیں پس جس نے اس کی مخالفت کی تحقیق اس نے اللہ کا عہد اور میثاق اور حضور نبی اکرم ﷺ کا عہد توڑ ڈالا اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اس عہد کی مخالفت کی جس کے ذریعے تم نے اپنے خونوں کو بہنے سے بچایا اور اس بات کے حق دار ٹھہرے کے تم سے ہر بری چیز کو دور کیا جائے کیونکہ اس طرح تم خیرخواہ ہوئے اور صلح کی اور اسلام کی مدد کی۔ اور میری ان پر ایک شرط ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اہل حرب میں سے کسی کے لئے مسلمانوں میں سے کسی ایک پر جنگ کے لئے خفیہ یا اعلانیہ جاسوسی نہ کرے اور نہ ہی اپنے گھروں میں مسلمانوں کے دشمنوں کو پناہ دے کہ اس سے کسی کو کوئی فرصت ملے یا کسی پر حملے کا موقع ملے۔ اور نہ ہی مؤمنوں اور مسلمانوں پر جنگ کرنے والوں میں سے کسی ایک کی عاریہ قوت کے ساتھ مدد کریں کسی اسلحہ کی صورت میں نہ کسی گھوڑے کی صورت میں اور نہ ہی آدمیوں اور نہ ہی دشمنوں میں سے کسی کی راہنمائی کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ مکاتبہ (خط و کتابت) کریں اور ان پر یہ لازم ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی ان کے ہاں یا ان کے گھروں میں چھپنا چاہے تو وہ اس کو چھپائیں اور دشمن کو اس پر مطلع نہ کریں۔ اور جب تک وہ ان کے پاس رہے وہ اس کی مدد کریں اور اس کی داد رسی کریں۔

’’اور یہ کہ جو شرائط ان پر عائد کی گئی ہیں اس میں سے کسی شرط سے بھی پہلوتہی نہ کریں پس ان میں سے جس کسی نے بھی ان شرائط میں سے کسی شرط کو توڑا اور اس سے کسی اور شرط کی طرف تجاوز کیا پس وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمے سے بری ہے اور ان پر وہ عہود اور مواثیق لاگو ہوں گے جو اہل کتاب میں سے احبار، رھبان اور نصاری پر لیے گئے اور شدید ترین چیز جس کا عہد اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء سے لیا وہ وفاء پر ایمان لانا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔

’’اور مجھ پر اس چیز کے ساتھ وفاء کرنا لازم ہے جس کو میں نے ان کے لئے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور مسلمانوں پر ان کے لئے اس عہد کی پاسداری لازم ہے کیونکہ ان کی

(۱) القرآن، العنکبوت، ۲۹: ۴۶

پہچان اس کے ساتھ ہے اور ان کی انتہاء اسی پر ہے یہاں تک کہ قیامت آجائے اور دنیا ختم ہوجائے۔

''اس پر عثمان بن عفان اور مغیرہ بن شعبہ نے گواہی دی۔ سن ۱۷ ہجری۔''

(iii) ابو موسیٰ اَشعری کے نام حضرت عمر کا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

۱۔ من عبد اللہ عمر أمیر المؤمنین، إلی عبد اللہ بن قیس، (یعنی أبا موسی الأشعری) سلام علیک.

۲۔ أما بعد: فإن القضاء فریضة محکمةٌ و سنة متبعة. فافهم إذا أدلی إلیک، فإنه لا ینفع تکلم بحق لا نفاذ له.

۳۔ آسِ بین الناس فی مجلسک و وجهک، حتی لا یطمع شریف فی حیفک، ولاییأس ضعیف من عدلک.

۴۔ البیّنة علی من ادَّعی، و الیمین علی من أنکر.

۵۔ و الصلح جائز بین الناس، إلا صلحاً أحل حراماً أو حرّم حلالاً.

۶۔ ولایمنعنک قضاءٌ قضیته بالأمس فراجعتَ فیه نفسک و هدیت لرشدک أن ترجع إلی الحقَّ فإن الحقّ لا یبطله شیء، و اعلم أن مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل.

۷۔ الفهم الفهم فیما یتلجلج فی صدرک مما لیس فیه قرآن ولا سُنَّة. و اعرف الأشباه و الأمثال. ثم قس الأمور بعد ذلک، ثم اعمد أحبِّها إلی اللہ و أشبهها بالحق فیما تری.

۸۔ اجعل لمن ادَّعی حقًّا غائبًا أمداً ینتهی إلیه. فإن أحضر بینةً أخذ بحقه، و إلا استحللتَ علیه القضاء.

۹۔ والمسلمون عدول فی الشهادةً إلا مجلودًا فی حدٍ، أو مجرَّبًا علیه شهادة زُور، أو ظنیناً فی ولاءٍ أو قرابةٍ. إن اللہ تولی منکم السرائر

و درأ عنكم بالبينات.

١٠۔ و إيّاك و القلق والضجر و التأذِّي بالخصوم في مواطن الحق التي يوجب الله به الأجر و يُحسن الذخر، فإنه من صلحت سريرته فيما بينه و بين الله، أصلح الله ما بينه و بين الناس و من تزين للدنيا بغيرما يعلم الله منه شانه الله فإن الله لا يقبل من عباده إلا ما كان خالصاً. فما ظنك بثواب عند الله في عاجل رزقه و خزائن رحمته.

والسلام۔[1]

ترجمہ:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

١۔ امیر المؤمنین عمر کی طرف سے حضرت عبد اللہ بن قیس (یعنی ابو موسیٰ اشعری) کی طرف۔ تم پر سلامتی ہو۔

٢۔ اس کے بعد: بے شک قضاء ایک مضبوط اور پختہ فریضہ اور اتباع شدہ سنت ہے جب کوئی اپنا جھگڑا تیری طرف لے کر آئے تو اس کو اچھی طرح سمجھ پس بے شک ایسی حق کی بات جس کا نفاذ نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

٣۔ اپنی مجلس اور چہرے کے تاثرات کے ساتھ لوگوں کی ڈھارس بڑھاؤ یہاں تک کہ کوئی دنیوی اعتبار سے بڑا آدمی تیری موت کی لالچ نہ کرے اور کوئی کمزور تیرے انصاف سے مایوس نہ ہو۔

۴۔ دلیل پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم اٹھانا اس کے ذمہ ہے جو دعوی کا انکار کرے۔

۵۔ اور لوگوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے وہ جائز نہیں۔

٦۔ اور تجھے کوئی قضاء (فیصلہ) جس کو تو نے گذشتہ کل کیا پھر تو نے اس میں نظر ثانی کی اور تو سابقہ فیصلہ کو درست نہ پائے تو تجھ پر لازم ہے کہ تو حق کی طرف رجوع کرے

(١) بيهقي، السنن الكبرى، ١٠: ١٥٠

کیونکہ حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرسکتی اور یہ جان کہ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر اصرار کرنے سے بہتر ہے۔

۷۔ جو چیز تیرے سینے میں کھٹکے اس میں سے جو قرآن و سنت میں سے نہیں ہے تو اس کو اچھی طرح سمجھ اور اشباہ اور امثال کو اچھی طرح سمجھ پھر اس کے بعد معاملات کو قیاس کر پھر وہ معاملات جو اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ اور حق کے ساتھ زیادہ مشابہ ہیں ان پر اعتماد کر۔

۸۔ اور وہ شخص جو کسی غائب حق کا دعویٰ کرے اس کے لئے ایک مدت مقرر کر پھر اگر وہ گواہ پیش کرے تو اپنا حق لے لے وگرنہ تو اس پر قضاء جاری کر۔

۹۔ اور تمام مسلمان شہادت دینے کے لئے عدول ہیں مگر وہ جس پر حد جاری ہو چکی ہو، یا جس پر جھوٹی گواہی ثابت ہو چکی ہو یا اپنی قرابت اور دوستی میں تہمت شدہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے بھیدوں کو جانتا ہے اور تم سے دلیلوں کے ساتھ شبہات کو دور کرتا ہے۔

۱۰۔ وہ مواطن حق جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اجر اور نیکیوں کا ذخیرہ بڑھاتا ہے ان میں پریشانی، تکلیف اور جھگڑے سے بچ پس جس شخص کا خفیہ معاملہ اس چیز میں جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے بہتر ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان ہے بہتر بنادے گا اور جس شخص نے دنیا کے لئے زینت کو اختیار کیا بغیر اس کے جو اللہ اس سے چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو عیب لگائے گا۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے صرف اس چیز کو پسند فرماتا ہے جس میں اخلاص ہو اور تو اللہ کے جلد رزق مہیا کرنے اور رحمت کے خزانوں کے بارے میں جانتا ہے۔

والسلام۔

۱۱۔ نظام کا تسلسل (Continuity of System)

کسی بھی اعلیٰ ترین نظام کو قائم کر لینا اتنی بڑی بات نہیں، اصل عظمت اس امر میں ہے اس نظام کے تسلسل کی ضمانت کیا ہے؟ اگر کوئی بہت ہی مثالی اور تاریخی اہمیت کا حامل نظام قائم ہو لیکن وہ تسلسل کے ساتھ آگے نہ چل سکے تو وہ ایک تاریخی واقعہ ہے، روایت نہیں۔ ریاست مدینہ کا قیام اور آئین مدینہ کا نفاذ و اجراء اس لحاظ سے بھی تاریخ انسانی میں نمایاں اور امتیازی حیثیت کا حامل ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات، اپنے عمل و سنت سے آئین کی تشکیل اور قیام ریاست کے لئے ایسی بنیادیں فراہم کیں جن میں نہ صرف اس نظام کے قیام بلکہ آنے والے زمانوں میں اس نظام کے مسلسل جاری رہنے کی ضمانت موجود تھی۔ آپ ﷺ نے اکثر اوقات اپنے خطبات، ہدایات اور تعلیمات کے ذریعے صحابہ کرام کی ایسی تربیت فرمائی کہ آپ ﷺ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد وہ اس نظام کے تسلسل اور جاری رہنے کے علم بردار بن گئے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں خلفاء راشدین کے اقدامات سے حضور نبی اکرم ﷺ کی قائم کردہ ریاست کی بنیادیں مستحکم ہوئیں اور وہ ریاست آنے والی مسلم تہذیب کے لئے بھی ایک مثالی نمونہ قرار پائی۔ تاریخ انسانیت میں یہ دور ہر حوالے سے ایک رہنما دور قرار پایا۔ اب ذیل میں ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے کچھ ایسے فرامین دے رہے ہیں جن میں حضور ﷺ کے قائم کردہ نظام کے تسلسل کی ضمانت موجود ہے:

(۱) اللہ کے حقوق کی تلقین (Divine Rights must be Observed)

اَلاَ! فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ، وَ صَلُّوْا خَمْسَکُمْ، وَ صُوْمُوْا شَهْرَکُمْ، وَ اَدُّوْا زَکوٰةَ اَمْوَالِکُمْ طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسُکُمْ، وَ تَحُجُّوْا بَيْتَ رَبِّکُمْ، وَ اَطِيْعُوْا وَلَاةَ اَمْرِکُمْ، تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّکُمْ۔[۱]

”لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل اَمر

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الجمعه، باب عنه، ۲: ۵۱۶، رقم: ۶۱۶

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۲۲: ۳۱۶، رقم۷۹۷

کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

(۲) قانون کی حکمرانی کی تلقین (Rule of Law in Future)

وَ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ یَئِسَ مِنْ اَنْ یُّعْبَدَ فِی أَرْضِکُمْ هٰذِهِ اَبَدًا، وَلٰکِنْ سَتَکُوْنُ لَهُ طَاعَةٌ فِیْمَا تُحَقِّرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِکُمْ، فَسَیَرْضٰی بِهِ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰی دِیْنِکُمْ۔(۱)

''شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہے۔ اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔''

(۳) نظامِ اِسلام کا فروغ اِجتماعی ذِمّہ داری ہے

(Continuity of system is collective responsibility)

اَلا! فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ۔(۲)

''سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔''

(۴) حضور نبی اکرم ﷺ نے نظام کے نفاذ کا حق ادا کر دیا

(Holy Prophet enforced the system in ideal form)

وَ اَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّیْ، فَمَا ذَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا: نَشْهَدُ أَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ أَدَّیْتَ وَ نَصَحْتَ۔(۳)

''اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانتِ

---

(۱) طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۲: ۲۰۵

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبة أیام منی، ۲: ۶۲۰، رقم: ۱۶۵۴

(۳) مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب حجة النبي ۲: ۸۹۰، رقم: ۱۲۱۸

(دین) پہنچا دی اور آپ نے حقِ رِسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔‘‘[1]

فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَآءِ وَ يَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔[2]

’’یہ سن کر حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ دعا فرمائی: ’’خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا۔‘‘

۱۲۔ آئینِ مدینہ اور دساتیرِ عالم کے ارتقاء کا تقابلی جائزہ

(Comparative Analysis of Development of Constitution of Madina & World Constitutions)

تاہم افسوسناک امر یہ ہے کہ دنیا کے سیاسی اور آئینی ارتقا کے سارے سفر میں مغربی مصنفین کو اسلام اور سیرت محمدی ﷺ کا کوئی کردار نظر نہیں آتا حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ یورپ نے اپنا موجودہ آئینی و سیاسی سفر صدیوں میں طے کیا۔ اگر ہم دور جدید کے آئینی اور قانونی تصورات کا بنظر غائر جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کے عطا کردہ تصورات نہ صرف مغربی آئینی و دستوری اور سیاسی تصورات سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہیں بلکہ ان کے اثرات بھی مغربی تصورات پر واضح ہیں۔ اس ذیل میں ہم درج ذیل بنیادی تصورات کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ دستور (Constitution)

۲۔ حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty)

۳۔ قانون سازی (Legislation)

۴۔ حکومت بطور معاہدہ عمرانی (Government as Social Contract)

۵۔ تصور حکومت بطور امانت (Government as Trust)

---

(۱) خطبه حجة الوداع

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب حجة النبي، ۲: ۸۹۰، رقم: ۱۲۱۸

(۱) دستور (Constitution)

آئین سے مراد ایک ایسی منظّم تحریری دستاویز ہے جس میں وہ تمام قواعد وضوابط بیان کیے جاتے ہیں جن کے تحت کسی تنظیم یا ریاست کو چلایا جاتا ہے۔ مغربی قانون میں لفظ constitution لاطینی لفظ *constitutio* سے نکلا ہے،(۱) جس سے مراد کوئی خاص قانون ہوتا تھا جو بادشاہ یا پوپ کی طرف سے جاری کیا جاتا تھا۔ دستور کا تصور ارسطو (Aristotle) کی تصانیف Politics، *Constitution of Athens* اور *Nicomachean Ethics* میں بھی ملتا ہے۔(۲) اُس کے نزدیک بہترین دستور اس نظام پر مبنی ہوتا ہے جس میں شہنشائیت، اَشرافیہ اور جمہوری عناصر شامل ہیں، تاہم وہ غیر شہریوں اور غلاموں کے لیے دستور میں کوئی کردار متعین نہیں کرتا۔

جدید مغربی قانون میں آئین کی تعریف یوں کی گئی ہے:

> A Constitution may be said to be a collection of principles according to which the powers of the government, the rights of the governed and the relations between the two are adjusted.(3)

’’آئین سے مراد اصولوں کا ایسا مجموعہ ہے جس کے مطابق حکومت کے اختیارات عوام کے حقوق اور ان دونوں کے مابین تعلق اور ضابطہ کار کا تعین کیا جاتا ہے۔‘‘

مزید یہ کہ:

> The Constitution may be a deliberate creation on paper, it may be found in one document which itself is altered or amended as time and growth demand, or it may be a bundle of separate laws given special authority as the laws of the constitution.(4)

’’آئین کاغذ پر واضح تحریر بھی ہوسکتا ہے اور یہ ایک دستاویز کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے جس

---

(1) i. *Merriam Webster's Dictionary of Law*, 1996.
ii. *The American Heritage, Stedman's Medical Dictionary*, 1995.

(2) i. Aristotle, *The Politics and the Constitution of Athens*, pp. xv, xvii.
ii. Aristotle, *Nicomachean Ethics*, p. 151.

(3) Strong, C. F., *Modern Political Constitutions*, p. 10.

(4) Strong, C. F., *Modern Political Constitutions*, p. 10.

میں ترمیم بھی کی جاسکتی ہے اور جسے وقت کے ساتھ تبدیلیوں کے مطابق بدلا بھی جاسکتا ہے۔ یہ ایک الگ قوانین کا مجموعہ بھی ہوسکتا ہے جس میں خصوصی اختیارات بطور آئین کے موجود ہوں۔''

It may be that the bases of the constitution are fixed in one or two fundamental laws while the rest of it depends for its authority upon the force of customs.[1]

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آئین کی بنیادیں ایک یا دو قوانین پر استوار کی گئی ہوں اور اس کا بقیہ حصہ اس اتھارٹی پر مبنی ہو جو رسوم و رواج سے پیدا ہوتی ہے۔''

ریاست اور آئین کا تعلق بہت گہرا ہے:

A state said to have a constitution when its organs and their funtions are definitly arranged and are not subject to the whim of some despot.[2]

''کسی بھی ریاست کو ہم آئینی ریاست کہہ سکتے ہیں جب اس کے مختلف ادارے اور حصے اور ان اداروں کا وظیفہ کار واضح طور پر متعین کیا گیا ہو اور وہ قواعد وضوابط کا پابند ہو اور وہ کسی ایک آمر کی خواہشات کے تابع نہ ہو۔''

آئین کا مقصود ریاست میں نظم وضبط پیدا کرنا ہے:

The basic purpose of a political Constitution is the same wherever it appears: to secure social peace and progress, safeguard individual rights and promote national well-being.[3]

''کسی بھی سیاسی آئین کا، یہ جہاں بھی نافذ ہو، بنیادی مقصد ایک ہی ہے: سماجی عمل اور ترقی کی حفاظت کرنا، انفرادی حقوق کی حفاظت کرنا اور قومی مفادات کو فروغ دینا۔''

مغربی مفکرین کے ان افکار و آراء سے یہ امر واضح ہے کہ ان تمام امور کا زیادہ شرح و بسط کے ساتھ ذکر ریاست مدینہ کے دستور میں کر دیا گیا، جس کے لئے ہماری تصنیف ''میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ'' ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

---

(1) Strong, C. F., *Modern Political Constitutions*, p. 10.
(2) Strong, C. F., *Modern Political Constitutions*, p. 10.
(3) Strong, C. F., *Modern Political Constitutions*, p. 47.

(۲) حاکمیتِ اَعلیٰ (Sovereignty)

اسلام کا حاکمیتِ اعلیٰ کا تصور اپنی نوعیت میں روحانی اور مابعد الطبیعاتی ہے، جبکہ مغرب کا تصور نہ صرف محدود معنوی اطلاقات کا حامل ہے بلکہ یہ بتدریج معرضِ ارتقاء میں رہا:

The term sovereignty means above or superior to all others, the greatest & supreme in power, rank or authority.(1)

’’خودمختاری اور اقتدار اعلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام دوسرے اداروں سے اوپر اور اعلیٰ ہو اور اختیار، رتبے اور طاقت میں سب سے عظیم اور سب سے بالاتر۔‘‘

بودن (Bodin 1530-1596) کے مطابق:

The chief mark of the sovereign is his right to impose law as all subjects regardless of their consent.(2)

’’مقتدر اعلیٰ کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس رعایا پر ان کی مرضی کے سوا بھی قانون نافذ کرنے کا اختیار ہو۔‘‘

مزید یہ کہ:

Sovereignty is the most absolute & perpetual power over citizens and subjects in a state and itself and was not subject to the law but above all laws. ...... He who received orders or laws from others was not sovereign, for sovereignty was indivisible by its nature.(3)

’’اقتدار اعلیٰ شہریوں اور رعایا پر ریاست کے اندر سب سے مطلق اور ابدی اختیار ہوتا ہے اور یہ خود کسی بھی قانون یا کسی شخص کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ تمام قوانین سے بالاتر ہوتا ہے۔ ...... وہ جو دوسروں سے احکامات اور قوانین لے مقتدر اعلیٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ اقتدار اعلیٰ اپنی فطرت میں ناقابل تقسیم ہے۔‘‘

جان آسٹن (John Austin 1790-1859) کے مطابق:

---

(1) *Webester's New Dictionary of the American Language*, p. 1395.

(2) Bernard Crick, *"Sovereignty" Int'l Encyclopedia of Social Sciences*, vol. 5, p. 79.

(3) Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, p.2.

The person or persons to whom the bulk of a given society is in habit of obedience but who himself renders no such obedience to anyone.(1)

’’جان آسٹن کے مطابق مقتدر اعلیٰ سے مراد وہ شخص یا اشخاص ہیں، معاشرہ جن کی من حیث الکل اطاعت کرے لیکن وہ کسی دوسرے کی اطاعت نہ کریں۔‘‘

وہ مزید کہتا ہے:

Species of command & a legal system to him was a collection of those laws emenating from the same sovereign.(2)

’’آسٹن کے مطابق قانون سے مراد احکامات کا وہ مجموعہ یا وہ قانونی نظام ہے جو کسی مقتدر اعلیٰ طاقت کی طرف سے جاری و نافذ کیا جائے۔‘‘

اس کے مطابق معاشرہ خودمختار نہیں ہوسکتا بلکہ:

He thought that a portion of it (society) was always sovereign and a portion of it was subject.(3)

’’آسٹن کے مطابق معاشرے کا ایک حصہ مقتدر اعلیٰ اور معاشرے کا ایک حصہ ہمیشہ رعایا ہوتا ہے۔‘‘

آسٹن کے تصور حاکمیت اعلیٰ پر تنقید کی گئی کیونکہ اس سے آمریت کے فروغ کو راہ ملی مزید یہ کہ اس کا اطلاق ان ممالک کی مجالس قانون ساز پر بھی نہیں ہوتا جن پر ان کے آئین نے قیود و حدود عائد کر رکھی ہیں۔(۴)

مغربی تصورِ حاکمیتِ اعلیٰ اپنی انہی خامیوں کی وجہ سے محل نظر رہا ہے۔ دور جدید کے مغربی ماہرین قانون نے یورپ کے مطلق العنان حاکمیت اعلی کے نظریات (absolute theories of sovereignty) کو ہدف تنقید بنایا ہے اور سیاسی حکمرانوں (political sovereigns) کی

(1) H.L.A. Hart, *"Austin, John" "Int'l Encyclopedia of the Social Sciences*, vol. I, p. 471.
(2) H.L.A. Hart, *"Austin, John" "Int'l Encyclopedia of the Social Sciences*, vol. I, p. 471.
(3) Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, p. 49.
(4) Bernard Crick, *"Sovereignty" Int'l Encyclopedia of Social Sciences*, vol. 5, pp. 80, 81.

حاکمیت کی وحدت (unity)، ہمہ گیری (inclusiveness) اور جامع بالاتری (thoroughgoing supremacy) کا انکار کیا ہے۔ ان کے مطابق مطلق العنان اقتدار اعلیٰ کوئی شے نہیں کیونکہ یہ اپنے ماحولیاتی حالات کے تحت ہمیشہ محدود ہوتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے روبہ عمل ہونے پر سماجی، اقتصادی اور بین الاقوامی حالات کا لازماً اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا حقیقی اقتدار اعلیٰ کا انتساب ذات خداوند سے ہی کیا جائے گا۔ لاسکی (Harold J. Laski 1893-1950) کے مطابق:

The authoritarian tradition is far from dead.[1]

''(ذات خداوند کی) مطلق العنان روایت کا زمانہ ختم نہیں ہوسکتا۔''

جبکہ اسلام کا عطا کردہ تصور حاکمیت اعلیٰ روز اول سے مسلم حکمرانوں کے لئے احساس ذمہ داری و جوابدہی اور امین ہونے کی حیثیت کا باعث رہا ہے۔ پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ خلافت اس کی عملی نظیر ہے۔

(۳) قانون سازی (Legislation)

اسلام اور مغرب کی سیاسی فکر نہ صرف حاکمیت اعلی اور آئین کے باب میں مختلف ہے بلکہ اس کا اثر براہ راست قانون سازی پر بھی ہے:

...... whereas Western thought regards legislation as the highest activity of the state, Islamic political philosophy admitted legislation only as a part of the judicial procedure.[2]

''مغربی سیاسی فکر کے مطابق قانون سازی ریاست کی اعلیٰ ترین سرگرمی ہے جبکہ اسلامی سیاسی فلسفے کے مطابق قانون سازی عدالتی طریقہ کار کا ایک حصہ ہے۔''

اس کے برعکس اسلام میں قانون سازی کا منبع الوہی رہنمائی ہے:

Laws are divinely made. The ordinances may vary in scope but not in stringency. Every order issuing from Him carries the same force. The only indifferent areas are those where lack of information bars man from the knowledge of Allah's detailed regulations, and by various methods the community makes efforts to supply the unkonwn instructions. Law is

(1) Harold J. Laski, *Authority in the Modern State*, p. 167.
(2) Grunebaum, Medieval Islam, p. 210.

intended as the complement of faith regulating man's actions inasmuch as faith regulates his beliefs.(1)

’’تمام قوانین اللہ کی طرف سے بنائے گئے ہیں یہ اپنے دائرہ کار میں تو مختلف ہو سکتے ہیں لیکن نفاذ کے مزاج میں اللہ کی طرف سے آنے والا ہر حکم ایک ہی طرح کی قوت اور طاقت کا حامل ہے۔ صرف وہ دائرہ کار اس سے الگ رہ جاتے ہیں جہاں انسانی علم کا محدود ہونا اللہ کے دیئے جانے والوں ضابطوں کو سمجھنے سے قاصر ہواور معاشرہ مختلف طریقوں کے ذریعے سے اللہ کی ہدایات کی پیروی کرتا ہے۔ قانون انسانی زندگی کے اعمال کو منظّم کرنے کے لئے عقیدے ہی کا ایک جز ہے جس طرح عقیدہ اور ایمان انسان کے اعمال کو منظّم کرتا ہے۔‘‘

اور یہ اعلیٰ انسانی مقصد سے عبارت ہے:

Islam is in essence an equilibrium and union, it does not primarily sublimate the will by sacrifice, but neutralizes it by the law.(2)

’’اسلام اپنے مزاج کے لحاظ سے اعتدال و توازن اور اجتہاد کا نام ہے۔ یہ انسانی ارادہ کو قربان کر کے ختم نہیں کرتا بلکہ قانون کے ذریعے معتدل کرتا ہے۔‘‘

اسلام کا نظام قانون نہ صرف ریاستی نظم و ضبط کو یقینی بناتا ہے بلکہ قوم کی انفرادی اور اجتماعی تربیت بھی کرتا ہے۔ ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) کے الفاظ میں:

But apart altogether from its intellectual pre-eminence and scholastic function, Islamic Law was the most far-reaching and effective agent in moulding the social order and the community life of the Muslim peoples. By its very comprehensiveness it exerted a steady pressure upon all private and social activities, setting a standard to which they conformed more and more closely as time went on, in spite of the resistance of ancient habits and time-honoured customs, especially amongst the more independent nomadic and mountain tribes. Moreover, Islamic Law gave practical expression to the characteristic Muslim quest for unity. In all essentials it was uniform, although the various schools

---

(1) Grunebaum, *Medieval Islam*, pp. 142, 144.
(2) Prith Joseph Schacht, Understanding Islam, p. 29.

differed in points of detail. To its operation was due the striking, convergence of social ideals and ways of life throughout the medieval Muslim world. It went far deeper than Roman law; by reason of its religious bases and its theocratic sanctions it was the spiritual regulator, the conscience, of the Muslim community in all its parts and activities.

This function of law acquired still greater significance as political life in the Muslim world swung ever further away from the theocratic ideal of Mohammed and his successors. The decline of the Abbasid Caliphate in the tenth and eleventh centuries opened the door to political disintegration, the usurpation of royal authority by local princes and military governors, the rise and fall of ephemeral dynasties, and repeated outbreaks of civil war. But however seriously the political and military strength of the vast Empire might be weakened, the moral authority of the Law was but the more enhanced and held the social fabric of Islam compact and secure through all the fluctuations of political fortune.[1]

’’اپنے غیر معمولی علمی نمایاں پن اور دانش ورانہ کردار سے قطع نظر اسلامی قانون، سماجی نظام اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرنے والا دور رس اور مؤثر عنصر تھا۔ اپنی جامعیت کے ذریعے اس نے تمام نجی اور سماجی سرگرمیوں پر اثر ڈالا اور ایسے معیارات قائم کئے کہ وقت گزرنے کے ساتھ قدیم عادات اور پرانے رواجوں کے باوجود لوگ خصوصًا زیادہ آزاد بدوٗ اور پہاڑی قبیلوں کے لوگ ان سے مطابقت اختیار کرتے گئے۔ مزید برآں یہ کہ اسلامی قانون نے اسلام کی وحدت کو عملی شکل دے دی۔ تمام بنیادی تقاضوں کے ساتھ یہ ایک منظّم مربوط نظام قانون تھا اگرچہ کچھ مکاتب فکر نے تفصیلات میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ قرون وسطی کی تمام مسلم دنیا کی زندگی کے سماجی معیارات اس نظام قانون پر مرتکز رہے۔

’’اپنی مذہبی بنیادوں اور پابندیوں کے دلائل کے ساتھ رومی قانون کی نسبت زیادہ گہرے اثرات کا حامل تھا۔ اسلامی قانون مسلم معاشرے کے تمام حصوں اور سرگرمیوں کا روحانی ناظم

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 7.

اور شعور تھا۔ جیسے جیسے ان کی سیاسی زندگی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے جانشینوں کے دینی معیارات سے دور ہوتی چلی گئی مسلمانوں کی زندگی میں قانون کا عمل دخل زیادہ اہمیت کا داخل کر لیا گیا۔ دسویں اور گیارھویں صدی میں خلافت عباسیہ کے بعد سیاسی انتشار کا دروازہ کھل گیا مثلاً مقامی شہزادوں اور عسکری گورنروں کا سرکاری و شاہی حیثیت کو غلط طور پر استعمال کرنا، چھوٹی چھوٹی مملکتوں کا ظہور اور خاتمہ اور مسلسل پھوٹ پڑنے والی عام جنگیں۔ گو اس وسیع سلطنت کی سیاسی اور عسکری طاقت بڑی حد تک کمزور ہو رہی تھی لیکن قانون کی اخلاقی طاقت اب بھی نہ صرف مؤثر تھی بلکہ وہ مزید بڑھتی گئی جس نے اسلام کے سماجی ڈھانچے کو ان تمام سیاسی اتار چڑھاؤ کے دوران باہم پیوستہ اور محفوظ رکھا۔‘‘

اسلام نے قانون سازی کے حکومتی اختیار کو جن بنیادوں پر محدود کیا مغربی مفکرین نے بہت بعد اس کا ادراک کیا:

> Rousseau did not give legislative power to the Govt. Thinking that it might be an effective method to prevent it from becoming master of the state by usurping that sovereignty or legislation power, which could belong only to the people.(1)

’’روسو نے حکومت کو قانون سازی کے اختیارات نہیں دیئے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ یہ اس کے لئے ایک بڑا موثر طریقہ ہوگا کہ حکومت کو ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ یا مقنّنہ کی طاقت استعمال کرتے ہوئے ریاست کا آقا بننے سے روکا جائے، کیونکہ یہ صرف عوام کا حق ہے۔‘‘

(۴) حکومت بطور معاہدۂ عمرانی

(Government as Social Contract)

آئین مدینہ سے یہ امر ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست میں حکومت ایک باہمی معاہدہ عمرانی ہے۔ اس تصور کی طرف مغربی مفکرین صدیوں بعد آئے۔ ہابس (Thomas Hobbes 1588-1679) کے مطابق:

> The state of nature was a state of war. For purposes of security & greater protection, each individual agreed with other to give up parts of his individual & natural rights to a

(1) Robert Derathe, *Rousseau, J.J., Int'l Encyclopaedia of the Social Sciences*, vol. 13, p. 568.

man or a group of men who would govern & protect them & there interests.(1)

''فطرت کی ابتدائی حالت جنگ کی حالت تھی لہٰذا تحفظ اور زیادہ محفوظ رہنے کے لئے ہر فرد اس بات پر متفق ہوگیا کہ وہ اپنے کچھ فطری حقوق دوسرے فرد یا دوسرے گروہ کے لئے چھوڑ دے جو ان پر حکومت کرے اور ان کی اور ان کے مفادات کی حفاظت کرے۔''

وہ مزید کہتا ہے:

The ruler was not a part of the contract; the individuals merely surrendered themselves to the ruler.(2)

''حکمران اس معاہدے کا حصہ نہیں تھا بلکہ افرادِ معاشرہ نے ہی حکمران کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔''

جان لاک (John Locke 1632-1704) اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتا ہے:

Individuals entered a contract in order to preserve their natural rights. A contract was between individuals & society, with individuals surrendering a part of their rights to society in order to secure and protect their rights.(3)

''اَفراد معاشرہ ایک معاہدے میں اس لئے داخل ہوئے کہ وہ اپنے فطری حقوق کی حفاظت کرسکیں۔ یہ معاہدہ افراد اور معاشرے کے درمیان تھا، جس میں افراد نے اپنے کچھ حقوق معاشرے کے لیے چھوڑ دیئے اور سرِتسلیم خم کیا تاکہ حکومت ان کے حقوق کی حفاظت کرے۔''

روسو (Jean Jacques Rousseau 1712-1778) کے مطابق:

Each individual surrendered his total rights to the whole community. This pact or contract established the absolute supremacy of the community over all of its individuals.(4)

(1) Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, p. 14.
(2) Bernard Crick, *"Sovereignty" Int'l Encyclopedia of Social Sciences*, vol. 5, p. 79.
(3) Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, p. 15.
(4) Robert Derathe, *"Rousseau, J.J., Int'l Encyclopaedia of the Social Sciences*,vol. 13, p. 567.

''ہر فردِ معاشرہ نے تمام حقوق دوسرے تمام معاشرے کے لئے قربان کر دیئے۔ اس میثاق یا معاہدہ کے نتیجے میں تمام دوسرے افرادِ معاشرہ پر معاشرہ کی فوقیت اور اقتدارِ مطلق قائم ہوا۔''

لیون ڈیوگٹ (Leon Duguit 1859-1928) کے مطابق:

Sovereignty is an essential attribute of the state was a myth to be discarded. He presented the idea of the "social group" instead of "Social Contract."(1)

''اِقتدار اعلیٰ کو ریاست کا لازمی جزو سمجھنا ایک واہمہ ہے جسے ترک کر دینا چاہئے۔ اس نے 'معاہدہ عمرانی' کی بجائے 'عمرانی گروہ' کا تصور پیش کیا۔''

جبکہ مسلم مفکرین نے بہت پہلے ان امور کو طے کیا۔ ابن خلدون اور امام غزالی نے نہ صرف حکومت کو معاہدہ عمرانی قرار دیا بلکہ خلافت کی عدم مرکزیت کا تصور بھی دیا۔(۲) ابن تیمیہ نے 'السیاسۃ الشرعیۃ' میں حکمران کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سے مشروط کرتے ہوئے ہی جائز قرار دیا اور اس کی مطلق اطاعت کی نفی کی۔(۳)

(۵) تصورِ حکومت بطور اَمانت (Government as Trust)

یہ اسلام کا تصور حکومت ہی تھا جس نے حکمرانوں کو حاکم کی بجائے خادم کے طور پر کام کرنے کا تصور دیا:

سید القوم خادمھم۔(۴)

''قوم کا سربراہ اس کا خادم ہوتا ہے۔''

اور یہ کہ حکمرانوں کی اطاعت مشروط ہے۔ جب تک امیر اطاعت الٰہی کا منکر نہ ہو اس کی اطاعت بھی مسلمانوں پر ضروری ہے۔(۵) مغرب میں اسلام کے سیاسی فلسفہ کے زیر اثر حکومت کے خادم اور امین ہونے کا تصور پروان چڑھا۔ جان لاک (John Locke 1632-1704) کی

---

(1) Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, p. 49.
(2) Rosenthal, *Political Thought in Medieval Islam*, pp. 27-50.
(3) Rosenthal, *Political Thought in Medieval Islam*, pp. 51-62.

(۴) سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۱۷۵

(۵) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التمنی، باب ما جاء فی اجازۃ فی خبر الواحد، ۶: ۲۶۴۹، رقم: ۶۸۳۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإمارۃ، باب فی وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ، ۳: ۱۴۶۹، رقم: ۱۸۴۰

تصنیف *Civil Government* کے مطابق:

'Government was created in order to carry out the administrative work as a "trust" or an "agent" on behalf of the community.(1)

''حکومت اس لئے تشکیل دی گئی کہ وہ انتظامی کام ایک امانت دار یا ایک کارندے کے طور پر معاشرے کی نمائندگی کرتے ہوئے کرے۔''

روسو (Jean Jacques Rousseau 1712-1778) نے فرانس کے حالات کے پیش نظر حکومتی اختیارات کی تحدید (Limitation of Government Powers) کا تصور دیا، اور اس طرح:

He made a distinction between sovereign power & government with government to him being an "executive agent" of the sovereign power.(2)

''اس نے مقتدر اعلیٰ طاقت اور حکومت کے درمیان فرق قائم کیا کہ حکومت مقتدر اعلیٰ کی صرف انتظامی کارکن اور نمائندہ ہے۔''

تاہم یہ امر قابل غور ہے کہ تقسیم اختیارات کا نظریہ موجود ہونے کے باوجود عملاً یہ تصور کما حقہ روبہ عمل نہیں۔(۳) اسی لئے ایک مغربی مفکر کہتا ہے:

The elite not masses, govern America.(4)

''امریکہ میں حکمرانی عوام کی نہیں بلکہ اعلیٰ طبقہ کی ہے۔''

آج دنیا میں برطانیہ اور امریکہ کے نظامہائے حکومت کو مثالی آئینی و دستوری نظام تصور کیا جاتا ہے۔ مگر تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ جدید دنیا کے موجودہ ترقی یافتہ نظام انسانی تہذیب کے بانی قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ برطانیہ میں شاہ ہنری اوّل (King Henry I) نے 1100ء میں *Charter of Liberties* کے ذریعے کلیسا اور اشرافیہ کے آئینی کردار کو تسلیم کیا۔ اس تصور کو مزید وسعت اس وقت ملی جب شاہ جان اوّل (King John I) کو برطانوی اُمراء نے 1215ء

---

(1) Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, p. 17.
(2) Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, p. 18.
(3) *The US Constitution*, Article I, Section 7, Article II, Section 2.
(4) Thomas R. Dye & L. Harmon Zeigler, *The Irony of Democracy*, p. 1.

میں محضر کبیر (Magna Carta) پر دستخط کرنے پر مجبور کیا۔[۱] یہی برطانیہ کے دستوری سفر کا آغاز تھا[۲] جس کا اہم حصہ Habeas Corpus تھا یعنی بادشاہ بغیر قانونی جواز کے کسی کو بھی قید، جلا وطن یا قتل نہیں کرسکتا۔ اس طرح برطانوی شہنشائیت بتدریج آئینی شہنشائیت (Constitutional Monarchy) میں بدلتی گئی۔ اس سے تقریباً 474 سال بعد 16 دسمبر 1689ء میں مسودہ قوانین حقوق (Bill of Rights) تیار ہوا۔[۳] 1700ء میں The Act of Settlement[۴] اور 1911ء میں The Parliament Act منظور ہوا۔[۵]

1787ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے برطانیہ سے کلیتاً علیحدگی اختیار کرلی اور اپنا الگ آئین بنایا۔ اس پر Magna Carta کے علاوہ دوسرے سیاسی مفکرین، مثلاً پولی بیئس (Polybius)، لاک (Locke) اور مانٹسکو (Montesquieu) کی فکر کا گہرا اثر ہے، اور آج اسے قدیم ترین مؤثر آئین سمجھا جاتا ہے۔

امریکہ کی دستوری و آئینی تاریخ بھی اتنی زیادہ قدیم نہیں۔ تاج برطانیہ سے علیحدگی کے بعد تھامس جیفرسن (Thomas Jefferson) نے جولائی 1776ء میں اعلان آزادی (The Declaration of Independence) تحریر کیا۔ دستور کی تیاری کے لئے دستوری اجتماع (Constitutional Convention) 1780ء میں منعقد ہوا۔ تاہم اس دستوری اجتماع میں منظور کئے جانے والے دستور کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے مئی 1787ء میں فلاڈلفیا کنونشنز (Philadelphia Convention) منعقد ہوا،[۶] جس کے پیش نظر قومی تشخص کی ضمانت دینے والے مرکزی حکومت کا قیام، انفرادی شہری حقوق کا تحفظ اور تمام ریاستوں کے لئے قابل قبول نمائندہ حکومت کا قیام جیسے مسائل تھے۔ اس اجتماع میں طے پانے والا معاہدہ اتفاق (The Great Compromise) امریکہ کی آئینی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل تصور کیا جاتا ہے۔[۷] ریاستہائے

(1) Sidney Painter, *William Marshal*, p. 200.
(2) James C. Holt, *Magna Carta*, p. 1.
(3) William Sharp Mckechnie, *Magna Carta: Text and Commentary*, p. 8.
(4) John Patterson, *Bill of Rights: Politics, Religion and the Quest for Justice*, p. 25.
(5) Julian Hoppit, *A Land of liberty?*, p. 38.
(6) Lee, J. J., *Politics and Society*, p. 1.
(7) Eric Foner, John Arthur Garraty, *The Reader's Companion to American History*, p. 227.

متحدہ امریکہ کے آئین کو 17 ستمبر 1787ء کو ہونے والے آئینی اجتماع (Constitutional Convention) میں اختیار کیا گیا۔[1] بقیہ ریاستوں کی توثیق کے بعد 1789ء میں یہ نافذ ہوا۔

گو امریکہ کے آئین کو جدید جمہوری دنیا کے لیے ایک مثالی نمونہ قرار دیا جاتا ہے، مگر بنیادی اِنسانی حقوق اور اعلیٰ اِنسانی اَقدار کا تصور ابتداء اس آئین کا حصہ نہیں تھا بلکہ یہ تصورات بتدریج آئین میں شامل کیے گئے۔امریکہ میں رائج غلامی کی روایت 1865ء میں منظور ہونے والی تیرہویں ترمیم کے ذریعے ختم کی گئی اور آئین کے نفاذ کے 80 سال بعد 1868ء میں ہونے والی چودھویں ترمیم کے ذریعے بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کو آئین کا حصہ بنایا گیا:

> No State shall make or enforce any law which shall abridge the privileges or immunities of citizens of the United States; nor shall any State deprive any person of life, liberty, or property, without due process of law; nor deny to any person within its jurisdiction the equal protection of the laws.

1920ء میں ہونے والی اُنیسویں ترمیم کے ذریعے ووٹ ڈالنے کے حق کو جنسی اِمتیاز سے ماوراء قرار دیا گیا۔ تاہم یہ اقدام امریکہ کے آئینی مسائل کے حل کا کوئی قطعی و حتمی مرحلہ نہ تھا بلکہ آنے والے ادوار میں بھی ترامیم کا سلسلہ جاری رہا۔شہریوں کے مختلف حقوق سے متعلق 10 ترامیم پر مشتمل The Bill of Rights دسمبر 1791ء میں منظور ہوا۔[2] بنیادی حقوق کے آئینی تحفظ کے باوجود آزادی اِظہار اور رائے دہی جیسے بنیادی حقوق میں جنسی اِمتیاز کو قانونی حیثیت حاصل رہی تاآنکہ اس سے ایک صدی سے بھی زائد عرصے کے بعد 1920ء میں 19 ویں ترمیم کے ذریعے خواتین کی پہلی مرتبہ ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا۔

دنیا کی اس جدید ترین مثالی جمہوریت میں حقیقی مساوات کا تصور ابھی تک تشنہ تکمیل ہے۔ 22 مارچ 1972ء کو کانگریس کے 92ویں اِجلاس میں امریکہ کی کسی بھی ریاست کے لیے جنس کی بنیاد پر حقوق کے مساوی ہونے کی نفی کرنے کو غیر قانونی قرار دینے کے لیے Equal Rights Amendment (ERA) تجویز کی گئی جو مقنّنہ کی طرف سے منظوری نہ ملنے کے سبب غیر مؤثر ہو گئی۔ اس سے ہمیں معروف امریکی مؤرّخ اور دانش وَر چارلس آسٹن (Charles Austin

(1) Merrill D. Peterson, Olive Branch and Sword: The Compromise of 1833, p. 1.

(2) Ralph Ketcham, *The Anti-Federalist Papers and the Constitutional Convention Debates*, pp. 10, 31.

Beard - 1874-1948) کا امریکی نظام حکومت پر وہ تبصرہ یاد آتا ہے کہ امریکی آئین عوام الناس کے حقوق کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ مخصوص مال دار گروہوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے تشکیل دیا گیا۔[1]

مغرب کی پوری آئینی و دستوری تاریخ میں امریکہ کے دستور کو دنیا کا قدیم ترین تحریری دستور قرار دیا جاتا ہے:

> The older written mentioned constitution is the Constitution of United States. Only four nations ...... Norway, Argentina, Luxembourg & Colembia ...... have constitutions that were written prior to 1900 and only 15 contemporary national constitutions existed before World War-II.[2]

> ''امریکہ کا دستور قدیم ترین تحریری قومی دستور ہے۔ صرف چار ممالک ...... ناروے، ارجنٹائن، لکسمبرگ اور کولمبیا ...... کے دساتیر ۱۹۰۰ سے پہلے لکھے گئے تھے جبکہ جنگ عظیم دوم سے قبل صرف ۱۵ ممالک کے دساتیر موجود تھے۔''

ایک دوسرے مصنف کے مطابق:

> 'The Unite States was virtually the first country in the world to set down a codified, reasoned and written constitution, all other constitutions at that time having evolved through right, might and custom.[3]

> ''ریاست متحدہ امریکہ حقیقی معنوں میں دنیا کی پہلی ریاست ہے جس نے ایک منظّم، معقول اور تحریری دستور اختیار کیا۔ اس وقت دنیا کے تمام دوسرے دساتیر حق، طاقت یا رواج سے وجود میں آئے۔''

آسٹریلیا کا آئین دراصل Commonwealth of Austrailia Constitution Act, 1900 کا ایک شیڈول تھا۔ یہ آئین یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو رو بہ عمل ہوا، جس کے نتیجے میں

(1) Eugene W. Hickok, *The Bill of Rights: Original Meaning and Current Understanding*, p. 5.
(2) Charles Austin Beard, *Whither Mankind: A Panorama of Modern Civilization*, p. 132.
(3) Colin Pilkington, *The British Constitution*, p. 1.

Commonwealth of Australia وجود میں آئی۔ ۱۹۲۷ء میں shared monarchy کو اختیار کیا گیا، ۱۹۳۱ء میں Statute of Westminster منظور ہوا، جبکہ ۱۹۸۶ء میں Australia Act منظور ہوا۔

فرانس کا موجودہ آئین ۴ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو نافذ ہوا، جس میں اب تک ۱۷ ترامیم ہو چکی ہیں۔ اس میں حالیہ ترمیم ۲۸ مارچ ۲۰۰۳ء کو ہوئی۔ اس آئین کو ۱۷۸۹ء کے اِعلانِ حقوقِ اِنسانی (Declaration of Rights of Man) کا تسلسل سمجھا جاتا ہے، جس کے تحت فرانس کو عوامی خودمختاری رکھنے والا سیکولر (Secular) اور جمہوری ملک (Democratic Republic) قرار دیا گیا۔

وفاقی جمہوریہ جرمنی کا بنیادی قانون (Basic Law for the Federal Republic of Germany) کو جدید جرمنی کے آئین کی حیثیت حاصل ہے۔ پہلے یہ ۱۹۴۹ء میں مغربی جرمنی کا آئین قرار پایا اور ۱۹۹۰ء میں مشرقی جرمنی کے Federal Republic میں شامل ہونے کے بعد تمام جرمنی کا قانون بن گیا۔

رشین فیڈریشن کا موجودہ آئین ایک قومی اِستصوابِ رائے (Referendum) کے ذریعے ۱۲ دسمبر ۱۹۹۳ء کو نافذ ہوا، جو سوویت زمانے کے آئین کی جگہ نافذ ہوا۔

اگرچہ مغرب نے انسانی حقوق کے لئے باقاعدہ دستوری سفر ۱۲۱۵ء سے شروع کیا مگر عام آدمی تک اس کے اثرات پہنچنے میں صدیاں بیت گئیں مثلاً ریاستی حکام کے خلاف عوامی شکایات کا ازالہ کرنے کے لئے محتسب (Ombudsman) کا تقرر یورپ میں پہلی مرتبہ سویڈن میں ۱۸۰۹ء میں کیا گیا جو ایک عرصہ تک گمنام اور رسمی عہدہ رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۹ء میں فن لینڈ اور ۱۹۵۵ء میں ڈنمارک میں محتسب کا تقرر ہوا۔ دیگر یورپی ممالک نے اسے بہت بعد میں اختیار کیا۔(1)

جدید دنیا کے آئینی و دستوری سفر کے مقابل آج سے چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی معاشرے کو ''میثاق مدینہ'' (Charter of Madina) کی شکل میں ایک باقاعدہ تحریری دستور اور آئین عطا فرمادیا تھا۔ جسے نہ صرف ایک تاریخی معاہدہ اور دستاویز کے طور پر محفوظ رکھا گیا بلکہ باضابطہ اس کا نفاذ عمل میں آیا اور ریاست مدینہ عملاً اسی آئین کے تحت

---

(1) Marten Oosting, *In the International Ombudsman Anthology: Selected Writings from International Ombudsman Institute, Kluwer Law International*, p. 1.

چلتی رہی۔ اس حقیقت کی تائید اسلام پر بڑے مخاصمانہ، ناقدانہ اور معاندانہ انداز سے لکھنے والے مغربی محققین نے بھی کی ہے کہ یہ دستاویز محض ایک معاہدہ نہ تھا بلکہ ریاست مدینہ کا باقاعدہ آئین تھا جسے حضور اکرم ﷺ کی بڑی سیاسی کامیابیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ مشہور مغربی مصنف منٹگمری واٹ (Watt M. Watt) اپنی تصنیف *Islamic Political Thought* میں لکھتا ہے:

> Muhammad's Hijra or migration to Medina in 622 (AD) marks the beginning of his political activity. It was not that he suddenly acquired great political power, for in fact his power grew very gradually; but the agreements into which he entered with the clans of Medina meant the establishment of a new body politic, and within this body there was scope for realizing the political potentialities of the Qur'anic ideas. By 624 Muhammad and the Muslims of Medina were involved in hostilities with the pagan Meccans. Despite the initial superiority of the latter the final outcome was the virtually unopposed occupation of Mecca by Muhammad in 630. A week or two later he defeated a concentration of nomadic tribes at Hunayn; and this meant that no one in Arabia was now capable of meeting him in battle with any hope of success. From most parts of Arabia tribes or sections of tribes sent representatives to Medina seeking alliance with him. By the time of his death in June 632, despite rumblings of revolt, he was in control of much Arabia. The Islamic state had no precisely defined geographical frontiers, but it was certainly in existence.[1]

’’حضرت محمد ﷺ کی ۶۲۲ء میں مدینہ کو ہجرت آپ کی سیاسی سرگرمیوں کا نکتہ آغاز تھا۔ آپ ﷺ نے یک دم اتنی بڑی سیاسی قوت حاصل نہیں کر لی بلکہ آپکی قوت میں بتدریج اضافہ ہوا۔ تاہم مدینہ کے قبائل کے ساتھ آپکے معاہدے ایک نئے سیاسی ڈھانچے کے قیام کا باعث بنے اور اسی سیاسی ڈھانچے میں قرآنی تصورات و تعلیمات کے سیاسی پہلو کے متشکل ہونے کا امکان تھا۔ ۶۲۴ء میں حضرت محمد ﷺ اور کفار مکہ میں آویزش کا آغاز ہوگیا۔ اگرچہ ابتداً کفار مکہ کو برتری حاصل تھی مگر انجام کار ۶۳۰ء میں آپ کو مکہ پر بغیر کسی

(1) Watt M. Watt, *Islamic Political Thought*, p. 20.

مزاحمت کے حتمی تسلط حاصل ہو گیا۔ ایک دو ہفتے بعد آپ ﷺ نے حنین کے مقام پر خانہ بدوش قبائل کو شکست دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب مکہ میں کوئی بھی کامیابی کی امید کے ساتھ میدان جنگ میں آپ ﷺ کا سامنا نہ کر سکتا تھا۔ عرب کے اکثر قبائل نے یا قبائل کے ذیلی گروہوں نے اپنے نمائندوں کو مدینہ آپ ﷺ کے ساتھ اتحاد کرنے کے لئے بھیجا۔ جون ۶۳۲ء میں آپ ﷺ کے وصال کے وقت کے باوجود عرب کا اکثر حصہ آپ ﷺ کے زیر کنٹرول تھا اگر چہ اسلام ریاست کی واضح متعین و معروف حدود تو نہ تھیں مگر اس کا وجود یقینی طور پر موجود تھا۔‘‘

واٹ (Watt M. Watt) دستور مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

In the main early source (apart from the Qur'an) for the career of Muhammad there is found a document which may conveniently be called 'the Constitution of Medina. Some of the articles in the constitution deal with minor matters, while others are repetitive. The essential points defining the nature of the state (a part from the functions and privileges of the head of state) are the following:

i. The believers and their dependents constitute a single community (umma).

ii. Each clan or subdivision of the community is responsible for blood-money and ransoms on behalf of its members.

iii. The members of the community are to show complete solidarity against crime and not to support a criminal even when he is a near kinsman, where the crime is against another member of the community.

iv. The members of the community are to show complete solidarity against the unbelievers in peace and war, and also solidarity in the granting of 'neighbourly protection'.

v. The Jews of various groups belong the community, and are to retain their own religion; they and the Muslims are to render 'help' (including military aid) to one another when it is needed.[1]

(1) Watt M. Watt, *Islamic Political Thought*, p. 20.

''قرآن مجید کے علاوہ دوسرے ابتدائی ماخذوں میں حضرت محمد ﷺ کی جدوجہد سے متعلق ایک ایسی دستاویز ملتی ہے جسے ہم ریاست مدینہ کا دستور کہہ سکتے ہیں۔ اس کی کچھ شقیں تو معمول کے معاملات سے متعلق ہیں جبکہ کچھ مکرر لکھی گئی ہیں۔ اس دستور میں (سربراہ مملکت کے فرائض و اختیارات کے علاوہ) ریاست سے متعلق اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اہل ایمان اور ان کے متعلقین ایک ہی ملت (امہ) پر مشتمل ہیں۔

۲۔ ہر قبیلہ یا اس کا ذیلی قبیلہ اپنے افراد کے خون بہا اور فدیہ کے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۔ ریاستی طبقات کے افراد کو جرم کے خلاف مکمل تعاون کرنا ہو گا اور وہ کسی بھی مجرم کی پشت پناہی نہ کریں گے اگرچہ وہ ان کا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو اور اس نے کسی دوسرے قبیلے کے خلاف جرم کا ارتکاب کیا ہو۔

۴۔ اہل مدینہ امن و جنگ کے معاملات میں کافروں کے خلاف مکمل اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ کریں گے۔ اور اس طرح تحفظ ہمسائیگی کی فراہمی میں بھی یکجہتی کا مظاہرہ کریں گے۔

۵۔ یہود کے مختلف گروہ بھی ریاست مدینہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ اپنا مذہب برقرار رکھ سکیں گے۔ یہود اور مسلمان حسب ضرورت (بشمول عسکری معاملات کے) ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔''

مصنف نے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۰ میں میثاق مدینہ کا پورا متن ۴۷ آرٹیکل کی صورت میں The Constituion of Madina کے عنوان کے تحت دیا ہے۔

گرہارڈ اینڈرس (Gerhard Endress) اپنی تصنیف *An Introduction to Islam* میں لکھتا ہے:

> Whether we recognise Muhammad as the Prophet of God, or whether we regard the Koran as the expression of his personality, the creation of the Islamic state and the unificiation of Arabia under Islam are his handiwork. The first important sign of this achievement is a document handed down by historians in an apparently authentic form ...... the regulations or 'Constitution' of the community of Medina. This document, promulgated soon after the Hijra,

regulated te relationship of the tribes, the Meccan 'Emigrants' and the Medinan 'Helpers' and bound them together in a new larger community which was not based on blood relationships but on religion. From now onwards, there stood above the tribes the umma, the community of believers under the authority and protection of God and under the leadership of Muhammad.(1)

’’چاہے ہم حضرت محمد ﷺ کواللہ کا نبی تسلیم کریں یا قرآن حکیم کو ان کی شخصیت کا ذاتی اظہار قرار دیں (یہ ایک حقیقت ہے کہ) ایک اسلامی ریاست کا قیام اورعرب کی وحدت کی تشکیل ان کا کارنامہ ہے۔ ان کی اس کامیابی کی پہلی علامت وہ دستاویز ہے جو مورخین تک بڑے مستند ذرائع سے پہنچی ہے جو ریاست مدینہ کے ضوابط یا دستور سے موسوم ہے۔ ہجرت کے بعد نافذ ہونے والی اس دستاویز سے مدینہ کے قبائل، مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے باہمی تعلقات کی نوعیت طے کی گئی اور انہیں ایک ایسی عظیم وحدت میں بدل دیا گیا جسکی بنیاد مغربی تعلقات نہیں بلکہ مذہب تھا۔ دستور مدینہ کے نفاذ کے بعد عرب میں قبائلی روایت سے ماوراء اللہ کے اقتدار وضمانت اور حضرت محمد ﷺ کی قیادت کے تحت اہل ایمان پر مشتمل امت تشکیل پذیر ہوئی۔‘‘

البرٹ ہورنی (Albert Hourani) نے بھی اپنی تصنیف *A History of the Arab Peoples* میں میثاق مدینہ کی آئینی و دستوری اہمیت کوتسلیم کرتے ہوئے لکھا:

A new political order was created which included the whole of the Arabia peninsula.(2)

’’(آپ ﷺ کی قیادت میں) ایک نیا سیاسی نظام تخلیق پایا جس کی علم داری میں پورا جزیرہ نما عرب شامل تھا۔‘‘

میثاق مدینہ اپنے اجراء کے بعد ریاستی آئین کے طور پر ماخذ رہا تاہم آئندہ آنے والے سالوں میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس میں اضافات و ترمیمات ہوتی رہیں۔ اس آئین نے جمہوری ضابطوں، سیاسی و مذہبی آزادیوں، مقامی رسوم و قوانین، بنیادی انسانی حقوق، غیرمسلم اقلیتوں کی آزادی، تقسیم اختیارات اور مالی، دفاعی، عدالتی و انتظامی معاملات پر اس حد تک واضح اور دو

(1) Garhard Endress: *An Introduction to Islam*, p. 31.
(2) Albert Hourani, *A History of the Arab People*, p. 14.

ٹوک ہدایات فراہم کر دی تھیں کہ آج چودہ صدیات بیت جانے کے باوجود انسانی معاشرے کی سیاسی ترقی اس سے بہتر نئے تصورات متعارف نہیں کروا سکی۔

یہ اقدام سیرت محمدی ﷺ کا وہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے کہ جس کا مطالعہ اور اس کے حقائق و تفصیلات کا جائزہ دور جدید کے انسان پر اسلام کی عظمت کے ہزاروں نئے باب کھول دیتا ہے اور مغربی دنیا میں اسلام کے خلاف پائی جانے والی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیتا ہے۔

باب پنجم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی ریاستی اَہمیت

انسانی معاشرے کی تشکیل و تنظیم کی کوششوں کا آغاز انسان کے شعوری دور سے ہی ہوگیا۔ تاہم معاشرتی و ریاستی سطح پر نظم کے قیام کے اصول وضوابط اور محرکات ہر دور میں مختلف رہے۔ الوہی رہنمائی اور پیغمبرانہ قیادت ہر دور میں بنی نوع انسان کو میسر رہی مگر مرور ایام کے ساتھ مبنی بر وحی ہدایت کے اثرات ماند پڑتے گئے اور افضل و ادنیٰ مفادات ہی معاشرے اور ریاست کے نظم وتشکیل کے کلیدی عنصر بن گئے۔ اسلام کا ظہور ایک ایسے ہی زمانے میں ہوا جب پوری دنیا میں کہیں بھی ایک مثالی، فلاحی اور اعلیٰ اقدار پر بنی ریاست کا کوئی وجود نہ تھا، دنیا بنی نوع انسان کے بہتر مستقبل کے لئے ایک مثالی اور منظّم ریاست کے خلا کو محسوس کر رہی تھی جو انسان کے اقدام وخطا اور ناقص فکر پر مبنی اصولوں سے تشکیل نہ پائی ہو بلکہ اس کی اساس آفاقی اور ابدی اصولوں پر استوار کی گئی ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ نے اس خلا کو فکری اور عملی دونوں سطحوں پر پُر کیا اور انسانیت کو ایسے آفاقی اصول وضوابط عطا فرمائے جن کی افادیت اور اطلاقی اہمیت سے انسانی تہذیب کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے وطن مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست قائم کی اور تاریخ انسانیت میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ دستور ریاست نافذ کیا۔ پھر دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب، جنوبی فلسطین اور جنوبی عراق تک اس اسلامی ریاست کو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور مستحکم مملکت بنا دیا۔ جس کی حدود دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ پر محیط تھیں۔[1]

> With a strong and skilful government and a faith to inspire its followers and its armies, it was not long before the new community controlled all Western Arabia and looked round for new worlds to conquer. After a slight backwash on the death of Mohammed, the wave of conquest swept over Northern and Eastern Arabia and broke audaciously upon the outposts of the Eastern Roman Empire in Transjordan and of

---

(1) Philip K.Hitti, *History of the Arabs*, p. 14.

the Persian Empire in Southern Iraq. The forces of the two gigantic Empires, exhausted by long warfare against one another, were defeated one after the other in a series of rapid and brilliant campaigns. Within six years of Mohammed's death all Syria and Iraq were tributary to Medina, and in four years more Egypt was added to the new Muslim Empire.[1]

''ایک مضبوط تجربہ کار حکومت کے ہوتے ہوئے جس کے پاس اپنے پیروکاروں اور فوج کو آمادہ عمل رکھنے کے لئے ایمان بھی تھا، اس کی نئی ریاست نے جلد ہی مغربی عرب کے تمام حصے کو اپنے تسلط میں لے لیا اور نئی دنیا کی فتح کے بارے میں منصوبہ بندی شروع کر دی۔ حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد پیدا ہونے والی معمولی خلفشار کے بعد فتوحات کی یہ لہر شمالی اور مغربی عرب تک پھیل گئی اور یہ لہر اردن، جنوبی عراق اور فارسی سلطنت سے بڑھتی ہوئی سلطنت روم تک جا پہنچی۔ دو عظیم سلطنتوں کی طاقتیں جو ایک دوسرے کے ساتھ طویل جنگوں سے تھک چکی تھیں انہیں اسلامی حکومت نے تیز اور شاندار مقابلوں کے بعد یکے بعد دیگرے شکست سے دوچار کر دیا۔ حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد ۶ سال کے اندر شام اور عراق مدینہ کو (بطور ماتحت) ادائیگیاں کر رہے تھے اور چار سال میں مصر کا مزید حصہ نئی اسلامی مملکت میں شامل ہو گیا۔''

آپ نے یہ سب کچھ اس معاشرے میں حقیقت بنایا جہاں اس سے قبل کسی باقاعدہ ریاست و مملکت، سیاسی نظم اور دستور و قانون کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک ایسے انسانی معاشرے اور ریاست کی بنیاد رکھی جو علاقے، زبان اور نسل کی محدود وابستگیوں سے بالاتر تھی۔ فلپ کے ہٹی (Philip K.Hitti) کے مطابق:

Out of the religious community of al-Madina the latter and larger state of Islam arose. This new community of emigrants and supporters was established on the basis of religion as the ummat (congregation of) Allah. This was the first attempt in the history of Arabia at a social organization with religion, rather than blood, as its basis. Allah was the personification of state supremacy. His Prophet, as long as he lived, was His legitimate vicegerent and supreme ruler on earth. As such,

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, pp. 2, 3.

Muhammad, in addition to his spiritual function, exercised the same temporal authority that any chief of a state might exercise. All within this community, regardless of tribal affiliation and older loyalties, were now brethren at least in principle.(1)

''مدینہ کی اسی مذہبی کمیونٹی میں سے بعد کی بڑی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ مہاجرین اور انصار کی یہ نئی کمیونٹی اللہ کے بندوں پر مشتمل امت کے مذہب کی بنیاد پر قائم کی گئی۔ عرب کی تاریخ میں یہ پہلی کوشش تھی کہ خون کی بجائے مذہب کی بنیاد پر کوئی سماجی تنظیم وجود میں آئی۔ ریاست کی اعلی ترین حاکمیت کا مظہر اللہ رب العزت کی ذات تھی۔ اس کے پیغمبر ﷺ جب تک کہ وہ زندہ رہے اس کے قانونی نائب اور اس زمین پر اعلی ترین حاکم تھے۔ اسی طرح محمد ﷺ نے روحانی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ دنیاوی اختیار و اقتدار کو بھی استعمال کیا جو کسی بھی ریاست کا سربراہ استعمال کرسکتا ہے۔ اس کمیونٹی کے اندر تمام لوگ قبائلی یا قدیم وفاداریوں سے قطع نظر (اسلام کے) اصول کی بنیاد پر ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن چکے تھے۔''

جلد ہی مدینہ میں قائم ہونے والی یہ پہلی اسلامی ریاست اس وقت کی دو بڑی عالمی طاقتوں (Two World Super Powers) روم اور ایران سے ٹکرانے کے قابل ہوگئی اور بعدازاں اسی اسلامی ریاست نے ان دونوں عالمی طاقتوں کو شکست دے کر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تین براعظموں تک اپنا دائرہ اختیار پھیلا لیا۔(۲)

ریاست مدینہ میں آپ کی توجہ کا مرکز صرف مقامی داخلی معاملات ہی نہ تھے بلکہ آپ نے داخلی و خارجی سیاست کے عالمی اصول وضع فرمائے جن کے تحت اس نظام عالم کو چلایا جاسکے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ نظام اور پیغام دنیا کے ایک وسیع حصے میں پھیل گیا۔ دس سال کے انتہائی قلیل عرصہ میں یہ اتنی بڑی، جامع اور ہمہ گیر کامیابی ہے جس کی کوئی مثال تاریخ عالم میں اس سے پہلے یا بعد میں نہیں ملتی۔ اس تناظر میں اہل فکر ونظر کے لئے آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ یقیناً کلیدی اہمیت کا حامل ہے کہ آخر یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہوا؟ آپ کی کامیابیاں صرف قیام و استحکام ریاست یا سیاسی میدان تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ قیام ریاست، استحکام نظام اور دستور و قانون کی تشکیل و نفاذ کے

(1) Philip K.Hitti, *History of the Arabs*, p. 120.
(2) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p.56.

ساتھ ساتھ اسلام کی دعوت و تبلیغ رسالت کا فریضہ بھی بتمام و کمال ادا ہوتا رہا اور اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اس ہمہ جہت جدوجہد اور کامیابی کی کوئی مثال تاریخ انبیاءؑ میں بھی نہیں ملتی۔[1] دین و ریاست، دنیا و آخرت اور قانون و اخلاق کی جامعیت سے آپ کی سیرت جامع اسوہ حسنہ قرار پائی۔ انسانی تہذیب کے تقاضوں کی تکمیل اس اسوہ حسنہ سے ہی ممکن ہے جہاں زندگی کا کوئی بھی گوشہ تشنہ توجہ نہ رہا ہو اور ہر حوالے سے مکمل رہنمائی عطا کردی گئی ہو۔ سیرت نبوی ﷺ کی یہ خصوصیت آپ کے اسوہ کی کاملیت کی دلیل بھی ہے اور ختم نبوت کا ثبوت بھی۔ این میری شمل (Annemarie Schimmel) کے مطابق:

> Another aspect of the Prophet's biography that may appear repellent to western tastes and is correspondingly difficult to men correctly is his blending of religion and politics, of *din* and *daula*.... Muhammad's role as Prophet and statesman is according to the Muslim's conviction the very proof of Muhammad's unique role as God's Messenger, evidencing his greatness and the truth of his message. How could it happen that God, who sent him, should not grant him ultimate success and inspire him to guide his community well.[2]

> ''پیغمبر ﷺ کی احوالِ حیات کا ایک اور پہلو جو مغربی طرزِ فکر رکھنے والے لوگوں کے لیے نہ صرف ناقابل قبول بلکہ ان کے لیے سمجھنا مشکل ہے، پیغمبر ﷺ کی زندگی میں مذہب و سیاست اور دین و دنیا کی یکتائی ہے۔ محمد ﷺ کا بطور پیغمبر اور سیاست دان کردار مسلمانوں کے نزدیک محمد ﷺ کے خدا کے پیغمبر کے ہونے اور آپ کے بے نظیر و بے مثال کردار کا بڑا واضح ثبوت ہے جو ان کے پیغام کی عظمت و سچائی کا مظہر ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ خدا جس نے اپنے پیغمبر کو بھیجا اسے آخری اور حتمی کامیابی سے نہ نوازے اور اس کے ذریعے اس کی قوم کو صحیح طور پر رہنمائی عطا نہ کرے۔''

دعوت حق کے کامیاب ابلاغ اور عملی نفاذ کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی کثیر الجہات حکمت عملی اختیار کی جس سے عرب معاشرے کے ہر فرد تک نہ صرف پیغام حق پہنچ گیا بلکہ وہ

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری تصنیف: "مقصد بعثتِ انبیاء کی جامعیت و ہمہ گیریت"

(2) Annemarie Schimmel, *And Muhammad is His Messenger*, p. 52.

آپ کے پیغام کے اس حد تک حامی وتبع بن گئے کہ ہجرت کے بعد ۱۰ سال کے قلیل عرصے میں پورا جزیرہ نما عرب اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا:

> At Medina, through his considerable diplomatic and leadership skills, he became the leading statesman, legislator and judge. Under his leadership Medina was transformed into the first Muslim Theocracy, and the religious and social structures of early Islam began to take definitive form.[1]

> ''مدینہ میں اپنی غیر معمولی حکمت اور قائدانہ صلاحیتوں سے آپ ﷺ سیاست دان، قانون ساز اور منصف کے قائدانہ منصب پر فائز ہوگئے۔ آپ ﷺ کی قیادت میں مدینہ پہلی اسلامی، مذہبی اور دینی ریاست بنا اور ابتدائی اسلام کے مذہبی اور سماجی ڈھانچے کی عملی صورت کا آغاز ہوا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے دعوت حق کے آغاز میں ہی اپنی دعوت کو ممکنہ حد تک وسعت پذیر کرنے کیلئے اقدامات فرمانے شروع کر دیئے۔ مکہ مکرمہ میں ہونے والی ہر عوامی و سماجی تقریب میں آپ کے مخالفین گرد ونواح سے آنے والے لوگوں کو آپ ﷺ سے بدظن کرنے اور دور رکھنے کیلئے مصروف کار رہتے تھے۔ ان کی یہ منفی سرگرمیاں بھی ایک لحاظ سے اسلام ہی کے فروغ اور آپ کے تعارف کا باعث بنتیں۔[۲] مکہ میں آپ ﷺ کی دعوت کے فروغ پذیر ہوتے ہی کفار نے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں۔حتی کہ آپ کو قریش مکہ کے کلی قطع تعلق کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ابن ہشام نے اس معاشرتی مقاطعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> **علی أن لا ینکحوا إلیهم ولا ینکحوهم، ولا یبیعوهم شیئاً، ولا یبتاعوا منهم فلما اجتمعوا لذلک کتبوه فی صحیفة، ثم تعاهدوا وتواثقوا علی ذلک، ثم علّقوا الصحیفة في جوف الکعبة توکیداً علی أنفسهم۔**[۳]

---

(1) Harold A Netland, *Dissonant Voices: Religions Pluralism the Question of Truths*, p. 79.

(۲) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۱: ۳۳۹
۲۔ ابن قیم، زاد المعاد، ۱: ۲۹۷
۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، ۲: ۵۰

(۳) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة: ۳۰۹
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۲۰۹

’’کہ وہ نہ اپنی بچی کا رشتہ انہیں دیں گے اور ان کی بچیوں کا رشتہ لیں گے نہ انہیں کوئی چیز فروخت کریں گے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے اور جب سب ان امور پر متفق ہو گے تو انہوں نے ایک صحیفہ میں انہیں قلم بند کیا پھر اس کی پابندی کا پختہ وعدہ کیا پھر اسے کعبے کے اندر آویزاں کر دیا تاکہ ہر شخص اس کی سختی سے پابندی کرے۔‘‘

کفار کی طرف سے کی جانے والی مخالفت کا سبب صرف ان کے مذہبی معتقدات کی تردید نہ تھا بلکہ اس میں معاشرتی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی عوامل بھی کارفرما تھے:

The opposition was due to a variety of socioeconomic as well as religions factors. Muhammad's message was a direct threat to popular religious sites and the pilgrimage associated with the Qa'bah... Muhammad was a threat to the established authority structure in Mecca, and Muhammad's condemnation of unethical practices and call for the wealthy to be generous with their wealth antagonized many among the upper class.(1)

’’جوں جوں محمد ﷺ کے پیروکار بڑھتے گئے اور آپ ﷺ کا پیغام عام ہوتا گیا تو مکہ کے طاقت ور اور دولت مند تاجروں کی طرف سے آپ ﷺ کی شدید مخالفت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔) اس مخالفت کی وجوہات بہت سے سماجی، معاشی اور مذہبی عوامل تھے؛ کیونکہ محمد ﷺ کا پیغام اس دور کے نمایاں اور ممتاز مذہبی مقامات اور مذہبی رسوم کے لیے ایک خطرہ تھا جو کعبہ کے ساتھ متعلق تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد ﷺ مکہ میں پہلے سے قائم اتھارٹی کے ڈھانچے کے خلاف بھی خطرہ تھے اور محمد ﷺ کے لوگوں کی غیر اخلاقی افعال کی مذمت کرنے اور مکہ کے امیر ترین لوگوں کو اس بات کی دعوت دینے سے کہ وہ وسیع الظرف اور سخی بنیں، اور اپنی دولت لوگوں پر خرچ کریں۔ مکہ کا اعلی طبقہ آپ ﷺ کا دشمن ہو گیا۔‘‘

دینِ اِسلام کی ریاستی تنظیم کا آغاز

سال دس نبوی میں حج کے زمانے میں حضور نبی اکرم ﷺ قبائل عرب میں دعوت حق کیلئے

(1) Harold A Netland, *Dissonant Voices: Religious Pluralism the Question of Truths*, pp. 78-79.

ایک رات نکلے۔ آپ مقام عقبہ سے گزر رہے تھے کہ آپ ﷺ کو قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ ملے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواباً کہا کہ ہم قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا آپ یہود کے ہمسائے ہیں؟انہوں نے کہا جی ہاں۔ ان سے ابتدائی تعارف کے بعد جو دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ کے حالات پر گہری نظر اور مدنی قبائل کے بارے میں آپ کی وسیع معلومات کا عکاس تھا، آپ ﷺ نے ان کے سامنے دعوت حق پیش کی۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا ان لوگوں میں سے ایک شخصیت کا دل کلام الٰہی سے بے حد متاثر ہوا یہ خوش نصیب حضرت ایاس بن معاذؓ تھے۔ وہ اپنے وفد کے لوگوں سے کہنے لگے اللہ کی قسم تم جس غرض سے یہاں آئے ہو یہ دعوت اس سے بدرجہا بہتر ہے لیکن قائد وفد نے ان کی بات نہ مانی تاہم حضرت ایاس ابن معاذؓ نے اسلام قبول کرلیا۔ (۱)

بعض روایات کے مطابق اس موقع پر مدینہ میں بھی فروغ اسلام کے امکانات کا معاملہ زیر غور آیا۔ تاہم وفد کے بعض افراد نے عرض کی کہ ابھی مدینہ میں اوس اور خزرج کے مابین خانہ جنگی ہو رہی ہے اگر آپ ﷺ اس وقت مدینہ تشریف لے آئیں تو آپ ﷺ کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہوسکے گا اگر آپ ﷺ ایک سال تک اس ارادہ کو ملتوی فرمائیں اور اس عرصہ میں خانہ جنگی صلح سے بدل جائے تو اوس وخزرج مل کر اسلام قبول کرلیں گے۔ آئندہ سال ہم پھر حاضر ہوں گے اس وقت اس کا فیصلہ ہوسکے گا۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۳۷۱

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۴۳۸

۳۔ طبری، تاریخ طبری، ۱: ۵۵۷

۴۔ الأندلسی، الاکتفاء، ۱: ۳۱۰

۵۔ابن عبدالبر، الدرر، ۱: ٦٦

٦۔ ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۴۴

۷۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۳: ۱۴۸

۸۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۲: ۱٦۰

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۱۷

۲۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۲۸٦

۳۔ ابن خلدون، تاریخ، ۱: ۵٦۔۵۷

۴۔ ابن کثیر، البداية والنهاية، ۳: ۱۴۸

جب اس وفد کے لوگوں نے اسلام کا پیغام سنا تو وہ اس حقیقت کو جان گئے کہ آپ ﷺ ہی وہ پیغمبر آخر الزمان ہیں جن کا اکثر یہود تذکرہ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے میں یہود سے سبقت لے جانے کے جذبہ کے تحت یہ لوگ آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس طرح یہ وفد یثرب کو مرکز اسلام بنانے کے لئے حضور ﷺ کا پہلا وفد قرار پایا جس کی پیہم کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے گھروں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جس میں ہجرت سے قبل ہی حضور نبی اکرم ﷺ کا ذکر نہ ہوتا ہو۔

بیعتِ عقبہ اُولیٰ

سال گیارہ نبوی میں حسب وعدہ بارہ اشخاص کا ایک وفد حضور نبی اکرم ﷺ سے ملنے مکہ مکرمہ آیا۔ اس وفد میں پانچ افراد تو وہی تھے جو پچھلے سال آئے تھے اور سات ان کے علاوہ تھے۔ ان لوگوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی اور یہ بیعت بیعتِ عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہوئی۔ بیعت کرنے والے حضرات کے نام یہ تھے:

خزرج:

۱۔ ابو امامہ اسعد بن زرارہ بن عدس (بنونجار)

۲۔ عوف بن حارث بن رفاعہ بن سواد (بنونجار)

۳۔ معاذ بن حارث بن رفاعہ بن سواد (بنونجار)

۴۔ عفراء بنت عبید بن ثعلبۃ (بنونجار)

۵۔ رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق (بنوزریق)

۶۔ قطبۃ بن عامر بن حدیدۃ (بنوسواد)

۷۔ عقبہ بن عامر بن نابی (بنوسلمہ)

۸۔ جابر بن عبداللہ بن رتاب

۹۔ ذکوان بن عبدقیس بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق (بنوزریق)

بنوعوف:

ا۔ عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم

۲۔ ابوعبدالرحمان یزید بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم

بنوسالم:

ا۔ العباس بن عبادہ بن نضلۃ بن مالک بن عجلان

اُوس:

ا۔ ابوہیثم مالک بن تیہان

بنوعمرو:

ا۔ عویم بن ساعدہ(۱)

آپ ﷺ نے ان سے درج ذیل امور پر بیعت لی:

ان لا نشرک باللہ شیئاً ولا نسرق، ولا نزنی، ولا نقتل أولادنا، ولا نأتی ببهتان نفتریه من بین أیدینا و أرجلنا ولا نعصیه فی المعروف۔(۲)

''ا۔ ہم کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

---

(۱) ابن هشام، السیرة النبویة، ۳۷۲۔۳۷۵

(۲) ا۔ ابن هشام، السیرة النبویة: ۳۷۳

۲۔ حسن بن عمر، المقتفی من سیرة المصطفیٰ ﷺ، ۱: ۷۰

۳۔ أندلسی، الاکتفاء، ۱: ۳۱۲

۴۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، ۲: ۱۶۱

۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۳۵۴

۶۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴: ۳۵

۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۱: ۲۲۰

۸۔ عسقلانی، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۱: ۵۵

۹۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۳: ۱۵۰

۲۔ چوری سے باز رہیں گے۔

۳۔ زنا نہیں کریں گے۔

۴۔ اولاد (خصوصاً لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

۵۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔

۶۔ ہر اچھی بات (معروف) میں رسول اللہ کی اطاعت کریں گے۔''

جن امور پر بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی ان کے تحت مدینہ میں ایک اسلامی معاشرے کی بنیادیں رکھ دی گئیں۔ جہاں ایک طرف یثرب میں موجود برائیوں کے قلع قمع کا عہد لیا گیا وہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا عہد بھی لیا گیا یعنی انفرادی اخلاقی اصلاح سے لے کر اجتماعی معاشرتی انقلاب تک کے تمام امور کو اجمالاً اس بیعت میں شامل کر دیا گیا۔[۱] بیعت کے بعد مدینہ رخصت ہونے سے قبل اہل وفد نے یہ درخواست کی کہ ہمارے ساتھ ایک معلم بھی بھیج دیجئے جو ہمیں دین کی تعلیم دے۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست کو منظور فرماتے ہوئے حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ فرمایا۔ یثرب میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ جو عمائدین یثرب میں سے تھے، کو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔[۲]

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے مدینہ سے قبا تک اسلام پھیل گیا۔ مدینہ کے سرداروں اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ کے اسلام قبول کرنے سے اہل مدینہ کے گھر گھر تک اسلام کا پیغام پہنچ گیا:

حتی لم یبق دار من دُور الأنصار إلا و فیها رجال و نساء مسلمین، إلا ما کان من دار بنی أمیة بن زید و خطمة ووائل وواقف، و تلک أوس الله. وهم من الأوس بن حارثة و ذلک انه کان فیهم ابو قیس بن الاسلت، و هو صیفي کان شاعراً لهم قائداً یستمعون منه و یطیعونه، فوقف بهم عن الإسلام فلم یزل علی ذلک حتی هاجر رسول الله ﷺ إلی المدینه

---

(۱) ابن هشام، السیرة النبویة، ۱: ۴۴۴۔۴۴۵

(۲) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة: ۳۷۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۱۹

ومضى بدر و أحد والخندق۔[1]

''یہاں تک کہ انصار میں سے کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں مرد و عورت سب مسلمان نہ ہوں سوائے بنو امیہ بن زید اور خطمہ اور وائل اور واقف کے قبیلوں کے جو بنی اوس بن حارثہ میں سے تھے۔ ان میں ابوقیس بن اسلت تھا جو کہ بڑھاپے کی اولاد تھا اور اپنے قبیلے والوں کا شاعر اور قائد تھا۔ تمام قبیلے والے اس کی بات پر کان دھرتے اور اس کی اطاعت کرتے تھے۔ پس وہ ان کو اسلام سے روکے رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور بدر، احد اور خندق کے واقعات بھی ہو چکے۔''

بیعتِ عقبہ ثانیہ

حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوتی اور تبلیغی مساعی کا یہ ثمر سامنے آیا کہ نبوت کے بارہویں سال حج کے ایام میں حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو قافلہ مکہ پہنچا وہ تہتر (۷۳) مردوں اور دو (۲) عورتوں پر مشتمل تھا۔[2] یہ لوگ آپ ﷺ سے بیعت کے ارادے سے آئے تھے۔ ان لوگوں نے رات کی تاریکی میں انتہائی رازداری کے ساتھ آپ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے انہیں قران حکیم پڑھ کر سنایا اور اسلام کی تلقین کی۔[3]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے اس وفد میں اوس وخزرج دونوں قبائل کے لوگ موجود تھے

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳۷۶
۲۔ الفاسی، التراتيب الإدارية، ۱: ۴۲
۳۔ الأندلسی، الاکتفاء، ۱: ۳۱۴
۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۵۵۹
۵۔ التميمی، الثقات، ۳: ۳۶۸

(۲) ابن هشام، السيرة النبوية، ۳۹۲

(۳) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳۷۹، ۳۸۲
۲۔ أحمد بن حنبل، مسائل الامام أحمد، ۱: ۳۰۸
۳۔ الأندلسی، الاکتفاء، ۱: ۳۱۸
۴۔ ابن عبدالبر، الدرر، ۱: ۷۰
۵۔ ابن سعد، الطبقات الكبریٰ، ۳: ۱۱۹

جب وفد کے لوگوں نے آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت شروع کی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو، اس وقت تک اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے بنوخزرج سے جو تعداد میں زیادہ تھے ایسا خطاب فرمایا جو نہ صرف اسلام کے مزاج کا آئینہ دار ہے بلکہ وہ بیعت کے بعد آنے والے دور کے حالات پر بھی محیط تھا۔ اگرچہ یہ بیعت کفار مکہ سے خفیہ طے پا رہی تھی مگر حضور نبی اکرم ﷺ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود اس موقع پر اپنے ساتھ لے جانا آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کا مظہر ہے۔ حضرت عباس ہی بیعت کرنے والوں کو (اس بیعت کے مضمرات سے) مطلع کر سکتے تھے۔

حضرت عباس نے اپنے خطاب میں بیعت کی حکمت و مقاصد اور اس بیعت کے بعد پیش آنے والے ممکنہ حالات کا ذکر کیا تاکہ اہل مدینہ پوری شعوری وابستگی اور مقصد کی واضحیت کے ساتھ بیعت کریں آپ نے فرمایا:

یا معشر الخزرج! ...... إن محمدًا منّا حیث قد علمتم و قد منعناه من قومنا، ممن هو علی مثل رأینا فیه، فهو فی عز من قومه و منعة فی بلده، و إنه قد أبی إلا الانحیاز إلیکم واللحوق بکم، فإن کنتم ترون أنکم وافون له بما دعوتموه إلیه، ومانعوه ممن خالفه، فأنتم وما تحمّلتم من ذلک، و إن کنتم ترون أنکم مسلموه و خاذلوه بعد الخروج به إلیکم، فمن الآن فدعوه، فإنه فی عزّ ومنعة من قومه و بلده۔(۱)

''اے گروہ خزرج! تم اچھی طرح جان چکے ہو کہ محمد (ﷺ) ہم میں سے ہیں اور ہم نے انہیں اپنی قوم سے محفوظ رکھا ہے اور جیسی ہماری ان کے بارے میں رائے ہے وہ یہ کہ یہ اپنی قوم کی عزت اور اپنے شہر کی حفاظت میں ہیں۔ مگر ان کا خود یہ ارادہ ہے کہ یہ اس شہر کو

(۱) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة: ۳۸۲
۲۔ أحمد بن حنبل، مسائل الإمام أحمد، ۱: ۳۰۵
۳۔ أندلسی، الاکتفاء، ۱: ۳۱۹
۴۔ فاکهی، أخبار مکه، ٦: ۲۳٦
۵۔ حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، ۲: ۱۷۴
٦۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۱: ۵٦۳
۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ٦: ۷

چھوڑ کر تمہارے شہر میں چلے جائیں۔ اور تم سے مل جائیں اگر تم اس بات کو دیکھتے ہو کہ تم جس بات کی طرف ان کو بلاتے ہو، اس کو پورا کرسکو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کو محفوظ رکھو گے تو تم اس کام کو کرو اور اس کام میں آنے والی مشکلات کے تم خود ذمہ دار ہو۔ اور اگر تم انہیں (ان کے دشمن کے) سپرد کرنے والے ہو اور انہیں رسوا کرنے والے ہو بعد اس کے کہ وہ تمہاری طرف تشریف لے جائیں تو بہتر ہے کہ تم انہیں چھوڑ دو کیونکہ محمد ﷺ اس وقت اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت اور حفاظت کے ساتھ ہیں۔''

حضرت عباس کے خطاب کا اہل مجلس پر اتنا اثر ہوا کہ ان کے نمائندے نے کہا:

قد سمعنا ما قلت، فنكلم: يا رسول الله! فخذ لنفسک و لربک ما أحببت۔[1]

''ہم نے آپ کی ساری گفتگو سن لی، اب ہم رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ آپ (کو خود جو کچھ فرمانا ہو وہ فرمائیں اور) خدا کے احکام کے متعلق یا اپنی ذات کے متعلق جو کچھ عہد ہم سے لینا ہو وہ لے لیں۔''

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق اس موقع پر عباس بن عبادہ بن نضلة انصاری نے بھی اہل مجلس سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا:

يا معشر الخزرج! هل تدرون علام تبايعون هذا الرجل؟ قالوا نعم، قال: إنكم تبايعون على حرب الأحمر والأسود من الناس فإن كنتم ترون أنكم إذا نهكت أموالكم مصيبة، وأشرافكم قتل أسلمتموه، فمن الآن، فهو والله إن فعلتم خزي الدنيا والآخرة و إن كنتم ترون أنكم وافون له، بما دعوتموه إليه على نهكة الأموال، و قتل الأشراف، فخذوه، فهو والله خير الدنيا والآخرة!، قالوا: فإنا نأخذه على مصيبة الأموال، و قتل الأشراف، فما لنا بذلک يا رسول الله إن نحن وفينا (بذلک)؟ قال: الجنة، قالوا: أبسط يدک، فبسط يده فبايعوه۔[2]

---

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية: ۳۸۶

(۲) ابن هشام، السيرة النبوية: ۳۸۳

''اے گروہ خزرج! کیا تم جانتے ہو کہ تم کس بات پر ان سے یہ بیعت کر رہے ہو! سب نے کہا ہم جانتے ہیں۔ کہا یہ اس بات کی بیعت ہے کہ ہر ایک سرخ و سیاہ آدمی سے تم کو لڑنا ہوگا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ جب تمہارے مال برباد ہوں گے اور تمہارے اشراف قتل ہوجائیں گے اس وقت تم انہیں (حضور نبی اکرم ﷺ) دشمن کے حوالے کر دو گے تو اسی وقت اس بیعت کو ترک کردو۔ ورنہ اگر اس وقت تم نے ایسا کیا تو تمھیں دنیا و آخرت کی ذلت نصیب ہوگی۔ اور اگر تم یہ جانتے ہو کہ چاہے تمھیں کیسی ہی مصیبت پہنچے، مال برباد ہو یا اشراف قتل ہوں، تم ان سے (ہر حال میں) وفا کرو گے تو پھر انہیں اپنے ساتھ لے جاؤ کیونکہ اس میں تمہارے لئے دین و دنیا کی خیر و خوبی ہے۔ سب نے کہا ہم اموال کی مصیبت اور اشراف کے قتل (کی پرواہ کئے بغیر) ان کی بیعت کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ہم اس عہد پر پورا اتریں تو ہمارے لئے کیا اجر ہے؟ فرمایا جنت! انہوں نے عرض کیا کہ بس آپ اپنا ہاتھ دراز کیجئے آپ نے اپنا ہاتھ دراز فرمایا اور انہوں نے بیعت کی۔''

جب انصار بیعت کر چکے تو ابوالہیثم نے آپ ﷺ سے مخاطب ہوکر عرض کیا:

يا رسول الله فنحن والله أبناء الحروب، وأهل الحلقة، ورثناها كابراً عن كابر...... يا رسول الله!، إن بيننا و بين الرجال حبالاً و إنا قاطعوها، يعنى اليهود......فهل عسيت إن نحن فعلنا ذلک ثم أظهرک الله أن ترجع إلى قومک و تدعنا؟ قال: فتبسم رسول الله ﷺ، ثم قال: بل الدم الدم، والهدم الهدم، أنا منكم و أنتم منى، أحارب من حاربتم، وأسالم من سالمتم۔(۱)

''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی قسم، ہم جنگجو اور سامانِ حرب والے ہیں یہ چیزیں ہم نے اپنے آباء و اجداد کی وراثت میں پائی ہیں اور بے شک ہمارے اور یہود کے درمیان کچھ معاہدات ہیں جنھیں ہم (آپ کی وجہ سے) ختم کر رہے ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو غلبہ دے تو پھر آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم سے مل جائیں۔ ابو الہیثم کے اس کلام کو سن کر حضور نبی اکرم ﷺ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا: اس بات

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية: ۳۸۳

سے تم اطمینان رکھو تمہارا خون میرا خون ہے، تمہاری عزت میری عزت ہے، میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا۔‘‘

بیعت عقبہ ثانیہ میں کلمات بیعت، بیعت عقبہ اولیٰ سے مختلف اور اپنے نتائج و مضمرات کے لحاظ سے وسیع معنویت کے حامل تھے:

فتلا القرآن، ودعا الی الله، ورغّب فی الإسلام، ثم قال أبایعکم علی أن تمنعونی مما تمنعون منه نساءکم و أبناءکم۔(۱)

’’آپ نے پہلے قرآن حکیم پڑھ کر سنایا اور اہل مجلس کو اللہ کی طرف بلایا اور اسلام کی رغبت دی، پھر فرمایا: میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم میری ایسی حمایت کرو گے جیسے تم اپنی عورتوں اور اولاد کی حمایت کرتے ہو۔‘‘

بیعت کے دوران آپ نے ان امور پر زور دیا:

۱۔ کہ تم دین حق کی اشاعت میں میرے ساتھ پورا پورا تعاون کرو گے۔

۲۔ جب میں تمہارے شہر میں جا کر قیام پذیر ہو جاؤں تو تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی طرح کرو گے۔

یہ سن کر خزرج کے سردار براء ابن معرور نے آپ ﷺ کا دست اقدس تھام لیا اور عرض کیا:

نعم! والذی بعثک بالحق، لنمنعنک مما نمنع منه أزرنا، فبایعنا یا رسول الله، فنحن والله أبناء الحروب، واهل الحلقة، ورثناها کابراً عن کابر۔(۲)

’’خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی عورتوں کی کرتے ہیں۔ پس یا رسول اللہ! ہمیں اپنی بیعت سے نوازیں ہم خدا کی قسم جنگ جو اور سامان حرب والے ہیں اور یہ چیزیں ہمیں اپنے آباء واجداد کی وراثت میں ملی ہیں۔‘‘

(۱) ابن هشام، السیرة النبویة: ۳۸۲

(۲) ابن هشام، السیرة النبویة: ۳۸۲

مدینہ کے لئے ۱۲ نمائندوں کا تقرر

جب بیعت ہوچکی اور اس امر کا فیصلہ ہوگیا کہ اب حضور نبی اکرم ﷺ فروغ دعوت حق کے لئے مدینہ منتقل ہوگئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے اسی طرح میں بھی جبریل علیہ السلام کے اشارہ سے تم سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں تاکہ یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہوں جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کفیل تھے۔[1]

آپ ﷺ نے بارہ اشخاص کا انتخاب فرمایا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

قبیلہ خزرج سے ۹ افراد یہ تھے:

۱۔ سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ، ۲۔ سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ،

۳۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، ۴۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ،

۵۔ منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ، ۶۔ براء بن معرور رضی اللہ عنہ،

۷۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، ۸۔ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ،

۹۔ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ۔

قبیلہ اوس سے ۳ افراد یہ تھے:

۱۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، ۲۔ ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ،

۳۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ۔[2]

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيره النبوية: ۳۸۳، ۳۸۵
۲۔ الأندلسی، الاكتفاء، ۱: ۳۲۰
۳۔ فاكهی، اخبار مكه، ۳: ۲۳۷
۴۔ ابن قيم، زاد المعاد، ۳: ۴۸
۵۔ ابن عبدالبر، الدرر، ۱: ۷۱
۶۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۱: ۵۶۲
۷۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۳: ۱۶۱
(۲) ابن هشام، السيرة النبوية،: ۳۸۴

بیعت عقبہ ثانیہ ان امور کے حوالے سے جن پر بیعت کی گئی بیعت عقبہ اولیٰ سے کلیتًا مختلف تھی۔ بیعت عقبہ اولی میں آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں ایک اخلاقی اور معاشرتی انقلاب کی بنیاد رکھی تھی جبکہ اس بیعت کے ذریعے آپ ﷺ نے نہ صرف اہل وفد سے اسلام کے لئے کٹ مرنے اور دین حق کی حمایت میں جان تک لڑا دینے کا عہد لے لیا بلکہ ہر موثر گروہ پر اپنا نقیب بھی مقرر کردیا۔ دراصل آپ ﷺ کا یہ اقدام بالواسطہ طور پر مدینہ میں آپ ﷺ کے اقتدار اور اسلام کی ریاست کے قیام کی علامت تھا۔

ہجرتِ مدینہ

بیعت عقبہ ثانیہ ایک لحاظ سے اس امر کا اعلان تھی کہ مستقبل قریب میں تحریک اسلام کا مرکز مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ منتقل کردیا جائے گا۔ اس بیعت کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت فرمادی۔ ہجرت کا حکم ملتے ہی مسلمان آہستہ آہستہ یثرب جانے لگے۔ ہجرت اتنے وسیع پیانے پر ہوئی کہ مکہ میں کوئی صحابی ہجرت کرنے والا نہ رہا سوا ان لوگوں کے جو کفار کی قید میں تھے۔ مکہ میں محلے کے محلے خالی ہو گئے۔ بعدازاں حضور نبی اکرم ﷺ یثرب تشریف لے گئے اور ۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو قبا پہنچے۔[1]

ہجرت کے وقت مدینہ کے حالات کا تجزیہ

اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ کے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ حالات اس حوالے سے سازگار تھے کہ آپ ﷺ اس شہر کو مرکز اسلام بنا کر وہاں سے دعوت حق اور غلبہ دین کی جدوجہد کو موثر انداز میں آگے بڑھاتے اور وہ تمام تر مشکلات جن کا سامنا آپ کو مکہ میں تھا ان سے ماوراء ہوکر تحریک اسلام کے فروغ کے لئے اقدامات فرماتے۔

اس دور میں یثرب میں دو قومیں آباد تھیں:

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۳۰

۲۔ ألاندلسی، الاکتفاء، ۱: ۳۵۳

۳۔ ابن قيم، زاد المعاد، ۱: ۳۷۳

۴۔ ابن کثير، البداية والنهاية، ۳: ۲۱۴

۱۔ یہود ۲۔مشرک اور بت پرست[(۱)]

چونکہ یہود سماجی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے ایک باشعور قوم تھے انہوں نے صنعت و تجارت اور معاشرت و معیشت پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔ ان کی حریف قوم دو قبیلوں اوس اور خزرج میں منقسم تھی چونکہ یہ دونوں قبیلے جنگجو فطرت کے حامل تھے اس لیے ان کی متحدہ قوت کسی وقت بھی یہود کے لئے خطرہ بن سکتی تھی۔ سو یہود کی قوت اور سیاسی و سماجی حیثیت کی بقا، تحفظ اور تسلسل اس صورت میں ممکن تھا کہ اوس و خزرج کسی طور بھی متحد نہ ہوں اور باہم انتشار و افتراق کا شکار ہیں۔ یہود کی ان سازشوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اوس اور خزرج باہمی نفاق کا شکار تھے اور کبھی متحد نہ ہو سکے تھے۔ اسی وجہ سے وہ معاشی اور معاشرتی طور پر مدینہ کے معاشرے میں پسماندہ تھے۔قبل ہجرت کے زمانے میں یہود کی سازشوں کی وجہ سے ان پر جنگ کے بادل چھائے رہتے تھے۔ چونکہ اوس، خزرج کے مقابلے میں کمزور تھے انہوں نے خزرج کے متقابل موثر مزاحمت کے لئے قریش مکہ کو اپنا حلیف بنانے کے لئے کوشش کی۔ انہی کوششوں کے دوران وہ اسلام کی دعوت سے بھی روشناس ہوئے تھے۔

سال ۲ قبل ہجرت میں ہی اوس اور خزرج کو جنگ بعاث کا سامنا کرنا پڑا۔اگرچہ اس میں اوس اور خزرج کے حلیف یہودیوں قبائل نے بھی حصہ لیا مگر بڑا جانی و مالی نقصان انہی قبائل کو ہوا جس کے نتیجے میں وہ عسکری، معاشی، سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے کمزور ہوگئے۔ گوانہیں یہود کی سازشی حکمت عملی کا ادراک تھا مگر آپس کی ناچاقی، خلفشار و انتشار کے سبب وہ یہود کے خلاف کوئی موثر حکمت عملی اختیار نہ کرسکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہود کو ان پر ایک نفسیاتی برتری بھی حاصل تھی جس کے سبب اوس و خزرج احساس کمتری کا شکار رہتے تھے۔ یہود اکثر اپنی الہامی کتب کی اس پیش گوئی کو بیان کرتے تھے کہ ''عنقریب نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے۔ ہم اس کی پیروی کریں گے اور اس کے ساتھ مل کر تمہیں ہلاک کردیں گے جس طرح عاد وارم ہلاک ہوئے تھے۔''[(۲)]

اس پیش گوئی ہی کا اثر تھا کہ جب مدینہ سے مکہ آنے والے وفد نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور دعوت اسلام سنی تو نبی آخر زماں پر ایمان میں سبقت لے جانے کے جذبے کے تحت

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۳۷۳
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ ۱: ۲۱۹
۳۔ طبری، جامع البيان فی تفسير القرآن الكريم، ۴: ۳۵

(۲) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۲۷۷
۲۔ ابن خلدون، تاريخ، ۱: ۵۸۔۵۹

فوراً دین اسلام قبول کرلیا اور ان کی ایمان و اسلام کی یہ مخفی تحریک بالاخر بیعت عقبہ ثانیہ پر منتج ہوئی۔ اوس وخزرج کے مابین ہونے والی جنگ بعاث کے اثرات بہت ہی مہلک، انتشار انگیز اور تباہ کن تھے۔ جب جنگ ختم ہوئی تو سیاسی انارکی کا ماحول تھا۔ اوس وخزرج کے ارباب و اکابرین نے اس امر کا فیصلہ کیا کہ دونوں قبیلوں میں تنازعات کے خاتمے اور اتحاد و اتفاق کے قیام کے لئے کسی ایک شخص کو متفقہ طور پر بادشاہ بنا دیا جائے۔ گویا اس ماحول میں مدینہ میں ایک مستقل سیاسی خلا موجود تھا جسے پر کرنے کے لئے خود مدینہ کے لوگ کسی قابل اعتماد، معتبر، اور متفقہ قیادت کے متلاشی تھے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ابی سلول کے متفقہ حکمران کے طور پر تقرری پر لوگ رضامند ہوگئے۔ قبل اس کے کہ اس باقاعدہ حکمرانی کا اعلان ہوتا ہجرت نبوی وقوع پذیر ہوگئی اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی ہمہ گیر اور ''قابل قبول قیادت کے سامنے عبداللہ بن ابی کا چراغ نہ جل سکا۔ اس صدمے کو عبداللہ بن ابی زندگی بھر نہ بھلا سکا۔ اور سازشوں کے تانے بانے بنتا رہا تاآنکہ اپنے نفاق کی بدولت وہ رئیس المنافقین بن گیا وہ نہ صرف خود بلکہ کفار مکہ کے ساتھ ساز باز کے ذریعے اسلام کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔[۱]

ہجرت کے وقت کا انتخاب جس میں بلاشبہ الوہی راہنمائی کا عنصر بھی شامل تھا آپ ﷺ کی بے مثال بصیرت اور حکمت عملی کا مظہر تھا بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مسلمانوں نے آپ کی اجازت سے مکہ سے مدینہ ہجرت شروع کردی تھی مگر آپ اپنی ہجرت کو مسلسل ملتوی فرماتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بار بار اجازت طلب کرنے کے باوجود آپ نے انہیں بھی روکے رکھا کیونکہ:

۱۔ شروع ہی میں اگر آپ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما جاتے تو مکہ میں رہ جانے والے کثیر تعداد میں مسلمانوں میں بد دلی پھیلتی لہٰذا ضروری تھا کہ جب تک مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد مدینہ نہ پہنچ جائے آپ مکہ میں ہی قیام پذیر رہتے۔

۲۔ آپ کے مقرر کردہ نقباء اور مبلغین اگرچہ مدینہ میں دعوتی اور تبلیغی کوششیں جاری رکھے ہوئے تھے مگر پھر بھی مدینہ کے سیاسی نزاج کی کیفیت میں یہ ضروری تھا کہ مکہ سے کچھ لوگ ہجرت کر کے پہلے مدینہ چلے جائیں تاکہ اہل مدینہ کے اسلام قبول کرنے پر مخالفین کی طرف سے آپ کی آمد کے بعد کی مزاحمت کی صورت میں افرادی قوت کا اضافہ ہو چکا ہوتا۔

۳۔ اگرچہ مکہ میں شروع دن سے ہی کفار ومشرکین نے آپ کے خلاف اور اہل اسلام کے خلاف ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا مگر یہ آپ کا کمال صبر وتحمل اور ضبط و استقلال تھا کہ آپ ﷺ

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية، ۳: ۵۹

نے اس وقت تک اپنا گھر نہ چھوڑا جب تک آپ کو یہ اطلاع نہ ملی کہ قریش کے سردار آپ کی جان کے در پے ہوگئے ہیں۔ اندریں حالات آپ نے اس وقت مکہ چھوڑا جب کہ قتل کے ارادے سے آپ کے در اقدس کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔

۴۔ مکہ میں آپ صادق و امین مشہور تھے۔ کفار کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود آپ ﷺ وہاں کی ایک معتبر، قابل اعتماد اور قابل بھروسہ شخصیت تھے۔ اکثر لوگوں کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس تھیں۔ مکہ چھوڑنے سے قبل ضروری تھا کہ آپ ان امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچانے کا باقاعدہ انتظام فرماتے جیسا کہ کتب سیرت سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ چھوڑنے سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی۔

۵۔ آپ ﷺ کا مقصود صرف ہجرت ہی نہ تھا بلکہ مدینہ کو مرکز اسلام بنا کر وہاں ایک آزاد اسلامی ریاست کا قیام بھی تھا۔ اگرچہ جنگ بعاث کے بعد مدینہ کے قبائل سیاسی استحکام کی تلاش میں تھے مگر بجائے مدینہ جا کر اسلامی اقتدار کے قیام کے لئے از خود مہم جوئی کے یہ زیادہ مناسب تھا کہ حالات کے فطری ارتقاء کے تحت اس مناسب وقت کا انتظار کیا جاتا کہ ماضی کے خلفشار اور باہمی جنگ و جدل کے اثرات سے تنگ آئے ہوئے قبائل خود اس نتیجے پر پہنچ جاتے کہ مدنی قبائل کو کسی متفقہ سیاسی قیادت کے تحت متحد کر دیا جائے۔

ان حالات میں ہجرت مدینہ ظہور پذیر ہوئی، آپ کے مدینہ تشریف لے جاتے ہی آزاد اسلامی ریاست کی تشکیل عمل میں آ گئی اور میثاق مدینہ طے پایا جس کے تحت تمام طبقات مدینہ نے آپ کو سربراہ حکومت تسلیم کر لیا۔[1]

مکی دور کا سیاسی تجزیہ

قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتماعی زندگی میں بپا ہونے والے اس اخلاقی انقلاب اور صالح مثالی معاشرے کے قیام کے اصول کی نشاندہی کی ہے۔ جو خاتم الانبیاء ﷺ کے زیر قیادت معرض وجود میں آیا تھا۔ قیام مدینہ کے دوران صحابہ کرام کو ان کی سابقہ مکی زندگی کی یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية، ۴۳۲

فَاٰوٰكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○[1]

’’اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم (مکی زندگی میں عدداً) تھوڑے (یعنی اقلیت میں) تھے ملک میں دبے ہوئے تھے (یعنی معاشی طور پر کمزور اور استحصال زدہ تھے) تم اس بات سے (بھی) خوفزدہ رہتے تھے کہ (طاقتور) لوگ تمہیں اچک لیں گے (یعنی سماجی طور پر بھی تمہیں آزادی اور تحفظ حاصل نہ تھا) پس (ہجرت مدینہ کے بعد) اس (اللہ) نے تمہیں آزاد اور محفوظ ٹھکانہ عطا فرما دیا اور (اسلامی حکومت و اقتدار کی صورت میں) تمہیں اپنی مدد سے قوت بخشی اور (مواخات، اموال غنیمت اور آزاد معیشت کے ذریعے) تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا فرما دی تاکہ تم اللہ (کی بھرپور بندگی کے ذریعے اس) کا شکر بجا لا سکو○‘‘

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے ابتدائی دور کی تین حالتوں کی طرف اشارہ ہے:

۱۔ **قلیل:** تعداد میں تھوڑا ہونا ’’سیاسی اقلیت‘‘ پر دلالت کرتا ہے۔ اس لفظ کے ذریعے صحابہ کو کفار و مشرکین مکہ کے مقابلے میں سیاسی طور پر کمزور اور محکوم ہو، یاد دلایا جا رہا ہے۔

۲۔ **مستضعفون فی الأرض:** زمین میں کمزور ہونا معاشی عدم استحکام پر دلالت کرتا ہے ان الفاظ کے ذریعے صحابہ کو مکی زندگی میں غیر مسلموں کے مقابلے میں معاشی طور پر کمزور، محتاج اور غیر مستحکم ہونا یاد دلایا گیا۔

۳۔ **تخافون أن یتخطفکم الناس:** طاقتور لوگوں کے اچک لے جانے کا خوف یہ معاشرتی طور پر کمزور اور غیر محفوظ ہونے پر دلالت کرتا ہے ان الفاظ کے ذریعے صحابہ کو مکی معاشرے میں سیاسی اور معاشی کمزوری کے باعث سماجی عدم استحکام اور ظلم و استحصال کا شکار ہونے کی یاد دلائی گئی ہے۔

دراصل قیام مکہ کے دوران مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی عدم استحکام کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ انہیں یہ یقین دلایا جاسکے کہ اندریں صورت تم مطلوبہ انقلاب سے ہمکنار نہیں ہوسکتے تھے۔ غلبہ حق اور نفاذ دین کی منزل تک پہنچنا ان حالات میں تمہارے لئے ہرگز ممکن نہ تھا۔ چنانچہ حصول مقصد کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جو لائحہ عمل اور راستہ تمہارے لئے منتخب فرمایا وہ بھی ان

(۱) القرآن، الانفال، ۸: ۲۶

تین حالتوں کے پیش نظر تین ہی پہلوؤں پر مشتمل تھا۔ اس لائحہ عمل کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

۱۔ **فآوٰکم:** تمہیں آزاد سماجی زندگی عطا کردی۔ یعنی غیر محفوظ، غیر مستحکم اور ناہموار معاشرتی زندگی سے نجات دلا کر تمہیں الگ خطہ زمین کی صورت میں آزاد ٹھکانہ عطا کیا تاکہ تم خوشگوار ماحول میں آزاد طریق پر اپنے حقوق بجا لاسکو۔ یہ سماجی انقلاب ''ہجرت مدینہ'' کے نتیجہ میں واقع ہوا۔

۲۔ **وأیدکم بنصره:** تمہیں اپنی مدد سے تقویت اور طاقت بخشی، یعنی تمہیں غلامی و محکومی اور جور و استبداد کی زندگی سے نجات دلا کر الگ اقتدار اور حکومت عطا کی۔ جس سے تمہیں سیاسی طور پر آزادی اور استحکام نصیب ہوگیا۔ یہ سیاسی انقلاب ''میثاق مدینہ'' کے نتیجے میں بپا ہوا۔ اس کے ذریعے حضور ﷺ اسلامی ریاست مدینہ کے سربراہ مقرر ہوگئے اور تمام غیر مسلم طبقات مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے تحت اقلیتیں قرار پا گئے۔

۳۔ **ورزقکم من الطیبٰت:** تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا یعنی تمہیں معاشی کمزوری، نا انصافی اور استحصال سے نجات دلا کر ایسی مستحکم اور منصفانہ معاشی زندگی عطا کردی کہ کوئی شخص بھی معاشی تعطل کا شکار نہ رہا۔ یہ معاشی انقلاب ''مواخات مدینہ'' کے نتیجے میں بپا ہوا۔ جس کے ذریعے تمام اہل ثروت انصار نے مہاجرین صحابہ کو اپنے معاشی وسائل میں برابر کا شریک بنالیا۔ واٹ (Watt Montgomery Watt) کے الفاظ میں:

> With the growth of his system of alliances Muhammad's wealth grew. Until the capture of Khaybar the finances of the Islamic community were probably precarious, and the Emigrants lived partly off the charity or hospitality of the Helpers. The 'contributions' of his new allies must have eased Muhammad's budget, even if his responsibilities were also increasing.
>
> An interesting measure of Muhammad's growing wealth is the number of horses on his expeditions. At Badr in 624 he had over.300 men and only 2 horses. When he returned there in 626 he had 1,500 men. but still only 10 horses. Two years later at Khaybar there was about the same number of men, but 200 horses. At Hunayn after another two years 700 Emigrants had 300 horses and 4,000 Helpers another 500.

Then came the great expansion. Later in the same year (630) on the expedition to Tabuk there are said to have been 30,000 men and 10,000 horses. The military significance of these figures can be seen from the fact that the Meccan cavalry, which played a decisive part at Uhud, numbered 200 in a force of 2,000. After the battle of Hunayn Muhammad was vastly stronger and richer than Mecca had ever been.(1)

''اتحاد قائم کرنے کی حکمت عملی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد ﷺ کی دولت میں اضافہ ہوا۔ خیبر کے فتح کرنے تک اسلامی ریاست کی مالی حالت کم وبیش غیر مستحکم تھی اور مہاجرین کا گزارہ زیادہ تر انصار کی مہمان نوازی اور ان کے تعاون پر ہی ہو رہا تھا۔ جو حضرت محمد ﷺ کے نئے اتحادی تھے ان کی خدمات نے نئی ریاست کے بجٹ کو سہولت دی گو کہ آپ کی ذمہ داریاں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھیں۔

''حضرت محمد ﷺ کی اقتصادی حالت کے بڑھنے کا ایک دل چسپ اندازہ مختلف مہمات میں ریاستِ مدینہ کی طرف سے استعمال کیے جانے گھوڑوں سے ہوتا ہے۔ ۶۲۴ء میں بدر کے معرکے میں کم وبیش تین سو سے زائد افراد شریک تھے اور ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے؛ اور جب وہ وہاں سے واپس لوٹے تو ۶۲۶ء میں ان کے پاس پندرہ سو افراد تھے اور صرف دس گھوڑے تھے۔ دو سال بعد خیبر کے موقع پر افراد کی تعداد کم وبیش وہی تھی لیکن ان کے پاس گھوڑوں کی تعداد دو سو تھی۔ حنین کے موقع پر جب کہ دو سال گزر چکے تھے، سات سو مہاجرین کے پاس تین سو گھوڑے اور چار انصار کے پاس پانچ سو گھوڑے تھے۔ اب اس کے بعد آنے والے سالوں میں مزید وسعت ہونی شروع ہوگئی۔ اس کے بعد تبوک کی جنگ کے موقع پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں تیس ہزار افراد شریک تھے جن کے پاس دس ہزار گھوڑے تھے۔ ان اعداد و شمار کی عسکری اہمیت کا اندازہ احد کے موقع پر مکہ کی سوار فوج کے فیصلہ کن کردار سے ہوتا ہے جب کہ کل دو ہزار کی فوج میں ان کی تعداد دو سو تھی۔ حنین کی جنگ کے بعد حضرت محمد ﷺ اتنے مضبوط اور اقتصادی لحاظ سے اتنے مستحکم تھے کہ اتنی مضبوطی اور استحکام اہل مکہ کو کبھی بھی نہیں ملا تھا۔''

قرآن حکیم نے ان تین پہلوؤں پر مشتمل انقلاب کا ذکر لائحہ عمل کے طور پر کیا ہے کیونکہ

(1) W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, pp. 214-5.

صحابہ کی قومی زندگی کے مذکورہ بالا تینوں شعبوں میں اس تبدیلی کا مقصد **لعلکم تشکرون** (تاکہ تم خدا کے شکر گزار بندے بن سکو) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ انفرادی طور پر شکر گزاری کا وصف تو صحابہ کرام کو قبل از ہجرت بھی نصیب تھا۔ لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ معاشرتی صالحیت اور اخلاقی انقلاب سے بہرہ ور ہوکر ایسا صالح اور مثالی معاشرہ وجود میں لایا جائے جو عالمی سطح پر کلمہ حق کے غلبہ و اعلاء کا باعث ہوسکے۔ یہ مقصد اس لائحہ عمل کے بغیر پورا نہ ہوسکتا تھا۔ یہ مقصد اجتماعی سطح پر سیاسی عدم استحکام، معاشی استحصال اور سماجی ناہمواری کو باقی رکھتے ہوئے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے قرآن مجید نے سیاسی، معاشی اور سماجی میدان میں مثبت تبدیلی کو قومی نصب العین کے حصول کے لائحہ عمل کے طور پر بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم کی سیاسی رہنمائی اور سیرتِ نبوی ﷺ

اگر معاشرے کے سیاسی، معاشی اور سماجی شعبوں کو محض احکام الٰہیہ اور حدود شرعیہ کی تبلیغ اور نفاذ کے ذریعے صحیح معنوں میں اسلامی، مثالی، انقلابی معاشرہ بنایا جاسکتا تو سرور دوعالم ﷺ کبھی ہجرت نہ فرماتے بلکہ مکہ کی غیر مسلم سیاسی اور معاشی قیادت سے تعرض کئے بغیر اپنے پیروکاروں کو اسلام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ہجرت مدینہ کا حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ باطل کے سیاسی و معاشی اقتدار میں اجتماعی صالحیت اور ملی سطح پر مطلوبہ انقلاب کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا تھا۔ مسلمانوں کی ناگفتہ بہ سیاسی، معاشی اور سماجی حالت کے پیش نظر یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے قومی نصب العین کو پاسکیں۔ ان حالات کے قائم رہتے ہوئے شریعت کے اوامر ونواہی کے نفاذ سے مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لئے ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے اولین توجہ مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی استحکام کی طرف دی۔ میثاق مدینہ اور مواخات مدینہ کے ذریعے انہیں سیاسی اور معاشی طور پر آزاد اور مستحکم کردیا۔ ہر قسم کے ظلم و استبداد اور ناانصافی و استحصال کے امکانات ختم کردیئے۔ ہر ایک کی زندگی میں تخلیقی جدوجہد کو بحال کیا۔ ہر کسی کو جینے اور ہر لحاظ سے فروغ پانے کے یکساں مواقع مہیا کئے ہر شخص کو بلا امتیاز باعزت سماجی زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا، معاشرے کی اجتماعی زندگی سے محرکات جرم و معصیت کا خاتمہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان بنیادی تبدیلیوں کے ساتھ شریعت کے اوامر ونواہی کو بتدریج رائج کیا۔ اسلامی حدود کے نفاذ کی طرف قدم بڑھایا اور ہر شخص کو غلبہ اسلام کی خاطر عظیم عالمی انقلاب کے لئے تیار کر دیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی تیرہ (۱۳) سالہ مکی جدوجہد کے بعد ہجرت مدینہ کے فیصلے سے بعض ذہنوں کو یہ مغالطہ لاحق ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال تک پیغمبرانہ دعوت و تبلیغ کے بعد یہ محسوس کیا کہ یہاں مطلوبہ نتائج پیدا نہیں ہوسکتے۔ اس لئے یہاں سے ہجرت کر جانا چاہیے۔ گویا ہجرت کا فیصلہ تیرہ سالہ تجربہ کے نتیجے میں کیا گیا تھا۔ اس خیال سے یہ تصور پختہ ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد بھی (معاذ اللہ) اقدام و خطا (Trial & Error) کے انداز میں تھی۔ یہ نقطہ نظر اس لئے غلط اور گمراہ کن ہے کہ اس سے اس ہدایت ربانی کی سرپرستی اور وحی الٰہی کی نفی ہوتی ہے جو آپ ﷺ کو اپنی جدوجہد کے دوران بحیثیت پیغمبر حق ہر وقت حاصل تھی۔ اگر اس رہنمائی کے باوجود تیرہ سال کے تجربے نے اس نتیجے تک پہنچایا تھا تو پھر (معاذ اللہ) علم الٰہی اور پیغمبرانہ بصیرت دونوں عام انسانی علم کی طرح ناقص قرار پاتے ہیں۔ یہاں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ہجرت مدینہ کا فیصلہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی رائے اور صوابدید سے نہیں بلکہ براہ راست حکم الٰہی سے کیا تھا۔ اس لئے اقدام و خطا کی ذمہ داری (معاذ اللہ) نبی ﷺ پر نہیں بلکہ خود باری تعالیٰ کی ذات پر عائد ہوتی ہے اور ایسا تصور صریح کفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تیرہ سالہ مکی جدوجہد عین منشائے ایزدی اور حکم الٰہی کے مطابق انقلاب محمدی ﷺ کا پہلا مرحلہ تھا۔اس مرحلے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے کفر و طاغوت کے خلاف علم حق بلند کیا۔ دعوت وتبلیغ اسلام کا آغاز کیا تو نتیجتاً سخت مخالفت و مزاحمت پیدا ہوگئی جو لوگ مخالفت و مزاحمت کے اس شدید ترین ماحول میں ایمان لائے ان پر مشتمل انقلابی جماعت تیار کی گئی۔ اس انقلابی جماعت کی صحیح تربیت کے لئے اس قدر مخالف اور مزاحم ماحول سے بہتر کوئی اور ماحول نہیں ہوسکتا تھا۔ جتنی سختی کفار و مشرکین کے رویے اور ردعمل میں تھی اس سے کہیں زیادہ مضبوطی اور استحکام ان انقلابی اور جاں نثار صحابہ کی سیرتوں میں پیدا کرنا مقصود تھا۔ ورنہ ان کا وجود بھی باقی نہ رہ سکتا۔ اگر اس جاں گسل اور اذیت انگیز مکی ماحول میں رہ کر جماعت صحابہ طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت نہ کرتی تو یہ جماعت صحابہ راہ حق کے دشوار گزار راستوں پر عزم و ہمت کے ساتھ قائم دائم رہنے کے قابل نہ ہوتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جس معاشرے کو اولا انقلاب کے ذریعے بدلنا تھا اسی میں رہ کر اپنے جاں نثار رفقاء کا گروہ تیار کیااور جب یہ محسوس فرمایا کہ اب اتنی جماعت تیار ہوچکی ہے جس کے ذریعے ایک مثالی معاشرہ تشکیل دے کر غلبہ حق کے لئے وسیع جدوجہد کا آغاز کیا جاسکتا ہے تو حکم الٰہی سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ وہاں پہنچتے ہی اسلامی ریاست کا سنگ بنیاد رکھا۔

لہٰذا مکی دور افراد کی انقلابی تربیت کا دور تھا اور مدنی دور انقلاب کے باقاعدہ آغاز کا جس

کے پہلے مرحلے کی تکمیل ''فتح مکہ'' کی صورت میں ہوئی اور دوسرے مرحلے کا آغاز اس کے بعد ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ بے لوث اور جاں نثار رفقاء پر مشتمل مضبوط انقلابی جماعت کی تشکیل ہی زیادہ محنت طلب کام ہے جس کے بعد دیگر مراحل آسان ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ہجرت کے بعد پہلا خطبہ

رسول اکرم ﷺ انصار میں کھڑے ہوئے اور پہلے اللہ تعالی کی حمد و ثناء جو اُس کی شان کے شایان ہے بیان فرمائی پھر فرمایا:

أما بعد! أيها الناس، فقدّموا لأنفسكم، تعلمن واللہ ليصعقن أحدكم، ثم ليدعن غنمه ليس لها راع، ثم ليقولن له ربه و ليس له ترجمان ولاحاجب يحجبه دونه: ألم يأتک رسولی فبلغک، وأتيتک مالاً وأفضلت عليک؟ فما قدّمت لنفسک؟ فلينظرن يمينا و شمالا فلا يری شيئًا ثم لينظرن قدامه فلايری غيرجهنم فمن استطاع أن يقی وجهه من النار و لو بشق من تمرة فليفعل ومن لم يجد فبكلمة طيبة، فإن بها تجزی الحسنة عشر أمثالها إلی سبعمئة ضعف والسلام عليكم ورحمة اللہ و بركاته۔[1]

''اما بعد! اے لوگو! اپنی اخروی زندگی کے لئے نیک اعمال آگے بھیجو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! تم ضرور بالضرور یہ بات جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی ایک بے ہوش ہو جائے گا اور اپنی بکریوں کو بغیر چرواہے کے چھوڑ دے گا۔ پھر اس کا رب اس سے مخاطب ہو گا درآنحالیکہ اس کا کوئی ترجمان نہ کوئی دربان جو درمیان میں رکاوٹ بنے (پھر وہ یوں فرمائے گا:) کیا تمہارے پاس میرے رسول مکرم نہیں آئے اور انہوں نے تجھے میرا پیغام نہیں پہنچایا اور کیا میں نے تجھ کو مال دے کر تجھ پر اپنا فضل نہیں کیا؟ تو تُو نے اپنی آخرت کے لئے کیا اعمال بھیجے؟ یہ شخص اُس وقت دائیں بائیں اور آگے دیکھے گا تو سوائے جہنم کے کچھ نہیں پائے گا۔ پس اے لوگو! جہنم سے بچو اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے (برابر صدقے کے) ساتھ ہو اور جس کو وہ بھی میسر نہ ہو وہ خوش کلامی اختیار کرے اور اچھے جواب کے ساتھ سائل کو لوٹائے۔ کیونکہ اس کا ثواب بھی دس نیکیوں سے لے کر سات سو اور اُس کے دُگنے

(۱) ابن ہشام، السيرة النبوية، ۳: ۳۰

تک ہوتا ہے تم پر اور خدا کے رسول پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔''

دوسرا خطبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے دوسرا خطبہ اس طرح سے بیان فرمایا:

''حمد و ثناء خدائے برحق کے واسطے ہے اُسی کی میں تعریف کرتا ہوں اور اُسی سے اعانت اور امداد کا خواستگار ہوں۔ ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کے شرور اور اپنے اعمال کی برائیوں سے جس کو خدا ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بیشک سب باتوں سے اچھی بات اور سب سے بہتر کلام خدائے تبارک و تعالیٰ کی کتاب ہے وہ شخص بڑا صاحبِ فلاح ہے جس کے قلب میں خدا نے اپنی اس کتاب کی زینت بخشی اور کفر کے بعد اُسے اسلام میں داخل کیا اور اُس شخص نے لوگوں کی سب باتیں چھوڑ کر اس کتاب سے تعلق استوار کیا۔ بیشک یہ سب سے اچھا اور سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ کلام ہے۔ (اے لوگو!) اُن باتوں کو پسند کرو جن کو خدا نے پسند کیا ہے اور پورے اخلاصِ قلب سے خدا سے محبت کرو۔ کلامِ الٰہی اور اُس کے ذکر سے غافل نہ ہو اور لازم ہے کہ خدا کی طرف سے تمہارے قلب سخت نہ ہونے پائیں۔ اس کلام کو خدا نے اپنی تمام مخلوق پر بزرگی اور شرف بخشا ہے اور اُس کی تلاوت کو بہتر اعمال قرار دیا ہے۔ تمام حلال و حرام کے احکام اس میں موجود ہیں۔ لہٰذا تم خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اُس کا شریک نہ بناؤ اور جیسا کہ اُس سے ڈرنا چاہیے اُس سے ڈرو اور خدا سے جو عہد کیا ہے اُس کو سچا کر کے دکھاؤ اور آپس میں اس روح ایمانی کے ساتھ جو تمہارے اندر داخل ہوئی ہے ایک دوسرے سے محبت کرو۔ بیشک اللہ اس بات سے غضبناک ہوتا ہے کہ اُس سے کیا گیا عہد توڑا جائے۔ والسلام علیکم۔(۱)

قیامِ ریاست کی جد و جہد: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

بعثت محمدی ﷺ اپنے مقصد کے حوالے سے تمام انبیاء و رسل سے اس لئے ممتاز ہے کہ

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية : ۲۳۰

آپ کا مقصود بعثت نہ صرف دین حق کا تمام ادیان باطلہ پہ غلبہ تھا بلکہ اپنے ۲۳ سالہ عرصہ جدوجہد میں آپ کا یہ مقصود بعثت اتمام پذیر بھی ہوکر رہا چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کو رب ذوالجلال نے اس صفت سے بہرہ ور فرمایا، ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (۱)

''(مومنو!) بیشک تمہارے لئے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔''

لہٰذا اس مقصود بعثت محمدی ﷺ کو پانے کے لئے واضح منہاج بھی آپ کی حیات مبارکہ سے میسر آنا چاہئے۔ اگر نبوی انقلابی جدوجہد کا اس تناظر میں جائزہ لیا جائے تو انقلابی جدوجہد کا واضح منہاج، اہم مراحل اور رہنما اصول سامنے آتے ہیں۔ انقلابی جدوجہد کے حوالے سے حیات نبوی ﷺ دو ادوار پر مشتمل ہے:

۱۔ مکی دور (دور ما قبل انقلاب)

۲۔ مدنی دور (دورِ انقلاب)

مدنی دور کو بھی جدوجہد کے اعتبار سے یوں تقسیم کیا جاسکتا ہے: یعنی قومی سطح اور بین الاقوامی سطح پر غلبہ دین کی بحالی۔

مکی دور

اس دور کا آغاز اعلان نبوت سے ہوتا ہے۔ اس دور میں آپ ﷺ نے دعوت سے آغاز فرمایا۔ دعوت و تبلیغ کے ذریعے انقلابی جماعت کی تیاری کا آغاز کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اولاً خفیہ طور پر اور بعد میں اعلانیہ دعوت حق کی تبلیغ کا کام انجام دیا۔ آغاز دعوت کے ساتھ ہی مشرکین مکہ کی طرف سے ظلم وستم کا آغاز بھی ہوگیا۔ جس میں جہاں ایک طرف انفرادی طور پر مسلمانوں کو جور وستم کا نشانہ بنایا گیا وہاں آواز انقلاب کو دبانے کے لئے مشرکین مکہ نے آپ اور آپ کے خانوادہ بنو ہاشم کو شہر بدر اور محصور کر کے آپ کے معاشرتی مقاطعہ (Social Boycott) کا منصوبہ بھی بنایا۔ تین برس تک آپ کو اس معاشرتی مقاطعہ کے مصائب برداشت کرنا پڑے مگر ان مصائب و آلام کی شدتوں کے باوجود انقلابی جدوجہد جاری رہی۔ صحابہ کرام کی انقلابی جماعت کی اخلاقی، روحانی اور مذہبی

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۲۱

تربیت کا کام جاری رہا تاکہ مشکل سے مشکل تر حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ رکھنے والی جماعت تیار ہوسکے یہ دور تیرہ سالہ جدوجہد پر مشتمل ہے۔(۱)

مدنی دور

مدنی دور کا آغاز ہجرت سے ہوتا ہے یہ دس سالہ جہد مسلسل کا زمانہ ہے۔ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے باطل قوتوں کے خلاف انقلابی جدوجہد کے لئے مدینہ طیبہ کو باقاعدہ مرکز کی حیثیت عطا فرمادی۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی تمام تر جدوجہد اور سعی و کاوش کا مرکز ومحور غلبہ دین حق قرار پایا۔ جس کی ابتدائی تیاریاں مکہ میں قیام کے دوران ہی ہوچکی تھیں۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ اس انقلابی جدوجہد کیلئے تمہید و نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مدنی دور میں دعوت و تبلیغ، تربیت اور ترویج دین کا کام بدستور جاری رہا۔ اس طرح اس جدوجہد انقلاب کے ذریعے جہاں ایک طرف قومی سطح پر سرزمین عرب میں غلبہ دین حق کے خواب کو حقیقت میں بدلا گیا۔ وہاں بین الاقوامی سطح پر بھی مصطفوی انقلاب بپا کرنے کے لئے رستہ ہموار ہوا۔

ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) کے الفاظ میں:

> The novelty, then, at Medina was that the religious community was translated from theory to practice. ...... This was a clear proof for him and his followers of Divine support. All later developments in his preaching and in early Islamic conceptions derive naturally from the fact of the corporal existence of the community and the necessary (but not always easy) accommodation of the ideal to the stubborn facts and practical conditions of mundane life.(2)

’’مدینہ میں جو عدیم المثل کام کیا گیا یہ تھا کہ مذہبی معاشرے کے تصور کو نظریے سے عمل میں بدل دیا گیا۔ ...... یہ آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لئے الوہی حمایت و نصرت کی

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۱۴۔۱۵

۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۲۰۷

۳۔ ابن خلدون، تاريخ، ۱: ۵۱

(2) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 19.

واضح دلیل تھا۔ اس کے بعد ہونے والی تبلیغ میں ابتدائی اسلامی تصورات کی ترقی و فروغ قدرتی طور پر اس حقیقت سے ہوا کہ وہاں ایک معاشرے کا مجسم وجود تھا اور اس معاشرے میں اسلام کی آئیڈیل تعلیمات کو تلخ حقائق اور معمول کی زندگی کے عملی حالات کے ساتھ ہم آہنگ کیا گیا، گو یہ ہمیشہ آسان کام نہ تھا۔‘‘

ان ابتدائی تاسیسی اقدامات کے ذریعے آقا ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر بھی انقلاب کی بنیادیں استوار کردیں۔ جو دور خلافت راشدہ میں تکمیل پذیر ہوا۔ اس لئے دور خلافت راشدہ کو دور ما بعد انقلاب کا عنوان دیا جاتا ہے۔

مدینہ طیبہ کا ماحول مکہ مکرمہ سے مختلف تھا۔ مکہ میں آپ ﷺ کو صرف مشرکین مکہ کی مخالفت کا سامنا تھا جبکہ مدینہ میں مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ اور منافقین بھی تھے۔ مدینے کے ان نامساعد حالات میں آپ ﷺ نے ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھی اور اسلام کے اصولوں کے مطابق اس کی تشکیل و تعمیر کی۔ اپنی بے مثال سیاسی بصیرت، تدبر اور انقلابی حکمت عملی کے ذریعے آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں قائم ہونے والے اسلامی معاشرے کو اسلامی ریاست میں بدلا اس کی معاشی و عمرانی بنیادوں کو مضبوط کیا اور سیاسی و عسکری لحاظ سے بھی اسے مضبوطی و تحفظ عطا کیا۔ تا آنکہ فتح مکہ کی صورت میں پوری سرزمین عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اور پھر خلفئے راشدین اور بعد کے ادوار میں عالمی سطح پر اسلامی ریاست کی توسیع ہوتی چلی گئی۔

مدنی دور کی سات سیاسی فتوحات

مدنی دور میں سیاسی جدوجہد کی تکمیل کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل اقدامات و فتوحات انتہائی توجہ طلب ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا:

۱۔ مواخاتِ مدینہ

۲۔ وسیع البنیاد معاہدات و اقدامات

۳۔ میثاقِ مدینہ

۴۔ معاہدۂ حدیبیہ

۵۔ فتحِ خیبر

۶۔ فتحِ مکہ

۷۔ خطبہ حجۃ الوداع

اب ہم ان کا بالترتیب جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ مواخات: نئے سماجی و اِقتصادی نظام کا اِجراء

(New Socio-Economic Order)

مدینہ طیبہ میں مہاجرین کی مکہ سے آمد پر اولیں مسئلہ ان کی بحالی (Rehabilitation) اور معاشی استحکام (Economic Stability) تھا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کی فوری بحالی کے لئے جو منصوبہ بنایا وہ نہ صرف ریاست مدینہ کی معاشی و اقتصادی بنیادوں کی مضبوطی کا باعث بنا بلکہ سماجی اور معاشی منشور کی حیثیت سے بھی درج ذیل مضمرات کے حوالے سے آپ کی و سیاسی بصیرت اورتدبر کا ثبوت ہے۔

۱۔ مدینہ طیبہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل فرماتے ہوئے آپ نے مذہبی احکام کو یکدم نافذ نہیں کیا اس نوتشکیل شدہ اسلامی معاشرے کے افراد کے معاشی استحکام کو اولین ترجیح قرار دیا جبکہ مذہبی احکام بتدریج نافذ ہوتے رہے۔[۱]

۲۔ مواخات کا نظام قائم فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے مہاجرین کے مزاج کا خیال رکھا۔ کیونکہ نو آمدہ مہاجرین کی مدینہ طیبہ میں آبادکاری کے کئی طریقے ہوسکتے تھے۔ مگر مہاجرین مکہ کے طبعی مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے کسی دوسرے طریق کو اختیار نہ فرمایا۔ مہاجرین مکہ

---

(۱) ۱۔ صالحی، سبل الهدی والرشاد، ۳: ۵۱۰
۲۔ سیوطی، الخصائص الکبری، ۲: ۳۵۹
۳۔ ابن إسحاق، السیرۃ النبویة، ۵: ۲۷۸
۴۔ ابن هشام، السیرۃ النبویة: ۵۱۱
۵۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۳: ۲۵۳
۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۴۳
۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۱۹۰

معاشی زندگی کے متعلق انصار مدینہ سے مختلف طرزِ عمل کے حامل تھے۔ انصار مدینہ زراعت پیشہ لوگ تھے۔ جبکہ اہل مکہ کا پیشہ تجارت تھا جو کہ آزاد پیشہ تھا۔[1] اہل مکہ مدینہ کے زراعت پیشہ قبائل میں صدیوں سے قائم جاگیرداری نظام اور مزارعوں کی حالت کے پیشِ نظر اسے اپنے لئے باعث ننگ و آر سمجھتے تھے۔ اگرچہ مدینہ طیبہ زرعی علاقہ تھا مگر مہاجرین کو زمینوں پر آباد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لہٰذا انہیں براہ راست زمینوں پر آباد کرنے کی بجائے آپ ﷺ نے معیشت کی بنیاد مواخات پر رکھی جس کا مطلب معاشی زندگی میں سب مسلمانوں کے لئے اخوت و مساوات کے اصول کا عملی اطلاق تھا۔[2]

۳۔ نظام مواخات کے تحت مہاجرین کے دلوں سے زراعت و محنت کے خلاف قدیم موروثی تعصّبات ختم کرنے کا اہتمام کیا گیا تا کہ وہ نئی ریاست میں عضو فعال کا کردار ادا کرسکیں۔

۴۔ مواخات کی بنیاد ایمان و اسلام کے روحانی رشتہ کو قرار دیا گیا۔ انصار مدینہ نے اس رشتے کے قائم ہونے پر ایثار وقربانی کی لازوال مثالیں قائم کیں۔ یہاں تک کہ ایک انصاری بھائی فوت ہوجاتا تو اس کی جائیداد کا وارث اس کا مہاجر بھائی ہوتا یہ کاملیت ایمان و اسلام کا عملی اقرار تھا۔ جس نے مسلم معاشرے کو مکانی، جغرافیائی اور علاقائی حد بندیوں سے ماوراء کر کے آفاقی روحانی قدروں پر استوار معاشرے میں بدل دیا۔

۵۔ مواخات کے تحت قائم ہونے والے معاشرے میں محنت کو باعث عار نہیں بلکہ باعث افتخار قرار دیا گیا۔ اس میں سرمایہ داری، جاگیرداری اور سرداری نظاموں کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

٦۔ اس معاشی منصوبہ بندی کے تحت زراعت و تجارت کو ریاست مدینہ کی معیشت کا سنگ بنیاد قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ کی آمد سے قبل مدینہ طیبہ میں تجارت پر یہود کی اجارہ داری تھی۔ انصار کی معیشت کا انحصار زراعت پر تھا لہٰذا انہیں اپنی زرعی پیداوار لامحالہ یہود کے ہاتھ بیچنا پڑتی تھی۔ جس سے یہود ساہوکار اور اجارہ دار انصار کا حسب منشا استحصال کرتے تھے۔ اور انصار بھاری شرح پر سود در سود قرض کے چنگل میں مبتلا تھے۔ انصار و مہاجرین میں رشتہ مواخات زراعت وتجارت کے اشتراک کا باعث بنا۔ مہاجرین نے اپنی تجارتی سوجھ بوجھ اور

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۳۲۳

(۲) ابن هشام، السيرة النبوية، ۴۳۳

تجربے سے یہود کی اجارہ داری کا خاتمہ کردیا۔ اس سے نہ صرف انصار یہودیوں کے استحصالی چنگل سے آزاد ہوگئے بلکہ معاشرے سے بھی سود کاری، اجارہ داری، احتکار اور چور بازاری کا فساد رفع ہوگیا۔ اس طرح غیر مسلم اور عرب قبائل تجارتی لین دین میں یہودیوں پر مسلمانوں کو ترجیح دینے لگے اور مسلمانوں سے ان کا تعلق عرب قبائل میں تحریک اسلام کی کامیابی کا باعث بنا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دیئے ہوئے سماجی و معاشرتی نظام کی معاشی افادیت دعوت اسلام کے فروغ کا باعث بنی۔[1]

۲۔ وسیع البنیاد معاہدات و اقدامات (Broad Based Treaties)

حضور نبی اکرم ﷺ نے دعوت حق کے فروغ اور اسلام کے استحکام کے لیے کثیر الجہات حکمت عملی اختیار فرمائی:

۱۔ آپ نے مخالف قوتوں کے ساتھ اتحاد و معاہدات کئے۔ یہود سے معاہدہ توحید کے ''مساوی کلمہ'' کی بنیاد پر طے پایا۔ دیگر کئی قبائل سے معاہدات طے کرتے وقت آپ نے حالات کے مطابق حکمت عملی اختیار فرمائی مثلاً طائف کے قبیلہ بنو ثقیف نے معاہدہ کے لئے یہ مطالبات پیش کیے:

۱۔ نماز سے استثنیٰ — ۲۔ حرمتِ زنا سے استثنیٰ
۳۔ طائف کو حرم قرار دینا — ۴۔ فرضیتِ زکوۃ سے استثنیٰ
۵۔ فرضیتِ جہاد سے استثنیٰ۔[2]

ان کی تردید پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أما كسر أوثانكم بأيديكم فسنعفيكم منه وأما الصلاة، فإنه لا خير في دين لا صلاة فيه۔[3]

''خیر! بتوں کو تمہیں اپنے ہاتھ سے توڑنے سے تو ہم معافی دیتے ہیں مگر رہا نماز کا معاملہ تو

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۱۶۱
۲۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۱: ۵۰۹
(۲) مقريزى، إمتاع الأسماع، ۱: ۴۹۳
(۳) ابن هشام، السيرة النبوية، ۱۰۴۲

اس دین میں کچھ خیر نہیں ہے جس میں نماز نہ ہو (لہٰذا اس سے ہم معافی نہیں دے سکتے)۔"

حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں پہلی دو شرطوں پر منوالیا اور بعد کی تین شرطیں مان لیں۔ آپ نے فرمایا جب اسلام ان کے دل میں جم جائے گا تو خود بخود مکمل اسلام کو مان لیں گے۔

۲۔ آپ نے صرف یہود مدینہ سے ہی نہیں بلکہ دیگر کئی قبائل مثلاً بنی ضمرہ، بنی غفار، نعیم بن مسعود اشجعی اور نجران کے عیسائیوں سے بھی معاہدات کیے۔

۳۔ دشمن کی تعداد اور قوت کو کم کرنے کے لیے آپ نے زیادہ سے زیادہ اتحاد قائم کیے قطع نظر اس کے کہ وہ مذہبی اتحاد تھے یا سیکولر، تاکہ اپنی طاقت میں اضافہ کیا جائے:

Suffice is to say that within ten years of his departure from Mecca for Medina, through a brilliant system of allianceswnit nomadic tribes and military victories, Muhammad was recognized as political ruler and Prophet of God by the citizens of Mecca and Medina, as well as by most of the tribes in the Arabian Peninsula. The tribes in a broad region around Mecca and Medina were all firmly united to Muhammad and had all professed Islam.(1)

"یہ بات کہنا کافی ہوگا کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد دس سالوں کے اندر اندر بدوی قبائل کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کی بہترین حکمت عملی اور عسکری فتوحات کے نتیجے میں محمد ﷺ کو اہل مکہ اور اہل مدینہ نے سیاسی حکمران اور اللہ کا پیغمبر تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ جزیرہ نما عرب کے کئی قبائل اور مکہ اور مدینہ کے گرد کے کئی قبیلے محمد ﷺ کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔"

۴۔ آپ نے دشمن کے اتحادیوں (Allies) سے بھی مذاکرات و اتحاد کو اپنایا تاکہ انہیں ممکنہ مناسب شرائط پر اپنے ساتھ ملا کر دشمن کی سیاسی و مذہبی طاقت کو کمزور کیا جاسکے۔ مثلاً غزوہ خندق کے موقع پر کفار مکہ کے اتحادیوں میں سے قبیلہ غطفان کو اہل مکہ سے علیحدگی پر آمادہ کرلیا گیا۔ اور محاصرہ مدینہ کے موقع پر بھی قریش مکہ اور یہود مدینہ میں پھوٹ ڈلوائی گئی جس سے قریش مکہ کا مدینہ کے

(1) Harold A Netland, Dissonant Voices: Religions Pluralism the Question of Truths, p. 80.

محاصرہ کرنے کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔[1]

آپ نے بتدریج اپنی حکمت عملی سے اہل مکہ میں اسلام کے فروغ کے امکانات پیدا کئے:

Meantime he was reducing his pressure on Mecca and showing himself disposed to be friendly and ready to respect Meccan feelings. These facts point to the conclusion that Muhammad was no longer vigorously prosecuting the struggle with the Meccans, but was angling for their conversion to Islam. Doubtless he had also further aims behind this. Perhaps he was disgusted at the recent refusal of many nomads to join in his pilgrimage and felt that his own fellow-townsmen, if he could win them over, would be a more reliable basis for the new body politic he was establishing. Perhaps he was rather thinking that in the new Islamic state their administrative and organizing ability would be in demand. Certainly from this time on, whatever may have been the case previously, he was aiming at gaining the Meccans for Islam and the Islamic state.[2]

''اسی کے ساتھ ساتھ محمد ﷺ اہل مکہ پر اپنا دباؤ کم کر رہے تھے اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر رہے تھے اور اہل مکہ کے احساسات کا احترام کرنے پر تیار تھے۔ یہ حقائق اس نتیجے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ محمد ﷺ اب اہل مکہ کے خلاف بہت زیادہ پرتشدد جد و جہد کو جاری نہیں رکھ رہے تھے بلکہ ان کی حکمت عملی اہل مکہ کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے پیچھے اسلام کے فروغ کے حوالے سے ان کے کئی مقاصد تھے۔ شاید وہ اس بات سے رنجیدہ تھے کہ ان کے حالیہ سفر حج میں شرکت سے کئی بدوؤں اور قبائل نے انکار کر دیا تھا اور انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کے اپنے شہر کے لوگ بھی اگر وہ ان کے دل جیت لیں تو وہ نئی ریاست کے قیام کے حوالے سے ان کے لیے زیادہ قابل اعتماد ثابت ہوسکتے ہیں جسے قائم کرنے کے لیے وہ جد و جہد کر رہے تھے۔ یا

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۷۷۷

۲۔ سيوطی، الخصائص الكبری، ۱: ۳۴۶

(2) W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, p.186.

شاید وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ نئی اسلامی ریاست کے انتظامی اور تنظیمی معاملات کے لیے جو تقاضے پیدا ہو رہے تھے وہ تقاضے بھی ان کے ہم وطن لوگ پورا کر سکتے تھے۔ یقیناً اس کے بعد چاہے پہلے جو بھی صورتِ حال رہی تھی اب ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ کو اسلام قبول کروانے میں کامیاب ہوجائیں اور انہیں اسلامی ریاست کا حصہ بنائیں۔''

۵۔ آپ نے دشمن کے اندر اپنی حمایت (Favour & Soft Corner) پیدا کرنے کے لیے بھی اقدامات فرمائے۔ جس سے مخالفین کے اندر بھی آپ کی حمایت کے آثار پیدا ہوگئے۔ یمامہ میں قریش مکہ کے غلہ کی منڈی تھی اسے بند کروا دیا گیا۔ جس سے مکہ میں غلہ کی خاصی کمی واقع ہوئی۔ غذائی مشکلات آئیں پھر یہ پابندی اٹھا لی گئی۔ آپ کی اقتصادی پابندیوں (Economic Sanction) کے بعد ریلیف دینے کی پالیسی سے مکہ کے عوام آپ کے احسان مند ہو گئے۔[۱]

۶۔ اسی طرح قحط کے انتہائی شدت کے زمانے میں آپ نے ۵۰۰ اشرفیوں کی خطیر رقم مکہ کے محتاجوں اور غریبوں میں (جو غیر مسلم تھے) تقسیم کروائی جس سے مکہ کے اندر ریاست مدینہ کے بہی خواہ پیدا ہو گئے۔[۲]

۷۔ مخالفین کی تالیف قلبی کے لیے اقدامات کیے گئے۔ **خیار کم فی الجاهلیه خیارکم فی الاسلام اذا تفقهوا** کا اصول اپنایا گیا۔ جب مخالفین اسلام قبول کرتے تو انہیں اسلام میں بھی اعلیٰ مقام دیا جاتا۔ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو انہیں سردار بنا کر فوجی محاذ پر بھیجا گیا۔ اسی طرح خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام لانے پر سیف اللہ قرار دیئے گئے۔[۳]

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۵۱۲
۲۔ الأندلسی، الاکتفاء، ۲: ۱۳
۳۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۹: ۱۸۵
۴۔ ابن کثیر، تفسير القرآن العظيم، ۲: ۲۸۹

(۲) ۱۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ۱۳: ۱۴۲
۲۔ یعقوبی، التاریخ، ۲:۵۶
۳۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۲:۵۱۷

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب أم کنتم شهداء إذ حضر یعقوب الموت إذ قال لبنیه، ۳: ۱۲۳۵، رقم: ۳۱۹۴
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۸۵، رقم: ۱۰۳۰۰

←

۸۔ تالیفِ قلبی کے لیے سیاسی، سماجی، سفارتی اور اقتصادی اقدامات بھی کیے گئے۔ فتحِ مکہ کے وقت ابوسفیان کے گھر کو دار الامن قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من دخل دار أبی سفیان فھو آمن، ومن أغلق بابه فھو آمن۔(۱)

''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگیا وہ امن پا گیا، اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا وہ بھی امن میں آ گیا۔''

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا ہے تو لوگ اسلام قبول کرنے لگے اس طرح فتح مکہ کے موقع پر مخالفین کو **لا تثریب علیکم الیوم** کا مژدہ سنا کر تحریک اسلام کا حصہ بنا دیا گیا۔(۲)

۹۔ آپ نے پیغامِ حق کے فروغ کے لیے مختلف النوع اتحاد کیے جو سماجی (Social)، سیاسی (Political)، عسکری و دفاعی (Military & Defence)، اقتصادی (Economic) اور

..........۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۹۹

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۵۲۲

۵۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۴۱۵

۶۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۵۶

۷۔ سیوطی، الخصائص الکبریٰ، ۱: ۴۳۱

۸۔ الأندلسی، الاکتفاء، ۳: ۲۸۵

۹۔ ابن کثیر، البدایة والنھایة، ۴: ۲۴۶

۱۰۔ کتانی، التراتیب الإداریة، ۲: ۳۷۴

(۱) ابن ھشام، السیرة النبویة،: ۹۳۰

(۲) ۱۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۸۲

۲۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول، ۱: ۳۲۵

۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۳۶۵

۴۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۱۸

۵۔ أصبھانی، حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، ۳: ۳۶۸

۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۴۲

۷۔ عسقلانی، الإصابة، ۵: ۱۷۰

تجارتی (Commercial) نوعیت کے تھے۔ تاہم حالات کے ساتھ آپ کی اتحادی حکمت عملی (Alliance Strategy) بدلتی رہی۔ شروع میں آپ نے خالصتاً سیکولر اتحاد قائم کیے مگر آپ کی حاکمیت مسلم ہوجانے پر آپ نے اتحاد کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کے عملی اقرار کے ساتھ مشروط کر دیا۔

ریاست مدینہ کے تمام معاہدات استحکام ریاست، اور اسلام کے نشر وفروغ کا باعث بنے۔ منٹگمری واٹ (Watt Montgomery Watt) لکھتا ہے:

In the treaties just mentioned the outline was drawn of one part of the structure of the later Islamic empire. These settled communities of Jews and Christians were not asked to become Muslims, but only to submit to the Islamic state on certain conditions. The chief was the payment of an annual tribute in money or in kind. In return for this they would be allowed to manage their own internal affairs as they had done before, and in their relations with outsiders they would be under the protection of 'God and His Messenger', that is, of the Islamic state. Where a community surrendered without fighting, the tribute was much lighter.(1)

’’جن معاہدات کا ابھی ذکر کیا گیا ان میں اسلامی ریاست کے، جو بعد میں وجود میں آنی والی تھی، ایک حصے کے ڈھانچے کا ابتدائی خاکہ بیان کر دیا گیا۔ وہاں پر پہلے سے آباد یہودی اور عیسائی آبادی کو اسلام قبول کرنے کے لیے نہیں کہا گیا بلکہ کچھ شرائط پر اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کرنے کے لیے کہا گیا۔ ان کی بڑی ذمہ داری سالانہ بنیادوں پر رقم اور جنس کی شکل میں کچھ نہ کچھ ادائیگی کرنا تھا اور اس کے بعد انہیں اپنے اندرونی معاملات کو پہلے ہی کی طرح چلاتے رہنا تھااور اپنے بیرونی دنیا کے ساتھ معاملات میں وہ اللہ اور اس کے پیغمبر کی حفاظت کے ماتحت تھے یعنی کہ وہ اسلامی ریاست کے ماتحت تھے۔ ہر وہ آبادی جس نے بغیر لڑنے کے اطاعت قبول کر لی اس کے اوپر ادائیگی کی ذمہ داری بہت ہی کم تھی۔‘‘

۱۰۔ مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے انقلابی اقدامات قومی زندگی کو ایک ہمہ گیر مصطفوی انقلاب کا مظہر بنانے کے لیے لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ اور آپ کے ان اقدامات کی ترجیحی نوعیت

(1) Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 219.

(Nature of Priority) کو بھی بیان کرتے ہیں۔ ہجرت کے سال اول میں آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل پانچ امور پر اپنی توجہ مبذول فرمائی:

(۱) میثاق مدینہ کے ذریعے سے آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کو آئینی بنیاد فراہم کی۔ میثاق مدینہ آپ کا ایک ایسا سیاسی اقدام تھا جس کے نتیجے میں ریاست مدینہ میں آپ کی حاکمیت مسلم ہوگئی۔

(۲) مواخات کے ذریعے آپ نے معاشی اور سماجی استحکام کا نظام دیا اس طرح مکہ سے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری و معاشی بحالی ممکن ہوئی۔

(۳) مسجد نبوی تعمیر کی گئی اور افراد معاشرہ کی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔

(۴) ریاست مدینہ کا نظم ونسق چلانے کے لیے آپ ﷺ نے انتظامی ڈھانچہ (Administrative System) قائم فرمایا۔

(۵) ریاست مدینہ کے دفاع (State Defence) کے لیے آپ نے عسکری و دفائی اقدامات فرمائے۔[1]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ا ہجری میں کئے جانے والے تمام تر اقدامات سماجی اور معاشرتی Socio-Economic اور Secular نوعیت کے تھے جبکہ مذہبی اقدامات (Religious Programme) کا آغاز ۲ ہجری سے کیا گیا۔ اور اس کا نزول و نفاذ بتدریج ہوتا رہا۔[2]

۲ ہجری کے احکامات:

اذان۔ فرضیتِ زکوۃ۔ فرضیتِ صیام رمضان۔ تحویلِ کعبہ۔ فرضیتِ جہاد

۳ ہجری کے احکامات:

امتناعِ شرب (تحریمِ خمر) کا حکم

۴ ہجری کے احکامات:

نفاذِ تحریمِ خمر۔ حکمِ حجابِ نساء

---

(۱) ۱۔ ابن خلدون، تاریخ، ۱: ۶۷

۲۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۱: ۲۷۸۔۲۷۹

(۲) صالحی، سبل الهدی والرشاد، ۳: ۵۱۰

۵ ہجری کے احکامات:

حکمِ تیمّم۔ زنا، قذف، لعان وغیرہ کے اَحکام

۶ ہجری کے احکامات:

نکاح وطلاق کے اَحکام۔تبلیغِ اِسلام کے بین الاقوامی منصوبہ کا آغاز

۷ ہجری کے احکامات:

سود کی قطعی حرمت

۸ ہجری کے احکامات:

فرضیتِ حج(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کی حکمتِ عملی کے اَثرات ونتائج

حضور اکرم ﷺ کی مؤثر حکمت عملی میں سب سے نمایاں اور دور رس نتائج کے حامل وہ معاہدات تھے جو آپ نے یہود و نصاریٰ سمیت کفار مکہ اور دیگر عرب قبائل کے ساتھ فرمائے۔ ان میں قابل ذکر بات یہ تھی کہ یہ سب کی سب اسلام دشمن سیکولر اکائیاں تھیں جن کے ساتھ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف نوعیت کے اتحاد (Alliance) کئے لیکن آپ کے دو اتحاد بطور خاص نتائج کے اعتبار سے تاریخی اور فیصلہ کن اہمیت کے حامل ٹھہرے۔ ان میں ایک ''میثاق مدینہ'' اور دوسرا ''معاہدہ حدیبیہ'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ میثاق مدینہ پہلی سن ہجری میں یثرب کے قبائل اور بالخصوص یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ہونے والا سیاسی اور دفاعی معاہدہ تھا جبکہ معاہدہ حدیبیہ ۶ ہجری میں عرب کی سب سے بڑی اسلام دشمن قوت کفار ومشرکین کے ساتھ طے پایا۔ ذیل میں ہم بالترتیب ان کے اسباب، فوائد اور اثرات کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ سیوطی، الخصائص الکبری، ۲: ۳۵۹

۲۔ ابن إسحاق، السیرة النبویة، ۵: ۲۷۸

۳۔ ابن هشام، السیرة النبویة: ۵۱۱

۴۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۳: ۲۵۳

۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۴۳

۶۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۱: ۱۹۰

۳۔ میثاقِ مدینہ (Pact of Madina)

حضور نبی اکرم ﷺ کی مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے وقت مکہ میں آپ کے مخالفین آپ کے مشن، دعوت اور آپ کی ذات کے دشمن بن چکے تھے۔ ایسے ماحول میں تحریک اسلامی کا فروغ محال تھا جبکہ رسول اکرم نے اپنا پیغام پوری انسانیت تک پہنچانا تھا اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب آپ کی ذات اور دعوت دونوں کو قبول عام حاصل ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ بعثت سے قبل بھی مکہ کے ایک معزز شہری، دیانتدارفرد اور سرداران قریش کے چشم و چراغ تھے۔ لیکن جب اپنے عزیز رشتہ داری ہی آپ کے جانی دشمن ہوگئے تو یہ شخصی امتیازات، مصطفوی تحریک کی کما حقہ کامیابی کی ضمانت مہیا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ ہجرت کے بعد کسی دوسری مناسب جگہ جاکر اسلامی تحریک کو مستحکم فرماتے اور یہ استحکام اسی صورت میں ممکن تھا جب آپ کی شخصیت وہاں کی اہم ترین سیاسی و سماجی شخصیات میں نمایاں مقام حاصل کرلیتی۔ ہجرت کے بعد مصطفوی انقلاب کا مرکزاور جلوہ گاہ نبوت بننے کی سعادت ابدی خطہ یثرب کے حصے میں آئی۔ آپ نے مواخات کے ذریعے مسلمانوں کے بنیادی معاشی مسائل حل کرنے کے فوراً بعد یثرب اور اس کے اردگرد چھوٹے بڑے قبائل کا جائزہ لیا۔ ان میں بعض عیسائی قبیلے آباد تھے، بعض مشرکین تھے، بعض منافقین اور بعض بدو قبائلی اکائیوں میں منقسم تھے۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ طاقتور، سازشی اور ہوشیار لوگ یہود تھے جو مدینہ سے خیبر تک پھیلے ہوئے تھے اور اس علاقے کی زراعت، معیشت اور سیاست پر ان کا گہرا تسلط تھا۔ یہ لوگ اس خطے میں اس لئے بھی دور دراز سے آ کر آباد ہوگئے تھے کہ انہیں ان کے آباو اجداد نے یثرب کے متعلق اپنے علم کی روشنی آخری نبی کے دارالہجر ت ہونے کی خبریں دے رکھی تھیں۔ لیکن ہجرت کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ یہاں تشریف لائے اور انہیں معلوم ہوا کہ آپ کا نسبی تعلق بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ حضرت اسمعیل علیہ السلام سے ہے تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ نبی ہیں حسد اور بغض میں سخت ترین مخالف ہو گئے۔

ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے پیغمبرانقلاب سرور کائنات نے انتہائی کامیاب منصوبہ بندی فرمائی اور ان سب چھوٹے بڑے قبائل کے علاوہ یہود و نصاریٰ کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ مختلف طبقات اور منتشر الخیال مذہبی گروہوں کے اس پہلے باقاعدہ اتحاد (Alliance) کا نام میثاق مدینہ قرار پایا۔ سردست یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ یہ اتحاد مذہبی

بنیادوں پر نہیں بلکہ سماجی اور سیاسی بنیادوں پر قائم ہوا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہودی اور عیسائی حضور ﷺ کو مذہبی پیشواء تو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ تو حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے منکر تھے۔ اس کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل کتاب کو نفسیاتی طور پر قریب کرنے اور انہیں اعتماد میں لینے کے لئے مذہبی قدر مشترک کو بھی پیش کیا یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ قرآن نے حضور نبی اکرم ﷺ کے اس مدعا کو یوں بیان فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ۔[1]

”اے اہل کتاب تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔“

مراد یہ کہ تم مجھے رسول مانو یا نہ مانو اتنا تو مانتے ہو کہ تم بھی اسی اللہ کو اپنا خالق و مالک سمجھتے ہو جس کو ہم سمجھتے ہیں۔ اس لئے مشرکین مکہ کے برعکس تمہارے اور ہمارے درمیان کم از کم یہ قدر مشترک تو ہے جس پر ہم اتحاد کر کے شہر مدینہ کو خطرات سے بچاتے ہوئے اسے امن و سلامتی کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ اہل کتاب پر رضامند ہو گئے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے شدید مذہبی اختلاف کے باوجود آپ کو اپنا انتظامی سربراہ اور سیاسی قائد مان لیا۔

میثاقِ مدینہ اور ریاستِ مدینہ کا قیام و اِستحکام

دنیا کے پہلے تحریری دستور ”میثاق مدینہ“ کے تحت نہ صرف مدینہ میں موجود تمام طبقات ایک سیاسی وحدت میں بدل گئے اور وہاں کافی عرصے سے رائج سیاسی نزاج، سیاسی استحکام میں بدل گیا بلکہ تحریک اسلام کے حوالے سے بھی میثاق مدینہ کے دیرپا اثرات مرتب ہوئے جو تحریک اسلام کے فروغ اور سرزمین عرب میں کفر و شرک کے خاتمے پر منتج ہوئے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا تشخص صرف دعوتی یا تبلیغی ہی نہ رہا بلکہ آپ کو سربراہ مملکت تسلیم کر لیا گیا۔ اسی طرح اس دستور کے تحت سیاسی، سماجی، عسکری اور قانونی و عدالتی اختیارات کا مرکز آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کو تسلیم کر لیا گیا:

He was a leader of religions affairs as the forms and practices of the believers were established, and a leader of political affairs as rule of life, marriage, inheritance,

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۶۴

commerce, war and foreign relations were fixed.[1]

''حضور نبی اکرم ﷺ تمام مذہبی معاملات میں رہنما تھے جیسے جیسے اہل ایمان کے لیے مذہبی اَحکام و فرائض کی شکل واضح ہوتی چلی جا رہی تھی اور تمام سیاسی معاملات، اصول زندگی، شادی، وراثت، جنگ اور بقیہ دنیا کے ساتھ معاملات میں بھی جیسے جیسے وہ طے ہورہے تھے آپ ہی رہنما تھے۔''

۲۔ مدینہ میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ منظّم ریاست وجود میں آئی اور اسے ایک مضبوط آئینی و دستوری اساس فراہم کردی گئی جسے داخلی یا خارجی دشمنوں کی کوئی بھی سازش متزلزل نہ کرسکی۔

۳۔ اسلام کو ایک مذہبی تحریک سے آگے بڑھ کر ایک سیاسی قوت بھی تسلیم کرلیا گیا۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیاسی حیثیت کے اعتراف نے مدینہ و گرد ونواح میں اسلام کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

۵۔ یہ معاہدہ تحریک اسلام کی تاریخ میں ایک بہت بڑی پیش قدمی تھا۔ جس سے اسلام کو بے شمار علاقائی، سماجی، سیاسی اور مذہبی اکائیوں میں ایک نمایاں حیثیت مل گئی اسلام ایک مذہبی و دعوتی تحریک سے بلند ہوکر اس دور کی باقاعدہ سیاسی حکمتوں اور سلطنتوں کی سطح پر آ گیا۔

۶۔ مسلمان مکہ سے مدینہ میں نو آوردتھے۔ جہاں کے مختلف سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات میں قدم جمانے کے لئے مسلمانوں کو پرامن فضا درکار تھی۔ اگرچہ اب وہ کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے محفوظ و مامون ہوچکے تھے مگر وہ اس حقیقت سے بھی غافل نہ تھے کہ کفار مکہ مسلسل ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ میثاق مدینہ کے تحت یہود اور مشرک قبائل ان کے حلیف بن گئے اور ریاست مدینہ کے دفاع کی ذمہ داری کو سب نے مشترکہ طور پر قبول کرلیا اگر میثاق مدینہ کے ذریعے مسلمانوں نے اپنی دفاعی حکمت عملی کو ٹھوس اور محفوظ بنیادوں پر استوار نہ کرلیا ہوتا تو کفار کی مدینہ کی طرف پیش قدمی کی صورت میں مسلمان اتنا موثر ردعمل نہ ظاہر کرسکتے اور اپنے دفاع میں انہیں کہیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

۷۔ میثاق مدینہ نے دفاعی معاہدہ ہونے کے ناطے ریاست مدینہ کے لئے ایک حفاظتی حصار کا کام کیا۔ اس کے علاوہ گرد ونواح کے قبائل پر مسلمانوں کی فوقیت اور برتری کی دھاک بیٹھ گئی کیونکہ

(1) Anne Cooper, Elsie A Maxwell, *Ishmael My Brother: A Christian Introduction to Islam*, p. 101.

مدینہ طیبہ میں یہود نے جو معمولی اثر و رسوخ کے حامل تھے آپ ﷺ کی سیاسی حاکمیت اور اقتدار کو تسلیم کرلیا تھا۔ اگرچہ قبل ازیں اسلام کو ایک نیا مذہب سمجھ کر اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی مگر اس نمایاں سیاسی پیش رفت کے بعد گرد و نواح کے قبائل نے بھی اسلام کا دست و باز و بننا شروع کردیا۔

۸۔ میثاق مدینہ میں تمام ریاستی طبقات کے ساتھ برداشت، بقائے باہمی اور احترام و وقار کا سلوک روا رکھنے پر آپ کی صلح جو، اعلیٰ ظرف اور معتدل مزاج قیادت کا تصور ابھرا۔ اس طرح مخالفین نے آپ کے خلاف جو غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں وہ چھٹنے لگیں۔ عوام الناس کو آپ کے قریب آنے کا موقع ملا اور اس طرح یہ تحریک اسلام کے فروغ کا باعث بنا۔

۹۔ میثاق مدینہ کے تحت ریاست مدینہ میں ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرے کا قیام ممکن ہوا۔ اس سے قبل مذہبی اور سماجی اختلافات و تضادات کے باعث ہر قبیلہ اپنے اپنے رسوم و رواج کے تحت مقدمات کا فیصلہ کرتا تھا۔ میثاق مدینہ کے تحت پہلی مرتبہ مرکزی عدالتی نظام وجود میں آیا۔ جس کے تحت آخری اعلیٰ ترین عدالتی اتھارٹی حضور نبی اکرم ﷺ کو تسلیم کیا گیا۔ اگرچہ میثاق مدینہ کے تحت لوکل لاء کا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا مگر ایک مرکزی عدالتی نظام کے قیام سے باہمی تضادات اور قانونی انتشار کا خاتمہ ہوگیا۔

۱۰۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا وہ حقیقی مقام و منصب جس پر آپ فائز تھے کفار پر اس کا عملی اظہار ممکن ہوا اور سربراہ مملکت (Head of State) کے طور پر آپ کی نہ صرف مذہبی حیثیت نمایاں ہوئی بلکہ آپ سیاسی، سماجی، عسکری اور قانونی مقام و مرتبہ بھی سب سے بلند و بالا تسلیم کرلیا گیا:

> In both Meccan and Medinan periods Muhammad's contem poraries looked on him as a good and upright man, and in the eyes of history he is a moral and social reformer.[1]

> ’’محمد ﷺ کو آپ کے مکہ اور مدینہ دونوں اَدوار میں آپ کے ہم عصروں نے ایک اعلیٰ کردار کا اور بلند پایہ شخص کے طور پر دیکھا۔ اور تاریخ کی نظروں میں بھی آپ اخلاقی اور سماجی مصلح کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔‘‘

۱۱۔ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کا اثر و رسوخ سب سے زیادہ تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جب معاہدے میں ان کو بھی شامل کرلیا اور انہوں نے دوسرے قبائل کی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنا سربراہ اور ریاست کا حاکم مان لیا تو یہ بات پورے خطے میں رہنے والے لوگوں کے لئے غیر

(1) W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 234.

معمولی حیرت کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ یہود کے اس معاہدے کی خبر بہت تیزی سے عرب قبائل میں پھیل گئی۔ اس کا براہ راست نتیجہ یہ نکلا کہ چھوٹے بڑے سب قبائل پر اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔ قبل ازیں اسلام کو وہ معمولی جماعت یا ایک نیا مذہب سمجھ کر درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے لیکن اس معاہدے کے بعد سب نے سنجیدگی سے جزیرہ عرب میں ابھرتی ہوئی اس نئی مذہبی و سیاسی قوت کو دیکھنا شروع کر دیا۔ دوسرے سال جب جنگ بدر میں مٹھی بھر مسلمانوں کو کفار کے بڑے لشکر پر فتح حاصل ہوئی تو اسلام نے جزیرہ عرب میں فیصلہ کن طاقت اور ناقابل تسخیر قوت کے طور پر اپنے آپ کو منوا لیا:

> It was no accident that Muhammad achieved this (system development) in Arabic, with its predominantly pastoral or stateless tribal society. He had the good luck to be born into an environment which offered scope for political creativity such as is not usually open to the religious reformer. But it was clearly more than good luck that the found in this society the key to a hitherto virtually untapped reserve of power.[2]

> ''یہ کوئی حادثہ نہیں ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے ریاستی نظام کی ترقی اور استحکام کی کامیابی عرب میں ایک ایسے معاشرے میں حاصل کی جو زیادہ تر دیہاتی اور غیر حکومتی قبائلی معاشرہ تھا۔ یہ آپ کی خوش نصیبی تھی کہ آپ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے جس میں سیاسی تخلیقیت کے اظہار کے وسیع امکانات موجود تھے جو عام طور پر کسی مذہبی مصلح کو میسر نہیں تھے۔ لیکن اس سے زیادہ واضح اور زیادہ اہم ان کے لیے یہ بات تھی کہ انہوں نے اس معاشرے میں اس بنیادی راز کو پالیا تھا کہ ایک انتہائی واضح اور ابھی تک استعمال نہ ہونے والے طاقت کے سرچشمے کو استعمال میں کیسے لایا جائے۔''

اس معاہدے کی باتیں عام ہوئیں تو اسلام کا تعارف بھی تیزی سے ہونے لگا۔ مسلمانوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا ان کی بات میں وزن آ گیا، وہی لوگ جو پہلے اسلام کی دعوت پر متوجہ نہیں ہوتے تھے اب بات بھی سننے لگے اور مذاکرات کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس بھی آنے لگے۔

یوں اسلام کا پیغام مختصر مدت میں دور دور تک پھیل گیا غیر مسلموں کو مسلمانوں کے ساتھ معاملات کرنے اور اٹھنے، بیٹھنے کے مواقع میسر آئے تو لامحالہ لوگوں نے اسلام کو پسندیدہ نظروں سے

(2) Michael Cook, *Muhammad, Our Great*, p. 85.

دیکھا اور تیزی سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

۱۲۔ حضور اکرم ﷺ اور اسلام کے بارے میں بہت سی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں آپ کی قربت نہ ہونے کے سبب تھیں۔ کفار مکہ بھی زیادہ تر جھوٹ منسوب کر کے باہر سے آنے والوں کو حضور نبی اکرم ﷺ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد بھی یہ کیفیت قائم تھی۔ مخالفین نے طرح طرح کی باتیں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف پھیلا رکھی تھیں لیکن جیسے جیسے لوگ قریب آتے گئے غلط فہمیاں خود بخود ختم ہوتی چلی گئیں۔ آپ کی قربت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کے دشمن آپ کے اخلاق حسنہ، اعلیٰ شخصی اوصاف اور آپ کے پیغمبرانہ مشن کی عظمت سے متاثر ہو کر اسلام کے فدائی بن گئے:

> These are interesting sidelights on the personality of Muhammad, and fill out the picture formed of him from his conduct of public affairs. He gained men's respect and confidence by the religious basis of his activity and by qualities such as courage, resoluteness, impartiality and firmness inclining to severity but tempered by generosity. In addition to these he had a charm of manner which won their affection and secured their devotion. (1)

> ’’محمد ﷺ کی شخصیت کے یہ چند دلچسپ پہلو ہیں۔ آپ نے اپنی شخصیت کے خاکے کو لوگوں کے ساتھ اپنے رابطے کی نوعیت سے بھرا۔ آپ نے لوگوں کا اعتماد حاصل کیا اور اس کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کی مذہبی بنیاد پر عزت حاصل کی اور اپنی اعلی خصوصیات مثلا جرأت، عزم مستحکم، غیر جانب داری انتہا تک پہنچی ہوئی اور استقامت جس میں آپ کی وسیع ظرفی، اعلیٰ قلبی اور سخاوت کا عنصر شامل ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ آپ میں اخلاقیات کا اعلیٰ حسن بھی تھا، جس سے آپ نے لوگوں کی محبت اور ان کی وابستگیوں کو جیتا۔‘‘

پیغمبر انقلاب ﷺ کے متعلق خاص طور یہ تاثر عام ہوا کہ یہ انتہا پسند نہیں۔ دوسروں کی بات بڑے تحمل اور حوصلے سے نہ صرف سنتے ہیں بلکہ بات میں وزن ہوتو اسے قبول بھی کر لیتے ہیں۔ لوگوں نے یہ بھی دیکھا اسلامی ریاست کے سربراہ کے طور پر کہ دوسرے بادشاہوں کی طرح آپ میں تکبر، تکلف اور غیر معمولی طبقاتی فرق نہیں۔ آپ صلح جو اور امن پسند بھی ہیں اور معتدل مزاج و ترقی پسند بھی۔ اس طرح ہر خاص و عام بارگاہ رسالت میں آتا رہا اور ایمان کی سعادت سے ہمکنار ہو کر

(1) W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 231.

ابدی رحمتیں سمیٹتا رہا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ خصائل حمیدہ تو پیدائشی تھے لیکن مذہبی عصبیت نے لوگوں کی نظروں پر پردے ڈال دیئے تھے۔ مدینہ منورہ کے قبائل نے اپنی مقامی قیادتوں کے مقابلے میں جب حضور نبی اکرم ﷺ کا حسن سلوک دیکھا تو وہ جان و دل سے آپ پر قربان ہونے کو تیار ہوگئے۔ اس معاہدے میں طے پایا تھا کہ اگر کوئی بیرونی حملہ آور ہم میں سے کسی پر بھی حملہ کرے گا تو ہم سب مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ یہ مشترکہ دفاعی حکمت عملی تھی جس کا صد فیصد فائدہ مسلمانوں کو ہوا۔ ایک طرف مدینہ کے کفار، منافقین اور یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا قلع قمع ہوا اور دوسری طرف قریش مرعوب ہوگئے اور مشرکین مکہ کی سازشیں ناکام ہوگئیں۔ یہ مشترکہ دفاعی معاہدہ بعد ازاں بدر و احد میں بھی کامیابی کا سبب بنا۔

۱۳۔ مذہبی اور سماجی تضادات و انتشار کے باوجود مدینہ کے عرب اور یہود قبائل اس معاہدے کے تحت اپنے رسوم و رواج کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ قبل ازیں یہاں کوئی مرکزی عدالتی نظام نہیں تھا۔ اس طرح اس سرزمین میں پہلی مرتبہ عدل و مساوات کے اصولوں پر منضبط و منظّم حکومت وجود میں آئی جو غیر مسلم قبائل کے لئے اسلام کی طرف رغبت کا باعث بنی۔

۱۴۔ میثاق مدینہ کی کثیر الجہات افادیت ہی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ ہجرت کے وقت مہاجر و انصار صحابہ کرام کی تعداد ۴۰۰ تھی۔ صلح حدیبیہ کے وقت یعنی ۶ ہجری میں یہ تعداد گیارہ سو (۱۱۰۰) ہوگئی۔ جب کہ فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کا لشکر دس ہزار (۱۰۰۰۰) افراد پر مشتمل تھا۔ طائف کے محاصرے میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مسلمان شریک تھے اور ہجرت کے صرف ۱۰ سال بعد حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر موجود مسلمانوں کی تعداد سوا لاکھ کے قریب تھی۔ ۱۰ سال کے قلیل عرصے میں سرزمین عرب کے وسیع و عریض حصہ اور کثیر تعداد افراد کو اسلام کا حصہ بنا دینا آپ ﷺ کی بے مثال بصیرت اور موثر و نتیجہ خیز حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ جس میں میثاق مدینہ کو ایک اساسی سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کی حکمت عملی کی موثریت کا اعتراف مغربی اہل علم نے یوں کیا:

> Such insincerity, it was argued above, makes the development of the Islamic religion incomprehensible. This point was first vigorously made over a hundred years ago by Thomas Carlyle in his lectures On Heroes, and it has since been increasingly accepted by scholars. Only a profound

belief in himself and his mission explains Muhammad's readiness to endure hardship and persecution during the Meccan period when from a secular point of view there was no prospect of success. Without sincerity how could he have won the allegiance and even devotion of men of strong and upright character like Abi-Bakr and 'Umar? For the theist there is the further question how God could have allowed a great religion like Islam to develop on a basis of lies and deceit. There is thus a strong case for holding that Muhammad was sincere.(1)

''حضرت محمد ﷺ کے بارے میں غیر مخلص ہونے کا الزام جس کی ہم نے پہلے تفصیل بیان کی ہے اسلام کے مذہب کی ترقی کے پہلو کو نا قابل فہم بنا دیتی ہے۔ یہ نکتہ سب سے پہلے بڑی شد و مد کے ساتھ تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے اپنے لیکچرز Heroes میں اٹھایا تھا۔ اور اس کے بعد سے اہل دانش نے اکثر بیشتر پر اسے قبول کرلیا۔ اپنی ذات اور اپنے مشن پر محمد ﷺ کا غیر معمولی یقین اہل مکہ کا جبر و ظلم برداشت کرنے کی وضاحت کرتا ہے۔ جب دنیاوی نقطہ نظر سے اس دور میں اپنی کامیابی کا کوئی بھی واضح امکان موجود نہ تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بغیر غیر معمولی ااخلاصکے آپ اہل مکہ کے انتہائی مضبوط اور اعلی کردار کے حامل لوگوں مثلا ابو بکر اور عمر جیسے افراد کی وفاداری اور ان کے جذبہ قربانی کو جیت لیتے ہیں؟ مذہب کو ماننے والے شخص کے لیے یہ ایک مزید بڑا سوال ہے کہ خدا نے اسلام جیسے عظیم اور بڑے مذہب کو جھوٹ اور دھوکے کی بنیاد پر فروغ پذیر کیوں ہونے دیا؟''

۴۔ معاہدۂ حدیبیہ (Treaty of Hudaibiya)

حضور نبی اکرم ﷺ جس آفاقی دعوت کو لے کر مبعوث ہوئے تھے اس کا دائرہ کسی مخصوص خطے، زبان نسل یا رنگ تک محدو نہیں تھا۔ رسول انسانیت رحمۃ للعالمین ﷺ کے حلقہ اثر میں تو پوری کائنات تھی۔ وہ پوری روئے زمین کے ہادی و راہنما بن کر تشریف لائے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ریاست مدینہ میں استحکام کے بعد اب بیرونی ماحول کو دعوت اسلام سے روشناس کیا جاتا۔ لیکن یہ

(1) W. Montgomery Watt; *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 232.

مقصد اس وقت تک کما حقہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا جب تک کفار مکہ کی مزاحمت کا خاتمہ نہ ہوجاتا۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ سرزمین حجاز کی سیاسی، ثقافتی، مذہبی اور روحانی سرگرمیوں کا تاریخی مرکز تھا۔اور خود تحریک اسلامی کا نقطہ آغاز بھی یہی سرزمین تھی اس لئے یہاں قدم جمائے بغیر موجودہ اسلامی دعوت کی موثریت جزیرہ نمائے عرب سے باہر خاصی مشکل تھی۔

> Muhammad devised a strategic plan to take Mecca without bloodshed and to convert its inhabitants to Islam. Based on a carefully calculated risk (or as tradition states, in response to a dream), Muhammad ordered his followers to march to Mecca to perform the annual rite of pilgrimage... The date was March 628 (AH6), a date celebrated in Islamic history as the "Treaty of al-Hudaybia".(1)

> ''محمد ﷺ نے بغیر خون خرابے کے مکہ کو فتح کرنے اور اہل مکہ کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ایک حکمت عملی ترتیب دی۔محتاط طریقے سے اندازہ لگائے گئے درپیش خطرے پر بنیاد رکھتے ہوئے یا روایات کے مطابق ایک خواب کے نتیجے میں محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ سالانہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ کی طرف بڑھیں۔ یہ تاریخ مارچ ۶۲۸ء، ۶ ہجری کی تھی۔ ایک ایسی تاریخ جسے تاریخِ اسلام میں ''معاہدہ حدیبیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔''

پیغمبر انقلاب ﷺ نے اس دوران اگرچہ اسلامی دعوت کو دور دراز خطوں میں پہنچانا شروع کردیا تھا لیکن باقاعدہ عالمی مہم شروع کرنے سے پہلے مکہ مکرمہ کو اسلامی ریاست کے زیرنگیں لانا بہت ضروری تھا حضور نبی اکرم ﷺ نے اس مرحلے پر بھی ایک ٹھوس، موثر اور مدبرانہ حکمت عملی اپنائی۔ ۶ ہجری میں آپ نے عمرے کا ارادہ فرمایا اور مدینہ سمیت گرد ونواح کے مسلمانوں میں اعلان کروادیا کہ جو بیت اللہ کی زیارت اور طواف کرنا چاہے وہ ہمارے ساتھ شریک ہوسکتا ہے۔ خانہ خدا کے طواف کے لئے محبوب خدا کی ہمراہی نصیب ہورہی تھی۔ مہاجر صحابہ ویسے بھی اپنا مالوف وطن دیکھنے کو ترس گئے تھے۔ چنانچہ چند دنوں میں کثیر تعداد مسلمانوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت میں رخت سفر باندھنے کا ارادہ کرلیا۔۱۴۰۰ مسلمانوں کا قافلہ مدینہ منورہ سے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوا تو اہل مکہ حواس باختہ ہوگئے۔ مسلمانوں سے مرعوب تو تھے ہی اس موقع پر وہ کئی قسم کی غلط فہمیوں کا شکار بھی ہوگئے۔ انہوں نے مکہ کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کو ہر قیمت روکنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس سے

(1) SA Nigosian, *Islam: Its History, Teaching and Practice*, p. 11.

پہلے کہ فریقین کی طرف سے حالات کوئی خطرناک رخ اختیار کرتے پیغمبر انقلاب ﷺ نے اپنی بصیرت، حسن تدبر اور تحمل مزاجی سے قریش کو مذاکرات پر راضی کرلیا۔ جس جگہ فریقین میں مذاکرات ہوئے وہ حدیبیہ کا مقام تھا اس لئے یہ تاریخی صلح نامہ معاہدہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس معاہدے میں بظاہر کفار مکہ اپنی شرائط منوانے میں زیادہ کامیاب دکھائی دے رہے تھے اس لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمیت بعض جلیل القدر صحابہؓ بھی برہم ہوئے لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں صبر وضبط کی تلقین فرمائی:

> The treaty of al-Hudaybiyah was thus favourable to Muhammad's long-term strategy, but for the moment it left him to deal with the disappointment of his followers at the apparent failure of the expedition. In this crisis smouldering embers of dissatisfaction within Muhammad himself were fanned into flame, and he acted vigorously. He had been specially incensed when some of the allied nomads refused to join him. They had seen no prospect of booty, and had suspected that the Muslims might not even return safely. Besides making Muhammad's demonstration less impressive, their action had shown slight interest in Islam as a religion and little loyalty to Muhammad.[1]

’’اس طرح معاہدہ حدیبیہ محمد ﷺ کی طویل المیعاد حکمت عملی کے حق میں تھا، لیکن وقتی طور پر آپ کو اپنے پیروکاروں میں پیدا ہونے والی مایوسی سے نبٹنا پڑا جو اس مہم کی ظاہری ناکامی سے پیدا ہوئی تھی۔ اس مسئلہ کے دوران میں محمد ﷺ کو خود بھی اس عدم اطمینان کی کیفیت سے لڑنا پڑنا جو ان حالات میں مزید بڑھ چکی تھی اور آپ نے انتہائی پرعزم طور پر اس کا سامنا کیا۔ اس وقت آپ کی پریشانی میں اضافہ ہوا جب کچھ بدوی قبائل نے آپ کے ساتھ شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا کیوں کہ انہیں کوئی مالِ غنیمت ملنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے اور انہیں اس بات پر بھی شک تھا کہ اس سفر سے مسلمان محفوظ واپس بھی لوٹ آئیں گے۔ محمد ﷺ کے اس مظاہرے کو متأثر کن بنانے کے علاوہ ان لوگوں کے اس عمل نے ان کی اسلام میں دلچسپی اور محمد ﷺ کے ساتھ وفاداری میں کمی کو بھی ظاہر کر دیا تھا۔‘‘

(1) W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 186.

معاہدہ طے کرنے کے لئے آپ ﷺ نے جو میکانزم اختیار کیا وہ بھی آپ ﷺ کی فراست اور معاملہ فہمی کا مظہر تھا:

In such a mood Muhammad took advantage of a critical situation to strengthen his own position in the Islamic community. When the negotiations with the Meccans proved difficult, Muhammad sent 'Uthman (later the third caliph) to be his representative in discussing matters with them.' Uthman belonged to the same clan as Abu-Sufyan and so as he rode home to Medina at the end of March, Muhammad must have been well satisfied with the expedition. In making a treaty with the Meccans as an equal he had received public recognition of the position that was clearly his after the failure of the siege of Medina. More important, by ending the state of war with Mecca, he had gained a larger measure of freedom for the work of extending the influence of the religious and political organization he had formed. He had also advanced towards a more autocratic control of the affairs of this organization. From now on in suitable cases he would insist on acceptance of Islam and readiness to obey the Messenger of God as conditions of alliance with himself.[1]

''اس طرح کے حالات میں محمد ﷺ نے اس نازک صورتِ حال کو اسلامی معاشرے میں اپنی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال کیا۔ جب اہل مکہ کے ساتھ مذاکرات مشکل ہوگئے تو محمد ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر اہل مکہ کے ساتھ مختلف معاملات پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا جس قبیلے سے ابو سفیان کا تعلق تھا۔ اس طرح جب مارچ کے اواخر میں وہ مدینہ روانہ ہوئے تو محمد ﷺ اس مہم سے بہت زیادہ مطمئن تھے۔ اہل مکہ کے ساتھ برابری کی بنیاد پر ایک معاہدہ کرنے سے آپ کو عوامی سطح پر پذیرائی اور قبولیت مل گئی جو اہل مکہ کے مدینہ پر قبضہ کرنے میں ناکامی کے باعث سے نمایاں ہوئی تھی۔ سب سے اہم بات یہ کہ اہل مکہ کے ساتھ جنگ کی صورتِ حال کے خاتمہ کے بعد آزادی کے ساتھ اس مذہبی اور سیاسی تنظیم،

(1) W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, pp. 187-8.

جو آپ نے بنائی تھی کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل گیا۔ اور آپکو اس طرح اپنی اس تنظیم کے اندر معاملات پر اپنے کنٹرول کو زیادہ خود مختار طریقے سے بڑھانے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد مناسب حالات میں وہ اسلام کی قبولیت اور پیغمبر خدا کی اطاعت کو اپنے ساتھ اتحاد کی شرائط قرار دے سکتے تھے۔''

آپ ﷺ کی یہی حکمت عملی اور تدبر بعد ازاں فتح مکہ کا سبب بنا اور قرآن حکیم کی سورہ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو ''إنا فتحنا لک فتحا مبینا'' کے زور دار الفاظ میں فتح کی خوشخبری دی۔ یہ معاہدہ بعد میں جن کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا، ان کی مختصر نشاندہی حسب ذیل ہے:

۱۔ قبل ازیں کفار مکہ مسلمانوں سے کئی جنگوں میں شکست فاش کھانے کے باوجود انہیں جینے کا حق دینے کے لئے تیار نہیں تھے وہ اہل اسلام کا آزاد فضا میں سر اٹھا کر چلنا اپنی غیرت بقاء اور نسلی تفاخر کے لئے موت تصور کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے خالی ہاتھ پر امن مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہوکر عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ یہ دراصل ان کی شکست خوردہ ذہنیت اور نفسیاتی مرعوبیت کا مظہر تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی اس ذہنی کیفیت کو سمجھتے ہوئے ان سے ایسی شرائط پر دستخط کروالئے جو بعد میں انہی کے پاؤں کی زنجیر ثابت ہوئے۔

۲۔ قریش نے بعثت کے بعد اٹھارہ سالہ عرصہ میں پہلی بار مسلمانوں کی آزاد، خودمختار حیثیت اور قومی تشخص کو تسلیم کیا۔

۳۔ مدینہ کے یہودیوں اور دیگر قبائل کی طرح قریش مکہ نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی سیاسی قیادت کو تسلیم کر لیا اور پہلی مرتبہ اپنے مدمقابل کو برابری کی سطح پر سمجھتے ہوئے وفد لے کر مذاکرات کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ یہاں بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے اپنی سیاسی حیثیت کو تسلیم کروایا۔ اس معاہدے کی بنیاد اگر آپ ﷺ مذہبی، دینی اور پیغمبرانہ حیثیت کو بنانا چاہتے تو ان کے اعتراض پر اپنے نام کے ساتھ ''رسول اللہ'' کے کلمات حذف نہ کرواتے۔ اس لئے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کفار مکہ بھی حضور ﷺ کو نبی اور رسول نہیں مانتے تھے۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے کفار مکہ سے اسلامی طاقت کی سیاسی برابری (Political Equality) کو تسلیم کروایا:

On the other hand, in stopping the blockade Muhammad had made a great military and economic concession, and what he had gained in return was chiefly among the imponderabilia.

The treaty was only satisfactory for the Muslims in so far as one believed in Islam and its attractive power. Had Muhammad not been able to maintain and strengthen his hold on the Muslims by the sway of the religious ideas of Islam over their imaginations, and had he not been able to attract fresh converts to Islam, the treaty would not have worked in his favour. Material reasons certainly played a large part in the conversion of many Arabs to Islam. But other factors of supreme importance were Muhammad's belief in the message of the Qur'an, his belief in the future of Islam as a religious and political system, and his unflinching devotion to the task to which, as he believed, God had called him. These attitudes underlay the policy Muhammad followed at al-Hudaybiyah.
This expedition and treaty mark a new initiative on the part of Muhammad. His had been the activity after the Hijrah which provoked the Meccans. Their riposte had failed. The obvious way for Muhammad to follow up his advantage would have been to set about destroying the influence of Mecca. Instead of that he tried something new.[1]

''دوسری طرف نا کہ بندی کو ختم کر کے محمد ﷺ نے بہت بڑی عسکری اور اقتصادی سہولتیں اور رعایتیں دیں جس کے جواب میں آپ نے وہ کچھ حاصل کیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے اس وقت تک ہی قابل اطمینان ہوسکتا تھا اجب تک وہ اسلام میں اور اس کی پرکشش طاقت یقین رکھتے۔ اگر محمد ﷺ بعد میں مسلمانوں پر اپنے کنٹرول کو باقی رکھنے اور اسلام کے مذہبی تصورات کو ان لوگوں کے خیالات پر غالب کرنے کے ذریعے سے مضبوط کرنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ اور اگر غیر لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں کامیاب نہ ہوتے تو یہ معاہدہ تادیر آپ کے حق میں مفید ثابت نہ رہتا۔ ماڈی وجوہات عرب کے بہت سارے لوگوں کے اسلام کی طرف راغب اور مائل ہونے کا سبب بنیں۔ لیکن بہت ساری دوسری وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ محمد ﷺ کا قرآن کے پیغام میں یقین تھا اور اسلام کے بطور مذہبی و سیاسی نظام کے اس کے مستقبل پر آپ کا ایمان تھا اور اپنے کام کے ساتھ آپ کی استقامت و پختگی پر مبنی

(1) Watt Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, p.188.

وابستگی تھی کیونکہ آپ کو اس بات پر یقین تھا کہ آپ کو اللہ نے یہ کام سونپا ہے آپ کا یہی رویہ حدیبیہ کا معاہدہ طے کرنے کے لیے آپ کی پالیسی کے اصول کے طور پر قائم کر رہا تھا۔

''حدیبیہ کی اس مہم اور معاہدہ نے محمد ﷺ کی جد و جہد میں ایک نئے اقدام کا کردار ادا کیا۔ ہجرت کے بعد آپ کی یہی ایک سرگرمی تھی جس نے اہل مکہ کو آپ کے بارے میں سوچ بچار پر مجبور کیا، ان کا ہر عمل ناکام ہو چکا تھا۔ اور اس فائدے کو مزید بڑھانے اور اس کے ثمرات کو سمیٹنے کے لیے محمد ﷺ کے سامنے واضح راستہ یہ تھا کہ وہ اہل مکہ کے مکہ پر اثر و رسوخ کو کم کریں بجائے اس کے کہ وہ کوئی نیا راستہ تلاش کریں۔''

۴۔ اس معاہدہ میں ایک شق یہ بھی تھی کہ دس سال تک فریقین میں کوئی بھی دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا اس شرط کا مقصد دراصل کفار مکہ کی طرف سے عدم جارحیت کو یقینی بنانا تھا تاکہ اہل مکہ کے ساتھ مسلسل جنگی کیفیت ختم ہو اور مسلمان ساری توانائیاں ان کے ساتھ جنگ لڑنے میں صرف کرنے کی بجائے اپنی قوت مجتمع کرنے میں لگا سکیں۔ اس فرصت سے مسلمانوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور انہیں داخلی استحکام اور خوشحالی کے زیادہ مواقع میسر آئے۔

۵۔ اس معاہدہ کے طے پانے کے بعد قریش کی معاندانہ سرگرمیاں سرد پڑ گئیں جبکہ مسلمانوں کو دیگر ممالک و قبائل میں اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع مل گیا۔

۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اسلام کی فوج اور سیاسی طاقت بڑھانے کی اطمینان بخش فرصت مل گئی۔ اس دوران آپ نے مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں مخالف قوتوں کا صفایا بھی کیا۔ اسلامی فوج جو صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو تھی دو سال بعد جب فتح مکہ کا لشکر ترتیب دیا گیا تو لشکر اسلام دس ہزار (۱۰,۰۰۰) افراد پر مشتمل تھا۔

۷۔ اسلام مخالف قوتیں مکہ اور مدینہ میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ اسلام کے خلاف ساز باز رکھتی تھیں۔ عدم جارحیت کا معاہدہ ہو جانے کے بعد یہود اور منافقین مدینہ کی تمام سازشیں خاک میں مل گئیں، اسی طرح کفار مکہ نے بھی یہودیوں کے ساتھ اسلام کے مقابلے کے لئے تعاون نہیں کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی اس حکمت عملی سے دونوں گروہ اپنی اپنی جگہوں پر پابند ہو گئے، اور اسلامی لشکر نے موقع آنے پر دونوں کو باری باری زیر کر لیا۔

۸۔ مدینہ میں اسلامی ریاست مستحکم ہوئی تو اہل مکہ کو مدینہ جا کر مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے اور اسلام کے بارے میں اپنی غلط فہمیاں دور کرنے کا موقع ملا۔

۹۔ قریش مکہ سے بے فکر ہوکر آپ ﷺ نے فوری طور پر آئندہ کی حکمت عملی تیار کی مصطفوی انقلاب کی کامیاب منصوبہ بندی کا یہ تیسرا مرحلہ تھا۔ اسلامی تحریک بتدریج منزلوں پر منزلیں طے کررہی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے ازلی دشمن یہود کی خبر لینا مناسب سمجھی جو ابھی تک آستین کا سانپ بن کر مسلمانوں کو ہر قسم پر نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسلمان چونکہ کفار مکہ کے ساتھ پے در پے برسر پیکار تھے اس لئے اہل یہود پر ابھی تک کاری ضرب نہیں لگ سکی تھی۔ اس دوران یہودی اور منافقین خود میثاق مدینہ کی خلاف ورزی بھی کر چکے تھے۔

۵۔ فتحِ خیبر (Conquest of Khyber)

ریاست مدینہ کے نواح میں خیبر نامی بستی تھی۔ یہ دفاعی لحاظ سے یہودیوں کا سب سے مضبوط علاقہ تھا۔ اس میں ۹ عدد قلعے تھے جن میں وہ قلعہ بند ہوکر لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان پر عام طور پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو یہودیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکے کی تیاری کا حکم دے دیا۔ ۷ ہجری کو یہودیوں کے ساتھ زبردست مقابلے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا۔ اس جنگ میں اہل یہود کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ اسلامی تحریک کے راستے میں روڑے اٹکانے کی طاقت سے محروم ہو گئے۔ [(۱)]

۶۔ فتحِ مکہ (Conquest of Makkah)

یہودیوں کے ساتھ اس فیصلہ کن معرکے کے بعد اگلے سال حضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کا پروگرام بنایا جو توقع اور منصوبہ بندی کے عین مطابق سو فیصد کامیاب رہا۔ حضور نبی اکرم ﷺ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب من مضمض من السویق ولم یتوضأ، ۱: ۸۶، رقم: ۲۰۶

۲۔ نسائی، السنن، کتاب الطهارة، باب المضمضة من السویق، ۱: ۱۰۸، رقم: ۱۸۶

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۴۳۱، رقم: ۱۱۵۵

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۶۲

۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۰۶

کی اس کامیاب حکمت عملی نے شمال اور جنوب کی دونوں بڑی دشمن طاقتوں کو تقسیم کر کے باری باری کچل دیا اور اسلامی تحریک چند سالوں میں حجاز سے نکل کر بیرونی ممالک کی سرحدوں پر دستک دینے لگی۔ ان پے در پے کامیابوں اور کامیاب حکمت عملیوں کی وجہ سے اسلام نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی اسلام کے گرد کفار نے جتنا گھیرا تنگ کیا اور اسے بزعم خویش صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے سازشوں کے جتنے جال بنے گئے وہ سب کے سب الٹے ہوگئے اور کفر قدم قدم پر پیغمبرانہ فراست سے ہزیمت سے دوچار ہوتا۔ کفار مکہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو گھر سے بے گھر کیا آپ کی جان کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے رہے ہجرت ہوئی تو وہاں بھی امن و چین سے نہیں رہنے دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دشمنوں کی ہر سازش سے محفوظ رکھا اور ٹھیک دس سال بعد رسول کائنات فاتح بن کر مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ گویا دس سال کے قلیل عرصے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی قیادت کا لوہا نہ صرف مدینے منورہ کے قبائل اور مکہ مکرمہ کے قریش سے منوالیا بلکہ آپ اس دوران بین الاقوامی سطح پر ایک عظیم فاتح، مدبر، سیاستدان اور کامیاب حکمران کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئے:

> The Meccans attacked one of the Arab tribes that had made an alliance with the Muslims. In response to this attack, Muhammad, after two months, of secret preparations, encamped outside Mecca with sound ten thousand of his men. The Meccans, represented by Abu Sufyan and other leaders, negotiated for a peaceful surrender. A general amnesty was promised by Muhammad if the Meccans would formally submit. Virtually no resistance was offered and Muhammad entered Mecca in triumph, both as statesman and as the Prophet of God.[1]

”اہل مکہ نے ایک عرب قبیلے پر حملہ کردیا جس کا مسلمانوں کے ساتھ اتحاد تھا۔ اس حملے کے جواب میں محمد ﷺ رازدارانہ تیاریوں کے دو ماہ بعد مکہ کے باہر خیمہ زن ہوئے اور

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، كتاب الحج، باب من أين يخرج من مكة، ۲: ۵۷۲، رقم: ۱۵۰۳

۲۔ مسلم، الصحیح، كتاب الحج، باب استحباب دخول مكة من الثنية العليا والخروج منها، ۲: ۹۱۹، رقم: ۱۲۵۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۰۱، رقم: ۲۵۶۹۷

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۱۱۶، رقم: ۳۸۰۷

آپ کے ساتھ دس ہزار افراد کا لشکر تھا۔ اہل مکہ کی نمائندگی ابوسفیان اور دوسرے لیڈروں نے کی اور انہوں نے پرامن طریقے سے ہتھیار ڈالنے کا معاہدہ کیا۔ محمد ﷺ نے اہل مکہ کے لیے عمومی معافی کا اعلان کیا بشرطیکہ اہل مکہ باقاعدہ طور پر اطاعت قبول کرلیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محمد ﷺ کو کسی بھی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور آپ فاتحانہ انداز سے مکہ میں داخل ہوئے بطور سیاست دان بھی اور بطور پیغمبر خداوند بھی۔''

فتح خیبر اور غزوہ موتہ میں مسلمانوں کی فتح سے اسلام بیرونی دنیا میں ایک نئی ابھرتی ہوئی قوت کے طور پر متعارف ہوگیا۔ اندرون عرب اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قریش تھے۔ اسے ہٹانے کیلئے فتح مکہ ضروری تھا مگر اس کیلئے آپ نے براہ راست کوئی جارحانہ اقدام نہیں کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کمال حکمت سے فتح مکہ کی منصوبہ بندی کی۔[۱]

آپ ﷺ نے قریش مکہ کی مرعوبیت کے باوجود معاہدہ حدیبیہ کا پورا پورا پاس کیا تھا مگر کفار مکہ نے بنوخزاعہ پر حملہ کر کے اور حرم کعبہ کے اندر انہیں تہہ تیغ کر کے خود معاہدہ کی سنگین خلاف ورزی کی[۲] اور مسلمانوں کے لئے مکہ پر حملہ آور ہونے کی راہ ہموار کردی۔ ۸ ہجری میں آپ نے ۱۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ پیش قدمی فرمائی۔ افواج کی منصوبہ بندی اور حملہ کی نہج کو اس طرح تشکیل دیا کہ قریش نے بلامقابلہ ہتھیار ڈال دیئے۔ ابوسفیان کی جان بخشی فرما کر آپ نے عام معافی کا اعلان کردیا جس سے قریش کی مزاحمت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی اور وہ مسلمانوں کے مقابل لڑنے کی بجائے داخل اسلام ہو گئے:

In a way, this (victory of Mecca) as the culmination of his Prophetic mission... with Mecca, Arabia was safe for Islam. A major goal had been achieved. In another way, it was a mere

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازي، باب غزوة مؤتة من أرض الشام، ۴: ۱۵۵۴، رقم: ۴۰۱۳

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۴۵، رقم: ۴۷۴۱

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۱۰۶، رقم: ۱۴۶۳

۴۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۲۰۶، رقم: ۲۱۲۰

۵۔ ابن هشام، السیرة النبویة: ۹۲۵

(۲) ابن هشام، السیرة النبویة: ۹۱۹

means with Mecca secure, all efforts could be directed to the expansive thrust of Islam. In both respects, Muhammad tha statesman paved the way for Muhammad the missionary.(1)

''اس طرح سے فتح مکہ محمد ﷺ کے پیغمبرانہ مشن کی تکمیل ثابت ہوئی جس کے ساتھ ہی مکہ اورعرب اسلام کے لیے محفوظ ترین مقام بن گیا۔ بڑی منزل حاصل ہوچکی تھی، دوسرے الفاظ میں محدود ذرائع کے ساتھ مکہ محفوظ ہو چکا تھا۔ اب جد و جہد کی ساری سمتیں اسلام کے بڑھاؤ اورفروغ کو بڑھانے کے لیے استعمال کی جاسکتی تھیں۔ دونوں طرح سے محمد ﷺ کی سیاسی حیثیت نے آپ کی اصلاحی اور مذہبی حیثیت کے لیے راستہ ہموار کیا۔''

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جو اہل مکہ سے ہی نہیں بلکہ افرادنسل انسانی سے خطاب ہے۔ اس میں آپ نے دورکفر و جہالت کے آثار کی نفی و تنسیخ اور دورتوحید و رسالت کے ضوابط و اصولوں کا اعلان فرمایا۔ اس خطبے میں آپ نے اپنی جانی دشمنوں کو **لاتثریب علیکم الیوم** کا مژدہ سنا کر نہ صرف تاریخ انسانی میں عدیم المثال باب رقم فرمایا بلکہ کفار مکہ کو تالیف قلبی کے ذریعے جدوجہد انقلاب کا حصہ بننے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی جدوجہد کا مقصود انسانی وقار کی بحالی اور اقدار کا قیام و استحکام تھا۔ خالد بن ولید کے بنی خزیمہ ہتھیار ڈالنے کے باجود ان سے جنگ پر فرمایا:

اللّهم، إني أبرأ إليک مما صنع خالد بن الوليد۔(۲)

''اے اللہ میں اس فعل سے بری ہوں جو خالد نے کیا۔''

۷۔ خطبہ حجۃ الوداع: نیا عالمی نظام (New World Order)

تئیس (۲۳) سالہ جدوجہد کے بعد اسلامی معاشرہ کے قیام اور بین الاقوامی سطح پر عالمی مصطفوی انقلاب کی بنیادیں استوار کردینے کے بعد ۱۰ھ کو آخری حج کے موقع پر آپ نے خطبہ حجۃ

(1) CAO Neiuwenhuijze, *The Lifestyle of Islam. Recourse to Classicism Need of Realism*, p. 18.

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن وليد إلى بني جذيمة، ۳: ۱۰۳۲، رقم: ۴۰۸۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۵۰، رقم: ۶۳۸۲

۳۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۹۵۱

الوداع ارشاد فرمایا۔ جو عالم انسانیت کا پہلا باقاعدہ انسانی حقوق کا چارٹر (Charter of Human Rights) اور اقوام عالم کے لئے نیا عالمی نظام (New World Order) ہے، اس خطبہ میں آپ ﷺ نے:

(۱) نئے عالمی نظام کا آغاز فرمایا، آپ ﷺ نے اس نظام کی واضح فکری بنیادیں استوار فرمائیں:

First there is Muhammad's gift as a seer. Through him -or, on the orthodox Muslim view, through the revelations made to him - the Arab world was given a framework of ideas within which the resolution of its social tensions became possible. The provision of such a framework involved both insight into the fundamental causes of the social malaise of the time, and the genius to express this insight in a form which would stir the hearer to the depths of his being. The European reader may be 'put off' by the Qur'an, but it was admirably suited to the needs and conditions of the day.[1]

''پہلی بات یہ کہ محمد ﷺ کا ایک کردار بطور پیغمبر کے ہے۔ آپ کے ذریعے سے یا راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کے مطابق اس وحی کے ذریعے سے جو آپ پر کی گئی عرب دنیا کو تصورات و نظریات کا ایک ایسا ڈھانچہ میسر آ گیا جس کے اندر رہتے ہوئے وہ اپنے تمام تنازعات کے حل کا ممکنہ راستہ تلاش کر سکتے تھے۔ نظریات کے اس ڈھانچے کی فراہمی میں دونوں باتیں تھیں یعنی اُس دور کی سماجی اور معاشرتی اَلمیوں اور مسائل کی بنیادی وجوہات کی فہم کی بصیرت، اور آپ کی وہ حکمت جس کے تحت آپ سننے والے کے شعور کی گہرائیوں میں اِس فہم مسائل کے بارے میں اپنی حمایت کو متحرک کر سکیں۔ یہ ممکن ہے کہ قرآن حکیم کا ذکر آتے ہی ایک یورپی قاری اِسے مسترد کر دے لیکن قرآن حکیم کا دیا ہوا یہ پیغام اُس زمانے کی ضروریات اور حالات کے ساتھ قابل تعریف حد تک موزوں اور مناسب تھا۔''

(۲) آپ ﷺ نے الوہی نظام کو عملاً قائم فرما کر زندہ نمونہ فراہم کیا:

Secondly, there is Muhammad's wisdom as a statesman. The

(1) W. Montgomery Watt; Muhammad: Prophet and Statesman, pp. 236-7.

conceptual structure found in the Qur'an was merely a framework. The framework had to support a building of concrete policies and concrete institutions. In the course of this book much has been said about Muhammad's far-sighted political strategy and his social reforms. His wisdom in these matters is shown by the rapid expansion of his small state to a world-empire after his death, and by the adaptation of his social institutions to many different environments and their continuance for thirteen centuries.(1)

’’دوسری بات یہ کہ محمد ﷺ کی بطور سیاست دان دانش مندی سامنے آتی ہے۔ وہ تصوراتی ڈھانچہ جو قرآن میں موجود تھا وہ صرف ایک ڈھانچہ ہی تھا۔ اس ڈھانچے نے ٹھوس پالیسیوں اور زندہ و موجود اداروں کی تعمیر کو سپورٹ دینا تھا۔ زیرِ نظر کتاب میں محمد ﷺ کی دور اندیشی پر مبنی سیاسی حکمتِ عملی اور آپ کی سماجی اصلاحات کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ان معاملات کے بارے میں آپ کی بصیرت کا اظہار آپ کے انتقال کے بعد آپ کی چھوٹی سی ریاست کے عالمی سلطنت بننے میں تیزی سے پھیلاؤ سے ہوتا ہے اور اس سے ہوتا ہے کہ آپ کے عطا کردہ سماجی ادارے مختلف ماحول میں قائم ہوئے اور تیرہ سو سالوں سے ان کا تسلسل جاری ہے۔‘‘

(۳) آپ نے سابقہ جاہلانہ اور ظالمانہ نظام کو منسوخ فرما دیا:

What Muhammad also did for the Arabs of his day was to effect a powerful fusion between his monotheism and their tribal politics. His achievement can be seen as a revival of the radically monotheist polity enshrined in the story of Moses.(2)

’’محمد ﷺ نے جو اپنے زمانے کے عربوں کے لیے کیا اس کا نتیجہ ان کے تصورِ توحید اور قبائلی سیاست کے درمیان ایک طاقتور اتحاد تھا۔ آپ کی کامیابیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے بیان کیے ہوئے واضح اور خالص توحید پر مبنی معاشرے کے اِحیاء کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔‘‘

(۴) آپ نے جانوں، اموال اور عزتوں کی حرمت کا اعلان فرما کر عالمی امن کے قیام کا اعلان فرمایا۔

---

(1) W. Montgomery Watt; *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 237.

(2) Michael Cook, *Muhammad, Our Great*, p. 85.

(۵) آپ نے شرف و کرامت کی بنیاد تقویٰ قرار دے کر عالمی مساوات کا قیام فرمایا۔

(۶) آپ نے سود کی ممانعت کا اعلان فرما کر معاشی و اقتصادی استحصال کا خاتمہ کر دیا۔

(۷) آپ نے عورتوں کے حقوق کو تحفظ عطا فرمایا اور

(۸) زیردست اور افلاس زدہ انسانیت کے حقوق کا تحفظ فراہم کیا۔

سیرت نبوی کا یہ مختصر جائزہ اس امر کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیتا ہے کہ

(۱) حیات نبوی ﷺ انقلابی جدوجہد اور فلسفہ انقلاب کے جملہ مشمولات کی وضاحت و راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے دعوتی و تنظیمی، آئینی و دستوری، معاہداتی و سفارتی اور عسکری و جہادی مناہج کو اختیار فرمایا اور اپنی فراست و تدبر اور انقلابی جدوجہد کے ذریعے سرزمین عرب میں اسلامی ریاست کے قیام اور عالمی سطح پر عالمی مصطفوی انقلاب کی بنیادوں کو استوار کر دیا:

> The most important change that was happening, however was that whole tribes or clans, or important sections of them, began to send deputations to Medina to ask for alliance with Muhammad. From the time of Muhammad's return to Medina after Hunayn the trickle of such deputations became a stream. The strain on Muhammad and his advisers must have been great. There were dozens of tribes and sub-tribes and smaller groups. Within a group of whatever size there were usually at least two factions or rival subdivisions. If a deputation came to Medina from a tribe, as often as not it was from one section of a tribe trying to steal a march on another section. To deal with such deputations tactfully Muhammad must have had an extensive knowledge of the internal politics of the various groups. Not for nothing is Abu-Bakr, his chief lieutenant, said to have been an expert in genealogy, which included a knowledge of the relation to one another of the subdivisions of any group. That things went so smoothly says much for Muhammad's wisdom in handling these affairs.(1)

(1) W. Montgomery Watt; *Muhammad: Prophet and Statesman*, pp. 212, 213.

’’سب سے اہم تبدیلی جو وہاں پر وقوع پذیر ہو رہی تھی یہ تھی کہ تمام قبائل اور خاندان یا ان کے اہم حصوں نے مدینے کو وفود بھیجنے شروع کر دیے تا کہ محمد ﷺ سے اتحاد کر سکیں۔ محمد ﷺ کی حنین سے مدینہ واپسی کے بعد کبھی کبھار آنے والے یہ وفود کثرت کے ساتھ آنے والے دھارے میں بدل گئے۔ اس طرح محمد ﷺ اور آپ کے مشیروں پر بوجھ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ان آنے والوں لوگوں میں درجنوں قبائل، ذیلی قبائل اور چھوٹے موٹے گروہ ہوتے تھے۔ کسی بھی گروپ میں چاہے اس کا سائز کوئی بھی ہو کم از کم ان میں دو گروہ یا حریف ذیلی گروہ ہوتے تھے اگر مدینہ کی طرف کسی بھی قبیلہ کا کوئی وفد آتا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اس قبیلہ کا کوئی ایک گروہ دوسرے گروہ کے اوپر سبقت حاصل کرنے کے لیے آ رہا ہوتا۔ ان وفود کے ساتھ ماہرانہ اور پرحکمت انداز سے معاملات طے کرنے کے لیے ضروری تھا کہ محمد ﷺ کے پاس ان مختلف گروہوں کی اندرونی سیاست کے بارے میں وسیع تر معلومات موجود ہوں۔ ان میں ابوبکر سرفہرست تھے جو آپ کے دست راست تھے اور عرب علم الانساب کے ماہر تھے جو ایک قبیلے کی دوسرے قبیلے یا ایک گروہ کے ذیلی گروہوں کے درمیان تعلقات کو طے کرنے کے لیے علم اور مہارت کے حامل تھے۔ یہ عنصر معاہدات کو بطور احسن طے کرنے میں حضرت محمد ﷺ کی دانش و حکمت کا مظہر تھا۔‘‘

(ب) خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کا ارشاد گرامی ...... **فليبلغ الشاهد الغائب** (سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔)[۱] ...... اس امر کا ثبوت ہے کہ حیاتِ نبوی ﷺ کی اثر انگیزی جس طرح دور نبوی (شاہد) میں ایک حقیقت زندہ تھی اسی طرح آج کے دور (غائب) کے لئے بھی حقیقت ہے۔ اس لئے آپ کی حیات مبارکہ کو اسوہ حسنہ کہا گیا۔ آج بھی غلبہ دین حق کی بحالی کی انقلابی جدوجہد کو حصول منزل کی راہ نمائی کے لیے آپ ﷺ کے در اقدس کی دریوزہ گری کرنا ہو گی۔ آپ کی دینی اور دنیاوی پہلوؤں کا جامع ہونا آپ کی ابدی مؤثریت کی علامت ہے:

The traditional biography of Muhammad presents his career

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الحج، باب خطبة أيام منى، ۲:۶۱۹، رقم:۱۶۵۲
۲۔ مسلم الصحيح، كتاب القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء، ۳:۱۳۰۶، رقم:۱۶۷۹

as a remarkable combination of religion and politics, and this combination can fairly be seen as the key to his success... His religion and his politics were not two separate activities that came to be entangled; they were fused together, and this fusion was expressed doctrinally in the distinctive vocabulary of monotheists politics that pervades the Koran.[1]

’’محمد ﷺ کی روایتی سوانح عمری آپ کی جد و جہد میں مذہب و سیاست کا ربط و ضبط کو ظاہر کرتی ہیں اور یہی رابطہ آپ کی کامیابی میں کلیدی عنصر کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ کا مذہب اور سیاست دو الگ الگ سرگرمیاں نہیں تھیں جنہیں آپس میں اکٹھا کر دیا گیا تھا، بلکہ یہ آپس میں پہلے سے ہی ملی ہوئی تھیں۔ مذہب و سیاست کا یہی اختلاط اُس واضح توحیدی سیاست کے ذخیرہ الفاظ میں بھی ظاہر ہوتا ہے جو قرآن حکیم میں جا بجا دیکھنے کو ملتا ہے۔‘‘

مدینہ میں سیاسی معاشرہ کی تشکیل

(Establishment of Political Society in Madina)

آپ کی آمد سے قبل پورے عرب کی طرح مدینہ میں بھی کوئی مرکزی نظام نہ تھا مگر آپ نے ایک منظّم دستوری اور سیاسی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ رجال کار کی تیاری اور اداروں کے استحکام سے اپنی کامیابی کو محض ایک تاریخی واقعہ نہیں رہنے دیا بلکہ تاابد جاری رہنے والی روایت میں بدل دیا:

Thirdly, there is his skill and tact as an administrator and his wisdom in the choice of men to whom to delegate administrative details. Sound institutions and a sound policy will not go far if the execution of affairs is faulty and fumbling. When Muhammad died, the state he had founded was a 'going concern', able to withstand the shock of his removal and, once it had recovered from this shock, to expand at prodigious speed.

The more one reflects on the history of Muhammad and of early Islam, the more one is amazed at the vastness of his achievement. Circumstances presented him with an opportunity such as few men have had, but the man was

(1) Michael Cook, *Muhammad, Our Great*, p. 51.

fully matched with the hour. Had it not been for his gifts as seer, statesman, and administrator and, behind these, his trust in God and firm belief that God had sent him, a notable chapter in the history of mankind would have remained unwritten.(1)

’’تیسری بات آپ کی بطور منتظم کے وہ مہارت اور حکمت ہے کہ آپ نے کتنی بصیرت کے ساتھ اُن لوگوں کا انتخاب کیا جنہیں آپ نے انتظامی اور ریاستی معاملات طے کرنے کے لیے چنا۔ مضبوط ادارے اور مضبوط پالیسیاں کبھی بھی دیرپا نہیں رہ سکتیں اگر اُن کے نفاذ کے لیے طریقہ کار غلطی اور خطا پر مبنی ہو۔ جب محمد ﷺ کا انتقال ہوا ریاست جسے آپ نے قائم کیا تھا سب سے بڑا مرکز توجہ مسئلہ تھی جو آپ کے منظر عام سے ہٹ جانے کے حادثے کا سامنا کرنے کے قابل تھی اور جب ایک دفعہ وہ اس دھچکے سے نکل گئی تو پھر بہت ہی تیز رفتاری کے ساتھ اس کا پھیلاؤ ہوا۔

’’کوئی جتنا زیادہ محمد ﷺ اور اسلام کی ابتدائی تاریخ پر غور وفکر کرتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ آپ کی کامیابیوں کی وسعت پر حیرت زدہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ حالات نے آپ کو ایسا موقعہ فراہم کیا جو چند ہی لوگوں کو میسر آ سکا لیکن آپ کی شخصیت ان حالات کے تقاضوں کو بہ درجہ کمال پورا کرنے والی تھی اگر آپ بطور پیغمبر، سیاستدان اور منتظم کے اعلیٰ اوصاف سے متصف نہ ہوتے اور ان سب سے بڑھ کر اگر آپ کو خدا پر اور اس بات پر یقین نہ ہوتا کہ اللہ ہی نے آپ کو بھیجا ہے تو انسانی تاریخ کا ایک انتہائی اہم باب کا کبھی بھی نہ لکھا جاتا۔‘‘

آپ نے اپنی آمد کے بعد میثاق مدینہ کے ذریعے سیاسی معاشرہ کے قیام وتشکیل کے لئے درج ذیل اقدامات کئے:

۱۔ مسلم و غیر مسلم مقامی باشندوں (Residents) کے حقوق وفرائض کا تعین کیا گیا۔

۲۔ مہاجرین (Emigrants) کی آبادکاری کا مسئلہ حل کیا گیا۔

۳۔ مہاجرین کے لئے ذرائع معاش کی فراہمی کا بندوبست کیا گیا۔

۴۔ غیر مسلم عربوں اور یہودیوں سے سمجھوتہ کر کے ایک کثیر الثقافتی (Multicultural) معاشرہ قائم کیا گیا۔

(1) W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 237.

۵۔ تمام مسلم و غیر مسلم قبائل کے درمیان پر امن بقائے باہمی کا نظام وضع کیا گیا۔

۶۔ شہر مدینہ کی سیاسی تنظیم اور مرکزی نظام کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔

۷۔ ریاست مدینہ کے دفاع اور حفاظت کے انتظامات کئے گئے۔

۸۔ سوسائٹی کے داخلی اور خارجی تعلقات کے لئے قواعد وضوابط تشکیل دیئے گئے۔

۹۔ سوسائٹی کے باہمی اختلافات ونزاعات کی صورت میں فیصلوں کا نظام وضع کیا گیا۔

۱۰۔ ریاست کے لئے جنگ، صلح اور دفاعی مصارف کے قوانین بنائے گئے۔

۱۱۔ سب کی جان و مال کی حفاظت وضمانت اور معاشرہ کو پرامن ریاست (Peaceful State) میں بدلنے کا انتظام کیا گیا۔

۱۲۔ مقامی قوانین اور قبائلی کلچرز کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعیت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

۱۳۔ مذہبی آزادی اور باہمی رواداری کو فروغ دے کر ایک متحمل معاشرہ (Tolerant Society) وجود میں لایا گیا۔

۱۴۔ قانون کی حکمرانی اور بالادستی کا نظام وضع کیا گیا۔

قیامِ ریاست کے تناظر میں سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت

(Importance of Sirah in perspective of the Establishment of State)

سیرت نبوی سے جہاں ہمیں زندگی کے دیگر شعبوں سے متعلق واضح راہنمائی میسر آتی ہے، ایک مثالی ریاست کے قیام کے باب میں بھی واضح راہنمائی ملتی ہے۔ اسوۂ حسنہ کا بنیادی مفہوم بھی یہی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر عمل اور آپ کی ہر سنت جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں نتیجہ خیز اور ثمر آور تھی اسی طرح آج کے دور میں بھی ہے۔ اگرچہ آپ اس مقام کے حامل تھے:

یعنی آن شمع شبستان وجود
بود در دنیا و اَز دنیا نہ بود

لیکن اس عالم ارضی میں آپ نے اپنی ظاہری زندگی اس انداز سے گزاری کہ وہ انسانیت کے لئے سرچشمہ ہدایت قرار پائی۔ زندگی کے تمام معاملات جن کا تعلق انفرادی یا نجی زندگی سے تھا، معاشی و معاشرتی زندگی سے تھا یا قومی وبین الاقوامی زندگی سے آپ نے اپنی سنت کے ذریعے ایسے راہنما اصول عطا فرما دیئے جن کی تاثیر نہ صرف امت مسلمہ بلکہ عالم انسانیت کے لئے تا ابد برقرار رہے گی۔

سوال یہ ہے کہ آج کے دور میں جب کہ ملت اسلامیہ گوناگوں چیلنجز کا سامنا کررہی ہے قیامِ ریاست کے باب میں ہم سنت اور اسوۂ حسنہ سے راہنمائی کیسے لیں؟ بہت سے دیگر پہلوؤں کے علاوہ ایک بڑی حقیقت یہ ہے کہ ہم سنت کو اس کی زمانی مکانی سیاق یعنی (Time-Space Context) میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ جب سنت اور اسوۂ حسنہ کو زمانی مکانی سیاق میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے دو تناظرات بنتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کے جملہ اقدامات مخصوص زمانی مکانی سیاق کے اندر تھے۔ آپ نے ایک مخصوص سماجی عمرانی ماحول میں رہتے ہوئے حصولِ منزل کی جدوجہد فرمائی لہٰذا آپ کی جدوجہد اور آپ کے تمام مناہج سے بامعنی اور باثمر راہنمائی اخذ کرنے کے لئے اس دور کے حالات اور ان کے طبعی، ثقافتی، عمرانی اور سماجی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم اسوۂ حسنہ اور سنت کی اس جامع تفہیم کی طرف نہیں بڑھیں گے تو ہماری فکر تحقیق سے دور اور تقلید و تلفیق کے درمیان ہی سفر کرتی رہے گی اور دورِ جدید کے بدلے ہوئے حالات اور اس دور کے نو بنو چیلنجز سے کماحقہ عہدہ برآ نہیں ہو سکے گی۔

تفہیم سنت اور اسوۂ حسنہ کے فہم کے زمانی مکانی سیاق کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آج کے دور میں ہم اس عقیدے کو حل کرنے کی کوشش کریں کہ جب زمانہ اپنے سماجی، معاشرتی، عمرانی، سائنسی اور ٹیکنالوجیکل حالات کے حوالے سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ آج اسوۂ حسنہ اور سنت مطہرہ کے اطلاق اور اس پر عمل درآمد کی کیا صورت ہو کہ جس سے ہم مسائل کی گنجلک اور پیچیدہ صورت حال سے نکل سکیں۔ آج کے دور میں بھی سنت پر عمل کرنا ویسا ہی نتیجہ خیز ہو جس طرح کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری اور خلفائے راشدین کے زمانے میں ممکن ہوا تھا۔ اگر اس مرحلے کو طے کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہوتے تو قرآن اور سنت کی راہنمائی کی حقیقی نتیجہ خیزی ہمارے سامنے نہیں آ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی مسلم فکر درپیش مسائل کے حل کی دہلیز تک رسائی تو حاصل کر سکی ہے حل قطعاً نہیں۔ اب ہم سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں قیام ریاست سے متعلق حاصل ہونے والے کچھ بنیادی اصولوں کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔ ان کی تفصیلی توضیح و تشریح سیرۃُ الرسول ﷺ کی آئندہ جلدوں میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی:

۱۔ نظریہ وعمل کی وحدت (Unity of Ideology and Practice)

۲۔ اِستقامت (Firmness & Consistency)

۳۔ عزم اور واقعات میں باہمی تعلق (Compatibility of Aim & Action)

۴۔ واقعات کے ظہور میں منطقی ترتیب اور ان میں نبوی حکمت عملی کا عنصر (Logical Sequence of Events & Prophetic Strategy)

۵۔ ذاتی اور شخصی مفادات پر اجتماعی مفادات کی ترجیح (Prioritizing the Collective and National Interests)

۶۔ عملی اقدامات کے لئے ظاہری تقاضوں کی اہمیت (Preparation for Practical Steps)

۷۔ جدوجہدِ نبوی کا مسلسل تحرّک (Consistent Continuity of Struggle)

۸۔ قیامِ ریاست کی بنیاد فلاحِ انسانیت (Humanitarian Foundations of State)

۹۔ قدرت اور بصیرت کا حسین امتزاج (Combination of Divine Will & Prophetic Vision)

۱۰۔ فروغِ دعوت کے لئے ہر میسر ذریعے کا استعمال (Use of All Available Resources)

۱۱۔ رجال کار کی تیاری (Preparation of Personals & Work Force)

۱۲۔ جدو جہد کا رجائی پہلو (Optimistic Aspect of Struggle)

۱۔ نظریہ وعمل کی وحدت (Unity of Ideology and Practice)

سیرت نبوی میں ہمیں نظریہ وعمل کی مثالی وحدت کا منظر نظر آتا ہے۔ اگر ہم تاریخ انسانی کی عظیم شخصیات کی زندگی اور ان کے کارناموں پر غور کریں تو ہمیں نظریہ وعمل کی اتنی مثالی وحدت کہیں بھی نظر نہیں آتی بلکہ ہر کہیں نظریہ وعمل کی دو انتہائیں نظر آتی ہیں۔ یعنی یا تو نظریے کا غلبہ ہے یا عمل کا۔ اگر نظریے کا غلبہ ہے تو ایسا مثال یوٹوپیا تخلیق کیا جاتا ہے جس کے عملی شکل میں ڈھلے کے کوئی امکانات نظر نہیں آتے، جہاں کہیں عمل کا غلبہ ہے وہاں اقدار اور بنیادی انسانی معیارات تک

پامال ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تمام انبیاء کرامؑ کی زندگیاں بھی اس حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی مثال نہیں بن سکتیں۔ تمام انبیاء اپنی زندگی کے کسی نہ کسی دائرے میں اصلاح کے لئے دنیا کے کسی نہ کسی خطے کی اصلاح کے لئے، یا انسانی آبادی کے کسی خاص طبقے کی طرف تشریف لاتے رہے۔ ان کا مشن تکمیل کے اس درجے تک نہیں پہنچا کہ وہ معاشرہ، خطہ، علاقہ یا زمانہ آنے والے دور میں مزید کسی راہنمائی سے مستغنی ہوجاتا۔ بلکہ اس کے باوجود اس امر کی ضرورت باقی رہی کہ کچھ وقت کے بعد وہاں ایسا رہنما آئے جو الوہی رہنمائی کے ذریعے سے لوگوں کو پھر سے مائل بہ حق کرے۔ لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ اس حوالے سے بے مثل ہے کہ آپ نے زندگی کے ہر دائرے میں نظریہ و عمل کی وحدت کو اس درجہ کمال تک پہنچا دیا جہاں نظریہ محض خیال نہیں رہتا اور عمل اقدار عالیہ سے آزاد نہیں ہو پاتا۔ بلکہ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو رخ کے طور پر سامنے آئے ہیں۔

خدا کا وجود جو اس سے پہلے محض تصورات میں تھا اب محض تجریدی معتقدات یا صرف عقلی دلائل تک محدود نہیں رہا بلکہ ایک ریاست کا مقتدر اعلیٰ قرار پایا جہاں اس کا قانون ایک نظام کی شکل میں روبہ عمل نظر آیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی ذات بھی اسی جامعیت کے سبب اللہ رب العزت کی تھی اور اس کے موجود ہونے کی دلیل ناطق بن گئی۔ اب اہل عقل سلیم کے لئے خدا کا انکار ممکن نہیں رہا۔ کیونکہ انکار اسی کا ممکن ہے جس میں کوئی نقص یا خطا ہو۔ لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ، آپ پر اترنے والا قرآن اور آپ کے ذریعے قرآنی تعلیمات کے نظام میں ڈھل جانا تاریخ انسانی کا ایسا لازوال کارنامہ ہے جو تا ابد انسانیت کے لئے ایک دعوت فکر بن گیا۔ انسان کے لیے اب خدا کی معرفت کا سفر اتنا صاف اور واضح ہوگیا کہ وہ خدا کا انکار کرنے سے پہلے سو بار سوچے گا۔ اس طرح آئندہ آنے والی نسل انسانی کے لئے بھی ایک بنیاد میسر آ گئی کہ نظریہ و عمل کی وحدت کے ساتھ کیسے ایک مثالی ریاست اور مثالی معاشرے کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔

۲۔ اِستقامت (Firmness & Consistency)

حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد میں ہمیں استقامت اور صبر وتحمل بدرجہ کمال نظر آتا ہے۔ اپنی ذات پر یقین، اپنے مشن پر یقین، وجود خداوندی اور تائید ایزدی پر یقین وہ بنیادی محرکات ہیں جن کی وجہ سے آپ اپنی جدوجہد میں کسی بھی مقام پر متزلزل ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ آپ کی استقامت کا یہ عالم ہے کہ جب تمام قریش مکہ آپ کی دعوت کی نفوذ پذیری سے خائف ہو کر آپ کی

دعوت کو روکنے کے لئے حضرت ابو طالب کے پاس ہر طرح کی ترغیب و ترہیب لے کر آئے۔ حضرت ابوطالب نے قریش مکہ کا پیغام حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ نے فرمایا: چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں دعوت حق کے اس عظیم مشن سے پیچھے ہٹنے والا نہیں۔ یہ آپ کی استقامت تھی کہ ہر طرح کی ترغیب و ترہیب آپ کے سامنے بے اثر ثابت رہیں۔ آپ کے صبر و تحمل کا یہ عالم ہے کہ زندگی کے انتہائی نازک ترین لمحات میں، جب دوسرے لوگ جذبات کی رو میں بہہ رہے ہتے تھے آپ نے سراپا استقامت بن کے فیصلے کیئے۔ اس کی ایک بڑی مثال صلح حدیبیہ ہے۔ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور عہد نامہ کی شرائط طے ہو گئیں تو صحابہ کرام اس منظر نامہ میں اپنے آپ کو راہ اعتدال پر نہ رکھ سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا آپ سے جذباتی مکالمہ دراصل تمام صحابہ کرام کے جذبات کا اظہار تھا لیکن آپ نے ان سب باتوں کے باوجود معاہدہ حدیبیہ پر دستخط فرما دیئے۔ یہی معاہدہ آگے چل کر اسلام کا وہ سنگ میل ثابت ہوا جسے فتح مبین قرار دیا گیا۔ اگر آپ اس وقت سراپا صبر و استقامت اور تحمل و بصیرت نہ ہوتے اور صحابہ کرام کی رائے کے مطابق فیصلہ کر لیتے تو اس کے نتیجے میں نہ صرف ہزارہا مسلمانوں کی جانیں تلف ہو جاتیں بلکہ مستقبل میں بھی قریش مکہ اور ریاست مدینہ کے درمیان ایسی چپقلش کا باعث بنتا جسے ختم کرنا یا کسی منطقی انجام تک پہنچانا شاید کبھی بھی ممکن نہ ہوتا۔ اگرچہ اس معاہدے کی روشنی میں اس سال تو مکہ میں داخلہ ممنوع رہا مگر مشتعل قریش مکہ نے قانونی طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ کبھی بھی مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکیں گے۔

حیات نبوی میں اس طرح کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں کہ آپ کے صبر و استقامت، دانش و بصیرت اور معاملہ فہمی نے انتہائی نازک ترین حالات میں بھی اسلام کو ایک ایسی بنیاد فراہم کی جو مستقبل میں ریاست کے قیام اور استحکام کا باعث بنی۔

۳۔ عزم اور واقعات میں باہمی تعلق

(Compatibility of Aim & Action)

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں ہمیں آپ کے عزم، عمل اور واقعات میں باہمی ربط نظر آتا ہے کہ آپ کا کوئی بھی عزم صرف عزم نہیں رہا۔ چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں جب آپ نے دعوت دین کا آغاز کیا تو گوناں گوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حتی کہ حضرت ابوطالب کے بعد ابولہب خانوادہ بنی ہاشم کا سربراہ بنا تو اس نے آپ کو کنبہ بدر کرنے کا اعلان کر دیا اس طرح آپ

اپنے خانوادے کی حمایت سے بھی محروم ہو گئے۔

اندریں حالات بھی جب مکہ میں دعوت دین کے فروغ کے امکانات نہ رہے آپ کا عزم عمل کے لحاظ سے کسی تعطل کا شکار نہیں ہوا بلکہ آپ نے نئے آفاق دریافت کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔ مکہ سے دور طائف کو اپنی تحریک کی دعوت کا مرکز بنانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے اہل طائف کے سامنے دعوت دین کا پیغام رکھا۔ اگرچہ وہاں بھی آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا یہ سفر نہ صرف دعوت کے فروغ بلکہ مستقبل میں بننے والی اسلامی ریاست کے استحکام اور توسیع کا سبب بھی بنا۔

۴۔ واقعات کے ظہور میں منطقی ترتیب اور ان میں نبوی حکمت عملی کا عنصر

(Logical Sequence of Events & Holy Prophet's Strategy)

اسلام کی دعوت کے فروغ اور ریاست مدینہ کے قیام کے باب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد اور اس کے نتیجے میں پیش ہونے والے واقعات میں ایک منطقی ترتیب نظر آتی ہے۔ اس منطقی ترتیب کے بین السطور حضور نبی اکرم ﷺ کی موثر حکمت عملی کا عنصر جا بجا کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ جب مکہ میں دعوت دین کے فروغ کے امکانات ایک مدت کے بعد تقریباً مسدود ہو گئے آپ نے مکہ کے ماحول میں آباد لوگوں تک رسائی کے ذریعے فروغ دعوت کے امکانات کا جائزہ لیا۔ اب اس خطے کی تلاش تھی جہاں پر دعوت دین ماضی کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں نفوذ پذیر ہو سکے۔ لہٰذا اب آپ نے مدینہ منورہ کو توجہ کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔

مکہ میں آپ کی دعوت، ہجرت حبشہ، سفر طائف اور اس کے بعد اہل یثرب سے رابطہ ان سب واقعات میں ہمیں ایک تسلسل، ربط اور منطقی ترتیب نظر آتی ہے۔ اہل یثرب سے آپ کا رابطہ بتدریج آگے بڑھا۔ اولاً جب آپ نے اہل یثرب کے سامنے دعوت دین رکھی اور بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی، اس موقع پر آپ نے دعوت دین کی انتہائی سادہ تعلیمات ان کے سامنے رکھیں جو ان کے عقیدہ، عمل اور اخلاق کی اصلاح کا سامان ہوسکتی تھیں۔ اسی لیے بیعت عقبہ اولیٰ کو بیعت النساء بھی کہتے ہیں۔

لیکن جب بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی تو ان کے سامنے دعوت دین کا وہ پہلو رکھا جو جدوجہد اور قربانی کا متقاضی تھا۔ جس کی توضیح وتشریح حضرت حمزہ نے اپنے خطاب میں کی۔ اس طرح جب

آپ مدینہ پہنچے تو وہاں بھی اگر ہم میثاق مدینہ کی تشکیل اور تنفیذ تک کے مراحل کو دیکھیں، ہمیں ایک بڑے ہی تدریجی اور منطقی انداز سے واقعات آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ نے کمال نبوی بصیرت، تدبر اور حکمت عملی سے موجود حالات کو دعوت دین اور قیامِ ریاست کے لئے اس طرح استعمال کیا کہ مشکل ترین حالات رکاوٹیں اور مشکلات پیدا کرنے کی بجائے آپ کے لئے حمایت اور سازگاری پیدا کرنے کا باعث بن گئے۔ جن کا تفصیلی تجزیہ ہم سیرت کی آئندہ جلدوں میں کر رہے ہیں۔

۵۔ ذاتی اور شخصی مفادات پر اجتماعی مفادات کی ترجیح

(Prioritizing the Collective and National Interests)

حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کی موثریت کا ایک بڑا عنصر یہ تھا کہ آپ نے ہمیشہ ذاتی یا شخصی مفاد پر قومی، اجتماعی اور دینی مفادات کو ترجیح دی۔ آپ کو اللہ رب العزت نے یہ اختیار دیا کہ زندگی کا جو بھی اسلوب چاہیں اختیار کر لیں، لیکن اس کے باوجود آپ نے غنا پر فقر کو ترجیح دی۔ ریاست مدینہ میں آئینِ مدینہ کے تحت آپ ریاست کے ہر حوالے سے مقتدرِ اعلیٰ، اور آخری انتظامی اتھارٹی تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود آپ نے ایک عام شہری کی سی زندگی گزاری۔ آپ کا طرز زندگی عام شہری کے طرز زندگی کے برابر تھا۔ حیات طیبہ میں نمود و نمائش، تعیش و آسائش یا ریاستی و سائل سے جائز طور پر بھی نفع اندوزی یا نفع خیزی کا کوئی پہلو شامل نہ تھا۔ حتی کہ آپ نے ریاستی عہدوں کی تقسیم میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھا کہ ہر لحاظ سے ذاتی غلبہ کے بجائے ریاستی اور اجتماعی تشخص ابھر کر سامنے آئے۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ کا عام معافی کا اعلان بھی آپ کی اسی حکمتِ عملی اور اسی روش کا آئینہ دار تھا۔ وہ اہلِ مکہ جنہوں نے آپ پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور ان کے ظلم وستم کے سبب آپ ﷺ کو مکہ چھوڑ کر جانا پڑا تھا، فتح مکہ کے بعد آپ قانونی، سیاسی اور آئینی طور پر اس اقدام میں حق بجانب تھے کہ کفار مکہ کے مظالم کا انتقام لیتے۔ مگر آپ نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ ذاتی انتقام کی بجائے نہ صرف انہیں عام معافی دی بلکہ ان کے سرخیل ابوسفیان کے گھر کو دار الامان قرار دے دیا۔ آپ نے اس اصول کا اطلاق صرف فتح مکہ کے موقع پر ہی نہیں کیا بلکہ بقیہ زندگی میں بھی ہمیں آپ ﷺ یہی روش نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الإسلام۔(۱)

''وہ لوگ جو اسلام لانے سے پہلے معزز تھے اسلام لانے کے بعد بھی معزز ہی رہیں گے۔''

مراد یہ کہ اسلام کسی کی عزت وقار اور مرتبے میں کمی کا باعث بننے والا دین نہیں بلکہ مثبت قوتوں اور صلاحیتوں کو مزید بڑھنے کا موقع دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر آپ ﷺ نے انہیں سابقین، اولین کا سردار بنا کر فوجی مہموں میں بھیجا۔ ابوسفیان نے اسلام قبول کیا تو انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا اور ان کا گھر دارالامن قرار پایا۔ جب خالد بن ولید نے اسلام قبول کیا تو باوجود یہ کہ ان کے سبب سے غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اور غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست کا وہ واحد سبب تھے، آپ ﷺ نے انہیں سیف اللہ کا عظیم خطاب دیا۔ الغرض آپ ﷺ نے اپنی جدوجہد میں کہیں بھی اپنے ذاتی پہلو کو پیش نظر نہیں رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کی دعوت کے دائرے میں آنے والے ہر شخص کی اہلیت (talent) اور صلاحیت وقفِ اسلام ہو گئی اور یہ ساری صلاحیتیں اسلام کے فروغ اور ریاستِ مدینہ کے قیام و استحکام کا باعث بنتی چلی گئیں۔

۶۔ عملی اقدامات کے لئے ظاہری تقاضوں کی اَہمیت

(Preparation for Practical Steps)

حضور نبی اکرم ﷺ نے بغیر تیاری کے کبھی بھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ آپ ﷺ نے کسی بھی عملی اقدام سے پہلے اس کے تمام ظاہری تقاضوں کو پورا کیا۔ جب تک تمام ظاہری تقاضے پورے نہیں کر لیے آپ عملی اقدام کی طرف نہیں بڑھے۔

تحریک اسلام کو مختلف مراحل پر جنگوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے جنگی تربیت لازمی قرار دی اور تمام اہم تقاضے جو موثر جنگی معرکوں کے لئے ضروری ہو سکتے تھے آپ ﷺ نے انہیں پورا کیا۔ مثلاً طائف میں ہمیں لشکرِ اسلام میں منجنیق اور دباب (توپ نما ہتھیار) کا استعمال واضح نظر آتا ہے۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب أم کنتم شھداء ۳: ۱۲۳۵، رقم: ۳۱۹۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۸۵، رقم: ۱۰۳۰۰

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۵: ۱۵۵

اسی طرح وہ تمام حکمت ہائے عملی (strategies) جو ضروری ہوسکتی تھیں وہ ہمیں ہر موقع پر روبہ عمل نظر آتی ہیں۔ آپ ﷺ نہ صرف کسی بھی عملی اقدام کے لئے ضروری ظاہری تقاضوں کی تکمیل کو اہمیت دیتے تھے بلکہ تمام عصری حالات پر بھی آپ ﷺ کی گہری نظر ہوتی تھی مثلاً جب خندق کے معرکے میں قریش نے عرب کے قبائل کے تعاون سے ہزاروں افراد کے جمِ غفیر کے ساتھ حملہ کیا تو اس سارے معاملے سے آپ باخبر تھے اور کفار مکہ کے جوڑ توڑ اور تیاریوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ اس وقت عرب کے شمال میں دومۃ الجندل کی طرف گئے ہوئے تھے لیکن آدھے راستے سے آپ ﷺ واپس آ گئے۔(۱) آپ محاصرہ کرنے والوں کے پہنچنے سے دو ہفتہ قبل مدینہ پہنچے اور فوری طور پر دفاعی حکمت عملی مرتب فرماتے ہوئے خندق کے ذریعے مدینہ کے دفاع کا اہتمام کرلیا۔ اس کے بالکل برعکس جب آپ ﷺ خود دس ہزار کا لشکر لے کر فتح مکہ کے موقع پر مکہ کی طرف بڑھے تا آنکہ مضافاتِ مکہ میں لشکرِ اسلام نے پڑاؤ نہیں ڈال لیا اہل مکہ کو اس کی کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ غزوہ تبوک کے موقع پر مسلمانوں کے حالات معاشی اور اقتصادی حوالے سے بہت دگرگوں تھے، اسی لیے اس لشکر کو 'جیشِ عُسرت' بھی کہتے ہیں۔(۲) لیکن ان دگرگوں اور ناگفتہ بہ حالات میں بھی آپ ﷺ نے جنگی تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام فرمایا۔ تیس ہزار مجاہدین پر مشتمل اس لشکر میں دس ہزار سوار تھے یعنی ہر تین مجاہدوں کے پاس ایک گھوڑا موجود تھا جسے وہ باری باری استعمال کر سکتے تھے۔(۳)

اس غزوہ کے موقع پر جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو قربانی اور ایثار کی دعوت دی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانی و ایثار کی ایسی داستانیں رقم کیں جس کی نظیر تاریخِ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کے ہاں کسی بھی اقدام سے پہلے اس کے ظاہری تقاضوں کو پورا کرنے کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ سیرتِ نبوی ﷺ میں ہم کئی ایسے مواقع دیکھتے ہیں جب آپ ﷺ نے کسی بہت اہم اقدام کو صرف اس وجہ سے ملتوی فرمایا کہ ابھی اس کے ظاہری تقاضے اور تیاری پوری نہیں ہو پائی تھی مثلاً مکہ کے حالات اگرچہ اس بات کے متقاضی تھے کہ اب آپ مکہ سے کسی بھی مناسب جگہ پر منتقل

---

(۱) ۱۔ ابن كثير، الإصابة، ۱:۲۴۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲:۶۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك، ۴:۱۶۰۲، رقم: ۴۱۵۳

۲۔ أبو عوانة، المسند، ۴:۴۰، رقم: ۵۹۵۶

(3) W Montgomery Watt; *Muhammad: Prophet and Statesman*, pp. 214-5.

ہو جائیں لیکن جب تک مدینہ جیسی مناسب جگہ میسر نہیں آ گئی آپ نے مکہ مکرمہ سے خود ہجرت نہیں فرمائی۔ ہجرت کے بعد نتائج کو کماحقہٗ سمیٹنے کے لیے آپ نے تمام احتیاطی تدابیر اپنائیں جن میں سرفہرست بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کا انعقاد فرمایا تاکہ مدینہ جانے کے بعد ہجرت کا حاصل فقط پناہ کا حصول نہ ہو بلکہ وہاں جانے کے بعد دین کے فروغ اور ریاست کے قیام کیلئے واضح سازگاری بھی میسر آئے۔

۷۔ جدو جہدِ نبوی کا مسلسل تحرک

(Consistent Continuity of Struggle)

حضور نبی اکرم ﷺ کی جدو جہد کا ایک نمایاں پہلو جو کسی بھی بڑی تاریخی شخصیت کی زندگی میں نظر نہیں آتا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی جدو جہد اقدامی خصوصیت کے ساتھ مسلسل پیش قدمی پر مبنی ہے۔ اس میں کہیں بھی پسپائی، جمود، ٹھہراؤ، رجعت اور تعطل نہیں۔ آپ ﷺ نے جو بھی اقدام کیا وہ آپ کی دعوت کے فروغ اور حصول منزل کی طرف پیش قدمی کا باعث بنا، چاہے وہ اقدام دعوت کے باب میں تھا یا مختلف علاقوں اور قبائل سے رابطوں کے متعلق تھا۔ آپ ﷺ کا ہر آئینی و سیاسی اقدام، معاہداتی یا عسکری وجہادی اقدام آپ ﷺ کی جدوجہد کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دعوتِ اسلام کے فروغ اور ریاستِ مدینہ کے قیام و استحکام کا باعث بنتا چلا گیا۔ اس کا بنیادی سبب آپ ﷺ کی دانش، بصیرت اور حالات پر گہری نظر تھی۔ حالات کے صحیح تجزیے کے بعد حالات کی مناسبت سے درست وقت پر درست فیصلہ اور اس فیصلے کی درست تنفیذ کے لئے کماحقہٗ، جدوجہد اور اس کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنا وہ عوامل تھے جنہوں نے آپ ﷺ کی جدوجہد اور آپ ﷺ کی تحریک کو اقدامی تحریک بنا دیا اور اس میں کہیں بھی ٹھہراؤ، جمود یا رجعت کا امکان پیدا نہیں ہوا۔

۸۔ قیامِ ریاست کی بنیاد: فلاحِ انسانیت

(Humanitarian Foundations of State)

عرب معاشرہ جہاں خاندانی فخر و نخوت اور وقار انسانی زندگی سے بھی زیادہ اہم تھا آپ ﷺ نے کبھی بھی خاندانی وقار کے قیام، قریش یا اہل عرب کے غلبہ کو اپنی جدوجہد کی بنیاد قرار نہیں دیا بلکہ روزِ اول سے ہمیں آپ کی جدو جہد میں فلاحِ انسانیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے مثلاً آپ ﷺ کی زندگی کا پہلا سماجی و معاشرتی اقدام ۳۷ قبل ہجری میں سامنے آیا جسے تاریخ **'حلف**

الفضول' کے نام سے جانتی ہے۔ اس میں آپ ﷺ جس معاہدے کا حصہ بنے اس کا بنیادی ایجنڈا انسانیت کے وقار اور فلاح کے تحفظ کی ضمانت دینا تھا۔ اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ: ''اللہ کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور یہ ہاتھ اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہی رہے گا جب تک کہ وہ مظلوم کو حق ادا نہ کر دے۔ یہ عہد اس وقت تک رہے گا جب تک سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے اور حراء وثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔''(۱)

یہ معاہدہ بنیادی طور پر انسانیت کے عزت وقار، زندگی اور جان و مال کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرنے والا معاہدہ تھا۔ جب مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے ریاستِ مدینہ کی بنیاد رکھی ہم دیکھتے ہیں کہ جس آئین کو آپ ﷺ نے نافذ کیا اس کا بنیادی مقصود یہی تھا کہ مدینہ میں آباد تمام باشندے دنیوی اور اخروی فلاح پانے والے معاشرے کے باشندے بن جائیں۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بھی آپ ﷺ نے یہ اعلان فرما کر کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں دراصل اپنی جدوجہد کے اسی نکتے کو نمایاں اور واضح فرمایا کہ وہی جدوجہد منزلِ مقصود تک پہنچتی ہے جس کی بنیاد انسانیت کی فلاح، وقار اور عظمت کی بحالی ہو۔ چاہے اس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہو یا آخرت کے ساتھ۔

۹۔ قدرت اور بصیرت کا حسین اِمتزاج

(Combination of Divine Will & Holy Prophet's Vision)

حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد میں ہمیں قدرتِ الٰہیہ اور بصیرت نبوی ﷺ کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ گو کہ آپ کو تائید ایزدی قدم قدم پر میسر تھی۔ آپ نے اپنی جدو جہد میں کمال بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی منصوبہ بندی کی جو نہ صرف آپ کی کامیابی کا باعث بنی بلکہ یہ آنے والی انسانیت کے لئے بھی راہنمائی کے انگنت گوشے رکھتی ہے مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر لشکرِ اسلام کی فتح۔ اگر ہم لشکرِ اسلام کی فتح کے اسباب قرآن حکیم کی روشنی میں معلوم کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں فرشتے مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لئے اتارے لیکن اس کا ایک پہلو حضور نبی اکرم ﷺ کی وہ منصوبہ بندی تھی جو لشکر اسلام کی فتح کا سبب بنی۔ اگر ہم میدانِ جنگ میں لشکر اسلام کی ترتیب دیکھیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی منصوبہ بندی کا لشکرِ کفار کی منصوبہ بندی کے

---

(۱) ۱۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۲: ۲۹۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۱۲۹

ساتھ تقابل کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس سے بہتر منصوبہ بندی اس ماحول میں آج کا کوئی بھی بڑے سے بڑا عسکری ماہر بھی پیش نہیں کرسکتا۔ اسی طرح غزوہ خندق میں بھی ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی بصیرت اور اللہ کی قدرت پہلو بہ پہلو کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یعنی یہ آپ کی حکمت عملی تھی کہ کفار اور محاصرین مدینہ سے بچاؤ کے لئے آپ صحابہ کرام کی مشاورت سے ہونے والے فیصلے کے نتیجے میں خندق کھود کر مدینہ کے دفاع کا اہتمام کر رہے تھے لیکن اس کے ساتھ تائید ایزدی اور قدرت ربانی کا یہ عالم تھا کہ جب ایک پتھر کو توڑنے کے لئے آپ نے اس پر کدال ماری تو اس سے نکلنے والی چنگاری میں آپ نے قیصرو کسریٰ کے محلات کو دیکھ لیا اور فرمایا کہ وہ وقت دور نہیں جب یہ سب کچھ میری امت کے تصرف میں ہوگا۔ صلح حدیبیہ بھی آپ کی شخصیت اور جدو جہد کے اس پہلو کا نمائندہ واقعہ ہے کہ آپ نے انتہائی ناگفتہ بہ اور بظاہر مایوس کن حالات میں جو فیصلہ کیا اسے اللہ رب العزت نے 'فتح مبین' قرار دیا۔

۱۰۔ فروغِ دعوت کے لئے تمام میسر ذرائع کا اِستعمال

(Use of All Available Resources)

حضور نبی اکرم ﷺ نے دعوت دین کے فروغ اور قیام ریاست کو ممکن بنانے کے لئے ہر اس ذریعے اور حکمت عملی کو استعمال فرمایا جو میسر تھی۔ آپ نے تمام افراد، وسائل، حالات اور ہر حکمتِ عملی کو اس انداز سے استعمال فرمایا کہ وہ آپ کی جدو جہد کے سفر کو مائل بہ منزل کرنے کا سبب بنتے چلے گئے مثلاً ہجرت کے بعد قریش مکہ کی تجارتی سرگرمیوں پر ریاست مدینہ کی طرف سے پابندی۔ قریش مکہ جنہوں نے نہ صرف مکہ میں آپ کا عرصہ حیات تنگ کردیا تھا بلکہ ترک وطن کے بعد مہاجرین کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد پر بھی غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا۔ ان کی تمام معاشی زندگی کا انحصار تجارت پر تھا اور تجارت کے لئے تمام راستے مملکت مدینہ کے زیر تسلط علاقے سے گزرتے تھے۔ مملکت مدینہ نے اپنے آئینی حق کو استعمال کرتے ہوئے قریش مکہ کے ان تجارتی راستوں کو بند کر دیا۔ لہٰذا جب قریش کے لئے تجارت کا ساحلی راستہ اور صحرا میں سے عراق جانے والا راستہ بند ہوگیا۔ بحرین اور یمامہ جہاں سے قریش کو غلہ ملتا تھا ان علاقوں میں اسلام کے فروغ اور وہاں کے سردار ثمامہ ابن اثال کے مسلمان ہونے پر وہاں سے قریش کو غلہ کی برآمد رک گئی تو یہ معاشی دباؤ انجام کار قریش کو زیر کرنے کا ایک سبب بن گیا۔[۱]

---

(۱) طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۲٦

اسی طرح جب آپ نے دستور مدینہ تشکیل دیا تو اس میں ایک اہم آرٹیکل اس معاملے کے متعلق رکھ کر مدینہ کے یہودیوں کو کسی بیرونی حملہ آور کو مدد دینے سے روک دیا گیا کہ وہ نہ تو قریش کو خود مدد دیں اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کے حلیف بنیں۔ اطراف مدینہ کے قبائل کے ساتھ معاہدات میں بھی اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ بیعت عقبہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے اہل مدینہ فی الاصل قریش کے ساتھ حلیف بننے کے لئے آئے تھے۔ مستقبل میں اس طرح کے کسی بھی امکان کا راستہ بند کرنے کے لئے آپ ﷺ نے دستور مدینہ میں اس کی باقاعدہ قانونی شقیں رکھیں۔ نہ صرف آئین و دستور بلکہ دیگر معاملات میں بھی آپ کا ہر قدم دعوت دین کے فروغ اور قیام اور استحکام ریاست کی منزل کے حصول کے لئے تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی کثرت ازدواج میں بھی یہی حکمت کارفرما تھی جس کا اعتراف عقلِ سلیم اور راست فکر رکھنے والے مستشرقین نے بھی کیا۔[1]

---

(1) i. Arthur N. Wollaston, *Half-Hours with Muhammad*, p. 62.
ii. Arthur N. Wollaston, *The Sword of Islam*, p. 74.
iii. Berry G. L., *Religions of the World*, p. 65.
iv. Draycott G. M., *Mahomet: The Founder of Islam*, p. 263.
v. Emile Dermengham, *Life of Mahomet*, p. 269, 284-5.
vi. Henri Masse, *Islam*, p. 45,74.
vii. John Davenport, *Apology for Mohammed and the Koran*, p. 25.
viii. Johnstone P. de Lacy, *Muhammad and his Power*, p. 98.
ix. Karen Armstrong, *Mohammad -A Biography of the Prophet*, p. 181, 192, 196-7.
x. Leitner G.W. Dr., *Mohammedanism in the Religious Systems of the World: A Collection of Addresses*, p. 298-9.
xi. Margoliouth D. S., *Mohammed and the Rise of Islam*, p. 176 & 450.
xii. Mark Sykes, *The Caliph's Last Heritage*, p. 82-3.
xiii. Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 120.
xiv. Sir John Bagot Glubb, *The Life and Times of Muhammad*, p. 235, 236, 239 & 263.
xv. Smith R. Bosworth, *Mohammed and Mohammedanism*, p. 94-5.
xvi. Stanley Lane-Poole, *The Prophet and Islam*, p. 24-26.
xvii. Vaglieri L. Veccia, *The Encyclopedia of Islam*, Vol. III, article 'Hafsa bint Umar' p. 64.
xviii. Washington Irving, *Life of Mahomet*, p. 70, 139, 155-6, 160-1.

⟶

۱۱۔ رجالِ کار کی تیاری

(Preparation of Personals & Work Force)

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی جدو جہد کی کامیابی کے لئے مناسب افراد کی تلاش اور ان کی باقاعدہ تربیت کو اپنی جدوجہد کا ایک اہم حصہ بنایا۔ اس کی بڑی مثال حضرت عمر بن خطاب ہیں۔ جب دعوت اسلام اپنے ابتدائی زمانے میں تھی تو مکہ کے دو مؤثر ترین افراد یعنی عمر ابن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کا اسلام میں داخل ہوجانا اسلام کی مشکلات کے کم ہونے کا سبب بن سکتا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان میں سے کسی ایک کے قبول اسلام کی دعا مانگی۔ تاریخ گواہ ہے کہ عمر بن خطاب ص کا اسلام قبول کر لینا اسلام کے لئے کتنی بڑی نعمت ثابت ہوا۔ The Hundred کے مصنف مائیکل ہارٹ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس پر گفتگو کی ہے کہ عمر بن خطاب کا اسلام کا قبول کرنا اور منصب خلافت پر آنا سلطنت اسلام کے استحکام اور توسیع کے لئے کتنا مؤثر ثابت ہوا۔(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ نے رجال کار کی تلاش اور تیاری کو اپنی جدو جہد کا مرکزی نقطہ بنایا۔ آپ نے رجال کار کی تربیت اور کارہائے ریاست میں ان کی برابرشمولیت کو بھی کبھی نظر انداز نہ کیا۔ گو آپ الوہی رہنمائی اور پیغمبرانہ بصیرت کی وجہ سے دانش وحکمت کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز تھے اور آپ کا فیصلہ درستگی کے اعلیٰ ترین معیار کا حامل تھا۔ جس کی بڑی مثال صلح حدیبیہ ہے جب اکثر اس فیصلے کی مخالفت کررہے تھے، آپ نے صحابہ کرام کو مشاورت کے عمل میں شامل رکھا۔

صحابہ کرام کے ساتھ ریاستی امور پر آپ کی مشاورت کے نتیجے میں تین طرح کے نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

---

xix. Watt Montgomery Watt, *Muhammad at Medina*, p. 287-8.

xx. Watt Montgomery Watt, *Muhammad Prophet and Statesman*, p. 102.

xxi. Watt Montgomery Watt, *The Encyclopedia of Islam*, Vol. 1, article A'isha bint Abu Bakr p. 307-8.

xxii. William Muir, *Mahomet and Islam*, p. 108.

xxiii. William Muir, *The Life of Mahomet*, Vol. III, p. 151, Vol II, p. 208, vol IV, p. 91.

(1) Michael H. Hart, *The 100: A Ranking of the most Influential Persons in History*, Chapter: Umar Farooq.

۱۔ آپ اور صحابہ کرام کی رائے میں یکسانیت اور اتفاق مثلا غزوہ خندق کے موقع پر ہونے والی مشاورت۔

۲۔ آپ اور صحابہ کرام کی رائے میں عدم یکسانیت اور آپ کا اپنی رائے پر عمل فرمانا مثلاً صلح حدیبیہ۔ تاہم اس صورت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپ نے کسی معاملے میں اپنی رائے پر عمل فرمایا ہو اور وہ اقدام تحریک اسلام کے لئے کسی پس قدمی کا باعث بنا ہو۔

۳۔ آپ اور صحابہ کرام کی رائے میں عدم یکسانیت اور آپ کا صحابہ کی رائے پر عمل فرمانا مثلاً غزوہ احد۔ اس موقع پر اگرچہ آپ خود مدینہ کے اندر رہ کر جنگ لڑنے کے حق میں تھے مگر اکثریت کی رائے کے مطابق عمل کر کے آپ نے نہ صرف اسلام کے نظام حیات میں مشاورت اور جمہوری کلچر کی بنیاد رکھی بلکہ اس سے صحابہ کرام کے اندر اعتماد پیدا ہوا جس سے آگے چل کر اس زمانے میں جب آپ عالم ظاہری میں موجود نہ رہے صحابہ کرام نے اس نوزائیدی مملکت کے بار کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اس کے استحکام کے لئے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو آج کی اعلیٰ ترین نظام تربیت سے نکلنے والے لوگ بھی انجام دینے سے قاصر ہیں۔

آپ نے اپنے اس طرزِ عمل سے یہ رہنما اصول بھی عطا فرما دیا کہ اسلام کی حیات اجتماعی میں مشاورت کے عمل میں رفقائے کار کی شمولیت اور اس مشاورت پر صدق نیت سے عمل ہی کامیابی کا راستہ ہے۔ مستقبل کی کوئی بھی قیادت اس وقت ہی امت کی اجتماعی مشاورت سے مستغنی ہوسکتی ہے جب وہ صلح حدیبیہ کی طرح مستقبل کی مبیَّن کامیابی کی ضمانت دے سکتی ہو، جو ظاہر ہے کہ خصائص نبوت سے ہے۔

۱۲۔ جد و جہدِ نبوی کا رجائی پہلو

(Optimistic Aspect of Struggle)

حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کا ایک نمایاں پہلو جو کسی بھی بڑی شخصیت کی زندگی میں نظر نہیں آتا یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف تمام موجود حالات بلکہ پیش آنے والی مشکلات کو بھی اپنی جدوجہد کے حق میں استعمال کیا۔ چاہے ان مشکلات کا تعلق آپ کی ذات مبارکہ، اہل اسلام اور ریاست مدینہ سے تھا یا آپ کے مخالفین کے ساتھ۔ جب غزوہ خندق کے موقع پر عرب قبائل نے مشرکین مکہ کے ساتھ اتحاد کر لیا اور اسلام کے خلاف متحد ہوگئے تو اس موقع پر آپ نے قبیلہ غطفان

کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ قریش کا ساتھ چھوڑ دیں۔ جب آپ نے قریش اور یہود مدینہ کے درمیان علیحدگی کرادی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غزوہ خندق کے موقع پر قریش نے بیزار ہو کر محاصرہ اٹھا لیا اور مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے۔ اس طرح مکہ میں جب قحط عام کا منظر پیدا ہوگیا تو قریش کے غلہ کی منڈی کو آپ نے کھلوا دیا جو یمامہ میں تھی اور اسے آپ نے بند کروا دیا تھا۔ اہل مکہ کو اقتصادی سہولت فراہم کرنے کے لئے آپ نے قحط کی انتہائی شدت کے دور میں سردار مکہ ابو سفیان کو ۵۰۰ اشرفیاں ارسال کیں تاکہ وہ مکہ کے فقراء میں تقسیم کی جائیں۔[۱]

ان اقدامات سے وہی دشمن قریش جو آپ کے جانی دشمن تھے اور اسلام کے فروغ کو روکنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے ان میں اسلام کے بارے میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوگیا۔ مشکلات میں مایوس ہونے اور گھبرا کر اپنی جدو جہد کو معطل کرنے کی بجائے مشکلات کو اپنی جدو جہد کے فروغ کے لئے استعمال کرنے کی ایک بڑی مثال ہجرت ہے۔ جس وقت مکہ میں فروغ دعوت کے امکانات مسدود ہونے لگے آپ نے پہلے ہجرت حبشہ اور پھر ہجرت مدینہ کا فیصلہ کیا۔

دونوں ہجرتوں کے نتیجے میں اسلام کو فروغ میسر آیا۔ اسلام عرب کی حدوں سے نکل کر نئے آفاق، نئے علاقوں اور نئے لوگوں سے متعارف ہوا۔ خود ہجرت مدینہ ایسے اقدامات کی بنیاد ثابت ہوئی جو تاریخ انسانی میں ایک نئے دور کا آغاز بنے۔ یعنی انسانیت کو ایک دستور کا عطا کیا جانا، اسلامی مملکت کا قیام، دعوت توحید کا عالمگیر پھیلاؤ، معاشرے سے طبقاتی کشمکش کا خاتمہ، ایک واضح نظام کی تشکیل، بین الاقوامی قوانین کی تشکیل اور عرب معاشرے سے گمراہی، شرک اور غیر انسانی رسوم و رواج کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ یہ وہ ثمرات ہیں جو ہجرت ہی کے نتیجے میں ایک حقیقت بنے۔ ہجرت انتہائی مشکل ترین حالات میں مشکل حالات کو اپنے حق میں استعمال کرنے کا اقدام تھا۔

آپ کی ہجرت نے مدینہ کے معاشرہ پر مذہبی (Religious)، سماجی و معاشرتی (Social)، آبادیاتی (Demographic)، ثقافتی (Cultural)، سیاسی (Political)، معاشی (Economic)، علاقائی (Regional) اور بین الاقوامی (Inernational) اثرات مرتب کیے۔ آپ کی آمد کے بعد مدنی معاشرہ ہر طرح کے ثقافتی و سماجی انحرافات (Social & Cultural

(۱) ۱۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ۱۳: ۱۴۲
۲۔ یعقوبی، التاریخ، ۲:۵۶
۳۔ بلاذری، انساب الاشراف، ۲:۱۵۷

(Deviances) سے پاک ہوگیا اور سماجی سطح پر ان دوری (Cyclic)، ارتقائی (Evolutionary)، تفاعلی (Functional) اور آویزشی (Conflict) تبدیلیوں سے گزرا جو مستقبل کی اسلامی تہذیب کی بنیاد قرار پائیں۔ یوں مدینہ میں ایسا معاشرتی نظام قائم ہوا جو بیک وقت ریاستی نظام (State Order) بھی تھا اور عالمی نظام (World Order) بھی۔ ہجرت کے ان تمام اثرات کا تفصیلی بیان سیرۃُ الرسول ﷺ کی متعلقہ جلد میں آ رہا ہے۔

ریاستِ مدینہ کا تسلسل

(Continuity of State of Madina)

تاریخ انسانی میں تشکیل معاشرہ اور قیام ریاست کے باب میں یہ امتیاز صرف ریاست مدینہ کو حاصل ہے کہ یہ ریاست کسی طور بھی ہنگامی یا وقتی واقعہ نہ تھی جو معاصر حالات کے تناظر میں ظہور پذیر ہوئی ہو۔ بلکہ یہ ریاست آنے والے زمانے میں قائم ہونے مسلم سلطنت کی ایسی آئینی، سیاسی اور انتظامی بنیاد ثابت ہوئی جو میثاق مدینہ سے شروع ہونے والی روایت کے تسلسل و بقا کی ضامن تھی۔ واٹ (Watt Montgomery Watt) لکھتا ہے:

> The ultimate measure of Muhammad's success in the political field, we conclude, was not that he ruled all Arabia, but that he created a structure which was able to suppress all opposition movements in the two years after his death and thereafter to become the basis of a vast empire.(1)

> ''محمد ﷺ کی سیاسی میدان میں کامیابیوں کو ماپنے کا ہمارے پاس آخری ذریعہ یہ بات نہیں کہ آپ نے تمام عرب پر حکمرانی نہیں کی بلکہ یہ کہ آپ نے ایک ایسا ڈھانچہ تشکیل دیا جو آپ کے بعد وصال کے بعد دو سال میں پیش آنے والی مخالفانہ تحریکوں کو دبانے کے قابل تھا اور اِس طرح اِس قابل تھا کہ وہ ایک وسیع سلطنت کی بنیاد ثابت ہو سکے۔''

ہیملٹن گب (Hamilton A. R.Gibb) کے الفاظ میں:

> These astonishing victories, the precursors of still wider conquests which were to carry the Arabs in less than a

(1) W. Montgomery Watt; *Muhammad: Prophet and Statesman*, p. 226.

century into Morocco, Spain, and France, to the gates of Constantinople, far across Central Asia and up to the Indus river, confirmed the character of Islam as a strong, self-confident, conquering faith. From this came its unyielding, and even hostile, attitude to everything that lay outside itself, but also its record of broad tolerance of diversity within its own community, refusal to persecute those of other communities, and the dignity with which it has endured moments of eclipse.

But still more astonishing than the speed of the conquests was their orderly character. Some destruction there must have been during the years of warfare, but by and large the Arabs, so far from leaving a trail of ruin, led the way to a new integration of peoples and cultures. The structure of law and government which Mohammed had bequeathed to his successors, the Caliphs, proved its value in controlling these Bedouin armies.

Islam emerged into the civilized outer world, not as the crude superstition of marauding hordes, but as a moral force that commanded respect and a coherent doctrine that could challenge on their own ground the Christianity of East Rome and the Zoroastrianism of Persia. It is true that the tribal instincts and traditions of the Bedouin broke out from time to time in revolts and civil wars; but in the end they served only to affirm more effectively the strength and the will to order of the new imperial power.

To the peoples of the conquered countries the Arab supremacy signified at first little more than a change of masters. There was no breach in the continuity of their life and social institutions, no persecution, no forced conversion. But little by little Islam began to modify the old social structure of Western Asia and Egypt, and Arab elements to penetrate the old Hellenistic, and Persian cultures. The Arab colonies planted in the newly-won territories were not merely garrison towns and headquarters of armies; they were also centres from which the new religion was

propagated. Enriched by the wealth drawn from the subject provinces and swelled by the constant influx of converts, they became the matrices of the new Islamic civilization.(1)

’’یہ حیران کر دینے والی فتوحات، ان مزید فتوحات کی غماز تھیں جو عربوں نے ایک صدی سے بھی کم عرصہ میں مراکش، سپین، فرانس، قسطنطنیہ، وسط ایشیاء کے دور اور دریائے سندھ تک کرنی تھیں، اس بات کی تصدیق کر دی کہ اسلام ایک مضبوط، باعتماد اور فاتح عقیدہ ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام کا ہر اس شے بارے جو اس سے باہر ہے مخصمانہ رویہ ہے مگر اس کی اپنی کمیونٹی میں موجود ہر شئے کے لئے اس میں بہت وسیع برداشت ہے کہ اسلام نے فتح کے بعد دوسرے معاشروں کو سزائیں دینے سے انکار کیا۔

’’اسلام کی فتوحات کی سرعت سے بھی زیادہ حیران کن بات ان فتوحات میں نظم و ضبط کی موجودگی ہے۔ ممکن ہے جنگ کے دوران کچھ تباہی بھی ہوئی ہو مگر عموماً عربوں نے تباہی سے دور رہتے ہوئے لوگوں اور ثقافتوں کی باہم نئی تخلیط کے امکانات فراہم کئے۔ قانون اور حکومت کا وہ نظام جو حضرت محمد ﷺ اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑ گئے تھے خلفاء نے اس سے بدو فوجوں کو کنٹرول کر کے اس کی افادیت کو ثابت کیا۔

’’اسلام باہر کی مہذب دنیا میں یلغار کرتے ہوئے ہجوم کے وحشیانہ توہمات کے طور پر ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ وہ اس اخلاقی قوت کے طور پر پیش آیا جو عزت و وقار کی تعلیم دیتا ہے اور ایک ایسے مضبوط عقیدے کے طور پر سامنا آیا۔ جو مشرقی روم میں عیسائیت اور ایران میں زرتشت کو ان کے اپنے وطن میں چیلنج کر سکتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ بدوؤں کی قبائلی جبلت اور روایات وقتاً فوقتاً بغاوتوں اور جنگوں کا باعث بنتی رہیں لیکن آخر کار انہوں نے نئی مملکت کے احکامات کی مؤثر پیروی کو اختیار کیا۔

’’مفتوح ممالک کے لوگوں کے لئے پہلے پہل عربوں کی حیثیت صرف آقاؤں کی تبدیلی تھی۔ ان کی زندگی اور سماجی اداروں میں کوئی تعطل نہیں آیا۔ انہیں سزائیں نہیں دی گئیں اور نہ ہی دین تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ لیکن آہستہ آہستہ اسلام نے مغربی ایشیاء اور مصر کے سماجی ڈھانچہ کو تبدیل کر دیا اور قدیم ہیلنیائی (Helenistic) اور ایرانی کلچر میں عرب عناصر نفوذ کر گئے۔ نئے مفتوح علاقوں میں تعمیر کئے جانے والی عرب کالونیاں صرف

(1) Hamilton A. R. Gibb; *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 3.

چھاؤنیاں یا فوج کے ہیڈ کوارٹر نہ تھے بلکہ وہ ایسے مراکز بھی تھے جہاں نئے مذہب کی تبلیغ بھی کی جاتی تھی۔ ماتحت ریاستوں سے آنے والی دولت اور بڑی تعداد میں غیر مسلموں کے اسلام میں داخلہ سے یہ علاقے نئی تہذیب کے اہم ستون بن گئے۔''

متذکرہ بالا مباحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قائم کردہ 'ریاستِ مدینہ' صرف آپ کی حیات مبارکہ یا دور خلافت راشدہ تک ہی رُو بہ عمل نہیں رہی بلکہ اس کے اثرات صدیوں تک دنیا میں اسلام کے غلبے کی صورت میں موجود رہے۔ اور یہ تسلسل آج بھی بایں معنی جاری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قائم کردہ ریاست کا تسلسل معنوی طور پر آج بھی موجود ہے۔ آپ کے عطا کردہ تصور ریاست اور سیاسی اقدار و نظام سے بہتر اقدار و نظام اس کی جگہ نہیں لے سکے۔ آج مثالی سیاسی نظام کے حوالے سے مغرب کے جمہوری نظام کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مغرب کی سیاسی و جمہوری اقدار مغرب پر اسلام کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ آج مغرب میں متداول فلاحی ریاست (Welfare State) کا تصور معروف مسلم فلسفی اور سیاسی مفکر فارابی (870-950ء) کی تصنیف 'المدينة الفاضلة' کا رہین منت ہے، جو فارابی نے بغداد اور دمشق میں 492-3ء کے دوران میں لکھی۔[1]

سیرت الرسول ﷺ کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ قیام و استحکام ریاست کے باب میں اسلام کے عطا کردہ اصول (Principles)، اقدار (Values) اور اہداف (Ideals) آج بھی مکمل طور پر قابل عمل ہیں۔ بشرطیکہ بطور ملت ہم ان اصولوں کی پوری جامعیت کے ساتھ پابندی کریں۔ اس اصول کا اطلاق ریاستی، جماعتی اور انفرادی سطح پر یکساں ہے۔ جس سطح پر بھی ان اصولوں کی مکمل، مخلصانہ اور کما حقہٗ پیروی کی جائے گی، ریاست مدینہ کے روشن نمونے پر قیام ریاست کے نتائج ضرور مرتب ہوں گے۔ اور جہاں بھی جدوجہد اور نتائج میں بُعد (inconsistency) ہو گا وہاں تعلیمات سیرت سے انحراف (Deviation) ہی اس کا واحد سبب ہو گا۔ سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ سے جدوجہد اور نتائج کے اس بُعد کو دور کرنے کے منہج کی دریافت سے ہی ہم بحیثیت امت اپنی بقا کی راہ کا تعین کر سکتے ہیں اور بحیثیت مجموعی انسانیت کے لئے مقامی اور عالمی سطح پر بہتر راہ عمل کا تعین کر سکتے ہیں۔

(1) i. Antony Black, *The History of Islamic Political Thought: From the Holy Prophet (PBUH) to the Present*, p. 61.
ii. Al-Farabi, *Virtuous City: Principles & the Opinions of the Inhabitants of the Virtuous City (Ara Ahl al-Madina al-Fadila)*, Arabic text edited by Friedrich Dieterici, p. 14-16.

باب ششم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِنتظامی اَہمیت

اسلام کے فروغ، دعوتِ حق کے ابلاغ اور الوہی راہنمائی و قوانین کے نفاذ کے لئے ریاست کا قیام سیرت نبوی کا اہم واقعہ ہے۔ تاہم محض ریاست کا قیام اس منزل کے حصول میں مد و معاون نہ ہوسکتا اگر ریاست کے نظام کے واضح خد و خال بھی میسر نہ ہوتے اور اس نظام کی کارفرمائی ایک حقیقت کے طور پر نظر نہ آتی۔ سیرت رسول ﷺ کا یہ بھی امتیاز ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف ایک مثالی ریاست قائم فرمائی بلکہ وہاں ایسا مثالی نظام قائم فرمایا جو اللہ کے عطا کردہ قوانین اور قرآن حکیم کے منشاء کی عملی شکل فراہم کرنے کا ضامن تھا اسی سبب سے ریاست کے انتظام کے حوالے سے سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کلیدی اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔ سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں ریاست کے نظام و انتظام کا جو خاکہ ابھرتا ہے اس میں خشتِ اول وہ تصورِ معاشرہ ہے جس سے اس نظام کے بقیہ تار و پود تشکیل پاتے ہیں:

> Islam is more than a religion. It constitutes itself as the community of true believers, and it claims that this community must and can conduct its entire existence by the precepts that are, explicity or more often implicitly, contained in revelation and prophetic tradition.(1)

> ”اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ یہ سچے اہل ایمان پر مشتمل ایک معاشرے کا نام ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ معاشرہ اپنا وجود ان تصورات سے قائم رکھ سکتا ہے اور اسے رکھنا چاہیے جو واضح طور پر اور کہیں کہیں غیر واضح طور پر وحی الٰہی اور پیغمبر خدا کی احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔“

لہٰذا اسلامی معاشرے میں ریاست دیگر معاشروں کی طرح محض چند ہیئتوں (Structures) کا نام نہیں رہ جاتا بلکہ ایک نامیاتی وجود بن جاتا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ:

> It can scarcely be doubted that the government in an Islamic State is not merely a set of forms, but an organism intimately associated with the structure of society and the character and ideas of the governed, and there is a constant interplay between governors and governed.(2)

---

(1) Gustave E. Von Grunebaum, *Modern Islam*, p. 227.

(2) Hamilton Gibb & Harold Bowen, *Islamic Society & the West*, p. 9.

''اس میں بمشکل ہی شک کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست محض چند ہیئتوں کا نام نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک نامیاتی حقیقت ہے جو معاشرے کی ساخت، عوام کے کردار اور تصورات کے ساتھ براہ راست وابستہ ہے اور اس میں عوام اور حکمرانوں کے درمیان یہ ایک مستقل رابطہ اور تعلق کارموجود رہتا ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل مدینہ میں کوئی ریاستی ڈھانچہ یا نظام موجود نہ تھا۔(۱) آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد جو دستور اور نظام حکمرانی قائم فرمایا، وہ آپ ﷺ کے تدبر و بصیرت کی روشن مثال ہے۔ آپ ﷺ نے تمام ریاستی خطرات کا جس حسن تدبیرو انتظام سے ازالہ کیا وہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ مدینہ میں یہودی ایک موثر سیاسی اوراقتصادی قوت تھے۔(۲) مدینہ کے گرد و نواح میں غیرمسلم قبائل مقامی اثر و رسوخ کے حامل تھے۔ مسلمانوں کے دشمن قریش مکہ اور ان کے ہمنوا اوس ایک موثر طاقت تھی۔ بنوتمیم، بنوسعد، بنوحنیفہ، بنواسعد، کندہ، حمیر، ہمدان اور طے کے قبائل مقامی طور پرموثر سیاسی طاقت تھے۔(۳)

عالمی سطح پر نجران، یمن، بحرین، عمان، شام اور ایران کی سلطنتیں مستقل طور پر نوزائیدہ و اسلامی ریاست کے لئے خطرہ تھیں۔ آپ ﷺ نے ریاستی سطح پر قیام امن کے لئے جو دعوتی، تبلیغی، سیاسی اور معاہداتی پالیسیاں اختیار فرمائیں ان سے تمام مخالف قوتیں مسخر ہوکر رہ گئیں۔ مواخات اور میثاق مدینہ نے ریاست کو نہ صرف سیاسی و اقتصادی استحکام کی بنیاد فراہم کردی بلکہ تمام طبقات امن اور بقائے باہمی کے اصول پر کاربند ہو گئے اور اس سے موثر سیاسی وحدت وجود میں آ گئی۔ ریاست میں مسلمانوں اور غیرمسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی بھی ضمانت فراہم ہوگئی۔ امور داخلہ کا نظام موثر طور پر نافذ ہوا، ریاستی امور کی انجام دہی کے لئے نظام مشاورت و سفارت عمل میں آیا۔ بیرونی دنیا سے روابط کے لئے ضابطہ عمل تشکیل پایا۔ حکام و عمال سلطنت کے لئے ضوابط مقرر ہوئے۔ احتساب کے نظام کا اجراء ہوا۔ پولیس کے نظام کی ابتدائی صورت وضع ہوئی اور دوسری ریاستوں اور حکومتوں سے تعلقات کی نوعیت متعین کرنے کے لئے خارجہ پالیسی معرض وجود میں آئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا قائم کردہ یہ ریاستی نظام اپنی ابتدائی عمر کی پہلی صدی مکمل ہونے سے پہلے دنیا کی سب سے بڑی مضبوط سلطنت میں بدل گیا تھا۔ تاریخ میں تنظیمی و انتظامی حوالے سے بھی ایسی کوئی مثال نظر نہیں

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية: ۵۸

(۲) ابن هشام، السيرة النبوية: ۳۷۱

(۳) ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۶

آتی۔ آپ ﷺ نے انتظامی عدل اور قیام امن کے جو اصول وضع فرمائے ہیں وہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں اور انسانیت ان سے بہتر ضوابط وضع نہیں کرسکی۔ یہی وجہ ہے کہ دور جدید میں ریاست کے مثالی انتظام و انصرام کے لئے سیرت طیبہ رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس باب میں دور نبوت کے ریاستی انتظام (**State Administration**) کے درج ذیل پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا:

۱۔ دورِ نبوت کے ریاستی ادارے

۲۔ ریاستِ مدینہ کے ریاستی عہدیداران

۳۔ اسلام کے نظامِ ریاست کا تسلسل

دورِ نبوت کے ریاستی ادارے

(State Institutions in the Holy Prophet's Era)

۱۔ ریاست کی دستوری بنیادیں

(Constitutional Foundations of State)

حضور نبی اکرم ﷺ نے ریاست مدینہ کو جامع اور ہمہ گیر آئینی و دستوری بنیادوں پر استوار فرمایا۔ آپ ﷺ کے عطا کردہ دستور کے تحت انسان کے لئے اپنے ہی جیسے انسانوں کی غلامی کا تصور ختم ہوگیا اور ریاست میں اعلیٰ ترین مقتدر طاقت اللہ تعالیٰ کو قرار دیا گیا:

> Islam is the community of Allah. He is the living truth to which it owes its life. He is the center and goal of its spiritual experience. But He is also, the mundane head of His community which He not only rules but governs. He is the reason for State's existence. He is the principle of unity. Thus the life of the community in its entirely as well as the private lives of the individual members are placed under His direct legislative and supervisory power.[1]

’’اسلام اللہ کا قائم کردہ معاشرہ ہے اور یہ ذات خداوند کی زندہ حقیقت ہی ہے جس کی وجہ

(1) Gustave E. Von Grunebaum, *Medieval Islam*, p. 142.

سے اسے زندگی میسر ہے۔اس کے روحانی احساسات کا مرکز و منزل اللہ ہی ہے۔وہ اس کمیونٹی کا سربراہ بھی ہے جو نہ صرف اس کا حکمران بلکہ مقتدر اعلیٰ بھی ہے۔وہی ریاست کے وجود کی اساس اور وحدت کا بنیادی اصول ہے لہٰذا اسلامی معاشرے کی من حیث الکل زندگی، افراد معاشرہ کی نجی زندگی اور اقتصادی زندگی بھی اللہ کی براہ راست قانون سازی اورنگرانی کی طاقت اور اختیار کے ماتحت ہے۔''

جس میں تمام قوانین اور اصول وضوابط کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے:

The system of government, in an Islamic State, is known as "government in accordance with the revealed law."[1]

''اسلامی ریاست میں نظام حکومت سے مراد وحی سے حاصل ہونے والے قوانین کے مطابق حکومت کرنا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اس تناظر میں اسلامی ریاست اسلام کا مظہر نمونہ قرار پاتی ہے:

An Islamic State is not a form of state so much as a form of Islam.[2]

''اسلامی ریاست محض ایک ریاستی ہیئت نہیں بلکہ اسلام ہی کی ایک شکل ہے۔''

ایک دوسرے مصنف کے مطابق:

The Umma lives under a divine law whose protector is the Umma itself; the ruler, on the other hand, is neither source nor guarantee of the law; he is only the executive power.[3]

''امت الوہی قانون کے تحت رہتی ہے اور وہ اس الوہی قانون کی محافظ بھی ہوتی ہے اور دوسری طرف حکمران نہ تو الوہی قانون کا منبع و مآخذ ہیں اور نہ ہی قانون کی کوئی ضمانت بلکہ صرف ایک قوت نافذہ ہیں۔''

اس طرح اسلامی ریاست کی تشکیل ایک بامقصد عمل قرار پاتی ہے:

The purpose of setting an Islamic State is to enable Muslims to take up the task of implementing their faith also in the

(1) N.J. Coulson, *A History of Islamic Law*, p. 129.
(2) W.C. Smith, *Islam in Modern History*, p. 213.
(3) Gustave E. Von Grunebaum, *Modern Islam*, p. 137.

political realm.[1]

''اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے عقیدے کو سیاسی اقتدار میں بھی نافذ کرسکیں۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل طویل خانہ جنگیوں کی وجہ سے مقامی سطح پر انتظام و انصرام کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جنگ بحاث کے بعد اہل مدینہ نے فیصلہ کرلیا کہ جنگ کوختم کرنا چاہیے۔[۲] اس کے لئے متفقہ حکمران کی ضرورت تھی۔ جس کی اطاعت ''اوس'' اور ''خزرج'' دونوں کو قبول ہو۔ خزرجی قبیلے کا ایک سردار، عبداللہ بن ابی بن سلول بہت مالدار اور صاحب اقتدار تھا۔[۳] اہلِ خزرج نے اسے حکمران بنانے کی تیاریاں شروع کردیں مگر رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ''اوس'' اور ''خزرج'' کے مسلمانوں کو عبداللہ بن ابی بن سلول سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ نتیجتاً عبداللہ بن ابی کو آنحضرت ﷺ سے نفرت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ یہ شخص ساری عمر منافق رہا اور آئے دن اسلام کے لیے دشواریاں پیدا کرتا رہا۔ ''واقعہ افک'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام لگایا جانا بھی اسی کی سازش تھی۔[۴] یہ غزوہ تبوک کے دوران رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی ایک سازش میں بھی شامل تھا۔[۵] عبداللہ بن ابی مسلسل مسلمانوں کے لئے سیاسی و انتظامی دشواریاں پیدا کررہا تھا۔ علاوہ ازیں ''اوس'' قبیلے کے ایک عیسائی راہب ابو عامر نے بھی فتنہ پیدا کیا۔[۶] اسے انجیل کے مطالعے سے یہ معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہونے والا ہے، اور وہ فوراً اس کا مدعی بننے والا تھا۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو اس نے آپ کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ جو نوزائیدہ ریاست کے لئے مزید مشکلات کا باعث بنا۔

(1) W.C. Smith, *Islam in Modern History*, P-215.

(۲) ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۵۰

(۳) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۱۰۰

۲۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۳: ۱۶۳

(۴) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب التوبة، باب قبول التوبة، ۴: ۲۱۳۱، رقم: ۲۷۶۹

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الشهادات، باب تعديل النساء، ۲: ۹۴۳، رقم: ۲۵۱۸

(۵) ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۵۰

(۶) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۶۴

۲۔ ابن هشام، السيرة النبوية: ۴: ۱۳

اندریں حالات حضور نبی اکرم ﷺ نے قبا کی بجائے اس مقام پر رہنے کا فیصلہ کیا جو خزرج کے علاقے میں تھا کیونکہ اہل خزرج آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے۔[1] حضرت عبدالمطلب کی والدہ قبیلہ خزرج سے تھیں۔ چنانچہ قبا سے نکل کر آپ نے بنونجار کے قبیلہ کی جگہ قیام فرمایا۔ آپ نے وہاں شہر مدینہ کے نمائندوں کو بلایا اور ان کے سامنے حکومت قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو اکثریت نے قبول کیا۔ صرف دو یا چار اوسی اشخاص نے انکار کیا۔ اس طرح مدینہ شہر کے کچھ حصے پر مشتمل ایک مملکت وجود میں آئی جو مختصر ہونے کے باوجود، علمی اور تاریخی نقطہ نظر سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مملکت میں حکمران اور رعایا کے حقوق و فرائض تحریری طور پر مرتب کئے گئے۔ یعنی اس مملکت کا دستور سب کے مشورے سے مرتب ہوا۔

احترام حقوق، امن، باہمی صلح اور بھائی چارے پر مبنی اس دستاویز پر سب نے بلاتوقف اتفاق کرلیا۔ اور اس کے ذریعے مدینہ میں ایک ایسی مرکزی حکومت وجود میں آ گئی جو محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول تسلیم کرتی تھی اور معاہد قوموں سے صلح مندی کے ذریعے تعلق قائم رکھنا چاہتی تھی۔ اس پر مدینہ کے سب گروہوں کے دستخط ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے کوشش کی کہ آس پاس کے قبائل بھی اس پر متفق ہو جائیں۔[2] چنانچہ چھ دیگر قبائل نے بھی دستخط کر کے ریاست مدینہ کی پناہ حاصل کر لی۔[3] اس طرح مدینہ میں تشکیل ریاست کے اس معاہدے سے لاقانونیت اور قبائلی تشدد کی انارکی کا خاتمہ ہوگیا اور اس سے تمام فیصلوں کا آخری اختیار محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں آ گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کمالِ حکمت سے نزاجیت اور انارکی کو ختم کیا اور مختلف قبائل کی منتشر قوت کو ایک نظم اور سمت عطا کر دی۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس منشور کے ذریعے پہلے ایک مرکزی اقتدار وجود میں لائے پھر تمام گروہوں کا رخ اطاعت و تعاون کی طرف موڑا۔ تمام نزاعی امور کے فیصلوں کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر اس مرکزی اقتدار کو اسلام کے ماتحت کردیا۔ یوں بلا خون خرابہ مسائل کو دانش و حکمت سے حل کرنے کے نتیجے میں اسلامی اقتدار وجود میں آ گیا اور وہی اقتدار نئی ریاست کا مرکز و محور قرار پایا۔ یہ اقتدار خالصتاً نظریاتی اور اصولی تھا اس میں کسی نسلی یا گروہی بنیاد کو اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

(۱) ابن هشام، السیرة النبویة: ۴۳۴

(۲) ابن ہشام، السیرة النبویة: ۴۳۰

(۳) میثاق مدینه، آرٹیکل: ۳۱-۴۰

۲۔ ریاست کا مرکزی سیکریٹریٹ

(Central Secretariat of State)

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حد درجہ دور اندیشی، تدبر اور سیاسی بصیرت تھی کہ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں کے نفاذ کے لئے ایک مرکز قائم کیا۔ مدینہ میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی۔(۱) یہی مسجد آگے چل کر اسلام میں دین و دنیا کی وحدت کا استعارہ بن گئی۔ مسجد نبوی بیک وقت عبادت گاہ، دار الشوریٰ (پارلیمنٹ ہاؤس) اور مسلمانوں کا مقام اجتماع تھا۔(۲) یہیں معاہدے ہوتے، سفارتیں روانہ کی جاتیں اور وفود کا استقبال کیا جاتا۔(۳) دعوتی خطوط کا دفتر اور عسکری منصوبہ سازی کا مرکز یہیں تھا۔ اسی میں جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری ہوتی۔(۴) اسی میں انفاق فی سبیل اللہ کی اپیل کی جاتی تھی، اموال غنائم بھی اسی جگہ تقسیم کئے جاتے تھے، یہیں نزاعات کے فیصلے ہوتے تھے۔ الغرض مسجد نبوی پہلی اسلامی ریاست کا مرکزی سیکرٹریٹ تھا۔(۵) اور اسی کے ساتھ رضا کار مجاہدین اور حصول علم کے لئے وقف صحابہ کرام کی قیام گاہ صفہ تھی۔(۶) مدینہ پہنچنے کے چھ ماہ کے اندر حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کا پرچم تیار کر کے اسلامی ریاست کے باقاعدہ تشخص کا تعین فرمایا۔ یہ پرچم سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا تھا تا کہ وہ اسے دشمنوں کے مقابلے میں بلند کریں۔ اب اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کی طاقت و اہمیت کو کفار مکہ بھی محسوس کرنے لگے۔(۷)

حضور نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں باجماعت نماز کو لازم قرار دے کر اسے اسلام کی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنا دیا۔(۸) اس مرکز میں مسلمانوں کو اخوت، ہمدردی، تعارف، حریت معاشرتی عدل

---

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴۲۶

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب السنۃ، باب القدر، ۴: ۲۲۵، رقم: ۴۶۹۸

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۳: ۴۴۲

(۳) سخاوی، التحفۃ اللطیفۃ، ۱: ۲۵

(۴) کتانی، التراتیب الإداریۃ، ۲: ۷۷

(۵) کتانی، التراتیب الإداریۃ، ۲: ۷۷

(۶) کتانی، التراتیب الإداریۃ، ۲: ۷۷

(۷) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۱: ۱۲۷

(۸) ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ: ۴۳۵

کی تعلیم دی جاتی تھی یوں مذہبی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی حیثیت کو بھی وجود ملا۔ حضور نے اپنی تمام تر معاشرتی، اخلاقی، دینی، سیاسی اور عدل و انصاف کی سرگرمیوں کا محور مسجد کو ہی قرار دیا۔ باجماعت نماز کے اہتمام سے مسلمانوں کو نظم و ضبط کا درس دیا۔ اس مرکز نے مسلمانوں کی اخلاقی، دینی، معاشرتی اور عسکری تعلیم و تربیت میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اسلامی ریاست کے دار الخلافہ مدینہ میں مسجد نبوی اسلامی حکومت کا مرکزی سیکرٹریٹ، پارلیمنٹ، عدالت عالیہ اور عسکری تیاریوں کا مرکز تھی۔[۱]

۳۔ ریاست کے معاشی و اقتصادی ادارے

(Economic and Financial Institutions of State)

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی افراد معاشرے کی معاشی اور اقتصادی بحالی کو اولین ترجیح دی۔ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کے پاس کوئی وسائل نہیں تھے۔ مقامی آبادی یعنی انصار مدینہ کی معیشت بھی متوسط درجے کی تھی۔ سو مہاجرین کا مسئلہ مواخاۃ کے ذریعے حل کیا گیا۔[۲] اس طرح مہاجرین کی تمام بے گھر آبادی مواخاۃ کے اصول کے تحت ایک دن میں اپنے انصار دینی بھائیوں کے گھروں میں ابتدائی امداد کے طور پر آباد ہوگئی۔ تاہم کئی مہاجرین نے ایک دن بھی اپنے انصاری بھائی پر بوجھ بننا پسند نہ کیا اور بعض چند دن کے بعد خود انحصاری کی راہ پر گامزن ہو گئے۔[۳]

مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی ریاست میں مواخات جیسا بڑا فیصلہ جس کے نتیجے میں نو آمدہ باشندے اہل مدینہ کے وسائل معیشت میں برابر کے شریک ہوگئے آپ کے ریاستی معاملات پر مکمل اختیار اور موثریت کا مظہر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی برادری کو مواخاتی اصول کے تحت آباد کر کے نئی اسلامی ریاست کا سارا بوجھ آبادی کی طرف منتقل کر دیا پھر ایک ساتھ رہنے سے ان میں باہمی محبت و یگانگت اور تہذیبی یکسانیت کے تعلقات پیدا ہوگئے اس طرح انہیں ایک دوسرے کو سمجھنے اور باہم افہام و تفہیم کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ مدینہ کی جدید و قدیم آبادی دو مختلف گروہوں پر مشتمل ہونے کے باوجود باہم شیر و شکر ہو گئی۔ اس حکمت عملی نے مہاجرین اور مقامی لوگوں کے درمیان

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۳۵

(۲) ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۳۵

(۳) ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۳۳

رقابت و مسابقت کا تدارک بھی کردیا اور دونوں کے درمیان کوئی غیریت باقی نہ رہی۔ بالآخر دونوں گروہ باہم اس طرح گھل مل گئے کہ ان میں کبھی بھی مہاجر اور مقامی کی بنیاد پر کوئی تنازعہ پیدا نہ ہوا۔ اس حکمت عملی سے ریاست کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل حل ہوگئے۔ مہاجرین کی تجارتی مہارت اور انصار کی زرعی اہلیت کے باہم ملنے سے مدینہ کی کاروباری اور اقتصادی حالت پر بھی بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

۴۔ ریاست کا اِنتظامی ڈھانچہ (State Infrastructure)

انتظامی ڈھانچے کے اعتبار سے ریاست مدینہ کا نظم و نسق تین سطحوں پر قائم تھا:

۱۔ مرکزی سطح

۲۔ صوبائی سطح

۳۔ مقامی سطح

مدینہ میں آپ ﷺ سے قبل کوئی نظام موجود نہ تھا تمام نظام کا آپ ﷺ نے ہی آغاز فرمایا اور اسے ترقی دی۔ آپ نے اس نظام کی بنیاد ان اصولوں پر رکھی جو جدید تہذیب کی بنیاد بنے مثلاً شہری منصوبہ بندی کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا

إذا شككتم في الطريق فاجعلوا سبعة أذرع تختلف فيه الحاملتان۔(۱)

’’جب تم راستوں کی توسیع کرو تو انہیں سات گز چوڑا رکھو (تاکہ) دو لدے ہوئے جانور بآسانی آمنے سامنے گزر سکیں۔‘‘

گویا آپ نے دو رویہ ٹریفک (Double Way Traffic) اور بلدیاتی منتظمہ (Local Administration) کا تصور دیا۔ چند کاتبوں پر مشتمل ایک دفتر (سیکرٹریٹ) بھی قائم کیا گیا۔(۲) ان کاتبوں کے فرائض مختلف تھے۔(۳) کچھ لوگ وحی لکھا کرتے تھے۔ کچھ لوگ زکوٰۃ کے اندراجات کرتے، یعنی رقم کس سے وصول ہوئی اور کس پر خرچ کی گئی۔ جنگوں میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کے بارے میں آپ کی واضح ہدایات تھیں۔ اس میں سے سارے فوجیوں کو برابر

---

(۱) بيهقي، السنن الكبرىٰ، ٦: ١٥٥، رقم: ١١٦٤٢

(۲) طبراني،المعجم الكبير، ۲: ۳۱،رقم: ١١٩١

(۳) كتاني، التراتيب الإدارية، ۱: ۲۰۹

حصہ دیا جاتا تھا اور پانچواں حصہ حکومت کو ملتا تھا۔[۱] مال غنیمت کے حساب کے لیے بھی خصوصی کاتب مقرر تھے۔ اسی طرح کم و بیش دس بارہ مدوں کے لیے الگ الگ کاتب مقرر کیے گئے تھے۔ ان میں محکمہ خارجہ بھی تھا جہاں بیرونی حکمرانوں اور سرداروں سے رابطہ کے لیے خط و کتابت ہوتی تھی۔[۲]

تنظیمی ڈھانچہ کی درجہ بندی اور محکمہ جات کی تقسیم کا انتظام و انصرام مثالی نوعیت کا تھا جس میں اقتدار و اختیار کا سرچشمہ حضور نبی اکرم ﷺ تھے۔ سربراہ حکومت کی حیثیت سے آپ نے اپنے کچھ اختیارات (Powers) مرکزی، صوبائی اور مقامی حکام کو بھی منتقل (Delegte) کر رکھے تھے۔ تینوں سطحوں کے حکام کی تقرری، تبدیلی اور معزولی کا کلی اختیار آئین کے مطابق آپ کے پاس تھا۔[۳] مرکزی انتظامیہ میں مختلف نوعیت کے عہدیداران شامل تھے۔ جبکہ صوبائی انتظامیہ میں ولاۃ (گورنر) اور ان کے ماتحت حکام اور عمال شامل تھے۔ مقامی نظم و نسق کی سطح پر ریاستی ڈھانچہ شیوخ قبائل، مقامی منتظمہ، نقیبانِ شہرِ مدینہ، عدلیہ اور عمومی افسران پر مشتمل تھا۔

۵۔ عدالتی نظام (State Judiciary)

ابتداءً عدلیہ کے عہدوں کو انتظامیہ کا ہی جزو سمجھا جاتا تھا چنانچہ اکثر و بیشتر حاکمِ علاقہ عدلیہ کا افسر اعلیٰ بھی ہوتا تھا۔ اس حیثیت سے رسول اکرم ﷺ ریاست اسلامی کے قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس بھی تھے۔ مرکز میں حضرت عمر، حضرت عقبہ، حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی قاضیان و مفتیان شہر میں شامل ہیں۔

صوبائی گورنروں خاص کر حضرت معاذ بن جبل خزرجی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بیان ملتا ہے کہ ان کو قاضی کے اختیارات بھی حاصل تھے۔ مقامی طور پر اختیارات مقامی منتظمین کو بھی عطا کے گئے تھے۔ ان کے دوسرے اختیارات کی مانند ان کے عدلیہ کے اختیارات بھی انہیں کے علاقوں تک محدود تھے اور کسی علاقہ کے قاضی کے فیصلہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے اس قسم کا اعلیٰ حق صرف نبوی عدلیہ کو حاصل تھا جو تمام عدالتوں پر فوقیت و برتری رکھتی تھی۔[۴]

---

(۱) ابن سلام، کتاب الأموال، ۲۴

(۲) کتانی، التراتیب الإداریة، ۱: ۱۴۴

(۳) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۲۸

(۴) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۳۳۵

۶۔ تعلیمی نظام (Educational System)

حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ''اقرا'' سے ہوا جو اسلام میں علم کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔(۱) اسی لئے ریاست مدینہ میں تعلیمی نظام کا قیام آپ کی توجہ سے اوجھل نہیں ہوا۔ آپ نے مسجد نبوی کے اندر ''صفہ'' کے نام سے ایک حصہ مختص فرمایا تھا جو تعلیم کے لیے مخصوص تھا۔ یہ دن کے وقت تعلیم گاہ کا کام دیتا اور رات کے وقت اہل صفہ کی قیام گاہ ہوتا۔ یہ اسلامی ریاست کی پہلی اقامتی یونیورسٹی (Residential University) تھی۔(۲) جہاں لوگوں کو ان کی ضروریات کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے صفہ میں پڑھنا اور لکھنا سکھانے کا اہتمام فرمایا۔ یہاں نہ صرف قرآن حکیم کے معانی و مفاہیم کی تعلیم دی جاتی تھی بلکہ آپ ﷺ نے خوش نویس صحابہ کو لکھنا سکھانے پر بھی مامور فرمایا۔(۳) تعلیمی نظام کو ریاستی سطح پر منظّم کرنے کے لئے آپ نے مختلف عہدیداران کا تقرر بھی فرمایا۔ مثلاً حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں انسپکٹر جنرل آف ایجوکیشن کے طور پر بھیجا گیا۔ ان کا فریضہ یہ تھا:

كان ينتقل من عمالة عامل إلى عمالة أخرى۔(۴)

''وہ ایک تحصیل سے دوسری تحصیل، ایک ذیلی تعلیمی عہدیدار کے علاقے کے بعد دوسرے عہدیدار کے علاقے میں جاتے تھے۔''

اور وہاں تعلیم کا بندوبست اور انتظام کرتے تھے۔ مختلف علاقوں میں افراد کا مختلف عہدوں پر تقرر کا مقصد یہ تھا کہ تعلیمی سرگرمیاں حکومت کی نگرانی میں رہیں اور اگر کوئی خرابی نظر آئے تو اس کی اصلاح اور سد باب بھی کیا جا سکے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ۱: ۴، رقم: ۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بدء الوحی إلی رسول الله ﷺ، ۱: ۱۴۰، رقم: ۱۶۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإماره، باب ثبوت الجنة، ۳: ۱۵۱۱، رقم: ۱۹۰۲

۲۔ أبوعوانه، المسند، ۴: ۴۶۳، رقم: ۷۳۴۵

(۳) الکتانی، التراتیب الإداریه، ۱: ۲۰۹

(۴) طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۲۴۷

۷۔ مالیاتی نظام (Financial System)

ریاست مدینہ کے قیام کے وقت ریاست کے مالیاتی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔حضور نبی اکرم ﷺ کی مواخات کی حکمت عملی ہی اس ابتدائی زمانے میں ریاست کے مالیاتی اور اقتصادی استحکام کا باعث بنی۔ بعد میں بتدریج مالیاتی نظام کا ارتقاء وفروغ ہوتا گیا۔اسلامی ریاست کے اہم ذرائع آمدنی درج ذیل تھے

۱۔ زکوۃ	۲۔غنائم
۳۔ زراعت	۴۔متفرق ذرائع

۹ھ میں حکم فرضیت کے بعد[۱] زکوۃ ریاست مدینہ کا بڑا اور مستقل ذریعہ آمدن بن گئی۔ اسلام سے قبل جنگوں میں حاصل ہونے والا مال غنیمت بغیر کسی ضابطے کے تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کا ضابطہ بنایا اور اس میں ریاست کا حصہ رکھا۔ مال غنیمت سے حاصل ہونے والی آمدنی حکومتی خزانے میں جمع کی جاتی تھی۔ اسلام سے قبل جنگ میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کا چوتھائی سپہ سالار لے لیتا تھا جسے مرباع کہتے تھے۔[۲] آپ نے ریاست کا چوتھائی نہیں بلکہ پانچواں حصہ مقرر فرمایا،[۳] جس کا فائدہ یہ ہوا کہ:

۱۔ سپہ سالار کی شخصی آمدنی کی بجائے ریاستی آمدن میں اضافہ ہونے لگا اور ریاست کو مستقل ذریعہ آمدن مل گیا۔

۲۔ اسلامی ریاست کا حصہ زمانہ جاہلیت کے سرداروں کے حصے سے کم رکھا گیا۔ جو اسلام کی انسانیت نوازی کی دلیل بن گیا۔

۳۔ اگر غیر مسلم بھی جنگ لڑنا چاہتے تو ان کے لئے معاشی ترغیبات کی بنا پر اسلامی لشکر کی طرف سے لڑنا ان کی اولین ترجیح ہوتا۔

آپ نے مال غنیمت کی تقسیم میں کسی بے قاعدگی کے انسداد کے لئے حکم فرمایا کہ پہلے مال غنیمت ایک جگہ اکٹھا کیا جائے پھر تقسیم کیا جائے۔[۴] اس طرح آپ نے سپہ سالار اور معمولی سپاہی

---

(۱) ابن هشام، السيرة النبوية: ۴۳۵

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۵۷، رقم: ۱۷۵۴۸

(۳) ابن سلام، كتاب الأموال: ۲۴

(۴) ابن سلام، كتاب الأموال: ۲۴

کا مالِ غنیمت میں حصہ برابر کر دیا۔ تاہم سوار جنگجو کو پیدل سے زیادہ حصہ دیا جاتا تھا۔

ریاست کی آمدن کا تیسرا ذریعہ زراعت تھا۔ ان تمام مدات سے حاصل ہونے والی آمدن کا حساب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتا تھا جو موذن رسول ﷺ بھی تھے۔ مسجد نبوی کے ایک حجرے کو مقفل رکھا جاتا تھا، جس کے انچارج حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔[1] گویا آپ پہلی اسلامی ریاست کے وزیر خزانہ تھے۔ موذن اسلام کو وزارت خزانہ کی ذمہ داری سونپنا بھی اپنے اندر وسیع معنوی و انتظامی وسعت رکھتا ہے۔

زکوٰۃ کے علاوہ دیگر وسائل دولت مثلاً ارکاز، دکانوں وغیرہ پر بھی شہری ریاست کو مقررہ ضابطوں کے مطابق ادائیگی کرتے تھے اور ان تمام مدات کی رقم اکٹھی کرنے کے لئے باقاعدہ افراد کا تقرر کیا گیا تھا۔ ان مدات سے حاصل ہونے والی ریاستی آمدن کے خرچ کا ضابطہ قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَفِی سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ط وَاللهُ عَلِيْمٌ حَکِيْمٌ○[2]

’’بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے○‘‘

اصولی طور پر یہ آیت مبارکہ اسلامی ریاست کے بجٹ کی بنیاد تھی۔ ہنگامی مہمات مثلاً غزوات وغیرہ کے موقع پر آپ اپنے خطبہ میں اہل مدینہ کو ترغیب دلاتے۔ اور لوگ مالی استطاعت

---

(۱) ۱۔ أصبهاني، حلية الأولياء، ۱: ۳۴۹

۲۔ سخاوی، التحفة اللطيفة، ۱: ۲۲۱

(۲) القرآن، التوبة، ۹: ۶۰

اور ایمانی جذبے کے مطابق اس میں حصہ لیتے۔ بازیطینی ریاست سے جنگ۔[1] کے موقع پر صحابہ کی مالی قربانیاں مثالی تھیں۔ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار اشرفیاں[2] حضرت علی نے دس ہزار درہم[3] اور حضرت ابوبکر نے اپنے تمام اثاثے[4] قربان کردیئے۔

الغرض پہلی اسلامی ریاست کی معیشت دنیاوی حکمت، اقتصادی بصیرت اور ایمانی و دینی جذبے کی صداقت سے تشکیل پارہی تھی جو مستقبل میں صحت مند معاشی روایات کے آغاز کا باعث بنی۔

۸۔ جنگی و دفاعی نظام (Military and Defence Administration)

حضور نبی اکرم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں تراسی (۸۳) کے قریب غزوات و سرایا ہوئے ہیں۔ اسلام کے فروغ و اشاعت کے لئے آپ ﷺ کو ہر سال اوسطاً آٹھ، نو جنگوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان تمام جنگوں اور عسکری مہمات کا مقصود اقامت دین اور بحالی حقوق انسانیت تھا۔ نیتجتاً دس لاکھ مربع میل (One Million Sq. Miles) تک اسلامی سلطنت کو غلبہ حاصل ہوا۔[5] مگر اس پوری جنگی و دفاعی زندگی میں فریقین کے محض چند سو آدمی کام آئے۔ جنگی عمل کا اتنے غیر جنگی اثرات کا حامل ہونا آپ ﷺ کے عدیم المثال سپہ سالار ہونے کی دلیل ہے۔

حالانکہ اسلامی ریاست کی بعد ازاں ہونے والی جنگوں میں بعض اوقات ایک ہی جنگ میں اس قدر جانی نقصان ہوا جتنا حضور ﷺ کی سپہ سالاری میں دس سال کی جنگوں میں نہیں ہوا تھا۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں فتوحات کے سلسلے کی پوری تاریخ انسانیت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں مائیکل ہارٹ (Michael H. Hart, b. April 28,1932) کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب من أراد غزوة، ۳: ۱۰۷۸، رقم: ۲۷۸۸

(۲) ترمذی، السنن، کتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب فی مناقب أبی بکر، ۵: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵

(۳) ترمذی، السنن، کتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب فی مناقب أبی بکر، ۵: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵

(۴) ترمذی، السنن، کتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب فی مناقب أبی بکر، ۵: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵

(5) Philip K. Hitti, History of the Arabs, p. 14.

The Bedouin Tribesmen of Arabia had a reputation as fierce warriors. But their number was small; and plagued by disunity and internecine wrfare, they had been no match for the larger armies of the kingdoms in the settled agricultural areas to the north. However, unified by Muhammad for the first time in history, and inspired by their fervent belief in the one true God, these small Arab armies now embarked upon one of the most astonishing series of conquests in human history. To the northeast of Arabia lay the large Neo-Persian Empire of the Sassanids; to the northwest lay the Byzantine, or Eastern Roman Empire, centered in Constantinople. Numerically, the Arabs were no match for their opponents.

On the field of battle, though, the inspired Arabs rapidly conquered all of Mesopotamia, Syria, and palestine. By 642 Egypt had been wrested from the Byzantine Empire, While the Persian armies had been crushed at the key battles of Qadisiya in 637, and Nehavend in 642.

But even these enormous conquests- which were made under the leadership of Muhammad's close friends and immediate successors, Abu Bakr and 'Umar ibn al-Khattab-- did not mark the end of the Arab advance. By 711, the Arab armies had swept completely across North Africa to the Atlantic Ocean. There they turned north and crossing the strait of Gibraltar, overwhelmed the Visigothic Kingdom in Spain.

For a while, it must have seemed that the Muslems would overwhelm all of Christian Europe. However, in 732, at the famous Battle of Tours, a Muslem army, which had advanced in to the center of France, was at last defeated by the Franks, Nevertheless, in a scant century of fighting, these Bedouin tribesmen, inspired by the word of the Prophet, had carved out an empire stretching from the borders of India to the Atlantic Ocean -- the largest empire that the world had yet seen.(1)

(1) Michael H. Hart, *The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History*.

’’عرب کے بدو قبیلے کے لوگ خوفناک جنگجو ہونے کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی اور وہ نااتفاقی کی وبا اور باہمی جنگوں میں پھنس گئے تھے۔ وہ شمالی زرعی علاقوں کی سلطنتوں کی بری افواج کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے تاہم آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ ایمان سے سرشار ہونے اور خدائے واحد پر اپنے پختہ یقین کی وجہ سے ان چھوٹی چھوٹی عرب فوجوں نے حیرت انگیز طور پر انسانی تاریخ میں فتوحات کا ایسا تسلسل قائم کیا کہ عقل انسانی دنگ رہ گئی۔ عرب کے شمال مشرق میں ساسانیوں کی وسیع و عریض سلطنت تھی۔ شمال مغرب میں بازنطینی یا مشرقی رومی سلطنت تھی جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ تعداد کے لحاظ سے عربوں کا اپنے مخالفوں سے مقابلہ کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔‘‘

تاہم میدان جنگ میں اپنے جذبہ ایمانی، جوش اور ولولے سے عربوں نے بہت جلد عراق، شام اور فلسطین کو فتح کر لیا۔ ۶۴۲ء میں مصر کو بازنطینی حکومت سے چھین لیا گیا جبکہ ایرانی افواج کو ۶۳۷ء میں قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں میں فیصلہ کن شکستیں دینے کے بعد تباہ و برباد کر دیا گیا۔ لیکن ان بے پناہ اور لاتعداد فتوحات کے باوجود جو کہ محمد ﷺ کے انتہائی قریبی رفقاء اور خلفاء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیں، عربوں کی فتوحات رکی نہیں۔ ۷۱۱ء تک عرب افواج نے شمالی افریقہ کو بحر اوقیانوس تک فتح کر لیا۔ وہاں سے وہ شمال کی طرف مڑے اور آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے انہوں نے سپین کی گوتھک سلطنت کو بھی ختم کر ڈالا۔ کچھ وقت کے لئے تو یوں لگتا تھا کہ مسلمان سارے عیسائی یورپ کو فتح کر لیں گے۔ تاہم ۷۳۲ء میں ٹورس کی مشہور جنگ میں جب مسلمان فوج فرانس کے مرکز تک پہنچ گئی تھی، فرانسیسیوں نے انہیں شکست دے دی۔ بایں ہمہ صدی کی بکھری ہوئی جنگوں کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین سے متاثر ان بدو قبائل نے وہ سلطنت تشکیل دی جو ہندوستان اور بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی، دنیا کی سب سے عظیم اور وسیع سلطنت جسے چشم فلک نے آج تک دیکھا ہے۔‘‘

دفاعی اور جنگی حکمتِ عملی (Defence Policy)

حضور نبی اکرم ﷺ نے جنگی حکمتِ عملی (War Strategy) کے نادر المثال، عظیم اور موثر اصول وضع فرمائے اور ان پر اس طرح عمل پیرا ہوئے کہ ایک ماہر، تربیت یافتہ باقاعدہ فوجی جرنیل بھی ان حالات میں ان کا عملی مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ یعنی دشمن کی افواج، سامان حرب، اسلحہ کی نقل

وحمل اور ان کے منصوبوں کا صحیح سراغ لگانا (Reconnaissance) بڑی مہارت کا کام ہے۔ اس کے بغیر دشمن کے خلاف (Military Operation) ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے دو سطحی پٹرولنگ سسٹم (Patrolling System) قائم فرمائے۔(۱)

۱۔ **ہراولی گشت** (Reconnoitring Patrols) یہ تعداد میں کم افراد پر مشتمل تھے۔ ان کے ذریعے جنگ سے پہلے دشمن کی افواج، ان کی جنگی طاقت اور منصوبوں کا پتہ چلایا جاتا تھا، جنگی علاقہ کے جغرافیائی ماحول اور اس کے خاص مقامات (Points of Accessibility) کی نسبت معلومات جمع کی جاتیں۔ گرد و پیش میں ذرائع آب اور دوسری اشیاءِ ضرورت کے مقامی طور پر میسر آنے کے امکانات (Local Supplies) اور اسی طرح دیگر متعلقہ لوازمات کی تحقیق کی جاتی تھی۔

۲۔ **جنگجو گشتی دستے** (Fighting Patrols) یہ بڑے جنگی دستے تھے۔ ان کے سپرد سرحدوں (Border Regions) کی حفاظت، دشمنوں کو جنگ سے قبل اور جنگ کے دوران خاص نفسیاتی شکست سے دوچار کرنا، دشمن کی سپلائی لائن (Supply Line) اور ذرائع (Sources) کو مسدود کرنا، اصلی جنگ سے قبل دشمن کی فوجی طاقت کو تجرباتی طور پر آزمانے کے مواقع پیدا کرنا اسی طرح سے دیگر اہم فوجی و جنگی امور کو انجام دینا ہوتا تھا۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سپہ سالارانہ رہنمائی اور عسکری تربیت تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں بھی ناقابل یقین حد تک تاریخی کامیابیاں حاصل کیں۔ مثلاً سریہ زید بن حارثہ (موتہ) کے موقع پر مسلم کمانڈر دشمن کی دس لاکھ (1 Million) افراد اور کثیر اسلحہ پر مشتمل فوج کے مقابلہ میں صرف تین ہزار (3000) فوجیوں کے چھوٹے سے لشکر کو کامیابی سے ہمکنار کر کے حفاظت اور سلامتی کے ساتھ واپس مدینہ لے آئے اور دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ اس لئے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ گوشہ خصوصی مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔(۲)

ریاست مدینہ کے دفاع کو مضبوط اور ناقابل تسخیر بنانے کے لئے آپ نے ہمہ نوع اقدامات فرمائے:

۱۔ آپ نے صلح و جنگ کو ناقابل تقسیم اور مرکزیت کا حامل قرار دیا۔(۳)

---

(۱) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی، ۱: ۱۰۷، ۱۰۸

۲۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۷۴

(۲) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۲: ۶۴

(۳) میثاق مدینه، آرٹیکل: ۵۴

۲۔ دفاع کے لئے عساکر کی نوعیت، تنظیم اور تعداد جیسے تمام امور کا فیصلہ حضور ﷺ ہی فرماتے تھے۔[1]

۳۔ ریاست کو دفاعی اخراجات کے بوجھ سے آزاد کرنے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ جنگ میں ہونے والے اخراجات میں سے ہر قبیلہ اپنے حصے کے اخراجات خود برداشت کرے گا۔[2]

۴۔ رضاکارانہ بنیادوں پر جنگی کردار کی حوصلہ افزائی کی گئی اور عسکری انتظامات کے باب میں کسی بھی تنازعے میں آخری وحتمی فیصلہ کی اتھارٹی آپ ﷺ تھے۔

۵۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں کل وقتی عساکر کی تشکیل و تنظیم کا اہتمام تھا۔ اس اصول کا آغاز بھی دور نبوت میں ہوچکا تھا۔ ایسے لوگ جو ہمہ وقت عسکری مہمات کے لئے تیار رہتے تھے، ان کا باقاعدہ ریکارڈ ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے اس کے لئے ایک کاتب متعین فرمایا تھا۔ گویا وہ اسلامی ریاست کا پہلا سیکرٹری دفاع (Defence Secretary) تھا۔ ایسے لوگوں کو بیت المال سے مستقل وظیفہ بھی ملتا تھا۔

۶۔ چونکہ اسلامی ریاست اپنے ابتدائی دور سے گزر رہی تھی۔ الوہی رہنمائی کے تحت جہاد کے فرض قرار پانے سے بھی ریاست مدینہ کا ہر باشندہ دفاعی کردار کا حامل ہوگیا تھا۔ آپ ہنگامی موقعوں پر اپنے خطبہ میں لوگوں کو جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب دلاتے اور لوگ مہمات پر روانہ ہوجاتے صفہ علمی تربیت گاہ (Educational University) کے ساتھ ساتھ عسکری تربیت گاہ (Military Academy) بھی تھا۔ اہل صفہ بھی جنگی مہمات میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔

۷۔ مہمات پر روانگی کا عمل بھی حسن انتظام سے انجام دیا جاتا تھا۔ جنگی مہمات میں حصہ لینے والے لوگوں، مہم کے مقام، مقام روانگی، ہتھیاروں وغیرہ کی تفصیل کا ریکارڈ ہوتا تھا۔[3]

۸۔ ریاست مدینہ کے عساکر کے کردار کو موثر کرنے کے لئے عسکری تربیت کا باقاعدہ انتظام تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو ورزش، نشانہ بازی، تیر اندازی، گھڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ، آدمیوں کی دوڑ کشتی کے مقابلوں اور دیگر جسمانی مشقوں کی تلقین اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایسے مقابلوں میں اول، دوم، سوم آنے والوں کے لئے مختلف مواقع پر انعامات سے بھی نوازا۔ جو کبھی کھجور اور کبھی کسی اور چیز کی صورت میں ہوتے تھے۔

۹۔ ریاستی وسائل کے میسر آجانے پر بتدریج ریاستی سطح پر دفاعی اہتمامات کا آغاز کردیا گیا مثلاً

---

(۱) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۱

(۲) میثاق مدینہ، آرٹیکل: ۴۴

(۳) کتانی، التراتیب الإداریہ، ۱: ۲۲۱

ہتھیار خریدنا، گھوڑے خریدنا، اونٹ خریدنا اور ان کے لئے سرکاری چراگاہ کا اہتمام وغیرہ۔

الغرض یہ آپ کی ہمہ گیر، جامع اور مثالی دفاعی وعسکری حکمت عملی تھی جس نے ریاست مدینہ جیسی نوزائیدہ مملکت کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا اور اس سے نہ صرف خطہ عرب میں اسلامی ریاست کے مخالفوں اور دشمنوں کا قلع قمع ہوا بلکہ ریاست اس دور کی عالمی مستند طاقتوں سے ٹکرانے کے قابل ہوگئی۔

۹۔ بلدیاتی نظام (City & Local Administration)

ریاست مدینہ کے لئے مثالی بلدیاتی انتظام کا قیام بھی نبوی حکمت عملی کا حصہ تھا۔ شہری تنظیم کے باب میں دو رویہ ٹریفک کے اصولوں کا ذکر پہلے گزر چکا۔ دن میں پانچ مرتبہ لوگوں سے رابطے کے لئے موذن کا تقرر کیا گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ریاست کے واحد موذن نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ نائب موذن کا تقرر بھی کیا گیا تاکہ اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوں تو اذان کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ شہری صفائی کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ آپ نے جہاں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا، اس کے لئے عملی اقدامات بھی فرمائے۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی صفائی کے لیے اُم محجن نامی ایک حبشن عورت کو مقرر فرمایا۔(۱) آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں چراغ جلانے کے لیے ایک شخص کا تقرر فرمایا جو رضا کارانہ طور پر روزانہ مسجد نبوی میں چراغ جلاتا تھا۔ روایت میں ہے:

قال رسول الله ﷺ: من أسرج مسجدنا؟ فقال تميم: غلامي هذا. فقال: ما اسمه؟ فقال: فتح. فقال رسول الله ﷺ: إِسمه سراج۔(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا؟ تمیم نے عرض کیا: میرے اس غلام نے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اس کا کیا نام ہے؟ اس نے عرض کیا: فتح۔ (اس پر) حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا نام سراج (چراغ) ہے۔‘‘

گویا ریاستی سطح پر صفائی اور عوامی مقامات پر روشنی (Sanitation & Street Lights) کے منظّم انتظام کی طرف پہلا قدم تھا۔ ان تمام انتظامات کو مرکزی نظم ونسق سے منسلک

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الصلاة، باب كنس المسجد، ۱:۱۷۵، رقم: ۴۴۶
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد، باب فضل صلاة العشاء، ۲: ۵۹، رقم: ۹۵۶
۳۔ بیہقی، السنن الكبرى، ۴: ۴۸، رقم: ۶۸۱۱

(۲) ۱۔ ابن أثير، الإصابة فى تمييز الصحابة، ۳: ۳۸، رقم: ۳۱۰۵
۲۔ حلبی، السيرة الحلبية، ۲: ۲۷۸

کرنے اور باہمی روابط کار کے لئے مسجد نبوی میں مرکزی سیکرٹریٹ بھی قائم تھا۔ جہاں ان تمام انتظامات کے ریکارڈ کے علاوہ بیرونی قبائل اور حکمرانوں سے روابط، خطوط لکھنے اور معاہدات تحریر کرنے کا کام بھی ہوتا تھا۔(۱) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے ان مکاتیب کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ یہیں سے دوسرے ممالک کو ریاست مدینہ کے سفیر بھیجے جاتے تھے۔ حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو مسلمان ہونے سے قبل اس منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا تھا۔(۲) اور آپ نجاشی حبشہ کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کا پیغام لے کر گئے تھے کیونکہ آپ پہلے حبشہ کا سفر کر چکے تھے اور وہاں کے حالات سے باخبر تھے۔ اس سے ریاست مدینہ کی ریاستی پالیسی کی روح اور مزاج بھی سامنے آتا ہے۔

دورِ نبوت کے ریاستی عہدیداران

(State Officers at the time of Holy Prophet)

ا۔ ریاست مدینہ میں شوریٰ کا نظام

(Parliamentary System of Madina)

قرآن حکیم میں دی گئی الوہی رہنمائی کے تحت حضور نبی اکرم ﷺ نے تمام معاملات ریاست کو مشاورت کے اصول پر استوار فرمایا۔(۳) آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کی ایسی شوریٰ تشکیل فرمائی جس میں سیاسی اور انتظامی اہلیت کے حامل صاحب الرائے افراد شامل تھے۔ اس شوریٰ میں تمام ریاستی معاملات زیر بحث آتے تھے۔ ان میں عسکری، دفاعی، دینی، اقتصادی، انتظامی، بین القبائلی اور بین الاقوامی معاملات شامل تھے۔

ریاست مدینہ میں شوریٰ کا پہلا اجلاس نماز کے لیے بلانے کا طریقہ کار طے کرنے کے لئے تھا۔ متعدد آراء کے بعد اتفاق مروجہ اذان کے کلمات پر ہوا جس کی رائے بہ اختلاف روایات حضرت عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دی تھی۔(۴) مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جگہ کا انتخاب بھی مشورہ سے ہی ہوا

---

(۱) الکتانی، التراتیب الإداریة، ۱: ۲۲۱

(۲) حلبی، إنسان العیون فی سیرة الأمین المأمون، ۲: ۴۶۳

(۳) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۴) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب بدء الأذان، ۱: ۲۱۹، رقم: ۵۸۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ۱: ۲۸۵، رقم: ۳۷۷

تھا۔[۱] مواخاۃ کا نظام بھی فریقین کی باہمی مشاورت سے قائم کیا گیا تھا۔[۲]

❁ مدینہ کے یہودی قبائل کی مفتوحہ اراضی کی تقسیم انصار کے مشورہ و مرضی سے عمل میں آئی تھی۔[۳] بحرین میں جب انصار مدینہ کو اراضی کے قطعے دیئے گئے تو انہوں نے اپنے جذبہ اخوت سے سرشار ہوکر اس وقت تک لینے سے انکار کیا جب تک ان کے مہاجر بھائیوں کو بھی اسی قدر نہ دیے جائیں۔[۴]

❁ واقعہ افک کے سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت فرمائی۔[۵] پردہ کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مشاورت بالاخر قانون الٰہی بن کر نافذ و جاری ہوئی۔[۶] صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمہ رضي الله عنها کے مشورہ سے انتہائی نازک حالات میں آپ نے فیصلہ فرمایا۔[۷] جنگ خیبر میں مسلم عورتوں کو ان کی شدید خواہش و اصرار پر شرکت کی اجازت دی گئی۔[۸] فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر اشراف کی جان بخشی اکابر صحابہ کے مشورہ پر ہوئی۔[۹] حضرت ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دینے کا مشورہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔[۱۰] واقعہ ایلا کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مشیر نبوی کا کردار ادا کیا۔[۱۱] اس طرح آپ ﷺ نے معاہدات کے سلسلہ میں خندق و خیبر کے

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد، ۱: ۱۷۱، رقم: ۴۳۵

(۲) ابن إسحاق، السیرۃالنبویہ: ۲۳۴

(۳) ۱۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۲۲۰

۲۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية، ۷: ۱۹۰

(۴) یحیی بن آدم، کتاب الخراج: ۱۹

(۵) القرآن، النور۲۴: ۱۱۔۲۰

(۶) بخاری، الصحیح، کتاب ا لفضائل، باب فضائل عمر، ۴: ۱۸۶۳، رقم: ۲۳۹۶

(۷) بخاری، الصحیح، کتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد، ۲: ۹۷۸، رقم: ۲۵۸۱

(۸) أبوداود، السنن، کتاب الجهاد، باب المرأة والعبد یحذیان من الغنیمة، ۳: ۷۴، رقم: ۲۷۲۷

(۹) بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۵۵

(۱۰) بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۵۵

(۱۱) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب موعظة الرجل، ۵: ۱۹۹۱، رقم: ۴۸۹۵

غزوات کے دوران انصار کے بعض سرداروں سے مشورہ کیا۔

عسکری اُمور میں مشاورت (Consultation in Defence Matters)

عسکری امور کی مشاورت میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی کا ذکر بڑی صراحت کے ساتھ ملتا ہے:

- غزوہ بدر سے قبل اور جب قریش مکہ کی فوج کی آمد کی خبر ملی تو اسلامی شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت مقداد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہم نے مہاجرین سے اور حضرت سعد بن معاذ اوسی، حضرت سعد بن عبادہ خزرجی اور حضرت حباب بن منذر خزرجی رضی اللہ عنہم نے انصار میں سے آپ کے منصوبہ جنگ (War Plan) کی بھرپور حمایت کی۔[1] میدان بدر میں موجود کنوؤں کو اندھا کرنے کا مشورہ مشہور ماہر حرب حضرت حباب بن منذر خزرجی رضی اللہ عنہ نے دیا۔[2] جنگ بدر کے قریشی قیدیوں کے سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف مشورے دیئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پرعمل کیا گیا۔[3]
- غزوہ اُحد کے موقع پر مدینہ میں محصور ہوکر یا کھلے میدان میں جنگ کا فیصلہ کرنے کے لئے شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور بیشتر اکابر و اہل رائے صحابہ کی رائے پہلی تجویز کے حق میں تھی جبکہ متعدد صاحبِ رائے اور پر جوش صحابہ خصوصاً حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت نعمان بن مالک، حضرت مالک بن سنان، حضرت ایاس بن اوس، حضرت خیثمہ بن حارث اور حضرت انس بن قتادہ رضی اللہ عنہم دوسری رائے کے حق میں تھے اور انہیں کے مشورہ کے مطابق

---

(۱) ۱۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۲۹۳
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۰۷
۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۷۷
۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۷
۵۔ بلاذری، الأنساب الأشراف، ۱: ۲۹۲

(۲) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۵۳
۲۔ بلاذری، الأنساب الأشراف، ۱: ۲۹۳
۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۴۰

(۳) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۰۷، ۳۸۶
۲۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۷۴

فیصلہ بھی ہوا۔[۱]

❁ ایک بڑی سازش کے خاتمہ اور اسلامی ریاست کے خطرناک دشمن کعب بن اشرف کے قتل کے سلسلہ میں حضرت محمد بن مسلمہ اوسی رضی اللہ عنہ سے مشاورت کی گئی۔[۲] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جنگ خندق کے موقع پر شہر کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔[۳]

محاصرہ کے جلد خاتمہ اور احزاب کے اتحاد میں پھوٹ ڈالنے کے لئے غطفان کے سرداروں کو مدینہ کی نصف پیداوار دے کر واپس جانے پر راضی کرنے کی تجویز پر مشاورت ہوئی۔ نتیجتًا حضرت سعد بن معاذ اوسی، حضرت اسید بن حضیر اوسی اور حضرت سعد بن عبادہ خزرجی رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی وجہ سے یہ تجویز مسترد ہوگئی۔[۴] اسی طرح کی دوسری تجویز جنگ خیبر کے دوران آئی جو انہیں سرداروں نے مسترد کرا دی۔[۵] صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں قریش سے گفت وشنید کے لئے حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ کی بطور سفیر نبوی تقرری حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے ہوئی۔ غزوہ خیبر میں بعض درختوں

---

(۱) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۲۰۹
۲۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك: ۳۷۱
۳۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۱۴
۴۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۳۷۱

(۲) واقدی، کتاب المغازی: ۱۸۷

(۳) ۱۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۴۵۰
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۴۴۴
۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۹۱
۴۔ حلبی، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۲: ۶۳۱

(۴) ۱۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۴۵۴
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۴۷۷
۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۳

(۵) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۳۱۵
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۶۰۰
۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲: ۹۷
۴۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۶۳۰

کے کاٹنے کا فیصلہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر منسوخ کر دیا گیا۔(۱)

(۱) واقدی، کتاب المغازی: ۶۴۳

❁ جنگی معاملات میں اکثر و بیشتر ماہر حرب صحابی حضرت حباب بن منذر خزرجی رضی اللہ عنہ کے مشورے شرفِ قبولیت پاتے تھے۔(۲) چنانچہ بدر، خندق، خیبر اور طائف وغیرہ کے مواقع پر خیمہ گاہ کے سلسلے میں ان کی رائے حتمی سمجھی گئی۔(۳) ایک موقع پر حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بطور امیر سریہ تقرری حضرات شیخین کے متفقہ مشورہ پر ہوئی۔(۴) جبکہ حنین کے دوران طریقِ جنگ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور محاصرہ طائف کے دوران منجنیق کے استعمال پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا۔(۵) حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر اس کا محاصرہ اٹھایا گیا تھا۔(۶) اسی طرح تبوک سے واپسی کا فیصلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کیا گیا۔(۷)

اراکینِ شوریٰ (Members of Parliament)

ریاست مدینہ کی مجلس شوریٰ (Parliament) کی تعداد کم و بیش پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی۔ جن میں بعض صحابیات بھی شامل تھیں۔ طبقات ابن سعد کے مطابق حضرت عمر فاروق کی شہادت کے بعد نئے خلیفہ کا انتخاب کرنے والی شوریٰ پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (نئے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے) فرمایا:

فقال يا أباطلحه: كن في خمسين من قومک من الأنصار مع هؤلاء النفر أصحاب الشوریٰ۔(۸)

---

(۲) واقدی، کتاب المغازی: ۶۴۳

(۳) واقدی، کتاب المغازی: ۴۲۸

(۴) واقدی، کتاب المغازی: ۸۹۲

(۵) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۹۲۷
۲۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۶۷

(۶) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۹۳۷
۲۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۸۴

(۷) واقدی، کتاب المغازی: ۱۰۱۹

(۸) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۶۱

''اے ابوطلحہ! اپنی قوم انصار کے پچاس افراد کے ساتھ ہو جاؤ، یہ وہ افراد ہیں جو اصحاب شوریٰ ہیں۔''

اگرچہ شوریٰ میں عام افراد کی شمولیت پر کوئی پابندی نہ تھی مگر آپ عموماً مشورہ اہل رائے حضرات ہی سے لیتے تھے۔ جس میں مہاجرین و انصار کے تمام اکابر صحابہ شامل تھے۔ زمانہ قبول اسلام کے لحاظ سے ان میں سابقینِ اولین بھی شامل تھے اور متاخرین بھی۔ خاص بات یہ کہ ان کی اکثریت جوانوں پر مشتمل تھی جبکہ بزرگوں میں سے صرف چند افراد ہی شامل تھے۔ علاقائی اور قبائلی نمائندگی کے لحاظ سے ان کی غالب اکثریت کا تعلق وسطی عرب کے قبائل قریش و انصار سے تھا۔ ان میں بعض موالی بھی شامل تھے اور ان کی حیثیت کسی اعتبار سے بھی فروتر نہیں تھی۔ اراکین شوریٰ کی یہ تفصیل شوریٰ میں ریاست کے طبقات کی جامع وہمہ گیر نمائندگی ظاہر کرتی ہے۔

۲۔ نائبینِ نبوی کا تقرر

(Appointment of the Prophet's Vicegerents)

ریاست مدینہ سے باہر جانے کی صورت میں سیاسی اور انتظامی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں اپنے نائبین کا تقرر فرمایا۔[1] وہ آپ کی عدم موجودگی میں شہر مدینہ اور مرکزی حکومت کے تمام انتظامی معاملات کے نگران اور ذمہ دار ہوتے تھے۔

عہد نبوی میں اس عہدہ پر کل بتیس (۳۲) مرتبہ تقرریاں کی گئیں جبکہ نائبین رسول کی کل تعداد صرف تیرہ (۱۳) تھی یعنی بعض خوش بخت صحابہ کرام ﷺ کو یہ سعادت بار بار ملی تھی۔ تاریخی ترتیب کے مطابق پہلے غزوۂ ودان کے زمانے میں حضرت سعد بن عبادہ ﷛ کو اور پھر غزوہ بواط کے

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۵۹۸
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۸۰
۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲: ۸
۴۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۰۷
۵۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۲۸
۶۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۷۴۴

دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ منصب عطا ہوا۔[1] مدینے کے دو عظیم ترین مقامی شیوخ قبیلہ کی یکے بعد دیگرے تقرری دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کی فراست، حکمت عملی اور دور اندیشی کی دلیل تھی کہ شہر نبوی کے دونوں اہم ترین مقامی طبقات خزرج و اوس کی اس طرح نہ صرف دل جوئی کی گئی بلکہ ان کو حکومت اسلامی میں برابر کا شریک ہونے کا احساس دلا کر ان کی مکمل وفاداری اور اطاعت بھی حاصل کر لی گئی۔ تیسری تقرری کا شرف حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ کو غزوہ سفوان اولیٰ کے دوران حاصل ہوا۔[2]

یہ تقرری اسلام کی معاشرتی و سیاسی مساوات کی دلیل اور خاندانی شرف ونجابت پر فخر کرنے کی نفی تھی۔ اس تقرری نے ثابت کر دیا تھا کہ صلاحیت و لیاقت ہی بنائے تقرری تھی نہ کہ قرابت و خون کی رشتہ داری یا محض خاندانی وجاہت ونجابت۔ حکمت نبوی کا ایک مظاہرہ چوتھی تقرری میں ہوا جب ایک مولا اور غلام کے بعد غزوۂ ذات العشیر ہ کے دوران ایک قریشی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد مخزومی کو نائب رسول کا عہدہ عطا کیا گیا۔ یہ صحابی آپ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔[3] حضرت زید بن حارثہ کو دوبارہ یہ خدمت غزوۂ مریسیع کے دوران تفویض ہوئی۔[4]

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرةالنبوية، ۲: ۵۹
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲: ۸
۳۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۲۸۷
۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۴۰۷
۵۔ ابن خلدون، تاريخ ابن خلدون، ۲: ۷۴۴
۶۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۲: ۲۸۳

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲: ۹
۲۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۲۸۷
۳۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۴۰۷
۴۔ ابن أثير، أسد الغابه، ۲: ۷، ۲۳۴

(۳) ۱۔ ابن هشام، السيرةالنبوية، ۲: ۵۹۸
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲: ۹
۳۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۲۸۷
۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۴۰۸
۵۔ ابن أثير، أسد الغابه، ۵: ۲۱۸

(۴) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۲: ۶۲
۲۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۴۲

غزوۂ بدر کے دوران پہلے حضرت عمرو بن ام مکتوم عامری قریشی کو نائب مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں کچھ مصالح کے پیشِ نظر ان کی جگہ حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رخزرجی کو مقرر کیا گیا۔[1] بعض روایات کے مطابق حضرت ابولبابہ خاص شہر رسول کے لیے نائب مقرر کیے گئے تھے جبکہ حضرت عاصم بن عدی عجلانی اوسی شہر کے بالائی علاقے (العالیہ) کے اور حضرت حارث بن حاطب خزرجی اپنے قبیلہ بنوعمرو بن عوف کے معاملات و امور کے نگران تھے۔ حضرت ابولبابہ کو غزوات بنی قینقاع و سویق میں دوبارہ مزید خلافت نبوی کی سعادت ملی۔ اس طرح مجموعی طور پر ان کی تقرریوں کی تعداد تین ہوگئی۔[2]

نائبین رسول میں سب سے اہم شخصیت حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جنہوں نے کم و بیش تیرہ مواقع پر رسول اکرم ﷺ کی جانشینی کا فریضہ انجام دیا تھا۔ اگرچہ بدر کبریٰ کے موقع پر ان کی تقرری عارضی ثابت ہوئی تاہم فتح مکہ تک پانچ برس کے دوران ان کو یہ سعادت بار بار ملتی رہی۔ مذکورہ واقعہ کے علاوہ غزوات اُحد، حمراء الاسد، بنی نضیر، خندق، بنوقریظہ، لحیان، حدیبیہ، فتح مکہ، حنین اور طائف کے زمانے میں بھی ان کی تقرری ہوتی رہی۔[3] اسی اثناء میں

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۲: ۶۱۲

۲۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۲۸۹

۳۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۷۴۸

(۲) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۸۰

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۲

۳۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۸۱

۴۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۲: ۴۵

(۳) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۲: ۶۱۲

۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۸۴

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۳۱

۴۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۱۰

۵۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۸۳

۶۔ ابن أثیر، اسدالغابة، ۴: ۱۲۷

حضرت عثمان بن عفان،[1] عبداللہ بن رواحہ خزرجی،[2] سباع بن عرفطہ غفاری[3] اور ابورہم غفاری رضی اللہ عنہم[4] کی بالترتیب غزوات ذوامر اور ذات الرقاع، بدر الموعد دومۃ الجندل اورعمرۃ القضیہ میں اس منصب پر تقرری ہوئی۔ حضرت عثمان کو پہلے دو غزوات کے زمانے میں دو بار یہ موقع ملا تھا اسی طرح حضرت سباع غفاری کو دو بار مزید خیبر، فدک و وادی القریٰ اور حجۃ الوداع کے زمانے میں یہ سعادت ملی حضرت محمد بن مسلمہ اوسی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ تبوک کے دوران یہ شرف ملا جبکہ اسی زمانے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خاندان رسالت کے اُمور کی ذمہ داری سونپی گئی۔[5]

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۴۶

۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۹۶

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۳۵

۴۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۳۱

۵۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵۵۶

۶۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۳: ۳۷۶

(۲) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۳۸۴

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۵۹

۳۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۴۰

(۳) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۲۱۳

۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۴۰۴

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۶۲

۴۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۴۱

۵۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۲: ۲۵۹

(۴) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۲۰

۲۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۵: ۱۰۲۵۰

(۵) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳: ۵۱۹

۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۹۹۵

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۶۵

۴۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۲۶۸

۵۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۴: ۳۳۱

مذکورہ بالا تیرہ نائبین رسول میں سے حضرت ابن ام مکتوم عامری قریشی رضی اللہ عنہ کو بارہ یا تیرہ مرتبہ اس عہدہ سے سرفراز کیا گیا جبکہ حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو دو دو بار یہ سعادت ملی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کی تین بار تقرری ہوئی اور بقیہ سات حضرات کو محض ایک ایک بار موقعہ ملا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نائب رسول کا عہدہ تو مستقل تھا مگر عہدیدار اور ان کی تقرریوں کی نوعیت عارضی تھی۔ قبائلی نقطہ نظر سے سب سے زیادہ تقرریاں یعنی سترہ قریش سے ہوئیں۔ ان میں اہم ترین حصہ بنو عامر بن لوی کا تھا جبکہ بنو امیہ اور بنومخزوم کے خاندانوں کو صرف دو دو تقرریوں سے نوازا گیا تھا۔ اوس کے پانچ ارکان نے سات بار یہ سعادت حاصل کی۔ ان کے بعد غفار کا درجہ ہے جن کے دو عہدیداروں نے چار مرتبہ یہ خدمت انجام دی۔ کلب اور خزرج کے حصہ میں صرف دو بار نیابت آئی۔

منصب نیابت میں علاقائی نمائندگی کے لحاظ سے مرکزی عرب کے قریش و انصار نے غالب تر حصہ پایا تھا جبکہ دوسرے قبائل میں صرف مغربی حصہ کے ایک قبیلہ غفار کو نمائندگی ملی تھی۔ شمالی عرب کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی اور جنوب مشرقی اور بقیہ عرب کے قبائل کی نمائندگی بالکل صفر تھی۔ قبول اسلام کے اعتبار سے خلفاءِ رسول کی غالب اکثریت اگرچہ سابقین اولین میں سے تھی مگر انصار کے تمام افراد کا تعلق مدنی عہد سے تھا۔

تمام اکابر قریشی صحابہ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اس طبقہ میں کوئی جگہ نہیں ملی۔ مدت عہدہ پانچ دن سے لے کر تقریباً تین ماہ تک غزوات کی نوعیت کے مطابق مختلف رہی۔ بہ اعتبار عمر سب ہی جوان طبقہ کے لوگ تھے اور ان میں سب سے معمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔

۳۔ صوبائی انتظامیہ (Provincial Administration)

صوبائی انتظامیہ میں سب سے اہم فعال اور صاحب اقتدار طبقہ والیوں (Governors) کا تھا جو اپنی ولایات (Provinces) میں مکمل خود مختاری اور تمام فوجی، مالی، انتظامی اور مذہبی اختیارات رکھتے تھے۔ وہ صرف الوہی قانون اور ہدایات نبوی کے پابند تھے۔

صوبائی منتظمین کا تقرر مدینہ منورہ سے باہر کے علاقوں کی فتح کے بعد عمل میں آیا تھا اور ان

میں سب سے پہلے خیبر، تیماء، وادی القریٰ اور قریٰ عربیہ کے علاقے تھے جن کے گورنر (والی) حضرت سواد بن غزیہ خزرجی، حضرت عمرو بن سعید اموی، حضرت یزید بن ابی سفیان اموی اور حضرت عبداللہ بن سعید اموی رضی اللہ عنہم تھے۔[۱] ان کا تقرر غالبًا ۷ھ/ ۶۲۸ء ہی میں ہوگیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد پہلے گورنر حضرت ہبیرہ بن شبل ثقفی تھے جلد ہی ان کی جگہ حضرت عتاب بن اسید اموی کی تقرری کی گئی جو بقیہ عہد نبوی اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی اس منصب پر فائز رہے۔[۲]

وسطی عرب خاص کر مکہ مکرمہ کے قرب و جوار کے علاقے میں طائف اور جدہ کی ولایات تھیں۔ جن کے گورنر بالترتیب حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی، حذیفہ بن یمان ازدی اور حارث بن نوفل ہاشمی رضی اللہ عنہم تھے۔[۳] مشرقی ولایات میں حضرت عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ عنہ مرکزی گورنر تھے جبکہ حضرت جعفر اور حضرت عبد فرزندان جلندی جو سابق فرماں روایانِ علاقہ تھے صوبائی گورنر یا منتظم تھے۔ بحرین کے سابق فرماں روا حضرت منذر بن ساوی تمیمی اپنے علاقہ میں حضرت علاء بن حضرمی اور ابان بن سعید اموی کے زیرنگرانی انتظامی امور کے ذمہ دار تھے۔ بحرین اور حضرت عمان کی ولایات دو

---

(۱) ۱۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۴۸
۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة، ۲: ۳۷۴

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۴۵
۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة، ۵: ۵۵
۳۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۲: ۴۴۰
۴۔ واقدی، کتاب المغازی: ۸۸۹
۵۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۷۰
۶۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۳: ۷۳

(۳) ۱۔ ابن هشام، السیرة النبویة، ۳: ۵۴۰
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۹۶۸
۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۳۱۳
۴۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۷۰
۵۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۳: ۹۹
۶۔ ابن أثیر، أسد الغابة، ۳: ۳۷۲

دو علیحدہ انتظامی علاقوں میں منقسم تھیں جن کے لئے مرکزی نمائندے اور منتظم الگ الگ مقرر کئے جاتے تھے۔[1] مشرقی سواحل اور وسطی عرب کے درمیان آباد قبیلہ طے میں حضرت عدی بن حاتم طائی حکمران تھے۔[2]

شمالی علاقہ میں جو حدودِ شام کے قریب تھا حضرت شرجیل بن حسنہ کندی کا مرتبہ و منصب گورنر جنرل کا تھا کہ ان کا صدر مقام ایلہ تھا اور وہ متعدد دوسرے ماتحت مرکزی منتظمین بھی رکھتے تھے جو مختلف علاقوں میں تعینات تھے،[3] لیکن علاقہ کی وسعت، اختیارات کی ہمہ گیری اور شہرت عام کے اعتبار سے سب سے اہم گورنر حضرت معاذ بن جبل خزرجی رضی اللہ عنہ تھے جو پورے جنوبی عرب کے گورنر جنرل تھے اور یمن و حضرموت کے تمام مرکزی منتظمین اور والی ان کی ماتحتی میں کام کرتے تھے۔[4] ان ماتحت گورنروں میں حضرت یعلیٰ بن امیہ تمیمی (الجند) حضرت خالد بن سعید اموی (صنعاء) حضرت طاہر بن ابی ہالہ تمیمی (عک و اشعر) حضرت عکاشہ بن ثور غوثی (سکاسک وسکون) حضرت ابو عبیدہ بن جراح فہری (نجران) حضرت عمرو بن حزم خزرجی (نجران) حضرت ابوسفیان بن حرب اموی

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۶۰۷
۲۔ واقدی، كتاب المغازی: ۷۸۸
۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبریٰ، ۲: ۱۶۱
۴۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۵۲۹
۵۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۹۵

(۲) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۶۰۰
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبریٰ، ۱: ۳۲۲
۳۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۴۷
۴۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۳: ۴، ۳۹۲

(۳) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبریٰ، ۱: ۸۶، ۲۷۸
۲۔ ابن أثير، اسد الغابة، ۲: ۳۹۰

(۴) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۵۹۰
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبریٰ، ۱: ۲۶۴
۳۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۸۰
۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۲۱
۵۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۴: ۳۷۶

(جرش) حضرت سعید بن قشیب ازدی (جرش) حضرت ابوموسی اشعری (زبید، رمع، عدن اور ساحل) حضرت زیاد بن لبید خزرجی (حضرموت) حضرت عامر بن شہر ہمدانی (ہمدان) اورحضرت ابی امیہ مخزومی (کندہ) رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی شامل ہیں۔[1] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور ان کے ماتحت گورنروں کا تقرر حضرت باذان اور ان کے فرزند رشید حضرت شہر بن باذان ایرانی کی وفات کے بعد ہوا۔ ان دونوں ایرانی افراد نے ۶۲۸ء سے ۶۳۰ء تک یمن اور دوسرے علاقوں پر بطور اسلامی گورنر حکومت کی تھی۔ دراصل باذان ایرانی شہنشاہ کے گورنر تھے اور انہوں نے خسرو پرویز کے قتل کے بعد اسلامی ریاست سے وفاداری استوار کر لی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ان کو پورے یمن کا گورنر برقرار رکھا۔ ان کی موت کے بعد ان کے فرزند شہر نے صوبائی حکومت سنبھالی مگر مرکز کو فوراً صوبہ کے سیاسی حالات کے اتار چڑھاؤ کی اطلاع دی جس کے بعد مرکز سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین کو بھیجا گیا تھا۔ ان نئے مرکزی منتظمین کی آمد کے فوراً بعد ہی حضرت شہر بن باذان کی شہادت یمن کے ایک مدعی نبوت اسود عنسی کے ہاتھوں ہوئی اور نئے گورنروں نے اپنی اپنی ولایت کے معاملات سنبھال لئے مگر جلد ہی ان کو کئی فتنوں کا سامنا ہوا جس کی سرکوبی میں وہ پوری طرح کامیاب و کامران رہے۔[2]

۴۔ عہدیداران کے اختیارات و دورانیہ

(Powers & Duration of Appointment)

حکومت نبوی کے افسران میں والیوں اور گورنروں کا طبقہ اپنی انتظامی کارکردگی اور وسیع اختیارات کے سبب اہم ترین تھا۔ شہری نظم ونسق کے تمام عہدیداروں کا تقرر مستقل بنیادوں پر ہوتا تھا۔ چنانچہ والیوں کی غالب اکثریت عہد نبوی کے اواخر تک اپنے اپنے مناصب پر فائز رہی بلکہ ان میں بعض تو خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی تک بحال رہے۔ عہدنبوی میں ان کے عہدہ کی مدت

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۵۴۳
۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۲۶۵
۳۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۷۰
۴۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۲۱

(۲) ۱۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۲۲۷
۲۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۱: ۱۶۳

تین ماہ سے تین چار سال تک نظر آتی ہے۔

بعض گورنروں کو معزول یا تبدیل بھی کیا گیا ان میں سے نجران اور جرش کے پہلے گورنروں کی تقرری عارضی یا مختصر مدت کے لئے تھی جبکہ ان کے جانشینوں کی تقرری مستقل تھی۔ بحرین کے گورنر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے بعض سے ان کی معزولی کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کی جگہ حضرت ابان بن سعدی اموی رضی اللہ عنہ کی تقرری کا ذکر ملتا ہے لیکن صحیح وہ روایت معلوم ہوتی ہے جس کے مطابق دونوں حضرات بحرین کے دو الگ الگ علاقوں کے حکمران تھے۔[۱] ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان گورنروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں تنخواہیں بھی ملتی تھیں۔

ولاۃ نبوی کا قبائلی اور علاقائی تجزیہ خاصی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تقرری اور برطرفی (Appointment & Termination) کی پالیسی کی بخوبی وضاحت کرتا ہے۔کل والیوں کی تعداد بتیس تھی جن میں قریش کے بارہ افراد تھے۔

قریشی ولاۃ میں سب سے زیادہ یعنی سات کا تعلق بنو امیہ کے مختلف خانوادوں سے تھا ان میں سے چار جو حقیقی بھائی بھی تھے مشہور سعیدی خانوادہ (بنو ابی سعید بن عاص) سے تعلق رکھتے تھے۔ دو کا تعلق بنو حرب بن امیہ کے خاندان سے تھا۔ جبکہ آخری اموی والی حضرت عتاب بن اسید کا تعلق اس کی ایک نسبتاً کم اہم شاخ بنو اسید سے تھا۔ حضرت ابوسفیان کے سوا جو جلد ہی سبکدوش ہو گئے تھے بقیہ اپنی ولایات میں پوری مدت تک کام کرتے رہے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن سعید اموی گورنر قریٰ عربیہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔

ان خالص امویوں کے علاوہ دو اور گورنر حضرت علاء بن حضرمی اور سعید بن قشیب ازدی بنوامیہ کے حلیف تھے۔ اس لیے عرب قبائلی روایات کے مطابق ان کا شمار بھی ان کے سرپرست خاندان ہی میں کیا جاتا ہے۔

۵۔ گورنروں کا تقرر (Appointment of Governors)

قریش کے دیگر گورنروں میں بنو ہاشم، بنو فہر، بنو مطلب، بنو سہم اور بنو مخزوم کے صرف ایک ایک فرد شامل تھے۔ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے چھ گورنر تھے جن کا تعلق اس کی مختلف شاخوں سے تھا۔اس طرح وسطی و مرکزی قبائل کی نمائندگی اس شعبہ حکومت میں لگ بھگ چھپن فیصد تھی۔ تاہم

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۸۹

مدینہ منورہ کے ایک دوسرے قبیلہ اوس کو اس طبقہ میں کوئی نمائندگی نہیں ملی۔

مشرقی عرب کے قبائل میں سے صرف ثقیف اور طے کو نمائندگی ملی تھی۔ ان میں سے اول الذکر کے اگرچہ دو گورنر تھے لیکن ایک کی تقرری عارضی ثابت ہوئی۔ شمالی عرب کے کسی فرد کو یہ عہدہ نہیں ملا البتہ جنوبی عرب کے چھ طبقات و قبائل کے نو افراد اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے۔ ان میں سے دو ایرانی تھے۔ غیر منظّم قبائل میں سے صرف تمیم کے دو گورنروں کا ذکر ملتا ہے۔

زمانہ قبولِ اسلام کے لحاظ سے ۳۲ افراد میں سے صرف پانچ کو سابقین اولین کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ آٹھ دوسرے ہجرت سے کچھ قبل یا کچھ بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور بقیہ نے کافی تاخیر سے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں سے سات صلح حدیبیہ سے کچھ پہلے یا اس کے ما بعد زمانے کے مسلمان تھے۔ باقی فتح مکہ کے زمانے کے مسلمان اور طلقاء مکہ میں سے تھے۔ ان میں حضرت عتاب بن اسید اموی، حضرت ابوسفیان بن حرب اموی اور نوفل بن حارث ہاشمی شامل ہیں۔ ثقیف کے دونوں افراد حضرت ہبیرہ اور حضرت عثمان بھی فتح مکہ سے ذرا قبل اور بعد کے مسلم تھے۔اس تجزیہ سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اسلام سے پہلے کے گناہ وجرائم پر نہ کوئی مواخذہ تھا اور نہ ہی یہ سیاہ پس منظر قرار دیا جاتا تھا اور یہ اسلامی ریاست کے مناصب پر تقرری کے باب میں کسی طور سے اثر انداز نہ ہوتا تھا۔

ایک دو گورنروں کے سوا جن میں حضرت ابوسفیان اموی معمر ترین تھے بقیہ تمام گورنروں کا تعلق جوان نسل سے تھا۔ ان میں سے حضرت عتاب بن اسید اموی اور حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کے بارے میں ماخذ میں صراحت ملتی ہے کہ تقرری کے وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ یا بیس سال تھی۔ اسی طرح دوسرے بعض اہم ترین والیوں کی عمریں تیس چالیس سال کے درمیان تھیں یا اس سے بھی کم۔ اس حقیقت کو اس پس منظر میں دیکھنا چاہیے کہ ان نوجوانوں کو معمر اور اکابر صحابہ اور سن رسیدہ شیوخ و روساء پر ترجیح دی گئی تھی۔

۶۔ مقامی انتظامیہ (Local Administration)

مرکزی اور صوبائی انتظامیہ کے ماتحت مقامی انتظامیہ تھی۔ یہ نظام عرب کی قبائلی سرداری کے اصولوں پر قائم تھا۔ عملاً مقامی انتظام و انصرام کی ذمہ داری ہر رئیس و شیخ قبیلہ کی ہوتی تھی جو مختلف ماتحت خاندانوں کے شیوخ کے ساتھ مل کر علاقہ و قبیلہ کا نظم ونسق چلاتا تھا۔ قبائلی شیوخ کا تقرر

بنیادی طور پر ان کا اپنا داخلی معاملہ تھا لیکن اس کی منظوری اور تصدیق دربار رسالت سے بھی ضروری تھی کبھی کبھی آپ ازخود کسی قبیلہ یا گروہ کا سردار مقرر کردیتے تھے اور اس پر کسی نے دخل اندازی کا الزام نہیں لگایا۔

۷۔ مقامی منتظمین کا تقرر

(Appointment of Local Administrators)

مقامی منتظمین اور شیوخ قبیلہ بے شمار تھے۔ ان میں سابقین بھی تھے اور متوسطین و متاخرین بھی، جوان بھی تھے اور معمر و بوڑھے بھی یعنی ہر طبقہ و عمر کے افراد ان میں شامل تھے۔ جنھوں نے مختلف اوقات میں اسلام قبول کیا تھا۔ مقامی منتظمین میں شہر مدینہ کے نقیب بھی شامل ہیں۔ ان کی انتظامی ذمہ داری بھی کچھ اسی نوعیت کی تھی۔ [۱] ان کی تعداد شروع میں بارہ تھی جن میں سے نو خزرج اور تین اوس کے تھے۔ بعد میں بعض کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں کو مقرر کیا گیا ان کی کل تعداد اٹھارہ ہے۔ان میں سے خزرج کے بارہ افراد تھے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت سعد بن ربیع، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت رافع بن مالک، حضرت براء بن معرور، حضرت بشر بن براء بن معرور، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت منذر بن عمرو، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عمرو بن جموح اور حضرت مسیّب بن عمرو رضی اللہ عنہم۔ ان میں حضرت بشر اور آخری دو حضرات بعد میں کسی وقت تعینات ہوئے تھے۔اوس کے نقیب یہ تھے: حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعد بن خثیمہ، حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر، حضرت ابو الہیثم بن التیہان اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے موخر الذکر دو کا تقرر بعد کے زمانے میں ہوا۔ حضرت اسعد بن زرارہ خزرجی نقیب النقباء تھے مگر ہجرت کے معاً بعد ہی ان کی وفات ہوگئی اور حضور نبی اکرم نے وہ عہدہ جلیلہ بنفس نفیس سنبھال لیا۔ [۲]

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۴۹۱
۲۔ واقدی، کتاب المغازی، ۵۶۱
۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبریٰ، ۱: ۳۱۲
۴۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۱۳۴

(۲) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۲۰۴
۲۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۲۵۲
۳۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۲۰

۸۔ مارکیٹ آفیسرز کا تقرر
(Appointment of Market Officers)

مقامی منتظمین میں بازار کے افسروں کا ذکر بھی ملتا ہے جو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ شہر مدینہ اور دوسرے بازاروں میں حضور نبی اکرم کا اختیار و اقتدار بطور سربراہ مملکت کے قائم تھا تاہم آپ نے مدینہ کے لیے ایک مخصوص افسر بازار کا تقرر کیا تھا اوروہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ فتح مکہ کے فوراً بعد بنواُمیہ کے خاندان سعیدی کے ایک فرد حضرت سعید بن سعید اُموی کو مکہ کے بازار کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔ اگرچہ وہ طائف کے محاصرہ کے دوران شہید ہوگئے تھے۔ اس شعبہ میں ایک افسر اگر سابقین اولین میں سے تھا تو دوسرا متاخر مسلمانوں میں سے عمر کے اعتبار سے دونوں کا شمار جوانوں میں کرنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسر مستقل ہوتے تھے اور ان کو اس خدمت کا معاوضہ بھی ملتا تھا۔[1]

۹۔ تقرری کے لئے شرائطِ اہلیت (Eligibility for Appointment)

ریاست مدینہ میں افسروں، حکام اور ریاستی عہدیداروں کی تقرری کی اولین شرط اسلام پر پختہ عقیدہ تھا۔ اس کے بغیر تقرری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد دوسری اہم ترین شرط صلاحیت ولیاقت تھی اور یہ اتنی اہم اور ہمہ گیر شرط تھی کہ اس کے سامنے سبقتِ اسلام اور خدمات دینی بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔ سبقتِ اسلام یا دینی معلومات بذات خود اہم ترین خصوصیات ہیں اور دین و مذہب کے باب میں ان سے بہتر اور کوئی صفت شائد نہ ٹھہرے لیکن انتظام وانصرام میں انتظامی لیاقت، سیاسی تدبر، دنیاوی سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی اور حالات ومواقع کی واقفیت وغیرہ زیادہ اہم تھیں اور ان کی رعایت نبوی انتظامیہ میں ہمیشہ اور بھرپور کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ متاخر مسلمانوں اور نوجوان صحابہ کو اکابر صحابہ اور سابقین کرام پر اکثر و بیشتر ترجیح دی گئی۔

یہ حضور نبی اکرم کی حکمت اور تدبر تھا کہ آپ نے اکابر صحابہ کو انتظامی مشینری میں پوری طرح مدغم نہ کیا بلکہ ان کو مشیر و وزیر کے درجے میں رکھا۔ اس کی دو مصلحتیں تھیں:

اول یہ کہ ان کی معاملہ فہمی، تدبر اور اصابت رائے سے فائدہ اٹھایا جائے۔

---

(۱) ۱۔ الکتانی، التراتیب الإداریہ، ۱: ۲۸۴،
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۱۴۵

دوم یہ کہ انتظام و انصرام کی کبیدگی سے ان کو پاک و صاف رکھا جائے تاکہ عوام میں اپنے عہدوں اور مناصب کے سبب آلودہ داماں نہ گردانے جائیں اور ان کے ساتھ احترام، عقیدت اور محبت کے جذبات قائم رہیں۔ یہی سبب ہے کہ نبوی انتظامیہ میں نوجوان اور پرجوش صحابہ کو اکابر صحابہ پر ہر شعبہ انتظام میں ترجیح دی گئی۔

علاقائی اور قبائلی رعایت بھی وجہ تقرری بن سکتی تھی لیکن اس کی حیثیت ہمیشہ ثانوی رہی۔ رشتہ داری قرابت اور خاندانی تعلق نہ تو تقرری کی بنیاد بنتے تھے اور نہ ہی تقرری میں مانع تھے۔ حکومت نبوی کی اساس صلاحیت و لیاقت کے اوصاف پر رکھی گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر شعبہ و محکمہ میں پوری طرح مثالی اور کامیاب ثابت ہوئی۔

۱۰۔ ریاستی سیکریٹریٹ کے عہدیداران

(Office Bearers of State Secretariat)

حکومتِ نبوی کے انتظامی کار پردازوں میں کاتبینِ نبوی کو بڑی اہمیت حاصل تھی کہ وہ وحی الٰہی کے علاوہ معاہدات، خطوط اور فرامین کے لکھنے والے اور نبوی انتظامیہ کے سیکرٹری تھے۔ ان کی کم از کم تعداد پینتالیس تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو جب ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ موجود لوگوں میں سے کسی سے بھی یہ خدمت لے لیتے۔ البتہ مخصوص اور اہم خدمات کے لئے مخصوص حضرات ہی متعین تھے جیسا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام اسدی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مثالوں سے معلوم ہوتا ہے۔

کاتبینِ وحی میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت خالد بن سعید اموی، حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت شرجیل بن حسنہ کندی، اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی شامل ہیں۔[1] ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ جیسے حضرات شیخین بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ مدنی عہد میں وحی کے کاتبین تو متعدد تھے مگر کاتبِ اعظم کا عہدہ حضرت ابی بن کعب خزرجی رضی اللہ عنہ اور ان کے نائب کا منصب حضرت زید بن ثابت خزرجی رضی اللہ عنہ کو ملا تھا۔ ان کے علاوہ مکی عہد کے بعض حضرات بھی تھے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی، حضرت

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۶۷
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۶۱۰

مغیرہ بن شعبہ ثقفی، حضرت علاء بن عقبہ، حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہم اور ایک نامعلوم نصرانی نومسلم کے علاوہ ابن خطل کے نام بھی کاتبینِ وحی میں گنوائے جاتے ہیں۔[1] خطوط و فرامین لکھنے والوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابی بن کعب خزرجی، حضرت معاویہ اموی، حضرت خالداموی، حضرت مغیرہ ثقفی، حضرت علاء بن عقبہ، حضرت ارقم مخزومی، حضرت ثابت خزرجی، حضرت عثمان اموی، حضرت شرجیل کندی، حضرت جہیم بن صلت مطلبی، حضرت علاء بن حضرمی، حضرت عبداللہ بن زید انصاری، حضرت عبداللہ بن ابی بکر تیمی، حضرت محمد بن مسلمہ اوسی، حضرت زبیر بن عوام اسدی، حضرت قضاعی بن عمرو، حضرت ابان اموی، حضرت یزید بن ابی سفیان اموی، حضرت ابو سفیان بن حرب اموی، حضرت عامر بن فہیرہ تیمی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی، حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی، حضرت خالد بن ولید مخزومی، حضرت حاطب وحویطب (فرزندان عمرو) عامری، حضرت حذیفہ بن یمان غطفانی اوسی، حضرت حصین بن نمیر، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسی، حضرت عمرو بن عاص سہمی، حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی، حضرت ابوسلمہ مخزومی، حضرت عبدربہ اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی خزرجی رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

مخصوص معاملات کے کاتبوں میں حضرت حصین بن نمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ شامل تھے جو خفیہ امور تحریر کرتے تھے،[2] جبکہ حضرت زبیر بن عوام اور حضرت جہیم بن صلت صدقات ومحاصل کے کاتب تھے۔[3] حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اراضی کی پیداوار کے[4] اور حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام فرامینِ رسالت کے کاتب تھے۔[5] حضرت معاویہ اموی بھی ان میں شامل ہیں۔[6] حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسی نہ صرف کاتبِ نبوی تھے بلکہ

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۶۷

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۶۶
۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة، ۴: ۴۰۶

(۳) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۶۸
۲۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۵۳۲
۳۔ ابن أثیر، أسد الغابة، ۱: ۳۱۱

(۴) ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ۲: ۱۴۲

(۵) الکتانی، التراتیب الإداریة، ۱: ۱۲۳

(۶) بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۵۳۲

صاحبِ خاتمِ نبوی بھی تھے۔ ایک روایت کے مطابق یہی خدمت حضرت حنظلہ بن ربیع اسدی رضی اللہ عنہ بھی انجام دیتے تھے؛(۱) لیکن سب سے بڑے اور صحیح معنوں میں آپ کے سیکرٹری حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ تھے جو آپ کے خانگی اُمور کے نگراں، قرض و ادھار کے منتظم، میزبانی کے مہتمم، اذن و اجازت دلوانے والے، سترہ بردار، وضو کے پانی کا انتظام کرنے والے، انعام کی رقم عطا کرنے والے، خازن وخزانچی، منادی ومعلن، سفیر اور متعدد دوسرے فرائض و اُمور کے نگران تھے۔(۲)

قبولِ اسلام کے لحاظ سے ان کاتبوں کا تعلق سابقین، متوسطین اور متاخرینِ اسلام تینوں طبقات سے تھا۔ کم وبیش سترہ سابقینِ اولین میں سے تھے جبکہ بقیہ میں سے اکثر متاخرین میں شامل تھے۔ اکثر و بیشتر جوان طبقہ کے تھے۔ تقریباً ۳۱ حضرت کا تعلق وسطی قبائل قریش و انصار سے تھا جبکہ بقیہ میں سے اکثر ان کے حلیفوں میں شامل تھے۔ ایک دو کے سوا جن کا تعلق مشرقی ومغربی قبائلِ ثقیف و اسلم سے تھا سب کے سب مکہ کے مہاجر یا مدینہ کے انصار اور باشندے تھے۔ ان سب کی تقرری ان کے کاتب ہونے کی صلاحیت کے علاوہ ان کی دیانت و امانت اور اعلیٰ کردار کے سبب ہوئی تھی۔

۱۱۔ ہنگامی تقرریاں (Temporary/Emergency Postings)

ہنگامی انتظامی اُمور کی انجام دہی اور بعض احکامِ شریعت کے نفاذ کیلئے حضور نبی اکرم ﷺ نے چند مخصوص افسروں کو بھی مقرر فرمایا تھا۔ اس ضمن میں سب سے مشہور واقعہ حضرت سعد بن معاذ اوسی رضی اللہ عنہ کے بنوقریظہ کے معاملہ میں حَکَم بنائے جانے کا ہے۔(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن عبدربہ، العقد الفرید، ۲: ۱۲۲

۲۔ ابن أثیر، أسد الغابة، ۴: ۴۰۳؛

۳۔ کتانی، التراتیب الإدرایة، ۱: ۱۷۸

(۲) ۱۔ أبونعیم، حلیة الأولیاء، ۱: ۳۴۹

۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۲۴۸

۳۔ ابن إسحاق، السیرة النبویة: ۴۴۶

(۳) ۱۔ ابن إسحاق، السیرة النبویة: ۴۶۹

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۳۵

۳۔ واقدی، کتاب المغازی: ۵۱۰

۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۷۵

۵۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۳۴۷؛

۶۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۵۸۳

اس طبقہ عمال میں سب سے اہم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے جن کی تین مواقع پر تقرری کی گئی۔ دو بار بنو جذیمہ اور بنو جذام کے مقتولوں کی دیت یا خوں بہا ادا کرنے اور ان کے قیدیوں کو واپس کرنے کے لئے مقرر ہوئے تھے اور ایک بار فتح مکہ کے دوران بعض پرجوش مسلمانوں کی غلطی سے ہونے والی خوں ریزی کا معاوضہ ادا کرنے پر مامور ہوئے تھے۔[1]

غزوہ تبوک کے زمانے میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہ نے غزوہ سے قبل منافقین کے ایک سازشی مرکز کو منہدم کیا تھا[2] تو غزوہ کے بعد حضرت مالک بن دخشم اوسی رضی اللہ عنہ اور حضرت محن بن عدی اوسی رضی اللہ عنہ نے ان کی مسجد ضرار کو مسمار کیا تھا۔[3] حضرت انیس بن ضحاک سلمی رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ کی ایک عورت پر زنا کی حد جاری کی تھی جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی کی آدھی دولت بطور جرمانہ ضبط کی تھی۔ دو بھائیوں کے درمیان ایک جائیداد کے معاملے پر جھگڑے کو سلجھانے کے لئے حضرت حنظلہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے خون کھانے کی حرمت کے قانون کا نفاذ کیا تھا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اس حکم الٰہی کا اعلان کیا تھا کہ فتح کے چار ماہ بعد مکہ میں کافروں کا داخلہ ممنوع ہو گا۔ خیبر کے زمانے میں بعض ماکولات و مشروبات اور لین دین کے معاملات کے حرام ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اسی طرح اس زمرہ میں حضرت علاء بن عقبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ارقم رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔[4] بارہ افسرانِ خصوصی میں سے تین کا تعلق قریش کے خاندانوں ہاشم، تمیم اور عدی سے تھا جبکہ خزرج کا کوئی فرد ان میں شریک نہیں تھا البتہ اوس کے چار حضرات کو یہ اعزاز ملا تھا۔ بقیہ قبائل میں ازد، اسلم اور غطفان کے افراد تھے۔ قریشی افسران سابقین اولین میں سے تھے جبکہ بقیہ کا تعلق مدنی عہد سے ہے البتہ بہ اعتبار عمر سب کا تعلق جوانوں کے طبقہ سے تھا۔

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۲: ۴۳۰؛
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۸۲۲
۳۔ ابن خلدون، تاریخ، ۲: ۸۱۰

(۲) ۱۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۸۱۹
۲۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۳: ۵۹

(۳) ۱۔ القرآن، التوبه، ۹: ۱۰۷
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۰۴۶

(۴) ۱۔ ابن أثير، أسد الغابة، ۱: ۱۳۳
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۰۷۶

۱۲۔ ریاست مدینہ کے نشریاتی ترجمان

(State Media of Madina)

ابتدائے اسلام کے عرب معاشرے میں شعر و خطابت کو ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا کیونکہ وہ ابلاغ و ترسیل کے طاقتور اور مؤثر ترین ذرائع تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی سبب سے شعراء و خطباء کی صلاحیتوں کو اسلام اور ریاست کے مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال فرمایا۔ خطابت تو خود جناب رسولِ اکرم ﷺ کی ایک ذاتی صفت تھی تاہم ایک موقع پر آپ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس خزرجی رضی اللہ عنہ کو بھی یہ فریضہ سونپا۔ آپ کے مستقل شعراء حضرت حسان بن ثابت خزرجی، حضرت کعب بن مالک خزرجی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ تینوں مدنی اور صاحبِ طرز شاعر تھے اور ان میں حضرت حسان کافی معمر تھے ایک اسلمی صحابی حضرت عامر بن سنان رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر شعراء دربارِ رسالت میں ملتا ہے۔(۱)

۱۳۔ حاجب اور آذن (Protocol Officers)

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذمے حضور نبی اکرم ﷺ کے در اقدس کی دربانی تھی۔ یہ خدمت حضرت عویم بن ساعدہ اوسی، حضرت رباح اسود حبشی، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت انس بن مالک خزرجی رضی اللہ عنہم نے انجام دی جبکہ آپ کے مستقل دربان، حاجب اور آذن (اجازتِ نبوی حاصل کرنے والے) حضرت عبد اللہ بن زمعہ اسدی قریشی رضی اللہ عنہ تھے جو اواخر مدنی عہد میں مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے تھے اور مستقل دربانی کا فرض مسلسل انجام دیتے تھے۔ حضرت رباح رضی اللہ عنہ اور حضرت عنبہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے موالی اور مکی عہد کے مسلمان تھے، جبکہ حضرت عویم ابتدائی مدنی عہد کے مسلم تھے اور بقیہ اواخر مدنی عہد کے تاہم ان سب کا تعلق جوانوں کے طبقہ سے تھا۔ یہ دربانی رضا کارانہ تھی اور وہ عوام الناس کے لئے کوئی حجاب نہ تھی بلکہ عوامی رابطہ اور پل کا کام انجام دیتی تھی۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية: ۱۷۴
۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۲۳
۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۹۴؛
۴۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۸۹
۵۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية، ۳: ۳۷۲

(۲) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۱۷۸
۲۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۴۷۸

۱۴۔ محافظین (Security Gaurds)

ریاست مدینہ میں موجود حالات کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کی ذاتی حفاظت کے لئے بھی کئی صحابہ کرام کی تقرری کی گئی تھی:

۱۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے میدان میں العریش کے باہر نگران و محافظ کے طور پر مقرر تھے۔(۱)

۲۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں حضور نبی اکرم ﷺ کے مکان پر محافظ دستے کے افسر کے طور پر مقرر تھے۔(۲)

۳۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں پچاس سپاہیوں کے دستہ کے افسر متعین تھے۔

۴۔ حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں شیخین کے مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ کے محافظ کے طور پر فرائض سرانجام دیئے۔

۵۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حمراء الاسد میں حضور نبی اکرم ﷺ کے محافظ تھے۔

۶۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ حمراء الاسد میں حضور نبی اکرم ﷺ کے محافظ تھے۔

۷۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے حمراء الاسد میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔

۸۔ حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے حمراء الاسد میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔

۹۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے حمراء الاسد میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔

۱۰۔ حضرت عبید بن اوس رضی اللہ عنہ نے حمراء الاسد میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱:۳۱۶

۲۔ حلبي، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۲:۴۰۱

(۲) حلبي، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۴:۱۳۷

۱۱۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے حمراء الاسد میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیے۔[۱]

۱۲۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے ذات الرقاع میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔

۱۳۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ذات الرقاع میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔[۲]

۱۴۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔

۱۵۔ حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔

۱۶۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے وادیُ القریٰ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیئے۔[۳]

۱۷۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے بھی غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کے ذاتی محافظوں کے طور پر خدمت انجام دی۔

حضور اکرم ﷺ نے سیکورٹی کے اِنتظامات کو بہتر بنانے کے لئے جاسوسی کا نظام بھی قائم فرمایا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ذاتی حفاظت کے علاوہ دشمن اور اس کے لشکر کے رازوں اور ان کے معاملات سے آگاہی بھی ہوتی رہے۔ ایسے بہت سے صحابہ کرام تھے جنہیں آپ ﷺ نے جاسوسی (intelligence) کے فرائض سونپ رکھے تھے۔ اسی طرح سکیورٹی کے لیے آپ ﷺ نے گشتی دستے بھی تشکیل دیئے۔

حفاظتی انتظامات کے ذیل میں گھوڑوں اور اسلحے کا انتظام بھی کیا گیا تھا اور ان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

---

(۱) واقدي، المغازي: ۳۳۴

(۲) حلبي، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۴: ۲۶۷

(۳) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳: ۲۸۹

۲۔ حلبي، إنسان العيون فی سيرة الأمين المأمون، ۵: ۱۹۴

متعین کئے گئے تھے۔ اس نوع کی ڈیوٹی انجام دینے والے صحابہ کرام ﷺ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۲) حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت اوس رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عبیدالرحمٰن بن اسد رضی اللہ عنہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی حفاظتی خدمت کے حوالے سے کتنے زیادہ محتاط و باخبر تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ غزوۂ بدر میں آپ ﷺ کی قیام گاہ کے باہر حفاظتی دستہ پہرہ دے رہا تھا۔ مسلسل جاگتے رہنے سے آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی آپ ﷺ جب آرام فرمانے لگے تو ڈیوٹی پر موجود حفاظتی دستے کے بارے میں اطمینان محسوس نہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود بے نیام تلوار لے کر آئے اور پہرے دار بن کر کھڑے ہو گئے اور سکیورٹی کی ڈیوٹی انجام دی۔ اُن کے ساتھ سکیورٹی گارڈز میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر بھی پہرہ دیا۔ حضرت زبیر بن عوف رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے موقع پر یہ فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت اسد بن وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ نے مختلف مواقع پر وادیوں میں اور مختلف سفروں کے دوران پہرہ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ فیملی گارڈ کے طور پر مامور تھے۔ ایک صحابی مہرِ نبوت کی حفاظت پر مامور تھے کہ یہ کہیں چوری نہ ہو جائے۔

۱۵۔ مملکتِ مدینہ کے سفیر (Ambassadors of the State)

ریاست مدینہ کے بقیہ ممالک سے تعلقات استوار کرنے کے لئے آپ نے سفیروں کا تقرر فرمایا۔ ان کے ضروری اوصاف حکمت وفراست، دیانت و امانت، طلاقت وفصاحت اور شخصیت و جاذبیت تھے۔ موقع ومحل کے لحاظ سے اہلیت بھی ایک اضافی صفت تھی۔ کچھ سفیر تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے گئے تھے کچھ صلح کے معاہدے کرنے کے لئے بعض نے لوگوں کو امان دی تھی بعض دوسروں نے غیر ممالک سے مسلم طبقات کی واپسی کا انتظام کیا تھا۔ بعض نے تحائف پہنچائے تھے بعض نے کافروں کو ان کے کفر کے برے نتائج سے آگاہ کیا تھا۔[۱] یعنی آپ نے مختلف مواقع پر سفراء کو مختلف امور کی انجام دہی سونپی تھی۔ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اسلامی سفیروں کی پہلی تقرری عسکری یا نیم عسکری مہموں کے زمانے سے شروع ہوتی ہے۔[۲] سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تقرری کا

(۱) الكتاني، التراتيب الإدارية، ۱: ۱۹۴

(۲) بلاذري، أنساب الأشراف، ۱: ۲۹۲

ذکر غزوہ بدر کے ضمن میں ملتا ہے جب کہ انہوں نے قریش کو جنگ سے باز رہنے کی دعوت دی۔[1] حضرت محمد بن مسلمہ اوسی رضی اللہ عنہ کو بنوقینقاع اور ان کے بعد بنونضیر کے یہود کو فیصلہ نبوی سے آگاہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔[2] اسی طرح بنوقریظہ کو جنگ احزاب کے دوران سازش سے روکنے اور معاہدہ صلح و اتحاد یاد دلانے کی غرض سے حضرت سعد بن معاذ اوسی، حضرت سعد بن عبادہ خزرجی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی رضی اللہ عنہم کو بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ بھیجا گیا۔[3] صلح حدیبیہ کے دوران قریش مکہ سے صلح کی گفت و شنید کے لئے کم از کم تین سفیروں حضرت خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ کی تقرری عمل میں آئی۔[4]

دوسرے عرب قبائل اور شیوخ کے پاس جو نبوی سفارتیں روانہ کی گئیں ان کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کو شاہانِ یمامہ کے پاس دعوتِ اسلام دے کر بھیجا گیا۔ اسی زمانے میں حضرت علاء بن حضرمی، حضرت عمرو بن عاص سہمی اور حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہم کو بالترتیب بحرین، عمان اور حمیر (یمن) کے بادشاہوں کے دربار میں روانہ کیا گیا۔ متعدد دوسرے سفیروں میں حضرت نمیر بن خرشہ ثقفی، حضرت ظبیان بن مرثد سدوسی، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی، حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی اور حضرت علقمہ و حضرت عمرو خزاعی رضی اللہ عنہم کو بالترتیب قبائل طائف، بکر بن وائل، حمیر، اسقفِ نجران اور ابوسفیان بن حرب اموی کے پاس روانہ کیا گیا۔ پہلی چار

---

(۱) واقدی، کتاب المغازی: ۶۱

(۲) ۱۔ واقدی، کتاب المغازی: ۳۶۶

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۵۷

(۳) ۱۔ ابن إسحاق، السیرۃ النبویۃ: ۴۵۳

۲۔ ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۳۰۳

۳۔ واقدی، کتاب المغازی: ۴۸۵

۴۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۵۵۲

(۴) ۱۔ ابن ھشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۳۱۵

۲۔ واقدی، کتاب المغازی: ۶۰۰

۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲: ۹۶

۴۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۶۳۰

۵۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۷۸۵

سفارتیں کلی طور پر مذہبی اور سیاسی تھیں جبکہ آخری دو سفارتیں قریش کے حاجت مندوں کے لئے مالی امداد لے کر گئی تھیں۔ اسی مقصد کے لئے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی ایک اور سفارت بھیجی گئی۔ (۱)

حیاتِ نبوی کے آخری زمانے میں بعض سفارتیں مختلف قبائلِ عرب کے پاس بھیجی گئی تھیں چنانچہ اس ضمن میں حضرت دبر بن عمیس خزاعی رضی اللہ عنہ (ابناء یمن اور ان کے شیوخ کے پاس) حضرت فرات بن حیان عجلی رضی اللہ عنہ (بنوحنیفہ کے ایک مسلم سردار حضرت ثمامہ بن اثال کے لئے) حضرت اقرع بن حابس حمیری رضی اللہ عنہ (شاہانِ زود اور مران کے دربار میں) حضرت صلصل بن شرجیل رضی اللہ عنہ (قبیلہ بنی عامر کے علاقہ میں) حضرت ضرار بن الازوری اسدی رضی اللہ عنہ (ان کے اپنے قبیلہ کے بطون بنوصیداء اور بنوویل کے پاس) حضرت زیاد بن حنظلہ تمیمی رضی اللہ عنہ اور حضرت نعیم بن مسعود اشجعی غطفانی رضی اللہ عنہ کو ان کے اپنے قبیلوں کے درمیان بھیجے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح یمامہ کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے پاس کم از کم تین سفارتیں بھیجنے کا حوالہ آیا ہے، بالترتیب حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ، حضرت حبیب بن زید خزرجی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن وہب اسلمی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھیں۔ حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ اور حضرت ام حکیم بنت ہشام مخزومی رضی اللہ عنہا نے بطور سفیرانِ نبوی صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل کو امان کا پیغام پہنچایا تھا۔ اس کے علاوہ متعدد سفارتیں عرب قبائل اور ان کے سرداروں کی طرف بھیجی گئی تھیں۔ (۲)

صلح حدیبیہ کے فوراً بعد رسول اکرم ﷺ نے کئی ممالک کے بادشاہوں اور ان کے عرب باجگذاروں کے پاس تبلیغ اسلام اور سیاسی مفاہمت کے لئے کئی سفیروں کو روانہ کیا۔ ان میں حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی، حضرت عمرو بن امیہ ضمری، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، حضرت شجاع بن وہب اسدی اور حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہم شامل تھے جو بالترتیب رومی شہنشاہ ہرقل، ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز، نجاشی حبشہ اصحمہ، مقوقس مصر، شاہِ شام اور حارث بن عمیر غسانی

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳: ۲۰۷

۲۔ ابن إسحاق، السيرة النبوية، ۲۵۴

۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۲۶۲

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۲۵۸

۲۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۷۸

شاہِ بصرہ کے درباروں میں اسلام کا پیغام لے کر گئے تھے۔[1]

ریاست مدینہ کے سفیروں کی تعداد انتالیس (۳۹) ہے جبکہ ان کی کل تقرریوں کی تعداد تینتالیس (۴۳) ہے۔ یعنی بعض حضرات نے ایک سے زیادہ مرتبہ یہ خدمت انجام دی تھی۔ مرکزی عرب کے قبائل میں قریش کے آٹھ افراد نے آٹھ مواقع پر سفارت کا عہدہ سنبھالا تھا۔ ان میں بنو مخزوم اور بنو مہم کے دو دو افراد جبکہ بنو ہاشم، بنو امیہ اور بنو عامر بن لوی کا صرف ایک ایک فرد شامل تھا۔ زمانہ قبل اسلام میں عہدہ سفارت رکھنے والے خاندان بنو عدی (خاندانِ عمر بن خطاب) کا صرف ایک نمائندہ سفارت کے منصب پر فائز ہوا۔ بقیہ مرکزی قبائل میں خزرج کے دو اور اوس کے دو افراد نے تین تین بار سفارت کا فرض انجام دیا تھا۔ شمالی عرب کے قبیلے کلب کے تین افراد نے دو بار اور لخم کے ایک سفیر نے ایک بار پیغام نبوی پہنچایا تھا۔

مشرقی قبائل میں ہوازن، خزیمہ اور غطفان کے بالترتیب تین دو اور ایک سفیر تھے۔ مغربی قبائل میں خزاعہ کے سات سفراء نے باری باری یہ خدمت انجام دی تھی کنانہ کے ایک سفیر نے تین مواقع پر اور ازدشنوہ کے ایک سفیر نے ایک بار عہدہ سفارت سنبھالا تھا۔ جنوبی قبائل میں بجیلہ، سدوس، حضرموت اور حمیر کے بالترتیب دو دو اور ایک ایک سفیر تھے۔ منتشر قبائل میں صرف تمیم کے ایک سفیر کو نمائندگی ملی تھی۔ جہاں تک ان سفیروں کے زمانہ قبول اسلام کا تعلق ہے تو ان میں سے صرف ایک چوتھائی کا تعلق سابقین اولین کے طبقہ سے تھا اور اس سے کچھ کم کا متوسطین کے طبقہ سے اور بقیہ کا متاخرین کے طبقہ سے تھا۔ عمر کے اعتبار سے غالب ترین اکثریت جوانوں کی تھی۔

---

(۱) ۱۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ۳: ۲۰۷

۲۔ ابن إسحاق، السيرةالنبوية: ۶۵۲

۳۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۱: ۲۵۸

۴۔ بلاذری، أنساب الأشراف، ۱: ۵۲۱

۵۔ طبری، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۶۴۴

اِسلام کے نظامِ ریاست کی توسیع اور تسلسل

(Enhancement and Continuity of Islamic System of State Administration)

وہ نظام ریاست جو حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں قائم فرمایا اس نے نہ صرف اپنے زمانے کو متاثر کیا بلکہ آپ کے بعد بھی ایک روایت اور تہذیب کی صورت میں جاری و ساری رہا۔ اس نظام کے اثرات پوری دنیا میں مرتب ہوئے۔ اسلام نے صدیوں تک دنیا کے ایک وسیع علاقے پر حکمرانی کی جو اسلامی تہذیب کی تشکیل کا حصہ بنی۔ اسلامی تہذیب و مسلم حکمرانی کے خدوخال کے تعین میں کلیدی کردار ریاست مدینہ نے ہی ادا کیا۔ یہاں ہم مدینہ کے نظام ریاست کے تسلسل کے باب میں مسلم سپین کے ریاستی نظام کے کچھ گوشوں کو بیان کرتے ہیں۔

ا۔ مسلم سپین میں ریاستی انتظام

(State Administration in Muslim Spain)

(ا) اسلام کے سپین پر اثرات (Influence of Islam on Spain)

سپین میں مسلمانوں کی آمد سے انقلابی نوعیت کی سماجی تبدیلیاں آئیں اور وہاں کئی طرح کی ایسی برائیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا جن برائیوں میں سپین کے لوگ صدیوں سے مبتلا تھے۔ آٹھویں صدی کے آغاز تک وزی گوتھک (Visigothic) اور ہسپانیہ کے رومن (Hispanio-Roman) شرفاء نے آپس میں مل کر اکٹھ بنایا ہوا تھا اور وہ واحد استحقاق یافتہ گروہ تھا جو وہاں حکمران تھا۔ وہ اور ان کے ساتھ کلیسا کے لوگ آلام بشپ اور بشپ حکومت کا نظام چلانے میں مرکزی اور اہم کرادار ادا کرتے تھے اور ان سب کا تعلق سپین کے بالائی طبقے سے تھا۔[1] عربوں نے اہل سپین سے کبھی بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیں۔ ان میں سے اکثر کا تعلق اہل کتاب سے تھا لہٰذا عیسائیوں کو جو اکثریت میں تھے اور یہودیوں کو جو اقلیت میں تھے

(1) Will Durant, *The Age of Faith*, pp. 114, 349, 423.

ہتھیار ڈالنے کے بعد اپنے پرانے عقائد، رسوم و رواج اور دیگر باتوں پر بغیر کسی رکاوٹ کے عمل کرنے کی اجازت دی۔[۱] مسلم حکومت بہت زیادہ برداشت والی تھی اور کچھ حکمران بہت ہی زیادہ لبرل تھے انہوں نے معاہدے کی تمام دفعات کی پاسداری کی۔[۲] مسلمان حکمرانوں نے برداشت اور رحم پر مبنی رویہ کے ذریعے لوگوں کے دل جیت لئے اور مساوات اور انصاف کے ذریعے انہوں نے لوگوں کے سماجی مرتبہ کو بھی بلند کیا۔ سپین کے بہت سے لوگ جن سے گوتھوں کے زمانہ اقتدار میں برا سلوک ہوا اور ان پر تشدد اور ظلم کیا گیا انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسلام قبول کر لیا وہ اسلام کی طرف خود راغب ہوئے تھے، انہیں اسلام قبول کرنے پر کسی نے مجبور نہیں کیا۔[۳] یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ان کے بہت زیادہ قبول اسلام کی حکمرانوں نے اقتصادی اسباب کی وجہ سے حوصلہ افزائی نہیں کی، کیونکہ بہت زیادہ غیر مسلموں کے مسلمان ہو جانے سے وہ زیادہ اقتصادی فوائد حاصل کر سکتے تھے اور اس سے ریاست کے حکمرانوں کو مالی اور معاشی نقصان ہو سکتا تھا۔[۴]

(۲) اسلامی کلچر کے اثرات (Influence of Islamic Culture)

عربی زبان کے تخیل اور شیرینی نے مقامی لوگوں کو بہت زیادہ متاثر کیا حتی کہ انہوں نے عربی زبان سیکھنا شروع کر دی۔ عربی زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اہل عرب کے اطوار اور رواج کو بھی نقل کرنا شروع کر دیا گو کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس طرح اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرے میں یہ ایک الگ طبقہ وجود میں آ گیا۔ لیکن کچھ انتہا پسند عیسائیوں نے ان معتدل عیسائیوں کی عربی روش اطوار اور طرزِ زندگی پر سختی سے تنقید کرنا شروع کر دی اور انہیں لعن طعن کرنے لگے۔ سپین میں موجود اظہارِ رائے کی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اس پراپیگنڈہ کو خوب ہوا دی حتی کہ بعض اوقات وہ مسلمانوں کی مسجدوں میں بھی داخل ہو جاتے اور وہاں پر اسلام کے خلاف طعن و تشنیع کرتے۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں انہوں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لیا۔[۵]

---

(1) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 32.
(2) i. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 33.
ii. Gaspar Remiro, *de Historia de Murcia Musulmana*, pp. 4-37.
(3) Emilio Garcia Gomez, *de Historia de España*, p. 46.
(4) i. Emilio Garlica Gomez, *Historia*, p. 46.
ii. Levi-Provencal E., de Histoire de L'Espagne Musulmane, p. 32.
(5) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, pp.19, 34.

(۳) سربراہِ مملکت (Head of State)

سپین کا امیر یا خلیفہ ریاست کا دنیاوی اور دینی و روحانی حکمران ہوتا تھا اگرچہ وہ موروثی اقتدار کا حامل ہوتا تھا مگر اس کی تقرری شرفاء کی رائے کے ذریعے کی جاتی تھی۔ خلیفہ ہی حاجب کی تقرری کرتا تھا جو سول انتظامیہ کا ذمہ دار تھا اور وہ قاضی کی تقرری کرتا تھا جو عسکری اور سول عدلیہ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایک طاقتور امیر یا خلیفہ ریاست کے تمام معاملات کو چلانے کا مختارکل ہوتا تھا اور وہ کسی بھی طرح سے اپنے حقوق اور اختیارات میں یا اپنی رعایا کے حقوق میں کوئی مداخلت برداشت نہیں کرتا تھا وہ نہ صرف یہ کہ رعایا کی بہتر فلاح و بہبود کے لئے مختلف سرکاری عمال کی تقرریاں کرتا تھا بلکہ اکثر وہ اپنی فوجوں، دفتروں اور صوبوں کے دورے بھی کرتا تھا تاکہ وہ حالات سے باخبر رہ سکے۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات شعراء، فلسفیوں اور سائنسدانوں کے مابین گزارتا تھا۔[1]

(۴) ریاستی اِدارے (State Institutions)

ریاستی ادارے، مرکزی حکومت کے دفاتر محل (Alcazar) کے باب السدیٰ میں پل کے ساتھ واقع تھے۔ خلیفہ کی ماتحت سرکاری مشینری عموماً تین حصوں میں تقسیم تھی۔ انتظامیہ، عدلیہ اور فوج کے شعبے جو ایک دوسرے سے بالکل آزاد تھے ان شعبوں کے اعلیٰ ترین مناصب اور عہدوں پر عرب، بربر، موالی اور ثقالبیہ کی تقرری کی گئی تھی تاہم یہودیوں اور عیسائیوں کو حکومت کے اعلیٰ منصبوں سے الگ نہیں رکھا گیا تھا۔ ان تمام اداروں کے مرکزی ہیڈکوارٹر دارالخلافہ میں خلیفہ کے محل کے اردگرد واقع تھے۔ ججوں، محتسبوں، کاتبوں، خازنوں اور آرمی افسروں کی تقرری کے لئے ان لوگوں کو طویل ترین ٹریننگ کے عمل سے گزرنا پڑتا تھا اس طرح فقیہہ، مشاور، صاحب الشرطہ، صاحب المظالم اور صاحب المدینہ کی تقرری کے لئے بھی طویل ترین تجربے کی ضرورت تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی تقرری کی جاتی تھی اور وہ لوگ ہر چیز کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے تھے اس لئے انہیں ایک شعبے سے دوسرے شعبے میں بھی تبدیل کیا جاتا تھا اور بعض اوقات وہ ایک وقت میں دو مختلف منصبوں پر بھی فائز ہوتے تھے۔ انتظامی افسر بیک وقت عسکری اور عدلیہ کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہوتے تھے۔[2]

(۵) حاجب (Hajib)

بادشاہ کے ماتحت صاحب اختیار شخص جو دربار میں سب سے زیادہ عز و شرف کا حامل ہوتا

---

(1) Will Durant, *The Age of Faith*, pp. 235, 280.

(2) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 62

تھا حاجب کہلاتا تھا وہ خلیفہ کو عوام الناس کی آنکھوں سے دور رکھتا تھا وہ چیمبرلین (Chamberlain) یا مجلس وزراء کا صدر ہوتا تھا اور تمام تر شاہی اختیارات کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔(۱)

(۶) وزارت (Ministry)

امیر یا خلیفہ حکومت کا اعلیٰ ترین سربراہ ہوتا تھا اور ملک کی انتظامیہ اور انتظام و انصرام چلانے کے لئے وزراء ہوتے تھے۔(۲)

سپین میں وزراء کے پاس چھوٹے چھوٹے دفاتر ہوتے تھے جو حاجب کے ماتحت کام کرتے تھے جو کہ مرکزی سیکرٹریٹ کا ذمہ دار اور اعلیٰ ترین عہدیدار تھا۔ عبدالرحمٰن اول کے زمانے میں وزیر کی جگہ بہت سی تعداد میں شیخ ہوتے تھے جو اپنے تجربے کی بنیاد پر اس کو مشورے اور تجاویز دیتے تھے۔ ہر وزیر ایک خاص شعبے کا ذمہ دار اور نگران ہوتا تھا۔

مملکت کے چار بڑے محکمے تھے مالیات، عدل و انصاف، امورِ خارجہ اور امورِ جنگ۔ کسی بھی سرکاری محکمے کا انچارج وزیر شرفاء کے حلقے میں ایک اہم منصب کا حامل ہوتا تھا۔ کسی بھی وزیر کی ایک منصب سے دوسرے منصب پر ترقی کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ اس سے پچھلا منصب لے لیا گیا ہے بلکہ اکثر اوقات ترقی کا مطلب اس کی شرافت ونجابت اور تنخواہ و اعزازیے میں اضافہ ہوتا تھا۔ بعض اوقات وہ دو وزارتوں کا نگران بھی ہوتا تھا۔ اسے ذوالوزارتین کہتے تھے مثلاً امیہ کے زمانے میں عبدالرحمٰن سوم کے ماتحت ابن شُہید کے پاس دو وزارتیں تھیں اس طرح ناصری دور میں ابن الخطیب کے پاس دو وزارتیں تھیں۔ وزیر خلیفہ کا نائب یا نمائندہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ خلیفہ کے ساتھ خط و کتابت وزیراعظم کے ذریعے کرتا تھا جسے سپین میں حاجب کہتے تھے۔(۳)

(۷) گورنر (Governor)

مسلمانوں کے دور اقتدار میں سپین اور جنوبی فرانس پر حکمران گورنر ہوتا تھا اسے امیر یا والی

(1) i. De Slane, *Prolegomenes*, p. 11, 13.
ii. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 64.
iii. Lopez, *Contribuciones*, pp. 110-111.

(2) Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, II, p. 91.

(3) i. Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, II, p. 150.
ii. R. Levi, *An Introduction to Sociology of Islam*, II, p. 261.

کہتے تھے۔ اس کا مرکز حکومت اور پایہ تخت پہلے قرطبہ تھا۔ ملک کی سول اور فوجی انتظامیہ کا انتظام و انصرام گورنر کے ہاتھ میں تھا۔ تاہم revenue اکٹھا کرنے کا کام ایک اور کارندے کے ذمے تھا جسے عامل کہتے تھے جو گورنر کی ماتحتی سے کلیتاً آزاد تھا اور اس کی تقرری براہِ راست خلیفہ کرتا تھا۔ عام طور پر والی ہی صوبائی افسروں کی تقرری کرتا تھا جن میں صوبائی صاحب الخراج، قاضی، کاتب اور دوسرے لوگ شامل ہوتے تھے اور وہ خلیفہ کو ان تقرریوں کی صرف اطلاع دیتا تھا۔ سپین کا گورنر کم و بیش بالکل آزادانہ طور پر حکومت کرتا تھا۔ اگرچہ رسمی طور پر وہ افریقہ کے گورنر جنرل کے ماتحت تھا اس کی تقرری کبھی تو گورنر جنرل کرتا تھا اور کبھی خلیفہ خود کرتا تھا۔ (۱)

(۸) سیکرٹریٹ (Secretariat)

سیکرٹریٹ کو دیوان یا خطہ کہتے تھے اور یہ وزارت کی ہی طرح بہت اہم تھا اس کا سربراہ چیف سیکرٹری ہوتا تھا جو خدمۃ الخلافۃ کا انچارج ہوتا تھا اس کا کام یہ تھا کہ وہ ریاست کے معاملات کی نگرانی کرے اور اس کی آمدن اور خرچ کو کنٹرول کرے وہ عہدے میں وزیر کے برابر ہوتا تھا اور اس جتنی ہی تنخواہ لیتا تھا۔ دیوان کو مزید دو شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک کا نگران 'کاتب الرسائل' یا 'صاحب الرسائل' تھا اور دوسرے کا 'کاتب الضمان' اسے 'صاحب الاشغال الخارجیۃ' بھی کہتے تھے۔ پہلے کا کام سرکاری خط و کتابت کے فرائض انجام دیتا تھا جبکہ دوسرا پبلک فنانس کو دیکھتا تھا۔ کتاب الرسائل، صاحب البرید جسے پوسٹل سروسز کا انچارج بھی کہتے تھے کے ذریعے کام کرتا تھا اور وہ خط و کتابت کے شعبے کا سربراہ تھا۔ اسے بہت ہی زیادہ موثر افسر تصور کیا جاتا تھا۔ امیہ ابن زید جو معاویہ ابن مروان کے ساتھ بھی متعلق رہا تھا اس نے یوسف الفہری اور عبدالرحمٰن اول کے زمانے میں اس منصب پر کام کیا تھا اس میں کونسل کے خط و کتابت کے معاملہ میں حصہ لیا اور اپنے تجربے و قابلیت پر اس کو بہت ناز تھا۔ دسویں صدی عیسوی کے درمیان خط و کتابت اور رسل و رسائل کا شعبہ بہت ہی زیادہ اہمیت اختیار کر گیا اور اسے ۳۴۴ھ/ ۹۵۵ء میں کئی ذیلی دفاتر میں تقسیم کیا گیا تھا جو کئی افسروں کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔

جواہر ابن ابی عبدہ کو تمام خط و کتابت کی نگرانی کا سربراہ مقرر کیا گیا تھا۔ جس کا تعلق مرکزی انتظامیہ کے ساتھ تھا جبکہ عیسیٰ بن فُتے کا کام ان سرکاری خطوں کو دیکھنا تھا جو سرحدوں اور محاذوں سے متعلق تھے عبدالرحمٰن الزجالی کا کام خارجہ خط و کتابت اور معاہدات کو دیکھنا تھا اسے بہت سا معاون

(1) Imamuddin, S. M., *Arab-Muslim Administration*, pp. 96-110.

عملہ بھی میسر تھا۔ محمد ابن عزیر داخلہ سرکاری دفتروں کا انچارج تھا اور ان کے قانونی مطالبوں، ضرورتوں اور رعایا کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا۔[1]

(۹) عدلیہ (Judiciary)

عدلیہ میں تقرری کے لئے اہلیت و صلاحیت کو پیشِ نظر رکھا جاتا تھا۔ قانون اسلام نے عدلیہ کے عہدیداران کی تقرری کی واضح شرائط مقرر کی ہیں:

> As regards the qualification for judgeship, it has been stated that the requisties of a valid appointment of a judge required and that he should be: (a) an adult and a male, (b) intelligent, (c) free, (d) possessed of high moral qualification (e) a Muslim, (f) having sound sight and hearing, and (g) well instructed in the law.[2]

’’جہاں تک عدلیہ میں تقرری کی اہلیت کا تعلق ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک جج کی تقرری کے لئے ضروری معیارات اور شرائط یہ ہیں:

۱۔ وہ بالغ اور مرد ہو

۲۔ وہ ذہین ہو

۳۔ وہ آزاد ہو

۴۔ اس میں اعلیٰ اخلاقی اوصاف موجود ہوں

۵۔ مسلمان ہو

۶۔ اس کی سماعت اور بصارت درست ہو اور وہ قانون کی اعلیٰ ترین مہارت کا حامل ہو۔‘‘

اِسلامی ریاست میں ججوں کی تقرری میں ان شرائط کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔

اپنے فرائض کی انجام دہی کے حوالے سے بھی عدلیہ آزاد تھی۔ عام طور پر قاضی غیر جانبدار ہوتے تھے اور منصف ہوتے تھے۔ چیف قاضی کے پاس بہت زیادہ اختیار ہوتا تھا۔ اگر ضروری ہوتا تو وہ حکمران کو بھی اپنی عدالت میں بلا سکتا تھا حتی کہ حاکم اول جو اپنی سختی کے لئے بہت بدنام تھا، قانون

(1) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 70.
(2) Gustave E. Von Grunebaum, *Medieval Islam*, p. 162.

کا بہت احترام کرتا تھا اور کبھی بھی اس نے عدلیہ میں مداخلت نہیں کی اس نے عدلیہ میں بہت ہی نیک نام اور غیر جانبدار افراد کو قاضی کے منصب پر فائز کیا۔ ابن نصیر (م۸۱۳ء یا ۸۱۴ء) جب چیف قاضی تھا، اس نے امیر کے خلاف فیصلہ دیا اور امیر کو مجبور کیا کہ وہ شکایت کنندہ کو ہر جانہ ادا کرے۔ایک اور موقع پر اس نے ایسی سرکاری دستاویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر امیر نے دستخط ثبت کئے تھے حالانکہ امیر کو چیف قاضی کے سامنے گواہی پیش کرنے کے لئے عدالت میں خود آنا تھا۔ (۱)

وہ بیت المال المسلمین کا انچارج بھی تھا جو مسجد قرطبہ کی مقصورہ میں محفوظ تھا۔صوبوں اور ضلعی ہیڈکوارٹرز پر تقرری یافتہ قاضی، چیف قاضی کے نائب ہوتے تھے اور اس کے نائب کے طور پر اپنے فرائض ادا کرتے تھے۔ بہت سے جج مسلمانوں کے دور کے اچھے ایام میں غریب اور ان پڑھ لوگوں کے سرپرست اور نگران ہوا کرتے تھے۔ وہ اوقاف کا انتظام کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ یتیموں اور دیوانے لوگوں کی جائیداد کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ سول عدالتوں کے ساتھ ساتھ فوجی عدالتیں بھی تھیں اور ان کا چیف جج قاضی العساکر کہلاتا تھا۔قرطبہ کے عدالتی نظام میں قاضی کے بعد صاحب الشرطہ، صاحب المظالم، صاحب الرد، صاحب السوق یا محتسب اور صاحب المواریث کے نام کے عہدیدار بھی ہوتے تھے۔ صاحب المواریث جائیداد اور میراث کے معاملات کا انچارج تھا۔ قاضی عام طور پر نماز جمعہ کی امامت اور عدالتی فرائض انجام دیتا تھا اور کبھی اس کے پاس دو عہدے بھی ہوتے تھے۔ (۲)

مسلم دنیا میں عدلیہ کی آزادی کو بیان کرتے ہوئے ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) لکھتا ہے:

> Since the formulation of the Religious Law was totally independent of the secular authority, there could be no question of interference by Caliphs or Sultans with its rules and decisions.The secular authorities were bound to recognize it and to provide for its due administration by the appointment of judges (qadis) in all parts of their territories. But although there is little that can be called legislation by the State until the rise of the Ottoman Empire, yet from an

(1) Al- Maqqari Ahmed Ibn Mohammed, *History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, pp. 109-122.

(2) Aljoxani, *History of the Judges of Cordova*, pp. 170-214.

early date the secular authorities intervened to a certain extent in judicial administration by holding courts 'for the redress of wrongs' (mazalim). In these a somewhat arbitrarily modified form of the religious law was applied, with or without the collaboration of the official qadis.[1]

’’چونکہ مذہبی قانون کی تشکیل کا عمل دنیاوی حکمرانوں کے اثر سے آزاد تھا لہٰذا خلفاء اور سلاطین کی طرف سے ان کے ضابطوں اور فیصلوں پر مداخلت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دنیاوی حکمران اس بات کے پابند تھے کہ وہ اسے تسلیم کریں اور اپنے زیر اختیار علاقوں میں قاضیوں کی تقرری کرکے اس کے نفاذ کا اہتمام کریں۔ اگرچہ سلطنت عثمانیہ کے ظہور تک ریاست کی طرف سے کی جانے والی قانون سازی بہت ہی کم تھی پھر بھی شروع ہی سے ’عدالت مظالم‘ کے قیام کے ذریعے حکمران کسی نہ کسی حد تک عدلیہ کے معاملات میں مداخلت کرتے رہتے تھے۔ ان عدالتوں میں مذہبی قانون کی من پسند شکل کو سرکاری قاضی کی مدد کے بغیر نافذ کیا جاتا تھا۔‘‘

وہ مزید لکھتا ہے:

In the religious courts, and sometimes in mazalim courts as well, it was a common procedure to submit a summary of any important case to a qualified jurist for his opinion. Such a consultant was called a mufti, and his reply was embodied in a fatwa or statement of the legal issues. As a rule the muftis maintained their independence of the secular administration, but in the Ottoman Empire they were graded in the official hierarchy, ranking below the qadis, and the Chief Mufi of Constantinople, who was entitled Shaikh al-Islam, was the highest religious authority in the Empire.[2]

’’مذہبی عدالتوں میں اور کبھی مظالم کی عدالتوں میں بھی یہ طریقہ کار تھا کہ کسی بھی اہم مقدمے کا خلاصہ (Summary) کسی ماہر قانون کو ماہرانہ رائے کے لئے پیش کیا جاتا تھا۔ اس طرح کے مشیر کو مفتی کہتے تھے اور اس کے جواب کو فتوی یعنی ’قانونی رائے‘ کہا جاتا تھا۔ ضابطہ کے

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 71.

(2) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 71.

مطابق مفتی ریاستی انتظامیہ کے اثر سے اپنے آپ کو آزاد رکھتے تھے۔ لیکن سلطنت عثمانیہ میں انہیں سرکاری انتظامیہ میں مختلف درجوں میں شامل کردیا گیا جو قاضی کے ماتحت ہوتے تھے۔ قسطنطنیہ کا مفتی اعظم جسے شیخ الاسلام کہا جاتا تھا، سلطنت عثمانیہ کی اعلیٰ ترین مذہبی اتھارٹی تھا۔‘‘

(۱۰) صاحب المظالم (Judge of Mazalim)

قرطبہ میں ایک اور خصوصی جج بھی ہوتا تھا جسے ’صاحب المظالم‘ کہتے تھے اور اس کی تقرری امیر کرتا تھا۔ یہ جج حقوق کی پامالی یا سرکاری افسران کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں کی سماعت کرتا تھا۔ صاحب المظالم کے فرائض وسیع نوعیت کے تھے۔ جن کا مقصود عوام الناس کو تحفظ اور انصاف فراہم کرنا تھا:

The court of Mazalim (wrongs and injustices) was required to take charge of the following matters: (a) acts of injustice and tyranny committed against people by governers, (b) injustice in the assessment or levying of taxes; (c) supervision of financial administration, (d) examination of claims of regular troops in respect of reduction in, or withholding of, their pay, (e) restoring property taken by force; (f) surveillance of auqaf; (g) care of public worship, (h) open evil-doing which the Muhtasib has failed to suppress.[1]

’’عدالت مظالم ان معاملات کو دیکھتی تھیں:

۱۔ لوگوں پر گورنروں کی نامنصفی اور ظلم کے معاملات

۲۔ ٹیکس لگانے میں ناانصافی کے معاملات

۳۔ اقتصادی اور مالیاتی نظام کی نگرانی

۴۔ باقاعدہ فوج کی تنخواہ کی کمی یا زیادتی کے معاملات

۵۔ طاقت اور جبر کے ذریعے ہتھیائی گئی املاک کی واپسی

۶۔ اوقاف کا انتظام

(1) Gustave E. Von Grunebaum, *Medieval Islam*, p. 164.

۷۔لوگوں کی عبادت کی نگرانی

۸۔کھلی فحاشی اور بدکاری جسے روکنے میں محتسب ناکام رہا ہو۔''

کولسن (N. J. Coulson) 'صاحب المظالم' کے منصب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

The Qazi was regarded as the representative of God's law, the Sahib-al-Mazalim (Mazalim Courts) was regarded as the representative of the ruler's law. Sometimes indeed the Qazis themselves exercised Sharia and Mazalim jurisdictions concurrently, but as a general rule their province was that of private law-family law, inheritance, civil transactions and injuries, and waqf endowments.[1]

'''قاضی کو اللہ کے قانون کا نمائندہ اور 'صاحب المظالم' کو حکمران کے قانون کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ قاضی شرعی اور مظالم کے اختیارات بیک وقت استعمال کرتا تھا۔ لیکن عملی ضابطے کے طور پر قاضیوں کے دائرہ اختیار میں فیملی لاء، وراثت کے معاملات، نجی مالیاتی معاملات، جسمانی ایذا اور وقف شدہ املاک کے انتظام کے معاملات شامل تھے۔''

گرون بام (Gronebaum) لکھتا ہے:

He hears and decides complaints in cases of short measures and weight, sales fraud, and witholding of debits that have fallen due. But his jurisdiction is restricted to obvious rights and wrongs and to incontested liabilities. He can examine into matters without a complaint being brought.[2]

''یہ (صاحب المظالم) ان شکایات کو سنتا ہے اور فیصلے دیتا ہے جن کا تعلق کم ناپنے، کم تولنے، بدعنوانی اور قرضہ کی عدم ادائیگی وغیرہ سے ہو۔ اس کا دائرہ اختیار واضح حقوق اور جرائم تک محدود ہے۔ وہ کسی بھی ایسی شکایت کے بارے میں خود کارروائی کرسکتا ہے جس کی اس کے پاس شکایت بھی نہ کی گئی ہو۔''

مورخین کے مطابق اس نظام کی نقل کرتے ہوئے بعد میں عیسائیوں نے اپنا عدل اور

(1) Coulson, N.J., *A History of Islamic Law*, p. 129.
(2) Gustave E. Von Grunebaum, *Medieval Islam*, p 165.

انصاف کا نظام متعارف کرایا۔[1]

(۱۱) صاحب الرد (Judicial Complain Judge)

یہ ججوں کے خلاف شکایات سنتا تھا۔ بعض اوقات صاحب الردّ اور صاحب المظالم کے عہدے ایک ہی افسر کے پاس ہوتے تھے۔[2] مسلمان اپنے برداشت کے رویئے کے لئے مشہور تھے وہ عیسائیوں اور یہودیوں کی مذہبی زندگی میں کوئی دخل اندازی نہیں کرتے تھے غیر مسلموں کے اپنے مجسٹریٹس ہوتے تھے جو ان کے اپنے قوانین کے مطابق انصاف کرتے تھے لیکن جب تنازعہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان ہوتو پھر اس کی سماعت اور فیصلہ مسلمان جج ہی کرتا تھا۔ اس دور کی عمومی سزائیں جرمانے، کوڑے مارنا اور قطع اعضاء ہوتی تھیں۔ خلاف شرع کام مثلاً کفر اور ارتداد جیسے جرائم کی سزا سزائے موت ہوتی تھی۔

(۱۲) قاضی الجند (Judge of Congregations)

'قاضی الجند' کا انتخاب عربوں سے کیا جاتا تھا لیکن ایک صدی بعد جب اس کی تقرری نو مسلموں سے کی جانے لگی تو اسے قاضی الجمع کہا گیا یعنی اجتماع کا جج۔ جب اس طرح کی تقرریوں پر اعتراضات ہوئے تو ایک نیا آفس قائم کیا گیا جسے 'صاحب الصلوٰۃ' کا نام دیا گیا۔ جو عربوں اور بربری مسلمانوں کے لئے مساجد میں نمازوں کے انعقاد کا اہتمام کرتا تھا۔ اس صاحب منصب کی تقرری امیر یا خلیفہ کرتا تھا اور کمزور حکمرانوں کے زمانے میں اس طرح کی تقرری حاجب کرتا تھا۔ جس کا عہدہ ریاست کے معزز ترین عہدوں کے برابر ہوتا تھا اور وہ سرکاری تقریبات میں وزراء کے ساتھ بیٹھتا تھا اس کی رہنمائی کے لئے ماہرین قانون کی ایک کونسل ہوتی تھی جسے مجلس شوریٰ یا اصحاب الرائے کہا جاتا تھا جو نازک ترین لمحات میں اور متنازعہ ترین امور میں اسے مشورہ دیتی تھی۔ عبدالرحمٰن اوّل نے یحیٰ بن یزید الیھسوبی کی قاضی الجمع کے منصب پر تقرری کو کنفرم کیا جو اس وقت اس منصب پر کام کر رہا تھا۔[3]

---

(1) i. *Cambridge Medieval History*, vol. III, p. 430.
ii. Gonzalez Palencia, *Historia de la Espana Muslimana*, p. 131.
iii. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 94.

(2) i. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 96.
ii. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 148.

(3) i. Ribera Aljoxani, *History of teh Judges of Cordova*, p. 176.
ii. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 83.

(۱۳) ریونیو (Revenue)

ریونیو کے کئی ذرائع تھے۔ بڑے ذرائع میں زمین پر ٹیکس، جزیہ، زکوٰۃ، کسٹم، مارکیٹ ڈیوٹی، معدنیات پر ٹیکس اور مال غنیمت وغیرہ شامل تھے۔ عبدالرحمٰن سوم کے زمانے میں ریونیو کا بڑا ذریعہ جیسا کہ ابن حوقل نے بیان کیا ہے۔ جزیہ، زمین پر ٹیکس، زکوۃ، خراج، سکے، درآمدات، برآمدات اور مارکیٹ کی ڈیوٹیاں تھیں۔[1] ٹیکس اکٹھا کرنے کے عمل کی نگرانی کے لئے ایک مرکزی دفتر قائم تھا جس کا نام ''خطۃ الاشغال'' تھا۔ دمشق کے امویوں کے زمانہ میں اس دفتر کے بڑے عہدیداران میں یہودی اور عیسائی بھی شامل تھے اور ان کے ساتھ آزاد کئے ہوئے غلام بھی۔ جب سپین کے امویوں کے ماتحت یہ ایک آزاد اور تجارتی محکمہ میں بدل گیا تو مالیاتی عہدوں میں کشش بڑھ گئی اور یہ زیادہ پروقار اور معزز عہدے قرار پائے۔ لہٰذا یہ انہی لوگوں کو دیئے جاتے تھے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں نمایاں حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔ ریونیو ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ ''خازن'' کہلاتا تھا اور اسے ''صاحب المخزن'' بھی کہتے تھے جو عام طور پر قرطبہ کے کسی اشرافیہ خاندان کا رکن ہوتا تھا۔[2]

۹۲۸ء میں عبدالرحمٰن سوم نے پانچ خزانچیوں جنہیں ''خزان المال'' کہتے تھے جن میں سعید بن سعید جُدیر، احمد بن موسی بن جُدیر، احمد بن عبدالوہاب، خالد بن امیہ بن شُہید اور عیسٰی بن فتیس شامل تھے، کو برطرف کیا اور ان کی جگہ محمد بن جوہر، احمد بن عیسٰی بن ابی عبدہ، عبدالرحمان بن عبداللہ الزجالی اور احمد بن محمد ابی قاموس کی تقرری کی۔

ان اچھے عہدوں پر مالیات کے شعبہ میں غیر مسلم بھی متعین کئے جاتے تھے۔ حاکم اول نے ٹیکس اکٹھے کرنے کا کام اپنی مملکت میں ایک عیسائی Teodulfo کے Rabi بیٹے کے سپرد کر رکھا تھا۔ معروف یہودی سیاستدان اور طبیب ہاسدے ابن شاپروت کی مالیاتی شعبے میں کسٹم ہاؤس میں تقرری کی گئی تھی۔[3]

غیر مسلموں کے پاس مالیات کے شعبہ میں خصوصی ذمہ داریاں ہمیشہ رہیں۔ مسلم اکابر نے ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔ گیارہویں صدی کے ایک معاصر مصنف ابن حزم نے حکمرانوں کے

---

(1) Kramers, Ibn Hawqal, *Kitab al Masalik wal-Mamalik*, p. 108.

(2) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p 30.

(3) i. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 69.
ii. J. McCabe, *Splendour of Moorish in Spain*, p. 70.

یہودیوں سے تلخ رویئے اور غیر قانونی ٹیکس جسے ناقوس کہتے تھے کے اکٹھا کرنے کی مذمت بھی کی ہے۔[1] ''خطۃ الاشغال'' یا ٹیکس اکٹھا کرنے کے شعبہ میں سب سے نچلی برانچ گاؤں کی سطح پر موجود ہوتی تھی۔ اس کی نگرانی شہر یا ڈویژن کا سربراہ جسے ''عامل'' کہتے ہیں، کرتا تھا۔ فصل کٹنے کے وقت غلہ گاؤں کے چیف یا چھوٹے گاؤں کے چیف کی نگرانی میں اکٹھا کیا جاتا تھا۔ ریاست کے حصہ کو الگ کرنے کے بعد کسانوں کو اس بات کی اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنا حصہ لے جائیں جب فصل تیار ہوتی سرکاری افسر جسے ''عشار'' کہتے تھے وہ آ کر کھیتوں کا معائنہ کرتا اور فصل کا اندازہ لگاتا تھا۔[2] اس کے علاوہ بھی ایک افسر ہوتا تھا جسے ''متقابل'' کہتے تھے، وہ مارکیٹ کی ڈیوٹیز اور دوسرے ٹیکس اپنے علاقہ سے اکٹھا کرتا تھا چونکہ ان میں سے اکثر افسروں کے بارے میں یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ افسر لوگوں پر غیر ضروری ٹیکس لگا کر لوگوں کو لوٹیں گے، اس لیے ان کی نگرانی کا سخت اور شفاف نظام بھی قائم کیا گیا تھا۔[3]

شاہی زمین سے اکٹھے کئے گئے ٹیکس کو ''مستخلص'' کہتے تھے اور یہ ٹیکس بیت الخاص (شاہی خزانہ) میں بھیج دیا جاتا تھا جو حکمران کے ذاتی اخراجات کے لئے ہوتا تھا۔ خاصیت بیت المال سپین کے مسلمان بادشاہوں کا ذاتی شاہی خزانہ ہوتا تھا۔ یہ بیت المال سے الگ اور بالکل مختلف ہوتا تھا اور بیت المال المسلمین سے بھی۔ شاہی خزانے کے اپنے ذرائع آمدنی اور مدات خرچ تھے۔ ان کا پہلا اور بہت اہم ذریعہ آمدنی شاہی زمین تھی جسے ''مستخلص'' کہتے تھے اور اس کا مالک بادشاہ ہوتا تھا۔ کم و بیش ہر صوبے کے اندر یہ زمینیں نوابوں کی وقتاً فوقتاً قرقی ہونے والی زمینوں سے وجود میں آتی تھیں۔ اس شاہی پراپرٹی کا انتظام و انصرام ایک افسر کرتا تھا جسے صاحب الدیہ کہتے تھے۔ ان زمینوں اور مارکیٹوں سے حاصل ہونے والی سالانہ آمدنی عبدالرحمان سوم کے زمانے میں سات لاکھ پینسٹھ ہزار (7,65,000) دینار تک پہنچ چکی تھی۔[4]

آمدنی کا ایک اور ذریعہ بادشاہ کو اکثر و بیشتر شرفا کی طرف سے اور بیرون ملک سے آنے والے سیاح مہمانوں کی طرف سے ملنے والے گرانقدر تحفے ہوتے تھے۔ ابن شُہید کی طرف سے

(۱) ابن حزم، الأندلس، ۲: ۳۵

(2) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 39.

(3) Emilio Garcia Gomez, *el Traiado de Ibn Abdun*, pp. 104-108.

(4) i. Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, vol II, pp. 111, 401.
ii. Dozy, *Spanish Islam*, p. 445.

عبدالرحمان سوم کو پیش کئے جانے والے نادر ونایاب تحفے سپین کی وسطی تاریخ کے زمانے کے نادر و نایاب تحفے ہیں۔[1] اس ذاتی خزانے کو بھرنے کے لئے حکمران اکثر و بیشتر نوابوں اور شرفا کی املاک کو بحق سرکار ضبط کرتے رہتے تھے اور ان پر غیر قانونی ٹیکس یعنی 'مغارم' لگاتے رہتے تھے۔ کچھ حکمران مقبولیت کے لئے لوگوں کو درپیش مسائل اور قدرتی آفات کے دوران لوگوں سے ہمدردی بھی ظاہر کرتے تھے۔ ابن خلدون کے مطابق عبدالرحمان سوم نے ان غیر ضروری ٹیکسوں کو جو سنت اور قانون شریعت کے خلاف تھے اور سابقہ حکمرانوں کی طرف سے لگائے گئے تھے، اپنے زمانے میں ختم کر دیا تھا۔[2] ۹۷۵ء میں حاکم دوم نے ملٹری ٹیکس اور دوسرے غیر معمولی ٹیکسوں کو تمام ریاست میں چھٹے حصہ تک کم کر دیا تھا۔[3] اس کے بیٹے اور نائب ہاشم دوم نے ۱۰ صفر ۳۶۶ھ (۹ اکتوبر ۹۷۶ء) کو زیتون کے تیل پر قرطبہ میں سابق حکمرانوں کے لگائے گئے تمام غیر قانونی اور ظالمانہ ٹیکس ختم کر دیئے۔[4] تاہم کمزور اور معمولی حکمران اکثر و بیشتر مسجدوں کے نام کی جانے والی املاک کو بھی بحق سرکار ضبط کرتے رہتے تھے۔[5] ہاشم دوم نے وہ تمام اشیاء جو محل اور قرطبہ کی مسجدوں سے متعلق تھیں، وہ فروخت کر دیں۔[6] ابن حزم نے حکمرانوں کی اس غلط روش اور اہل اندلس پر بھاری اور غیر قانونی ٹیکس لگانے کے عمل پر جو اس دور کے حقیر اور معمولی حکمرانوں میں رائج تھا، سخت تنقید کی ہے۔[7]

(۱۴) ریونیو افسران (Revenue Services)

صاحب الاشغال کو یہ اختیارات حاصل تھے کہ وہ revenue اکٹھا کرے، ٹیکس لگائے اور

(1) Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, vol-II, p. 151-154.
(2) i. Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, vol-II, p. 134.
ii. Dozy, Spanish Islam, p. 386.
(3) i. Dozy, *Spanish Islam*, p. 466.
ii. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 168.
(4) Dozy, SPanish Islam, p. 514.
(5) Dozy, Spanish Islam, p. 567.
(6) i. De Slane, *Prolegomenes*, p. 11, 13.
ii. Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 64.
iii. Lopez, *Contribuciones*, pp. 110-111.
(7) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, pp. 38-39.

خرچ و ادائیگیوں کے نظام کی نگہداشت کرے۔ اسے ایک وزیر سے زیادہ طاقتور اور موثر ترین تصور کیا جاتا تھا۔ وہ غرناطہ کے ناصری حکمرانوں کے زمانے میں اپنے فرائض وکیل کے ذریعے انجام دیتا تھا۔

(۱۵) پوسٹل سروسز (Postal Services)

سڑکوں کے ساتھ ساتھ پوسٹ آفسز قائم کئے گئے تھے اگرچہ پوسٹل سروسز عمومی طور پر حکومت کے لئے ہی تھیں تاہم ارجنٹ پرائیویٹ خطوط بھی لئے جاتے تھے اور وہ دیگر سرکاری اشیاء بھی تیز رسل و رسائل کے ذریعے دوسرے مقامات تک پہنچاتے تھے۔ کبوتروں کو بھی خطوں کی جلد ترسیل کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر خطرات ظاہر کرنے کے لئے آگ بھی روشن کی جاتی تھی۔

(۱۶) مقامی نمائندگان کی بطور ریاستی عہدیداران تقرری

(Appointment of Local People in State Administration)

حاکم اول کے زمانے میں عرب اشرافیہ اور سپین سے مقامی تعلق رکھنے والے نومسلموں میں قریبی رابطہ بہت زیادہ بڑھ گیا اور اس طرح بہت سے غیر عربوں کو جن میں بربر اور نیگرو غلام شامل تھے، حکومتی انتظام و انصرام میں اہم ذمہ داریاں دی گئیں۔ غیر مسلموں کے اسلام لانے کا یہ عمل بہت زیادہ تیز ہوگیا اور اس سرعت سے قبول اسلام کے نتیجہ میں کچھ ہی نسلوں کے بعد مہاجر مسلمانوں اور سپین کی مقامی مسلم آبادی میں امتیاز کرنا مشکل ہوگیا۔ نمایاں ترین موالی اشرافیہ میں جو خاندان شامل ہیں ان میں بنو ابی عبدہ، بنو حضیر، بنو شُہید اور بنو الروف شامل ہیں۔[1]

(۱۷) اقلیتوں کی اِنتظامی عہدوں پر تقرریاں

(Appointment of Minorities as Administrators)

مسلم ریاست میں اقلیتوں کو تمام بنیادی انسانی حقوق حاصل تھے۔ مسلمانوں پر اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے مغربی مصنفین کے عائد کردہ الزامات کا جواب دیتے ہوئے معروف مستشرق ڈاکٹر آرنلڈ (T. W. Arnold) لکھتا ہے:

> "Had attempts been made to convert them by force when they first come under Muhammadan rule, it would not have

(1) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, pp. 101, 103, 110.

been possible for Christians to have survived among them up to the times of the Abbasid Caliphs.[1]

’’اگر مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں عیسائیوں کو جبراً مسلمان بنانے کی کوششیں کی گئی ہوتیں تو عباسی خلفاء کے زمانے میں عیسائیوں کے لئے زندہ رہ جانا ہرگز ممکن نہ ہوتا۔‘‘

یہی وجہ تھی کہ

The native christian certainly preferred the rule of the Muhammadan to that of Crusades.[2]

’’مقامی عیسائی لوگ صلیبیوں کی بجائے مسلمانوں کے اقتدار میں رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔‘‘

واٹ (Watt M. Watt) کے مطابق:

The Christians were probably better off as Dhimmis under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greeks.[3]

’’عیسائی عوام کو مسلمان حکمرانوں کے ماتحت بطور ذمی رہتے ہوئے یونان کے بازنطینی حکمرانوں کی ماتحتی کی نسبت زیادہ تحفظ اور بہتر زندگی میسر تھی۔‘‘

بقیہ اسلامی دنیا کی طرح سپین کی عیسائی آبادی پر بھی بقیہ عیسائی دنیا سے تعلقات قائم کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی اور نہ اس بات پر پابندی تھی کہ وہ ان سے مالی معاونت لے کر اپنے لئے چرچ اور عبادت گاہیں قائم کریں بلکہ انہوں نے ملک کی اقتصادی سرگرمیوں میں بہت اہم کردار ادا کیا اور مسلم سپین اور یورپ کے بقیہ عیسائی ممالک کے ساتھ تجارت بھی کرتے رہے۔ نویں صدی عیسوی کے وسط میں Eulogio کے دو بھائیوں Alvaro اور Isidoro نے فرانس کے ساتھ وسیع پیمانے پر تجارت کی۔[۴] عیسائیوں کو ملک کی معاشی زندگی میں مرکز و محور کی حیثیت حاصل تھی ان میں تاجر بھی تھے، دستکار بھی اور کسان بھی۔ انہیں ملک کے ہر علاقے میں پیشہ وارانہ حیثیتیں حاصل تھیں۔ عیسائیوں کو بطور سول سرونٹ اور عسکری افسروں کے اس بات کی اجازت تھی کہ وہ ملک کے انتظام و انصرام میں حصہ لیں۔ Eulogio کے چھوٹے بھائی جوزی کو قرطبہ کی حکومت میں ایک اہم منصب

(1) T.W. Arnold, *The Preaching of Islam*, p. 50.
(2) T.W. Arnold, *The Preaching of Islam*, p. 96.
(3) Watt . M. Watt, *Islamic Political Thought*, p. 51.
(4) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 35.

حاصل تھا۔[1] مسلمان عیسائیوں پر اتنا زیادہ انحصار کرتے تھے کہ انہیں بیرون ممالک سفیر بھی بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ عیسائی مختلف قصبات اور شہروں میں بڑی تعداد میں رہتے تھے اور ان کے گھر مسلمانوں کے گھروں سے صرف ایک دیوار کے ذریعے ہی الگ کئے ہوئے تھے۔ یعنی ان کے اور مسلمانوں کے گھروں میں صرف ایک دیوار کا فرق ہوتا تھا۔ ان کے اپنے Tax Collector ہوتے تھے جو ان سے ٹیکس اکٹھا کر کے سرکاری و ریاستی خزانے میں جمع کرواتے تھے۔ وہ کئی گروہوں میں تقسیم کئے گئے تھے اور ہر گروپ کا ایک سربراہ تھا جو کہ ٹیکس اکٹھا کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ عیسائیوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے ان کے اپنے جج ہوتے تھے جنہیں Censors یا ''قاضی انصاریٰ'' یا ''قاضی الاعاجم'' کہا جاتا تھا۔ ان کی تقرری Visigothic قوانین کے تحت کی جاتی تھی۔ ان کے اپنے جج ہی ان کی اپیل کی عدالتوں کی صدارت کرتے تھے تاہم انہیں موت کی سزا یا اس طرح کے کیس سننے کی یا عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان مقدمات کی سماعت کی اجازت نہیں تھی۔ خلیفہ کے دربار میں غیر مسلموں کے اپنے نمائندے ہوتے تھے جنہیں کاتب الشام کہا جاتا تھا اور انہیں قابل احترام اور معزز عیسائی خاندان سے بھرتی کیا جاتا تھا۔[2]

(۱۸) شرطہ (Police)

پولیس کا سربراہ براہ راست گورنر کے ماتحت ہوتا تھا صوبائی شہروں میں پولیس کے سربراہ کو 'صاحب الاحداث' کہتے تھے اور وہ پولیس اور باقاعدہ فوج کے درمیانی نوعیت کے منصب پر فائز ہوتا تھا اس کے فرائض میں شہر میں ہونے والی گڑبڑ اور دوسرے جرائم کو روکنا ہوتا تھا۔ بڑے شہروں کے ججوں کو یہ اختیارات دیئے گئے تھے کہ وہ چھوٹے شہروں میں اپنے نائبین کا ''حاکم'' کے نام سے تقرر کریں۔ قاضی کے ماتحت سٹی مجسٹریٹ ہوتا تھا جسے ''صاحب الشرطہ'' کہتے تھے اور جسے عام لوگ ''صاحب اللیل'' اور ''صاحب المدینۃ'' بھی کہتے تھے۔ لیکن دسویں صدی میں دونوں عہدیدار ایک دوسرے سے بالکل آزاد تھے۔ یہ مجسٹریٹ جرائم کے معاملات کی سماعت قاضی کی نسبت سادہ طریق کار کے ذریعے کرتا تھا۔ اس کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ وہ سراغ رسانی کرے، جرائم کی سزائیں دے جو عوامی اخلاقیات یا ان کے شہروں کے عمومی ضوابط کے خلاف ہوئے ہوں، جن کی نگرانی اس کے ذمہ ہوتی تھی۔ پولیس کے سربراہ کا دفتر شاہی محل کے صدر دروازے کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ اس

(1) i. F.J. Simonet, *Historia de los Mozarabes de Espana*, p.383-4.
ii. Hole, Edwyn, *Andalus: Spain under the Muslims*, p. 49.

(2) Dozy, *Spanish Islam*, p. 273.

طاقتور افسر کو اکثر اوقات ترقی دے کر وزیر یا حاجب بھی متعین کر دیا جاتا تھا بعض اوقات قاضی اور صاحب الشرطہ کے منصب ایک ہی آدمی کے پاس ہوتے تھے۔(۱) پولیس تین شعبوں ''شرطہ الکبریٰ'' یعنی بڑی پولیس ''شرطہ الوسطیٰ'' یعنی درمیانی پولیس اور ''شرطہ الصغریٰ'' یعنی چھوٹی پولیس پر مشتمل تھی۔(۲)

(۱۹) محتسب (Ombudsman)

محتسب اسلامی ریاست کا اہم ریاستی منصب تھا۔ جو معاشرے میں مثبت اقدار کے فروغ کا ذمہ دار ہوتا تھا: گرونے بام (Gronebaum) لکھتا ہے:

> Another important office of an Islamic State is that of Muhtasib who is primarily a supervisor of the morals of the community. He is usually a jurist. He is at liberty to deduce principles of decision from custom, Urf, as distinct from revealed law, Sharia.(3)

> ''اسلامی ریاست کا ایک اہم ادارہ 'محتسب' ہے جو بنیادی طور پر معاشرے کے اخلاقی معاملات کا نگران ہے۔ عام طور پر وہ ماہر قانون ہوتا ہے، اس کا یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنے فیصلے کے لئے شرعی قواعد کے علاوہ رواج اور عرف سے بھی اصول اور ضابطے بنائے۔''

میونسپل پولیس بھی محتسب کے ماتحت ہوتی تھی اور یہ قاضیوں ہی کے محکمے سے متعلق ہوتا تھا۔ یہ شہر کی مارکیٹوں اور عوامی مقامات وغیرہ کا سپرنٹنڈینٹ ہوتا تھا یہ پیمانوں اور اوزان کو چیک کرتا تھا اور قیمتوں کے کنٹرول کی نگرانی کرتا تھا روزمرہ استعمال کی چیزوں کے لئے نرخ طے کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جوئے بازی اور جنسی جرائم اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو بھی کنٹرول کرتا تھا۔(۴) محتسب کے فرائض میں قانون کے عمومی احترام، اعلیٰ اقدار کے قیام کے علاوہ مذہبی اقدار کا فروغ بھی ہوتا تھا:

> The Muhtasib has to see to it that prayers are performed at the correct hours and in the manner sanctioned by usage. He is responsible for protecting the faithful from being exposed

(1) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 93.
(2) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 90.
(3) G.E.V. Gronebaum, *Medieval Islam*, p. 165.
(4) Ribera, Aljoxani, *History of the Judges of Cordova*, pp. 178-9.

to the temptation of bad example, for instance, with regard to the drinking of wine. It is for him to safeguard the community against fraudulent commercial practices, to keep the roads open, and to enforce building regulations. He may be called upon to act as Inspector of Industries and to correct unfair treatment of and payment to labourers. He is not empowered to deliver judicial opinions, but he upholds what may be called the common law. His activities partake of the police officer and those of the Judge. His authority is both executive and judicial, but it is restricted to application and enforcement of prior rulings of the higher courts or of the popular feelings of equity.(1)

’’محتسب کی ذمہ داری تھی کہ وہ نمازوں کی وقت پر اور شریعت کے طریقے کے مطابق ادائیگی کی نگرانی کرے۔ وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اہل ایمان کی اس حوالے سے حفاظت کرے کہ وہ کسی بھی غلط لالچ کے نرغے میں نہ آ جائیں جو بری مثال بن سکتی ہو مثلاً شراب پینا وغیرہ۔ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کی بدعنوانی پر مشتمل تجارتی اور اقتصادی سرگرمیوں سے حفاظت کرے۔ سڑکوں کو کھلا رکھے، تعمیرات کے قواعد وضوابط کا خیال اور نفاذ کرے۔ اسے مزدوروں کی تنخواہوں اور ان کے ساتھ سلوک کے حوالے سے غلط روش پر باز پرس کا فرض بھی سونپا جا سکتا ہے۔ تاہم اسے عدالتی فیصلے دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے لیکن وہ عام قانون کا نفاذ کر سکتا ہے۔ اس کی ذمہ داریوں میں عام قانون کا نفاذ شامل ہے۔ اس کے فرائض میں بیک وقت پولیس آفیسر اور جج کی سرگرمیاں شامل ہیں۔ اس کی اتھارٹی بیک وقت انتظامی بھی ہے اور عدالتی بھی۔ تاہم یہ اپنے اطلاق اور نفاذ کے حوالے سے عدل و انصاف کے عمومی معیارات کے مطابق اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی حدود میں رہنے کا پابند ہے۔‘‘

شروع میں مارکیٹ آفیسر کو ’صاحب السوق‘ یا ’ولی السوق‘ کہتے تھے۔ دسویں صدی کے آخر میں منصور کے زمانے میں یہ محتسب اور ولاۃ احکام الحسبہ کے نام سے موسوم ہوا۔(۲)

---

(1) G.E.V. Gronebaum, *Medieval Islam*, p. 166.

(2) Aljoxani, *History of the Judges of Cordova*, pp. 178, 220.

(۲۰) رفاہِ عامہ کے اُمور (Public Works)

ریاستی آمدن کا ایک بڑا حصہ ملک کی ترقی، عوام کو سہولتیں دینے اور ریلیف کے کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ عبدالرحمان دوم نے بڑے شہروں میں محلات اور مسجدوں کی تعمیر اور ہر جگہ پل بنانے پر بھاری رقوم خرچ کیں۔(۱) عبدالرحمٰن سوم کے زمانے میں ریاستی آمدنی کا تیسرا حصہ عوامی مفادات کی عمارات پر خرچ کیا گیا جو تمام مملکت میں تعمیر کی گئیں۔(۲) حاکم دوم نے مسجدیں تعمیر کرنے، غریب لوگوں کے لئے رہائش گاہیں بنانے اور گھر تعمیر کرنے، بیماروں کے لئے ہسپتال اور نوجوانوں کے لئے کالج تعمیر کرنے پر بہت زیادہ رقم خرچ کی۔ اس نے اپنے دارالخلافہ کو بہت زیادہ ترقی دی اور مملکت کے دوسرے شہروں میں بھی کئی تعمیرات کیں۔ اس میں حمام، مارکیٹیں، سرائیں، فوارے اور اسی طرح کی عوامی مفاد کی دوسری تعمیرات شامل تھیں۔(۳) احتیاطی تدابیر کے طور پر لوگوں کو خصوصاً سرکاری عملے اور فوج کو بھوک اور قحط کے زمانہ میں تحفظ فراہم کرنے کے لئے غلہ اور پھل طویل عرصہ کے لئے اور گندم دس سے سو سال کے لئے محفوظ کر لیا جاتا تھا۔(۴)

خشک سالی کے زمانہ میں بارش کے لئے دارالخلافہ اور تمام شہروں میں صلوۃ الاستسقاء پڑھی جاتی تھی۔ قحط کے زمانہ میں کسانوں سے وقتی طور پر ٹیکس اکٹھا کرنا بند کر دیا جاتا تھا۔ اگر بادشاہ یا حکمران اس پر غور نہ کرتے ہوئے گورنروں کو مجبور کرتے کہ وہ ٹیکس اکٹھا کریں تو گورنر اس سے انکار کرتے اور اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جاتے تھے۔(۵) جس زمانہ میں فصلیں اچھی نہ ہوں زمیندار کاشتکاروں کو ریلیف دیتے تھے اور ان کے نقصانات کا ازالہ کرتے تھے۔(۶)

---

(1) Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, II, p. 124.
(2) Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, II, p. 146.
(3) Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, II, p. 172.
(4) i. Imamuddin, *The Economic History of Spain Under the Umayyads*, pp.154-56.
ii. Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, I, p. 65.
(۵) ابن قتيبة، عيون الأخبار: ۷۲–۷۴
(6) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, pp. 269-70.

صدقہ و خیرات کی تقسیم بہت عام ہو جاتی تھی اور مشکل حالات میں امیروں، نوابوں اور شرفا کی طرف سے وسیع القلبی کے ساتھ خیرات کی جاتی تھی۔ سرکاری گوداموں کو ایسے حالات میں قحط زدہ لوگوں کے لئے کھول دیا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن دوم نے جو اس زمانے میں بحیرہ روم کی دنیا کا امیر ترین حکمران تھا، نے ایسے ہی حالات میں ۲۰۷ھ/۸۲۲ء اور ۲۳۲ھ/ ۸۴۶ء کے دونوں قحطوں میں بڑی وسیع الظرفی اور سخاوت کے ساتھ عوام الناس کے لئے اپنے سرکاری خزانوں کو کھول دیا۔ ۹۱۴ء میں جب ملک میں بہت شدید قحط پھوٹ پڑا عبدالرحمٰن سوم نے لوگوں کی خصوصی نگہداشت کی اور اس نے حسبہ کے عہدیداروں اور وزیر اعظم بدر بن احمد کی نگرانی میں مستحقین میں صدقہ و خیرات کی تقسیم کا عمل بہت وسیع کر دیا۔ ۹۸۸ء کے قحط کے ریلیف کے زمانے اور بعد میں آنے والے سالوں میں بھی منصور کا شاہی گودام، جس میں ۸۵۔۹۸۴ء میں گندم کے دو سو ہزار مد موجود تھے، خالی ہو گیا۔(۱) اس زمانے میں قحط زدہ لوگوں نے خود بھی کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور غیر معیاری خوراک پر گزارا کیا گو کہ وہ صحت کے لئے بھی نقصان دہ تھی اور اس پر گزارا بھی مشکل تھا۔(۲) انہوں نے روٹی تیار کرنے کے لئے گندم اور جو میں مختلف چیزیں مثلاً چاول، جوار، باجرہ، سبزیاں، کھجوریں، شاہ بلوط، ناشپاتی، بادام، سبز انجیر، موٹھ اور کتان وغیرہ کے بیج تک بھی ملائے تا کہ وہ قحط کے زمانہ کو گزار سکیں۔(۳)

(۲۱) مسلمانوں کا نظامِ آب پاشی

(Irrigation System of Muslim Spain)

ان کی نہریں یقینی طور پر امویوں نے ہی تعمیر کی تھیں۔ ابن حیان کے مطابق ۱۰۱۰ء میں امیری کے دو موالی کو ویلنشیا کی نہریں دیکھنے اور ان کا معائنہ کرنے کے لئے بھیجا گیا ان کا نام مبارک اور مظفر تھا۔ جنہوں نے بعد میں ویلنشیا پہنچ کر ویلنشیا میں اور جٹیو یہ میں اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔(۴) یہ نہریں سپین میں عربوں کے نظام آب پاشی کے باکمال ہونے کی دلیل ہیں۔ بیلور کیشو (Bellver Y Cacho) نے یہ نکتہ نظر اختیار کیا کہ عربوں نے آب پاشی کا فن مصر سے اور چیلڈیا (Chaldaea) سے لے کر سپین میں متعارف کروایا۔(۵) بیلسٹی روز (Ballesteros) نے

---

(۱) ابن الخطیب، المال العائم، ۱۱۵
(2) Banqueri, J.A., *Libro de Agricultura*, II, pp. 328-9.
(3) Banqueri, J.A., *Libro de Agricultura*, II, pp. 94-95.
(4) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 166.
(5) Bellver Y Cacho, *Influencia*, p. 53.

اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ عربوں نے صرف رومیوں کے نظام آب پاشی کی نقل کی ہے۔(۱) لیکن لیوی پرووِنسل (Levi Provencal) نے اس کی توضیح یوں کی کہ رومیوں اور گوتھوں کا اپنا نظام آب پاشی تھا لیکن جب مسلمان آئے تو انہوں نے سپین میں مشرقی ھائیڈرالک ٹیکنیکس کو متعارف کروایا جو انہی کا اختصاص تھا اور یہ بات قابل غور بھی ہے اور قابل یقین بھی کہ مشرق کا نہری نظام جو شام کے اورنٹس (Orontes) اور عراق کے فرات سے پانی آگے پہنچاتا تھا اس نظام سے ملتا جلتا ہے جو سپین کے وسطی دور میں سپین میں موجود تھا۔(۲)

اس نہری نظام کو ہسپانوی مسلمانوں نے سپین میں اپنے اقتدار اور حکمرانی کے آغاز میں ہی قائم کر لیا تھا۔ عبدالرحمٰن اول نے اپنی براہ راست نگرانی میں قرطبہ خصوصاً اپنے محل اور باغ کو پانی فراہم کرنے کیلئے ایک نہر تعمیر کی تھی۔ اسے کو ''منیۃ الرصفاء'' کہتے تھے۔(۳) عبدالرحمٰن سوم کے زمانے میں چودہ ماہ کے عرصہ میں بالکل ملکی نوعیت، مقامی فن اور مہارت پر مشتمل ایک نہر تعمیر کی گئی جو جیومیٹریکل انداز سے محرابوں کے اوپر تیار کی گئی ٹیوبوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے ذریعے قرطبہ کے قریبی پہاڑی سلسلوں سے پانی انوارہ محل میں لایا جاتا تھا اور پھر اس پانی کو ایک بہت بڑے ذخیرے میں جمع کیا جاتا تھا۔ جہاں وہ ایک بہت ہی خوبصورت تراشے ہوئے شیر کے منہ سے نکلتا تھا۔ پھر یہ پانی محل اور اس کے خوبصورت باغوں کو مہیا کیا جاتا تھا اور فالتو پانی واد الکبیر میں جا گرتا تھا۔(۴) حاکم دوم نے بھی قرطبہ کے قریبی سلسلہ کوہ سے مسجد قرطبہ تک پانی لانے کے لئے ایک نہر تعمیر کی تھی۔ مسلم سپین کے نظام معاشرت، معیشت اور مملکت کے اثرات بتدریج پورے یورپ میں پھیلتے گئے جس سے یورپ اعلی تہذیبی اقدار سے روشناس ہوا۔ مسلم سپین کے ریاستی انتظام و انصرام کا یہ مختصر تذکرہ انسانی تہذیب کی تشکیل کی تاریخ میں مسلمانوں کے کردار و اثرات کو واضح کرتا ہے۔ جو بالواسطہ سیرت الرسول ﷺ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ نظام حکمرانی ہی کا فیضان ہے۔

(1) Ballesteros, Antonio, *Historia de Espania*, II, p. 87.
(2) Levi-Provencal E., *de Histoire de L'Espagne Musulmane*, p. 279.
(3) Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, II, p. 86.
(4) Pascual de Gayangos y Arce, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, I, p. 241.

باب ہفتم

سیرۃُ الرسول ﷺ کی علمی و سائنسی اَہمیت

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ عصرِ حاضر کی نہایت اَہم علمی و سائنسی اور ثقافتی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا یہ پہلو تاریخ کا عظیم اور نادر المثال سرمایہ ہے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ کی بعثت سے تاریخِ اِنسانیت میں علم وفن، فکر و فلسفہ، سائنس وٹیکنالوجی اور ثقافت کے نئے اسالیب کا آغاز ہوا اور دُنیا علمی اور ثقافتی حوالے سے ایک نئے دَور میں داخل ہوئی۔ آپ ﷺ پر نازِل ہونے والے صحیفۂ اِنقلاب نے اِنسانیت کو مذہبی حقائق سمجھنے کے لئے تعقّل و تدبّر اورتفکّر و تعمق کی دعوت دی۔ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ (تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟)؛[۱] اَفَلاَ يَتَدَبَّرُوْنَ (وہ غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟)[۲] اور وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (جو لوگ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں)[۳] جیسے الفاظ کے ذریعے اللہ ربّ العزت نے اپنے کلامِ برحق میں بار بار عقلِ اِنسانی کو جھنجھوڑا اَور اِنسانی و کائناتی حقائق اور آفاقی نظام کو سمجھنے کی طرف متوجہ کیا۔ اِس طرح مذہب اور فلسفہ و سائنس کی غیریت بلکہ تضاد و تصادُم کو ختم کر کے اِنسانی علم وفکر کو وحدت اور ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا گیا۔ اسی تعلیم کے زیر اثر مسلمانوں میں دین و دنیا کی وحدت اور دینی و دنیاوی علوم کو برابر اہمیت دینے کا شعور پیدا ہوا۔[۴]

تاجدارِ رحمت ﷺ کے اِس اِحسان کا بدلہ اِنسانیت رہتی دُنیا تک نہیں چکا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک دُنیا میں جس قدر علمی وفکری اور ثقافتی و سائنسی ترقی ہوئی ہے یا ہوگی وہ سب دینِ اِسلام کے اِنقلاب آفریں پیغام کا نتیجہ ہے، جس کے ذرِیعے علم وفکر اور تحقیق وجستجو کے نئے دَر وَا ہوئے۔ معلّمِ اِنسانیت ﷺ کی بعثت سے قبل دُنیا میں علم، فلسفہ اور سائنس کی ترقی کا جو بھی معیار تھا اُس کی بنیاد سقراط (Socrates)، اَفلاطون (Plato) اور اَرسطو (Aristotle) کے دیئے گئے نظریات پر تھی۔ آمدِ دینِ مصطفیٰ ﷺ سے قبل یونان (Greece) اور اسکندریہ (Alexandria)

---

(۱) القرآن، یوسف، ۱۲: ۲

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۸۲

(۳) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۹۱

(4) Rosenthal, Fr., *Das Fortleben der Antike im Islam*, p. 18.

کی سرزمین علم کی سرپرستی کرتی رہی تھیں۔ اُن مخصوص خطہ ہائے زمین کے علاوہ دُنیا کا بیشتر حصہ جہالت کی تاریکی میں گم تھا۔سرزمینِ عرب کا بھی یہی حال تھا، جہاں کے لوگ اپنی جہالت اور جاہلیت پر فخر کرتے تھے۔قدیم یونان، اسکندریہ اور رُوما (اٹلی) میں علم اور تمدّن کی ترقی کا کوئی فائدہ اہلِ عرب کو اِس لئے نہ تھا کہ اُن کے مابین زبانوں کا بہت فرق تھا۔تاہم جاہلی عرب میں بعض علوم وفنون کا اپنا رواج اور ماحول تھا۔مختلف علمی و اَدبی میدانوں میں عربوں کا اپنا مخصوص ذوق اور اُس کے اِظہار کا اپنا ایک مخصوص انداز ضرور تھا۔ ایسے حالات میں قرآنِ مجید کی پہلی آیاتِ طیبات اِلٰہیات، اَخلاقیات، فلسفہ اور سائنس کا پیغام لے کر نازل ہوئیں، اِرشادِ ربانی ہوا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ○(۱)

’’(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیئے، جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا○ اس نے انسان کو (رحم مادر میں) جونک کی طرح معلق وجود سے پیدا کیا○ پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے○ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا○ جس نے (سب سے بلند رتبہ) انسان (محمد مصطفیٰ ﷺ) کو (بغیر ذریعہ قلم کے) وہ سارا علم عطا فرما دیا جو وہ پہلے نہ جانتے تھے○‘‘

تاجدارِ رحمت ﷺ پر نازِل ہونے والی پہلی وحی کی **پہلی آیت** نے اِسلامی ’اِلٰہیات‘ و ’اَخلاقیات‘ کی علمی بنیاد فراہم کی، **دُوسری آیت** نے ’حیاتیات‘ اور ’جینیات‘ کی سائنسی اَساس بیان کی، **تیسری آیت** نے اِنسان کو اِسلامی عقیدہ و فلسفۂ حیات کی طرف متوجہ کیا، **چوتھی آیت** نے فلسفۂ علم و تعلیم اور ذرائعِ علم پر روشنی ڈالی اور **پانچویں آیت** نے علم و معرفت، فکر و فن اور فلسفہ و سائنس کے تمام میدانوں میں تحقیق و جستجو کے دروازے کھول دیئے۔ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں علم و فن اور تعلیم و تعلم کی ایسی سرپرستی فرمائی کہ اپنی جہالت پر فخر کرنے والی اُمّی (اَن پڑھ) قوم تھوڑے ہی عرصہ میں پوری دُنیا کے علوم وفنون کی اِمام و پیشوا بن گئی اور شرق سے غرب تک علم و اَخلاق اور فلسفہ و سائنس کی روشنی پھیلانے لگی۔ وہ عرب قوم ...... جسے علم و سائنس کی راہ پر ڈالنے کے لئے حضور ﷺ نے غزوۂ بدر کے کافر قیدیوں کے لئے چار ہزار درہم زرِ فدیہ کی خطیر رقم چھوڑتے ہوئے دس دس مسلمان بچوں کو پڑھانے کا فدیہ مقرر کر دِیا تھا ...... اِسلام کی اَوائل صدیوں کے اندر ہی پوری دُنیائے

(۱) القرآن، العلق، ۹۶: ۱۔۵

اِنسانیت کی معلّم بن کر اُبھری۔ اور اُس نے سائنسی علوم کو اَیسی مضبوط بنیادیں فراہم کیں جن کا لوہا آج بھی مانا جاتا ہے۔ اِس باب میں قرآن و سنت کی تعلیمات کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اُس نے اِنسانی ذِہن کو اپنے وُجود اور نظامِ کائنات کے حقائق کو سمجھنے کے لئے دعوتِ غور و فکر دی۔ کلامِ مجید میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔(۱)

’’ہم عنقریب اُنہیں اپنی نشانیاں اَطرافِ عالم میں اور خود ان کی ذاتوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔‘‘

تاجدارِ کائنات ﷺ نے اُس جاہل بدوِی قوم کو حقائق کے تجزیہ وتعلیل کا مزاج دیا، حقائقِ کائنات میں جستجو اور تحقیق کا ذَوق دیا۔ کائنات کی تخلیق سے لے کر اُس کے اِختتام تک اور اِنسان کی تخلیق سے لے کر اُس کی موت تک، پھر موت سے قیامت تک کے اَحوال پر غور و فکر کے لئے بھی بنیادی مواد فراہم کیا۔ اِس طرح کائناتی اور اِنسانی علوم (sciences) کی ترقی کی راہیں تسلسل کے ساتھ کھلتی ہی چلی گئیں۔ چنانچہ اُمتِ مسلمہ میں علمی ذوق نے اِس حد تک فروغ پایا کہ حکم قرآنی ’’**عَلَّمَ بِالْقَلَمِ**‘‘ کا اِشارہ پا کر مسلم اہلِ علم نے ’’قلم‘‘ کی تاریخی تحقیق کا بھی حق اَدا کر دیا۔ یہاں تک کہ اِمام عبدالرحمٰن بن محمد بن علی الحنفی البسطامیؒ (۸۵۸ھ) نے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے دَور تک قلم کے جملہ مناہج و اَسالیب کی تاریخ پر ایک کتاب لکھی، جس کا نام ’’مباھجُ الأعلام فی مناھجِ الأقلام‘‘ رکھا۔ اُس کتاب میں اُنہوں نے ۱۵۰ سے زائد قلموں اور اُن کے اَدوار و اَحوال کی تاریخ مرتب کی ہے غالبًا یہ دُنیا میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام ہے، اُس کا مخطوطہ یونیورسٹی آف لیڈن (ہالینڈ) میں محفوظ ہے۔(۲)

قرآن حکیم اور علمی و سائنسی ترقی

قرآنِ عظیم کی جاری کردہ علمی و فکری تحریک نے دنیا کو اپنے حیطہ اثر میں لے لیا اور تاریکی و جہالت کے دور کے خاتمہ سے علم و حکمت کے نئے دور کا آغاز ہوا جو جدید دنیا کی بنیاد ہے۔ اب ہم قرآن حکیم کے مختلف انداز میں عقلی، فکری شعوری اور ذہنی بیداری کے بیان کا جائزہ لیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے انسان کی بیداری شعور (Intellectual Awakeness) کے مضمون کو مختلف انداز سے

(۱) القرآن، حم السجدہ، ۴۱: ۵۳

(2) Witkam, J. J., *Catalogue of Arabic Manuscripts* (xxi).

بیان کیا ہے۔ کہیں قرآن علم و حکمت کی عظمت بیان کرتا ہے، کہیں علم و حکمت کے حصول کی ترغیب دیتا ہے اور کہیں علم و حکمت سے محرومی کے انجام سے متنبہ کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے آگہی کے اس مضمون کو بیان کرنے کے لئے تذکر، تعقل، بصیرت، تفکر، شعور، علم، حکمت اور معرفت کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان میں سے ہر اصطلاح اپنی جگہ علوم و معارف کا سمندر ہے۔ جو انسانی زندگی کے کسی نہ کسی عملی پہلو کے ارتقاء سے تعلق رکھتی ہے۔ قرآن کی ان بیان کردہ علمی و فکری اصطلاحات کا مختصر تذکرہ یوں ہے:

ا۔ تذکر

تذکر کا مفہوم یاددہانی اور نصیحت خیزی ہے کہ انسان غور و فکر سے کام لے کر نصیحت حاصل کرے اور اپنے بھولے ہوئے اور فراموش گروہ نصب العین کو یاد کرکے اس کے حصول کے لئے کمربستہ ہو جائے۔ تذکر دراصل یاددہانی کے ساتھ غور و فکر اور علم کے آغاز کا نام ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا○[1]

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہوکر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور و فکر بھی کرتے ہیں)○''

وَ مَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ○[2]

''اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے سو (اسی طرح) جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے (وہ) اور بدکار بھی (برابر) نہیں ہیں۔ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو○''

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ○[3]

''اور درحقیقت ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کر سکیں○''

---

(۱) القرآن، الفرقان، ۲۵: ۷۳

(۲) القرآن، المومن، ۴۰: ۵۸

(۳) القرآن، الزمر، ۳۹: ۲۷

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔(۱)

۲۔ تدبر

تدبر غور و فکر کرنا ہے، ایسا غور و فکر جو صاحب تدبر کو اس شے کی حقیقت اور کنہ تک رسائی میں مدد دے۔ ارشاد ربانی ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيَاتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُوْلُوا الْاَلْبَابِo(۲)

''یہ کتاب برکت والی ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانش مند لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور نصیحت حاصل کریںo''

کہیں قرآن خود تدبر کی دعوت دیتا ہے کہ تدبر حق و باطل کی تمیز شناخت اور پہچان کا ذریعہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

أَفَلاَ يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَو كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ إِخْتِلاَفاً كَثِيْراًo(۳)

''تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر یہ (قرآن) غیرِ خدا کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتےo''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ البقرہ، ۲: ۱۱۴، ۲۸۲
۲۔ المائدہ، ۵: ۱۳
۳۔ الانعام، ۶: ۴۴، ۷۰، ۱۲۱
۴۔ الاعراف، ۷: ۱۶۵
۵۔ ابراہیم، ۱۴: ۵
۶۔ الکہف، ۱۸: ۵۷
۷۔ الحج، ۲۲: ۴۰
۸۔ النور، ۲۴: ۳۶
۹۔ الفرقان، ۲۵: ۷۳
۱۰۔ السجدہ، ۳۲: ۱۵، ۲۲
۱۱۔ یس، ۳۶: ۱۹
۱۲۔ الصافات، ۳۷: ۱۳
۱۳۔ ق، ۵۰: ۴۵
۱۴۔ الذاریات، ۵۱: ۵۵
۱۵۔ الطور، ۵۲: ۲۹

(۲) القرآن، ص، ۳۸: ۲۹

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۸۲

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا○[۱]

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں○''

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[۲]

۳۔ تعقل

تعقل سے مراد عقل وفکر کی وہ متوازن و معقول روش ہے جس کے تحت انسانی حقائق کو جھٹلاتا نہیں بلکہ ان کا اقرار کرتا ہے اور باطل کی نفی کرتا ہے اس طرز عمل اور ذہنی و عقلی رویے کا نتیجہ انسانی کردار کا استحکام ہوتا ہے جس سے انسانی کردار ثنویت اور منافقت کے لبادے کو تار تار کر کے وحدت کا مظہر بن جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ○[۳]

''کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم (اللہ کی) کتاب (بھی) پڑھتے ہو، تو کیا تم نہیں سوچتے○''

قرآن حکیم کے متعلق فرمایا گیا:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○[۴]

---

(۱) القرآن، محمد، ۴۷: ۲۴

(۲) ۱۔ یونس، ۱۰: ۳ — ۲۔ النساء، ۴: ۸۲
۳۔ التوبة، ۹: ۲۵ — ۴۔ الرعد، ۱۳: ۲
۵۔ الانبیاء، ۲۱: ۵۸ — ۶۔ المومنؤن، ۲۳: ۶۸
۷۔ النمل، ۲۷: ۳۱، ۸۰ — ۸۔ الروم، ۳۰: ۵۲
۹۔ السجدة، ۳۲: ۵ — ۱۰۔ ص، ۳۸: ۲۹
۱۱۔ محمد، ۴۷: ۲۴ — ۱۲۔ المعارج، ۷۰: ۱۷
۱۳۔ المدثر، ۷۴: ۲۳ — ۱۴۔ النازعات، ۷۹: ۲۲

(۳) القرآن، البقرة، ۲: ۴۴

(۴) القرآن، البقرة، ۲: ۲۴۲

’’اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ سکوo‘‘

جب آخرت کی کامیابی کے حصول کی ترغیب دی گئی تو تین مقامات پر دعوتِ تعقل دی گئی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُo[۱]

’’فرشتوں نے عرض کیا: تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہےo‘‘

قَالُوْآ اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْم بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ط قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّھْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَo[۲]

’’لوگ کہنے لگے: (اے موسیٰ!) ہمیں تو آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی اذیتیں پہنچائی گئیں اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی (گویا ہم دونوں طرح مارے گئے، ہماری مصیبت کب دور ہوگی؟) موسیٰ (علیہ السلام) نے (اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے) فرمایا: قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور (اس کے بعد) زمین (کی سلطنت) میں تمہیں جانشین بنا دے پھر وہ دیکھے کہ تم (اقتدار میں آکر) کیسے عمل کرتے ہوo‘‘

اس مفہوم کو سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۹ میں بھی بیان کیا گیا۔ عقل سے کام لینے اور تعقل کو اپنانے کی ترغیب و فضیلت بیان کرنے کے ساتھ عقل سے احتراز کے انجام سے بھی قرآن نے آگاہ کیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَo[۳]

’’وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) کفر کی گندگی انہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو (حق کو سمجھنے کے لئے) عقل سے کام نہیں لیتےo‘‘

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۳۲

(۲) القرآن، الاعراف، ۷: ۱۲۹

(۳) القرآن، یونس، ۱۰: ۱۰۰

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[1]

۴۔ تفکر

تفکر، بامقصد غور و فکر کرنا ہے، ارشاد ربانی ہے:

کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ○[2]

''اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو○''

پھر فرمایا:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ط اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ○[3]

''فرما دیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے○''

تاریخ ماسبق اور احوال امم کو بھی قرآن نے فکر کا مقصد قرار دیا:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ○[4]

''سو آپ یہ واقعات (لوگوں سے) بیان کریں تاکہ وہ غور و فکر کریں○''

---

(۱) ۱۔ القرآن، البقرہ، ۲: ۷۳، ۱۶۴، ۱۷۰، ۱۷۱

۲۔ آل عمران، ۳: ۶۵ — ۳۔ المائدۃ، ۵: ۵۸

۴۔ الانعام، ۶: ۳۲ — ۵۔ الاعراف، ۷: ۱۶۹

۶۔ یونس، ۱۰: ۱۶ — ۷۔ ہود، ۱۱: ۵۱،

۸۔ یوسف، ۱۲: ۲ — ۹۔ الانبیاء، ۲۱: ۱۰

۱۰۔ المومنون، ۲۳: ۸۰ — ۱۱۔ النور، ۲۴: ۶۱

۱۲۔ الشعراء، ۲۶: ۲۸ — ۱۳۔ القصص، ۲۸: ۶۰

۱۴۔ یس، ۳۶: ۶۲ — ۱۵۔ الصافات، ۳۸: ۱۳۸

۱۶۔ غافر، ۴۰: ۶۷

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۱۹

(۳) القرآن، الانعام، ۶: ۵۰

(۴) االقرآن، الاعراف، ۷: ۱۷۶

قرآن حکیم کے نزدیک تفکر ایک ایسا عمل ہے جو انسان کی زندگی کو ایک مقصد اور سمت عطا کر دیتا ہے اس کی زندگی سے بے مقصدیت خارج ہو جاتی ہے:

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِھِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔(۱)

’’یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما اس کی عظمت اور حُسن کے جلووں) میں فکر کرتے رہتے ہیں۔‘‘

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔(۲)

۵۔ بصیرت

بصیرت سے مراد وہ نگاہ ہے جو قلب و روح کی بیداری و آگہی سے تعلق رکھتی ہے کہ جب ظاہر کی آنکھ دیکھے تو من کی آنکھ اسی دیکھنے کو دیکھے اور اسے قبول کرے۔ قرآن ظاہر کے دیکھنے اور بصیرت کے دیکھنے کے فرق کو یوں واضح کرتا ہے:

وَتَرٰھُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَھُمۡ لَایُبۡصِرُوۡنَ○(۳)

’’اور آپ ان (بتوں) کو دیکھتے ہیں (وہ اس طرح تراشے گئے ہیں) کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ (کچھ) نہیں دیکھتے○‘‘

قرآن نے مختلف انداز سے اپنے قاری کو اس طرح متوجہ کیا ہے کہ وہ بصیرت سے کام لے اور اپنے گرد پھیلی نشانیوں کو دل کی نگاہوں سے مشاہدہ کریں اور معرفت ربانی حاصل کریں:

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۹۱

(۲) ۱۔ البقرۃ، ۲: ۲۱۹، ۲۶۶ ۔ ۲۔ آل عمران، ۳: ۱۹۱
۳۔ الانعام، ۶: ۵۰ ۔ ۴۔ الاعراف، ۷: ۱۷۶، ۱۸۴
۵۔ یونس، ۱۰: ۲۴ ۔ ۶۔ الرعد، ۱۳: ۳
۷۔ النحل، ۱۶: ۱۱، ۴۴، ۶۹ ۔ ۸۔ الروم، ۳۰: ۸، ۲۱
۹۔ سبا، ۳۴: ۴۶

(۳) القرآن، الاعراف، ۷: ۱۹۸

مَنْ اِلٰـهٌ غَيْرُ اللهِ يَـاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَـلَا تُبْصِرُوْنَ○[1]

''(تو) اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں رات لا دے کہ تم اس میں آرام کر سکو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو○''

پھر فرمایا:

وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَـلَا تُبْصِرُوْنَ○[2]

''اور خود تمہارے نفوس میں (بھی ہیں)، سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو○''

حتی کہ قرآن نے اس اندازِ نظر اور اندازِ عمل کو بصیرت کہا جو اللہ تک لے کر جاتا ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي۔[3]

''(اے حبیبِ مکرم!) فرما دیجئے: یہی میری راہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر (قائم) ہوں، میں (بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی۔''

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[4]

۶۔ شعور

شعور سے مراد بھی عقل اور فکر کی آ گہی کی صفت ہے۔ قرآن حکیم نے شعور کے لفظ کو کم و

(۱) القرآن، القصص، ۲۸: ۷۲

(۲) القرآن، الذاریات، ۵۱: ۲۱

(۳) القرآن، یوسف، ۱۲: ۱۰۸

(۴) ۱۔ البقرة، ۲: ۱۷   ۲۔ الاعراف، ۷: ۱۷۹

۳۔ یونس، ۱۰: ۴۳   ۴۔ ہود، ۱۱: ۲۰

۵۔ مریم، ۱۹: ۴۲   ۶۔ الانبیاء، ۲۱: ۳

۷۔ النمل، ۲۷: ۵۴   ۸۔ القصص، ۲۸: ۷۲

۹۔ السجدة، ۳۲: ۲۷   ۱۰۔ یس، ۳۶: ۹

۱۱۔ الصافات، ۳۷: ۱۷۵   ۱۲۔ الزخرف، ۴۳: ۵۱

۱۳۔ الذاریات، ۵۱: ۲۱   ۱۴۔ الطور، ۵۲: ۱۵

۱۵۔ الواقعہ، ۵۶: ۸۵   ۱۶۔ القلم، ۶۸: ۵

۱۷۔ الحاقة، ۶۹: ۳۸

بیش ۲۷ مرتبہ استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ ایک قابل غور نکتہ ہے جہاں بھی قرآن نے شعور کی اصطلاح استعمال کی وہاں اس انداز میں استعمال کی کہ شعور کے فقدان کا اظہار ہو۔ منافقین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ○(۱)

''مگر (فی الحقیقت) وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے○''

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ○(۲)

''آگاہ ہو جاؤ! یہی لوگ (حقیقت میں) فساد کرنے والے ہیں مگر انہیں (اس کا) احساس تک نہیں○''

کفار کے اور آقا ﷺ کی رسالت کے منکرین کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہوا:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ○(۳)

''یہ لوگ کیا انتظار کر رہے ہیں (بس یہی) کہ قیامت اُن پر اچانک آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو○''

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔(۴)

قرآن حکیم میں جہاں بھی شعور کا لفظ استعمال ہوا وہاں ایک تو شعور کے فقدان کے حوالے

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۹

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۲

(۳) القرآن، الزخرف، ۴۳: ۶۶

(۴) ۱۔ البقرۃ، ۲: ۹، ۱۲، ۱۵۴ — ۲۔ آل عمران، ۳: ۶۹
۳۔ الأنعام، ۶: ۲۶، ۱۲۳ — ۴۔ الأعراف، ۷: ۹۵
۵۔ یوسف، ۱۲: ۱۵، ۱۰۷ — ۶۔ النحل، ۱۶: ۲۱، ۲۶، ۴۵
۷۔ المؤمنون، ۲۳: ۵۶ — ۸۔ الشعراء، ۲۶: ۲، ۳، ۱۱۳
۹۔ النمل، ۲۷: ۱۸ — ۱۰۔ الزمر، ۳۹: ۵۵
۱۱۔ الحجرات، ۴۹: ۲

سے اس کا ذکر آیا دوسرے اس فہم کی کمی کی طرف اشارہ کیا گیا کہ انسان خیر کے بجائے شر کی طرف راغب ہے۔ گویا یہ اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ شر اور تباہی سے خیر اور فلاح کی طرف سفر کرنے اور فلاح کے حصول کا راستہ دراصل شعور کے فقدان کے ازالے کا راستہ ہے۔ جس قدر شعور بالغ، بالیدہ اور بیدار ہوگا اس قدر صاحب شعور منزل فلاح کی طرف گامزن ہوگا۔

۷۔ علم

علم کا معنی ہے جاننا اور جاننے کے مفہوم کے لئے قرآن نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ علم ہے۔ کم و بیش لفظ علم کو مختلف صورتوں میں (۷۷۷) بار استعمال کیا گیا۔ علم کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (۱)

''فرما دیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں۔''

علم کی وسعتوں اور لامحدودیت کو یوں بیان کیا گیا:

فَوْقَ كُلِّ ذِى عِلْمٍ عَلِيْمٌ○ (۲)

''ہر صاحب علم سے اوپر (بھی) ایک علم والا ہوتا ہے○''

علم کے شرف و منزلت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آقا دوجہاں ﷺ کو **وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى** کا مژدہ سنا کر بھی جس چیز کی زیادتی طلب کرنے کی تلقین کی گئی وہ علم ہی ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا○ (۳)

''اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے○''

---

(۱) القرآن، الزمر، ۳۹: ۹

(۲) القرآن، یوسف، ۱۲: ۶۲

(۳) القرآن، طہ، ۲۰: ۱۱۴

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[۱]

۸۔ حکمت

حکمت علم کی روح ہے۔ علم محض آگہی ہے اور آگہی کے اسرار کا نام حکمت ہے۔ علم صرف اطلاعات کا نام ہے جبکہ حکمت اس علم کی اطلاقی و عملی تعبیر۔ حکمت کی فضیلت و عظمت قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کی:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا ○[۲]

’’اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی ○‘‘

حکمت کی عملی و اطلاقی حیثیت کیا ہے؟ قرآن اس کو یوں بیان کرتا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ○[۳]

’’(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو ○‘‘

گویا فقط آگہی علم ہے مگر علم جب عمل و کردار اور روح علم سے مزین ہو کر حصول نتائج کا ضامن بن جائے تو حکمت ہوگا۔ اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[۴]

---

(۳) القرآن، النحل، ۱۶: ۱۲۵

(۱) ۱۔ البقرۃ، ۲: ۲۲، ۳۰، ۴۲، ۱۵۱، ۱۶۹، ۱۸۴، ۱۸۸

۲۔ آل عمران، ۳: ۶۶، ۷۱ ۳۔ الأنعام، ۶: ۶۷، ۸۱

۴۔ الأعراف، ۷: ۲۸ ۵۔ الأنفال، ۸: ۲۷

۶۔ التوبۃ، ۹: ۴۱ ۷۔ یونس، ۱۰: ۶۸

۸۔ ہود، ۱۱: ۳۹

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۶۹

(۴) ۱۔ البقرۃ، ۲: ۱۸۸، ۱۲۹، ۱۵۱، ۲۳۱، ۲۵۱، ۲۶۹، ۲۶۹

۲۔ آل عمران، ۳: ۴۸، ۸۱، ۱۶۴ ۳۔ النساء، ۴: ۵۴

۴۔ المائدۃ، ۵: ۱۱۰ ۵۔ النحل، ۱۶: ۱۲۵

←

۹۔ معرفت (عرفان)

معرفت پہچان کو کہتے ہیں، یعنی جب آ گہی اپنی کاملیت کو پہنچے گی اور شعور بیداری حاصل کرے گا تو یہ معرفت کی منزل پر منتج ہوگا اور معرفت کے مقام پر آ کر بیدار شعور زندہ عمل میں بدلنے لگتا ہے۔ یہاں غفلت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور انسان غفلت کی دبیز تہہ سے نکل کر بے عملی کے چنگل سے آزاد ہوجاتا ہے اور آ گہی کا احساس اسے ایک پل چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ وہ سراپا عمل بن جاتا ہے یعنی اس کی آ گہی اور بیداری شعور کا سفر جو تذکر سے شروع ہوا تھا معرفت تک پہنچتے پہنچتے اسے عمل کا پیکر بنا دیتا ہے۔ معرفت کے انسانی شخصیت پر کیا اثرات ہوتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

وَ إِذَا سَمِعُوْا مَآ أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى أَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ○(۱)

''اور (یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض سچے عیسائی) جب اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول (ﷺ) کی طرف اتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں کو اشک ریز دیکھتے ہیں۔ (یہ آنسوؤں کا چھلکنا) اس حق کے باعث (ہے) جس کی انہیں معرفت (نصیب) ہوگئی ہے۔ (ساتھ یہ) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم (تیرے بھیجے ہوئے حق پر) ایمان لے آئے ہیں سو تو ہمیں (بھی حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے○''

اس مضمون کو قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔(۲)

قرآن حکیم کے بیان کردہ اصطلاحات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف عقل وفکر کے مختلف تناظر اور پہلوؤں کو قرآن نے بیان کیا ہے بلکہ عقل وفکر اور شعور کی بیداری کے آغاز سے لے کر اس کے تمام مراحل کو بھی بتمام وکمال بیان کردیا ہے، علم وحکمت اور بیداری شعور کی اس اہمیت کو احادیث مبارکہ میں بھی واضح انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

.... ۶۔ الإسراء، ۱۷: ۳۹ — ۷۔ لقمان، ۳۱: ۱۲

۸۔ الأحزاب، ۳۳: ۳۴ — ۹۔ القمر، ۵۴: ۵

۱۰۔ الجمعة، ۶۲: ۲

(۱) القرآن، المائدہ، ۵: ۸۳

(۲) ۱۔ البقرة، ۲: ۸۹

۲۔ الأعراف، ۷: ۴۸

۱۰۔ اِیقان

ہر طرح کی فکری واضحیت اور شرح صدر کے بعد جب حقائق سے آ گاہی معرفت میں بدلتی ہے تو علم درجہ ایقان حاصل کر لیتا ہے، جسے قرآن حکیم نے اہل ایمان کا اہم وصف قرار دیا:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج وَبِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ○[۱]

''اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان لاتے ہیں، اور وہ آخرت پر بھی (کامل) یقین رکھتے ہیں○''

قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ○[۲]

''بیشک ہم نے یقین والوں کے لئے نشانیاں خوب واضح کر دی ہیں○''

وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ○[۳]

''اور یقین رکھنے والی قوم کے لئے حکم (دینے) میں اللہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے○''

قرآن حکیم اورفروغِ علوم

(Holy Quran & Development of Sciences)

قرآنِ مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ہمیں اِنسانی زِندگی کے ہر گوشے سے متعلق ہدایت فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک اَیسی کتابِ ہدایت ہے جس سے تمام علوم کے سُوتے پھوٹتے ہیں چنانچہ اَوائل دورِ اِسلام ہی سے قرآنِ مجید کو منبعِ علوم تصوّر کرتے ہوئے اُس سے مستنبط ہونے والے علوم وفنون پر کام کیا گیا۔ قاضی ابوبکر بن عربیؒ اپنی کتاب 'قانونُ التأوِیل' میں بیان کرتے ہیں:

وعلوم الحدیث ستون علمًا، وعلوم القرآن أکثر۔[۴]

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۴

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۱۸

(۳) القرآن، المائدۃ، ۵: ۵۰

(۴) أبوبکر بن عربی، قانون التأویل: ۵۱۶

’’علوم الحدیث کی تعداد ساٹھ (۶۰) ہے اور علومِ قرآن بے شمار ہیں۔‘‘

قرآنی علوم کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس (۷۷۴۵۰) ہے۔ مسلمان اہلِ علم نے صرف مطالعۂ قرآن کے ذریعے جو علمی و اَدبی اور سائنسی و سماجی علوم و فنون اَخذ کئے اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:

ا۔ مذہبی علوم (Religious Sciences)

۱۔ علمُ التوحید (theology)[۱]

۲۔ علمُ القراۃ والتجوید (pronunciation)[۲]

۳۔ علمُ التفسیر (exegesis)[۳]

۴۔ علمُ الاصول (science of fundamentals)[۴]

۵۔ علمُ الفروع (science of branches)[۵]

۶۔ علمُ الکلام (theology)[۶]

۷۔ علمُ الفقہ والقانون (law & jurisprudence)[۷]

۸۔ علمُ الفرائض والمیراث (law of inheritance)[۸]

۹۔ علمُ التزکیہ والتصوف (theosophy)[۹]

---

(۱) الإخلاص، ۱۱۲: ۱۔۴

(۲) المزمل، ۷۳: ۴

(۳) الفرقان: ۲۵۔۳۳

(۴) النساء، ۴: ۸۳

(۵) آل عمران، ۳: ۷

(۶) النمل: ۲۷: ۶۰۔۶۴

(۷) النساء، ۴: ۵۸

(۸) النساء، ۷۔۱۲

(۹) الشمس، ۹۱: ۸۔۱۰

۱۰۔ علمُ التعبیر (oneiromancy)[۱]

۲۔ زبان و ادب (Language & Literature)

۱۱۔ علمُ النحو (grammer & syntax)[۲]

۱۲۔ علمُ الصرف (morphology)[۳]

۱۳۔ علمُ اللغہ (linguistics)[۴]

۱۴۔ علمُ الادب (literature)[۵]

۱۵۔ علمُ البلاغت، المعانی، البیان، البدیع (rhetoric)[۶]

۳۔ حکمت و فلسفہ (Philosophy)

۱۶۔ علمُ الفلسفہ (philosophy)[۷]

۱۷۔ علمُ المنطق (logic)[۸]

۴۔ سماجی علوم (Social Sciences & Humanities)

۱۸۔ علمُ الحرب (science of war)[۹]

۱۹۔ علمُ التاریخ (history)[۱۰]

---

(۱) یوسف، ۱۲:۱۰۱

(۲) یوسف، ۱۲:۲

(۳) طہ، ۲۰:۱۱۳

(۴) النمل، ۱۶:۱۰۳

(۵) فصلت، ۴۱:۳

(۶) الرحمن، ۵۵:۴

(۷) العلق، ۹۶:۵

(۸) النمل، ۱۶:۱۲۵

(۹) انفال، ۸:۶۰

(۱۰) النمل، ۲۷:۷۶

۲۰۔ علمُ المناظرہ (polemics)[۱]

۲۱۔ علمُ النفسیات (psychology)[۲]

۲۲۔ علمُ الجریمہ (criminology)[۳]

۲۳۔ علمُ الاخلاق (ethics)[۴]

۲۴۔ علمُ السیاسہ (political science)[۵]

۲۵۔ علمُ المعاشرہ (sociology)[۶]

۲۶۔ علمُ الثقافہ (culture)[۷]

۲۷۔ علمُ الخطاطی (calligraphy)[۸]

۲۸۔ علمُ المعیشت والاقتصاد (economics)[۹]

۵۔ طبعی علوم (Physical Sciences)

۲۹۔ علمُ الکیمیا (chemistry)[۱۰]

۳۰۔ علمُ الطبیعیات (physics)[۱۱]

---

(۱) النمل، ۱۶: ۱۲۵

(۲) القیامۃ، ۷۵: ۲

(۳) المدثر، ۷۴: ۳۸

(۴) القلم، ۶۸: ۴

(۵) یوسف، ۱۲: ۵۶

(۶) البقرہ، ۲: ۲۱۳

(۷) الروم، ۳۰: ۲۲

(۸) العلق، ۹۶: ۴

(۹) یوسف، ۱۲: ۵۵

(۱۰) النزعت، ۷۹: ۱، ۲

(۱۱) النزعت، ۷۹: ۳۔۵

۳۱۔ علمُ الحیاتیات (biology)[۱]

۳۲۔ علمُ الجبر والمقابلہ (algebra)[۲]

۳۳۔ علمُ النباتات (botany)[۳]

۳۴۔ علمُ الزراعہ (agronomy)[۴]

۳۵۔ علمُ الحیوانات (zoology)[۵]

۳۶۔ علمُ الطب (medical science)[۶]

۳۷۔ علمُ الأدویہ (pharmacology)[۷]

۳۸۔ علمُ الجنین (embryology)[۸]

۳۹۔ علم تخلیقیات (cosmology)[۹]

۴۰۔ علم کونیات (cosmogony)[۱۰]

۴۱۔ علمُ الہیئت (astronomy)[۱۱]

۴۲۔ علمِ جغرافیہ (geography)[۱۲]

---

(۱) الانبیاء، ۲۱: ۳۰

(۲) یونس، ۱۰: ۵

(۳) یس، ۳۶: ۳۶

(۴) النحل، ۱۶: ۱۱

(۵) المومنون، ۲۳: ۲۱

(۶) الشعراء، ۲۶: ۸۰

(۷) النحل، ۱۶: ۶۹

(۸) العلق، ۹۶: ۲

(۹) الأنبیاء، ۲۱: ۳۲

(۱۰) الأنبیاء، ۲۱: ۳۳

(۱۱) الملك، ۶۷: ۳۔۵

(۱۲) الغاشیة، ۸۸: ۲۰

۴۳۔ علمُ الأرضیات (geology)[1]

۴۴۔ علمُ الآثار (archaeology)[2]

۴۵۔ علمُ المیقات (timekeeping)[3]

اِسی طرح اَحادیثِ نبوی سے بھی ہزارہا علوم وفنون کا اِستنباط کیا گیا اور اگلی صدیوں میں اُن پر تحقیق کے ذریعے ہزاروں کتب کا بیش بہا ذخیرہ مرتب ہوا۔

سیرتِ محمدی ﷺ اور علمی و سائنسی ترقی

(Seerah of the Holy Prophet & Scientific Development)

حضور نبی اکرم ﷺ کے مقاصد بعثت اور طرز تربیت میں عالم انسانیت کو صرف عقیدہ توحید و رسالت کے مذہبی و روحانی اور اعتقادی و اخلاقی پہلوؤں سے ہی شناسا و آراستہ کرنا نہیں بلکہ انہیں علم و دانش اور حکمت و دانائی کی دولت سے نوازنا بھی تھا۔ جب حضرت علی مرتضی نے آقا ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: آپ کی سنت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المعرفة رأس مالي والعقل أصل ديني والحب أساسي، والشوق مركبي، و ذكر الله أنيسي، والثقة كنزي، والحزن رفيقي، والعلم سلاحي، والصبر ردائي، والرضا غنيمتي والفقر فخري، والزهد حرفتي، واليقين قوتي، والصدق شفيعي، والطاعة حسبي، والجهاد خلقي، وقرة عيني في الصلاة۔[4]

’’معرفت میرا راس المال (سرمایہ) ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا انیس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، غم میرا رفیق ہے،

---

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۳۱

(۲) يس، ۳۶: ۷۸

(۳) ۱۔ الإسراء، ۱۷: ۱۲

۲۔ الكهف ۱۰: ۱

(۴) قاضی عياض، الشفاء، ۱: ۱۱۶

علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میرا مالِ غنیمت ہے، فقر میرا فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری قوت (غذا) ہے، صدق میری سفارش ہے، طاعت میری کفایت کرنے والی ہے، جہاد میرا اخلق ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔‘‘

دیگر کئی احادیث میں بھی علم و آگہی کی اہمیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو آقا ﷺ نے بیان فرما کر امت پر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آپ کے نزدیک علم و حکمت کی اہمیت و عظمت کیا ہے۔ احادیث کے ذخیرہ سے چند احادیث بیان کی جاتی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں علم و حکمت کی اہمیت واضح ہو جائے۔

۱۔ حضرت سہل بن ساعدی بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایسے میں ایک خاتون حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں کھڑی ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کرتی ہوں۔ اب آپ جو چاہیں کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھر کھڑی ہوئی اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کر دیا، آپ جو چاہیں کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تیسری مرتبہ کھڑی ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کر دیا، آپ جو چاہیں کریں۔ اس کے بعد ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس کا نکاح مجھ سے کر دیجئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: تمہارے پاس (مہر کے لئے) کچھ ہے۔ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور تلاش کرو، ایک لوہے کی انگوٹھی بھی اگر مل جائے (تو لے آؤ)۔ وہ گئے اور تلاش کیا، پھر واپس آ کر عرض کیا: میں نے کچھ نہیں پایا، لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا:

هل معك من القرآن شيء؟

’’کیا تمہارے پاس کچھ قرآن ہے؟‘‘

انہوں نے عرض کیا:

معي سورة كذا وسورة كذا.

’’(جی ہاں!) میرے پاس فلاں فلاں سورتیں ہیں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذهب فقد انكحتكها بما معک من القرآن۔[1]

’’پھر جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس (عورت) سے اس قرآن میں سے جو تمہارے پاس محفوظ ہے کے ساتھ کیا۔‘‘

آقا ﷺ نے یہاں اپنے ایک صحابی کا نکاح صرف قرآن کے یاد ہونے پر ایک محاسبہ سے کیا کہ اگرچہ وہ مہر کے لئے کوئی رقم وغیرہ نہیں رکھتے تھے مگر قرآن یاد تھا اور اسے اپنی زوجہ کو یاد کروا کر اس کے فروغ کے لئے اپنا کردار ادا کر سکتے تھے۔

۲۔ حمید بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سمعت معاوية خطيبًا يقول: سمعت النبی ﷺ يقول: من يرد الله به خيرًا يفقهه فی الدين، وإنما أنا قاسم والله يعطی و لن تزال هذه الأمة قائمة علی أمر الله لا يغيّرهم من خالفهم حتی يأتی أمر الله۔[2]

’’میں نے معاویہ سے سنا کہ وہ خطبہ کے دوران فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں۔ دینے والا تو اللہ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی جو شخص ان کی مخالفت کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے۔‘‘

۳۔ حضرت محمد بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النكاح، باب إذا كان الولي هوالخاطب، ۵: ۱۹۷۲، رقم: ۴۸۳۹

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب النكاح، باب منه، ۳: ۴۲۱، رقم: ۱۱۱۴

۳۔ نسائی، السنن، کتاب النكاح، باب الكلام الذي ينعقد به النكاح، ۶: ۹۱، رقم: ۳۲۸۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۴۰۳، رقم: ۴۰۹۳

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب من يرد الله به خيرًا يفقّهه في الدّين، ۱: ۳۹، رقم: ۷۱

ثلاثة لهم أجران: رجل من أهل الكتاب آمن بنبيّه وآمن بمحمد ﷺ والعبد المملوک إذا أدلی حقّ اللہ وحقّ مواليه ورجل كانت عنده أمة يطؤها فأدّبها فأحسن تأديبها وعلّمها فأحسن تعليمها ثم أعتقها فتزوّجها فله أجران۔(۱)

''تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں: ایک وہ جو اہلِ کتاب میں سے ہو اور اپنے نبی اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لایا اور دوسرا وہ مملوک غلام جو اپنے آقا اور اللہ (دونوں) کا حق ادا کرے اور (تیسرا وہ) آدمی جس کے پاس کوئی لونڈی ہو جس سے شب باشی کرتا ہو پھر اس نے اسے تربیت دی اور اچھی تربیت دی، تعلیم دی تو عمدہ تعلیم دی، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لئے بھی دو اجر ہیں۔''

۴۔ **تعلّموا العلم لأنه معالم الحلال و الحرام و منار سبل أهل الجنة و هو الأنيس فی الوحشة و الصاحب فی الغربة و المحدّث في الخلوة و الدليل على السراء و الضراء و السلاح على الأعداء والزين عند الأخلاء يرفع الله به أقواماً فيجعلهم فی الخير قادة قائمة تقتص آثارهم و يقتدى بفعالهم و ينهى الى رأيهم.**(۲)

''علم حاصل کرو یہ حلال و حرام کے نشانات کا تعین کرنے والا ہے اور اہلِ جنت کے راستوں کا منار ہے (جسے دیکھ کر وہ ہدایت پکڑتے ہیں) یہ وحشت میں مونس ہے غربت میں ساتھی ہے، خلوت میں (اپنے صاحب کے ساتھ) گفتگو کرنے والا ہے یہ خوشی کی طرف لے جانے والا اور غم سے نجات دلانے والا ہے۔ یہ دشمنوں کے خلاف ہتھیار اور دوستوں کے درمیان حسن و زیور ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی وجہ سے قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور انہیں بھلائی میں قائم و دائم ایسے رہنما بناتا ہے جن کے آثار بیان کئے جاتے ہیں

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب العلم، باب تعليم الرجل أمته وأهله، ۱: ۴۸، رقم: ۹۷

۲۔ بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۸۰، رقم: ۲۰۳

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۵، رقم: ۲۸۹۵

(۲) منذری، الترغيب الترہيب، ۱: ۵۲

اور جن کے کارناموں کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کی آراء کو حتمی تصور کیا جاتا ہے۔‘‘

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

كَمَا اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيۡكُمۡ وَ يُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمۡ مَّالَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ○[1]

’’جیسے ہم نے تمہارے اندر تم ہی سے ایک (برگزیدہ) رسول بھیجا جو تم پر (نورِ حق آشکار کرنے کے لیے) ہماری آیات تلاوت فرماتا ہے اور (تمہاری باطنی صفائی کے لیے) تمہارا تزکیہ فرماتا ہے اور تمہیں کتاب الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار و معارف علوم وفنون اور انسانی ترقی و کمال کے طریقے) سکھاتا ہے جو تم بالکل نہیں جانتے تھے○‘‘

قرآن مجید نے بصراحت اس حقیقت کو بیان کر دیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے امت کو تلاوت آیات کے نور سے آراستہ کیا اور تزکیہ نفوس کے فیض سے پیراستہ کیا، پھر امت کو جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے تعلیمات قرآنی سے نوازا تو یہ امت نورعلم وعرفان سے چمک اٹھی ساتھ ہی اسے حکمت و دانائی اور تدبر وفراست کے زیور سے مزین کیا جس سے وہ علوم عقلیہ اور فنون حکمیہ کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگی، اور بعد ازاں آپ ﷺ نے امت کو ان تمام اسرار و معارف اور لطائف وغوامض کی نہ صرف نشاندہی اور رہنمائی فرما دی جن سے ظاہری و باطنی تہذیب و ترقی ممکن تھی بلکہ خود اپنی حیات طیبہ میں ہمہ جہت ارتقاء وتکمیل کے نظام کی بنیاد رکھ دی، معاشرتی و ریاستی استحکام، مادی و روحانی ثقافت اور فنی، علمی اور سائنسی ترقی کی شاہراہیں کھول دیں اور امت کو اپنی نگرانی میں ان پر کامیابی کے ساتھ اس طرح گامزن فرما دیا کہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی، پھر مشارق الارض سے مغارب الارض تک امت کی کامیابی کی خبر، خزانہ ہائے ارضی کی چابیوں کا حصول، شام کے محلات کا دکھایا جانا، کسرائے ایران کے محل کے کنگروں کا گرایا جانا، آتش کدہ فارس کی آگ کا بجھایا جانا، فلسطین کے بیت المقدس میں شب معراج امامت انبیاء کی ادائیگی فرمانا، حصول علم کیلئے چین تک پہنچنے کا ذکر فرمانا، فتوحات ہند اور فتوحات قسطنطنیہ (روم) کا تذکرہ اور ان لشکروں کی فضیلت کا بیان فرمانا، یہ سب کچھ آنے والی صدیوں میں اسلامی تمکن وفتوحات اور امت مسلمہ کو ان منزلوں تک پہنچانے کی ضمانت اور خبر دی جا رہی تھی۔ چنانچہ جو کچھ آپ ﷺ نے

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۵۱

فرمایا وہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ہی بتمام و کمال پورا ہو گیا، چشم فلک اور نگاہ عالم نے بشارات محمدی ﷺ کے حق ہونے کے نظارے دیکھے اور تاریخ نے آج تک ان کے نقوش و ثبوت چہرہ ارض اور سینہ اوراق میں اس طرح محفوظ کیے ہوئے ہیں کہ اغیار اور دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔

اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے فیضان سیرت کا اثر تھا کہ امت مسلمہ اس وعدہ الٰہی:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَھِیۡدًا○[1]

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں افضل امت بنایا تاکہ تم بنی نوع انسان (یعنی اقوام عالم) پر نگران بنو اور رسول تم پر نگراں رہیں○''

کے مطابق پہلی صدی میں ہی اقوام عالم کی نگران و رہنما بن گئی اور اس نے ہر جہت سے اہل جہاں پر اپنی افضلیت و فوقیت کا سکہ منوا لیا اور قرآن مجید کے فرمان کی رو سے یہ سب کچھ نگرانی رسالت محمدی ﷺ میں ہوا۔ وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَھِیۡدًا کے کلمات اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کر رہے ہیں کہ امت مسلمہ کی تمام تر ترقی ''شہادتِ رسالتِ محمدی ﷺ'' کا مظہر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس علمی، سائنسی اور ثقافتی ترقی کے معین اور مشخص تذکرے بھی فرما دیے تھے۔ اس باب میں کچھ احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ صحابہ کرام ﷡ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی اور پھر منبر پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے نماز عصر ادا فرمائی اور پھر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اس تمام عرصہ کے دوران میں حضور ﷺ نے ابتداء کائنات سے لے کر قیامت تک کے حالات و واقعات بیان فرمائے۔ حضرت عمرو بن اخطب انصاری ﷛ نے یہ منظر اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

صلّی بنا رسول اللہ ﷺ الفجر، و صَعِد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر، فنزل فصلّی، ثم صَعِد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر، ثم نزل فصلی، ثم صَعِد المنبر، فخطبنا حتی غربت الشمس فأخبرنا بما کان وبما

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۴۳

هو كائن، فأعلمنا أحفظنا۔(۱)

’’ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا حتی کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ ﷺ نے منبر سے اُتر کر نمازِ ظہر پڑھائی اور اس کے بعد دوبارہ منبر پر تشریف فرما ہو کر ہمیں خطبہ اِرشاد فرمایا حتی کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے اُتر کر نمازِ عصر پڑھائی، پھر منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ اِرشاد فرمایا حتی کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ ﷺ نے ہمیں وہ تمام چیزیں بتادیں جو ہوچکی تھیں اور جو ہونے والی والی تھیں (یعنی مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ (جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا سب) کی خبریں دیں)۔ پس جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا وہ زیادہ عالم تھا (یعنی اُس نے زیادہ یاد رکھا)۔‘‘

۲۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

قام فينا النبی ﷺ مقامًا، فأخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل أهل الجنة منازلهم و أهل النار منازلهم، حَفِظ ذٰلک مَن حَفِظَه و نَسِيَه مَن نَسِيَه۔(۲)

’’ایک دن رسالت مآب ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے مخلوق کی پیدائش کا اِبتدا سے ذِکر فرمانا شروع کیا یہاں تک کہ جنتی اپنے مقام پر پہنچ گئے اور دوزخی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفتن و إشراط الساعة، باب إخبار النبی فيما يکون إلی قيام الساعة، ۴:۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۲
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵:۹، رقم: ۶۶۳۸
۳۔ شيبانی، الآحاد و المثانی، ۴: ۱۹۹، رقم: ۲۱۸۳
۴۔ حاکم، المستدرک، ۴:۴۸۷، رقم: ۸۴۹۸
۵۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۱۷:۲۸، رقم: ۴۶
۶۔خطيب تبريزی، مشکوٰة المصابيح، ۳:۱۱ ۳، رقم:۵۹۳۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللّٰه تعالی، ۳:۱۱۶۶، رقم: ۳۰۲۰
۲۔ خطيب تبريزی، مشکوٰة المصابيح، ۳: ۲۴۳، رقم: ۵۶۹۹،
۳۔ عسقلانی، تغليق التعليق، ۳: ۴۸۶، رقم: ۳۱۹۲

اپنے مقام پر (یعنی ابتدائے خلق (Creation of Universe) سے لے کر اہلِ جنت کے جنت میں داخل ہونے اور ان کے منازل تک پہنچنے اور اہلِ جہنم کے جہنم میں داخلے اور ان کے ٹھکانے تک سب کچھ بیان فرما دیا)۔ پس اس بیان کو جس نے جس قدر یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے جو کچھ بھلا دیا وہ بھول گیا۔‘‘

۳۔ اسی طرح ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

فحدّثنا (وأخبر فيها) بما كان وبما هو كائن إلى يوم القيامة فأعلمنا أحفظنا۔(۱)

’’پس حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بیان فرما دیا (اور ہمیں بتایا) جو کچھ پہلے ہو چکا تھا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، سو ہم میں زیادہ عالم وہی ہے جس نے اسے زیادہ یاد رکھا۔‘‘

۴۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لقد تركنا رسول الله ﷺ وما يحرّك طائر جناحيه في السّماء إلا أَذْكَرَنَا منه علماً۔(۲)

’’اور رسول اللہ ﷺ جب ہم سے رخصت ہوئے تو (آپ ﷺ نے اس قدر علم بیان فرمایا) کہ آسمانی فضا میں ایک پرندہ جو اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے (وہ کیسے حرکت دیتا ہے) آپ ﷺ نے اس کا علم بھی ہمیں بتا دیا تھا۔‘‘

اس حدیث میں حرکت کے قانون (Law of Motion) کا علم بیان کیا گیا۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سيكون في آخر هذه الأمة رجال يركبون على المياثر۔(۳)

’’عنقریب میری امت کے دور اواخر میں لوگ گوشت پوست اور ہڈیوں کے جانوروں کی بجائے دوسری سواریوں (یعنی موٹر گاڑیوں) پر سفر کریں گے۔‘‘

---

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۷: ۲۸، رقم: ۴۶

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۵۳، رقم: ۲۱۳۹۹

(۳) حاکم، المستدرک، ۴: ۴۸۳، رقم: ۸۳۴۶

اس حدیث میں مکینکل ٹیکنالوجی (Mechanical technology) کی ترقی کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

۶۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مکان (space) اور زمان (time) سے متعلق دور جدید کی سائنسی ترقی کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان یوں مروی ہے:

لا تقوم السّاعة حتی يتقارب الزمان و تزوی الأرض زيا۔(۱)

''اس وقت تک قیامت منعقد نہیں ہو گی جب تک زمانے (وقت) کی اکائیاں اور زمین کے فاصلے سمٹ کر ایک دوسرے کے بالکل قریب نہ آ جائیں۔''

۷۔ حدیث ابو الزاہریہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن اللہ تعالی قال: أبثّ العلم فی آخر الزمان حتی يعلمه الرجل و المرأة و العبد و الحرّ و الصغير و الکبير، فإذا فعلت ذالک بهم أخذتهم بحقی عليهم۔(۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں آخری زمانہ میں علم کو (دنیا کے گھر گھر میں) خوب پھیلا دوں گا حتی کہ مرد، عورت، غلام، آزاد اور چھوٹے، بڑے سب اس کو پا لیں گے۔ پس جب میں لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ کر لوں گا تو پھر ان پر اپنے حقِ واجب کی بنا پر ان کی گرفت بھی کروں گا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ خبر بھی آڈیو، ویڈیو سسٹم، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر انٹرنیٹ اور دیگر الیکٹرانک میڈیا کے عام ہونے کی صورت میں واقعہ بن چکی ہے۔

۸۔ اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بيده! لا تقوم الساعة حتی تکلم السباع الإنس، و حتی

---

(۱) ہندی، کنز العمال، ۱۴: ۲۸۸۶

(۲) ۱۔ دارمی، السنن، ۱: ۹۲، رقم، ۲۵۳

۲۔ أبو نعیم، حلية الأولياء، ۶: ۱۰۰

تُکلّم الرجل عذبة سوطه، وشراک نعله، و تخبره فخذه بما أحدث أهله بعده۔[1]

’’اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! قیامت اس وقت تک بپا نہیں ہوگی جب تک (عالم انسانیت یہاں تک ترقی نہ کر جائے) کہ بہائم (تفتیشی کتے اور دیگر جانور) انسان سے ہمکلام ہو اور آدمی کے چابک کا دستہ اور اس کے جوتے کا تسمہ اس سے کلام کرے (مراد ٹیلی کمیونیکیشن اور انٹیلی جنس کے حساس خفیہ آلات) یعنی سائنس ترقی کے ذریعے ان میں سے آوازیں آنے لگیں گی اور وہ معلومات فراہم کریں گی۔ اسی طرح انسان کی ران (مراد انسانی اعضاء کی مانند جاسوسی کے آلات) اسے خبر دے گی کہ اس کے بعد اس کے گھر والے کیا کرتے رہے ہیں۔‘‘

اس حدیث نبوی ﷺ میں دور جدید کے ان تمام صوتی و سمعی آلات ٹیلیفون، کمپیوٹر، الیکٹرانک آلات (Electronic Devices) اور الیکٹرانک سسٹم کا اشارہ فرما دیا گیا ہے جو تفتیش وتحقیق، مخبری و جاسوسی اور ترسیلات و مواصلات کے سلسلے میں زیر استعمال آرہے ہیں۔ الغرض وہ ساری سائنسی و تکنیکی ترقی جو اوائل دور اسلام میں ہی شروع ہوگئی تھی پھر دمشق، بغداد، مصر اور سپین کے راستوں سے یورپ اور عالم مغرب میں منتقل ہوئی اور آج تک آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ درحقیقت حضور نبی اکرم ﷺ ہی کی سیرت طیبہ کا فیضان ہے کیونکہ اولاً اس تمام تر ترقی کی خبر حضور نبی اکرم ﷺ نے دی اور یوں مسلمان اس طرف تحقیق کیلئے متوجہ ہوئے پھر آپ ﷺ ہی کے فرمان کے بعد علمی دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس نئے دور کا آغاز ہوا۔ ثانیاً اس ہمہ جہت ترقی کے بانی اور مؤسس ابتدائی صدیوں کے وہی عرب مسلمان بنے جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے فیض نے علم وفن اور تحقیق وجستجو کی راہوں پر گامزن کر دیا تھا۔

ایک غیر مسلم مؤرّخ نے اِسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

The coming of Islam six hundred years after Christ, was the new, powerful impulse. It started as a local event, uncertain in its outcome; but once Muhammad conquered Makkah in

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی نسخ الکلام ۴:۴۷۶، رقم: ۲۱۸۱

۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۱:۲۷

630 AD, it took the southern world by storm. In a hundred years, Islam conquered Alexandria, established a fabulous city of learning in Baghdad and thrust its frontier to the east beyond Isfahan in Persia. By 730 AD the Muslim Empire reached from Spain and Southern France to the borders of China and India. An empire of spectacular strength and grace while Europe lapsed into the Dark Age ...... Muhammad had been firm that Islam was not to be a religion of miracles, it became in intellectual content a pattern of contemplation and analysis.(1)

’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چھ سو برس بعد اِسلام کا ظہور ایک نئی توانا تحریک کے طور پر ہوا۔ اُس کا آغاز ایک مقامی حیثیت سے ہوا، اور شروع میں نتائج کے اِعتبار سے صورتِ حال غیر یقینی تھی، مگر نبئ اکرم ﷺ ۶۳۰ء میں جونہی فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے تو دُنیا کے جنوبی حصہ میں حیرت انگیز تبدیلی واقع ہوئی۔ ایک صدی کے اندر ’اسکندریہ‘ فتح ہوا، ’بغداد‘ اِسلامی علم و فضل کا شاندار مرکز بنا اور اِسلامی حدوں کی وُسعت مشرقی اِیران کے شہر ’اِصفہان‘ سے آگے نکل گئی۔ ۷۳۰ء تک اِسلامی سلطنت ’اندلس‘ اور ’جنوبی فرانس‘ کو سمیٹتی ہوئی ’چین‘ اور ’ہندوستان‘ کی سرحدوں تک جا پہنچی۔ طاقت اور وقار کی اِس اِمتیازی شان کے ساتھ جہاں مسلم سلطنت اپنے عروج پر تھی وہاں یورپ اُس وقت پستی اور تنزّل کے تاریک دَور سے گزر رہا تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے اِسلام کو معجزات کے محدُود دائرہ میں رکھنے کی بجائے اُسے غور و فکر اور تجزیہ کی نمایاں عقلی و فکری چھاپ عطا کی۔‘‘

حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کے زیر اثر ہی اپنے دور کی جاری روایات کے برعکس مسلمانوں نے حقیقی سائنسی انداز سے کائنات کا مطالعہ شروع کیا۔ مسلمانوں میں علمی اور سائنسی روایت کے آغاز میں قرآن حکیم کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے فلپ ہٹی (Philip K. Hitti) لکھتا ہے:

The attention and interest of the Moslem Arabs were drawn quite early to those branches of learning motivated by the religious impulse. The necessity of comprehending and explaining the Koran soon became the basis of intensive theological as well as linguistic study.(2)

---

(1) Bronowski, J., *The Ascent of Man*, pp. 165-166.
(2) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 393.

’’بہت شروع سے ہی مسلمان عربوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز وہ علوم قرار پائے جن کے حصول کی ترغیب دین میں موجود تھی۔ قرآن حکیم کی تفہیم اور تشریح کی ضرورت جلد ہی وسیع مذہبی اور لسانیاتی مطالعہ کی بنیاد بن گئی۔‘‘

فلپ ہٹی (Philip K. Hitti) نے مسلمانوں میں علمی اور سائنسی رجحانات کے فروغ کو حضور اکرم ﷺ کے فرامین کا فیضان قرار دیتے ہوئے لکھا:

Arab interest in the curative science found expression in the prophetic tradition that made science twofold: theology and medicine. The physician wat at the same time metaphysician, philosopher and sage and the title Hakim was indifferently applied to him in all these capacities.(1)

’’علم الطب میں مسلمانوں کی دلچسپی کا سبب حضور اکرم ﷺ کی احادیث میں اس علم کا ذکر ہے۔ جس سے یہ علم دو نوعی اہمیت کا حامل ہو گیا: حکمت دین اور علم طب۔ ایک طبیب بیک وقت ما بعد الطبعیات کا ماہر، فلسفی اور دانشور ہوتا تھا۔ اور ’حکیم‘ کے لقب کا اطلاق ان تمام حیثیتوں پر یکساں تھا۔‘‘

سو یہ ایک ثابت تاریخی حقیقت ہے کہ عالمِ عرب اور عالم اسلام کی جملہ علمی و سائنسی اور ثقافتی ترقی حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہی فیضِ مسلسل ہے اور یہ کہ اُمت کی عظمت حقیقت میں اسی کتابِ سیرت کا ہی ایک باب ہے۔ اسلام کا یہی فیضان بعد میں بقیہ دنیا میں منتقل ہوا اور انسانی شعور توہمات کی بجائے سائنسی اور تحقیقی انداز فکر کا خوگر ہوا۔ مغرب کا نامور مؤرِخ اور محقق رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) اس حقیقت کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

It is highly probable that but for the Arabs, modern European civilisation never have assumed that ...... character which has enabled it to transcend all previous phases of evolution. For although there is not a single aspect of European growth in which the decisive influence of Islamic culture is not traceable, nowhere is it so clear and momentous as in the genesis of that power which constitutes the paramount distinctive force of the modern world and the supreme source of its victory, natural science and the scientific spirit.

(1) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 364.

What we call science arose in Europe as a result of a new spirit of enquiry, of new methods of investigation, experiment, observation and measurement of the development of mathematics in a form unknown to the Greeks. That spirit and those methods were introduced into the European world by the Arabs.(1)

''اِس بات کا غالب اِمکان ہے کہ عرب مشاہیر سے خوشہ چینی کئے بغیر جدید یورپی تہذیب دورِ حاضر کا وہ اِرتقائی نقطۂ عروج کبھی حاصل نہیں کر سکتی تھی جس پر وہ آج فائز ہے۔ یوں تو یورپی فکری نشو و نما کے ہر شعبے میں اِسلامی ثقافت کا اثر نمایاں ہے لیکن سب سے نمایاں اثر یورپی تہذیب کے اُس مقتدِر شعبے میں ہے جسے ہم تسخیرِ فطرت اور سائنسی وِجدان کا نام دیتے ہیں۔ یورپ کی سائنسی ترقی کو ہم جن عوامل کی وجہ سے پہچانتے ہیں وہ 'جستجو'، 'تحقیق'، 'تحقیقی ضابطے'، 'تجربات'، 'مُشاہدات'، 'پیائش' اور 'حسابی مُوشگافیاں' ہیں۔ یہ سب چیزیں یورپ کو معلوم تھیں اور نہ یونانیوں کو، یہ سارے تحقیقی اور فکری عوامل عربوں کے حوالے سے یورپ میں متعارف ہوئے۔''

جوزف شاخت (Joseph Schacht) اسی حقیقت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

There is no doubt that the Islamic sciences exerted a great influence on the rise of European science; and in this Renaissance of knowledge in the west there was no single influence, but diverse ones; the main influence was of course, from Spain, then from Italy and Palestine through the crusaders, who had mixed with Muslims and seen the effect of sciences in Muslim culture.(2)

''اِس اَمر میں قطعی کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کے سائنسی فکر پر اِسلامی سائنسی فکر کا گہرا اَثر مرتب ہوا۔ مغرب کی اِس علمی نشأۃِ ثانیہ پر دِیگر کئی اَثرات بھی مرتب ہوئے۔ مگر بنیادی طور پر سب سے گہرا اَثر اندلس (Spain) سے آیا، پھر اٹلی اور فلسطین کی جانب سے اَثرات مرتب ہوئے کیونکہ صلیبی جنگوں نے مغربی ممالک کے لوگوں کو فلسطینی مسلم ثقافت

(1) Dr Robert Briffault, *Rational Evolution: The Making of Humanity*, p. 190-191.
(2) Joseph Schacht & C.E.Bosworth, *The Legacy of Islam*, p .426-427.

اور سائنسی اُسلوب سے رُوشناس کرایا‘‘۔

وِل ڈیورانٹ (Will Durant) نے مسلم تہذیب و ثقافت کے مغرب میں منتقلی کی تصریح کئی واقعات سے کی:

The first paper-manufacturing plant in Islam was opened at Baghdad in 794 by Al-Fadl, son of Harun's Vezier. The craft was brought by the Arabs to Sicily and Spain, and there passed into Italy and France.(1)

’’اسلام کا پہلا کاغذ سازی کا پلانٹ ۷۹۴ء میں بغداد میں ہارون کے وزیر کے بیٹے الفضل نے لگایا۔ عرب یہ فن یہاں سے سسلی اور سپین لائے۔ اور یہاں سے یہ فن اٹلی اور فرانس منتقل ہوا۔‘‘

جارج سارٹن (George Sarton) لکھتا ہے:

This illustrates the absurdity of trying to appraise mediaeval thought on the basis of Latin writings alone. For centuries the Latin scientific books hardly counted; they were out-of-date and outlandish. Arabic was the international language of science to a degree which had never been equalled by another language before (except Greek) and has never been repeated since. It was the language not of one people, one nation, one faith, but of many peoples, many nations, many faiths.(2)

’’اس سے قرونِ وسطی کے مغربی علوم و فنون کو اسلامی علوم سے الگ کر کے صرف لاطینی سائنس کی کتابوں سے جوڑ کر بیان کرنے کی لغویت کا اظہار ہوتا ہے۔ صدیوں تک تو یہاں لاطینی سائنسی کتابوں کی بمشکل ہی کوئی اہمیت تھی۔ وہ پرانی (بے وقعت) اور بے نام تھیں۔ جبکہ عربی سائنسی علوم کے اظہار کی اعلیٰ درجے کی حامل ایسی زبان تھی کہ نہ اس سے قبل (سوائے یونانی کے) کوئی زبان

(1) Will Durant, *The Age of Faith*, p. 236.

(2) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science, with Introductory Essays on Science and Tradition*, p. 28.

اس کے ہم پلہ نہ ہوسکی اور نہ ہی بعد میں۔ یہ صرف چند لوگوں، ایک قوم یا ایک عقیدہ کی زبان نہ تھی بلکہ یہ کئی لوگوں، کئی قوموں اور کئی عقیدوں کی زبان تھی۔‘‘

The best Arabic scientists were not satisfied with the Greek and Hindu science which they inherited. They admired and respected the treasures which had fallen into their hands, but they were just as "modern" and greedy as we are, and wanted more. They criticized EUCLID, APOLLONIOS and ARCHIMEDES, discussed PTOLEMY, tried to improve the astronomical tables and to get rid of the causes of error lurking in the accepted theories. They facilitated the evolution of algebra and trigonometry and prepared the way for the European algebraists of the sixteenth century.(1)

’’بہترین عرب سائنسدان اس یونانی اور ہندی علم سے مطمئن نہ تھے جو انہیں ورثہ میں ملا۔ انہوں نے اس علمی خزانے کی تعریف اور توقیر کی مگر وہ اس پر انحصار کرنے میں ہماری طرح جدید اور حریص تھے کہ اس میں مزید اضافہ کریں۔ انہوں نے اقلیدس، اپولونئس اور ارشمیدس پر تنقید کی اور بطلیموس پر بھی بحث کی، فلکیاتی جداول کو ترقی دی اور مقبول نظریات میں اغلاط اور تسامحات دور کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے الجبرا اور تکونیات کو ترقی دی۔ اور یورپ کی سولھویں صدی کے ماہرین الجبرا کے لئے راہیں ہموار کیں۔‘‘

مسلمانوں کے انہی تاریخی کارناموں کی وجہ سے جارج سارٹن (George Sarton) نے اپنی تصنیف مقدمہ تاریخ سائنس (*Introduction to The History of Science*) میں آغاز اسلام سے چودھویں صدی تک ہر صدی کو کسی نہ کسی مسلمان سائنسدان سے موسوم کیا:

آٹھویں صدی کا دوسرا نصف	......	ابوموسیٰ جابر بن حیان
نویں صدی کا پہلا نصف	......	محمد بن موسیٰ الخوارزمی
نویں صدی کا دوسرا نصف	......	ابوبکر محمد بن زکریا الرازی
دسویں صدی کا پہلا نصف	......	ابوالحسن ابن علی المسعودی

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science, with Introductory Essays on Science and Tradition*, p. 28.

دسویں صدی کا دوسرا نصف	......	ابوالوفا الجرجانی
گیارھویں صدی کا پہلا نصف	......	البیرونی
گیارھویں صدی کا دوسرا نصف	......	ابو الفتح عمر خیام
بارھویں صدی کا پہلا نصف	......	ابومروان ابن زہیر
بارھویں صدی کا دوسرا نصف	......	ابن رشد
تیرھویں صدی کا پہلا نصف	......	ابن بیطار
تیرھویں صدی کا دوسرا نصف	......	محمد بن مسعود الشیرازی
چودھویں صدی کا پہلا نصف	......	اسماعیل عماد الدین الایوبی
چودھویں صدی کا دوسرا نصف	......	عبدالرحمٰن ابن خلدون (1)

علاوہ اَزیں بہت سے دوسرے مغربی مصنفین نے بھی اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ مغرب کئی صدیوں بعد اس قابل ہوا کی وہ مسلمانوں کی سائنسی تحقیقات کو کما حقہ سمجھ اور برت سکے:

Its golden age lasted some three centuries, from the ninth to the eleventh century, and it was only toward the end of that period (a little earlier in Spain) that the Latins became aware of the importance of Arabic science. They were fully aware of course of the material power of Islam, though it took two or three centuries of crusades to convince them of their own military inferiority. A nun of Gandersheim (in the duchy of Brunswick), HROSVITHA (X-2) spoke of CORDOVA the ornament of the world.(2)

''مسلم سائنس کا سنہری زمانہ کم و بیش تین صدیوں، نویں صدی سے گیارہویں صدی تک جاری رہا۔ جب لاطینی عرب سائنس کی اہمیت سے شناسا ہوئے، اس وقت یہ سنہری دور خاتمے کے قریب تھا۔

(1) George Sarton, *Introduction to The History of Science*, quoted by Habib A Siddique in *Musalman aur Science ki Tehqeeq*, p. 76.

(2) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science, with Introductory Essays on Science and Tradition*, p. 31-33.

وہ اسلام کی مادی طاقت سے مکمل طور پر آ گاہ تھے۔ اگرچہ انہیں اپنی عسکری کمزوریوں کا ادراک دو تین صدیوں کی صلیبی جنگوں بعد ہوا۔ گیندرشیم کی ایک راہبہ نے قرطبہ کو دنیا کا زیور قرار دیا ہے۔"

کیونکہ اولیں مغربی مترجمین اس قابل بھی نہ تھے کہ وہ مسلمانوں کی تصانیف کو پوری درستگی کے ساتھ مغربی زبانوں میں منتقل کر سکیں:

The scientific tradition as it was poured from Arabic vessels into Latin ones was often perverted. The new translators did not have the advantage which the Arabic translators had enjoyed; ...... The translation of the Almagest made c. 1175 by GERARD OF CREMONA (XII-2) from the Arabic, superseded a translation made directly from the Greek in Sicily fifteen years earlier![1]

"وہ سائنسی روایت جو عربی سے لاطینی میں منتقل ہوئی اکثر و بیشتر اغلاط پر مشتمل تھی۔ کیونکہ نئے (مغربی) مترجمین کو وہ مہارت میسر نہ تھی جو ان سے پہلے عرب مترجمین کو حاصل تھی ...... تاہم ۱۱۷۵ء میں گیرارڈ نے المجسطی کا عربی میں جو ترجمہ کیا وہ پندرہ سال قبل سسلی میں یونانی سے براہ راست کئے گئے ترجمے سے بہتر تھا۔"

اَب ہم اِسلامی تعلیمات کی روشنی میں چند سائنسی اور سماجی علوم و فنون کے اِرتقاء میں ہونے والی پیش رفت کا باری باری جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ علمِ فقہ و قانون (Law & Jurisprudence)

اِس باب میں اِمامِ اعظم ابو حنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ) نے دُوسری صدی ہجری کے اَوائل میں ہی تاریخِ قانون میں اُن نادِر ذخائر کا اِضافہ کیا جو صدیاں گزرنے کے باوُجود آج تک مینارۂ نور ہیں۔

۱۔ آپ کے تلامذہ میں سے بالخصوص امام ابو یوسف، اِمام محمد بن حسن شیبانیؒ نے چھ کتابیں "الجامع الصغیر.الجامع الکبیر، السیر الکبیر،السیر الصغیر، المبسوط اورالزیادہ کی صورت میں Public International law اور Private International law پر اِمامِ

(1) George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science, with Introductory Essays on Science and Tradition*, p. 31-33.

اعظمؒ کی فرمودہ تصانیف مرتب کیں۔ جن پر بعد ازاں اِمام سرخسیؒ نے 'شرحُ السیر' کے نام سے چار جلدوں پر مشتمل شرح لکھی، جو اپنے دَور میں آج کے Strake اور Oppenheim سے بہتر مجموعہ تھا۔ اِمام سرخسیؒ کی ہی ۳۰ جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب 'المبسوط' قانون (law) پر آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل کا لکھا ہوا ایک نادرُ المثال مجموعہ ہے۔ یہ تاجدارِ کائنات ﷺ ہی کے عطا کردہ فیض کا کارنامہ تھا کہ عالمِ اِسلام اُس دَور میں قانون پر ایسی کتب مہیا کر رہا تھا، جبکہ باقی پوری دُنیا جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گم تھی۔ آج مغرب کی علمی تاریخ میں اُس دَور کو dark ages کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جبکہ اہلِ اِسلام کے ہاں وہ دَور علوم وفنون کی روشنی سے درخشاں ومنوّر تھا۔

اِمام ابو حنیفہؒ کی کتب 'ظاہرالروایۃ' جنہیں اُن کے شاگرد اِمام محمدؒ نے مرتب کیا، اُن کے علاوہ اِمام مالکؒ کی 'الموطا'، اِمام شافعیؒ کی 'کتابُ الام' اور دیگر ائمہ کی تصانیف کے ذرِیعے فقہ و قانون کا عظیم سرمایہ معرضِ وُجود میں آ گیا تھا۔ بعد اَزاں ''فقہ حنفی'' میں سرخسیؒ کی 'المبسوط'، مرغینانیؒ کی 'الہدایۃ'، ابن ہمامؒ کی 'فتح القدیر'، کاسانیؒ کی 'بدائع الصنائع' وغیرہ، ''فقہ مالکی'' میں ابنِ سحنونؒ کی 'المدوّنۃ الکبریٰ'، ابنِ جزیؒ کی 'القوانین الفقہیہ'، ابنِ فرحونؒ کی 'تبصرۃُ الحکام'، الحطابؒ اور خرشیؒ کی 'شرح المختصر' وغیرہ، ''فقہ شافعی'' میں نوویؒ کی 'المجموع'، غزالیؒ کی 'الوجیز'، بصیرؒ کی 'النہایۃ' وغیرہ، ''فقہ حنبلی'' میں ابنِ قدامہؒ کی 'کتابُ المغنی' اور ابنِ القیمؒ کی 'اعلام الموقعین عن رب العالمین'، ابنِ حزمؒ کی 'المحلی' اور القرافیؒ کی 'الفروق' وغیرہ، ''فقہ جعفریہ'' میں الحلیؒ کی 'شرائع الاسلام' جواد مغنیہؒ کی 'فقہ الامام جعفر الصادق' وغیرہ اور 'الفقہ علی المذاہب الاربعۃ' (الجزیری) جیسی کتب مرتب ہوتی رہی ہیں۔ Case law پر فتاویٰ اور شرعی فیصلہ جات (judicial decisions) کے 'فتاویٰ قاضی خان'، 'فتاویٰ بزازیہ'، 'فتاویٰ ابنِ تیمیہ'، 'فتاویٰ اِمام نووِی'، 'فتاویٰ اِمام سبکی' اور 'فتاویٰ الہندیہ' جیسے مجموعات مرتب ہوئے۔

۲۔ Administrative Law اور Fiscal & Taxation Law میں اِمام ابو یوسفؒ اور یحییٰ بن آدمؒ کی 'کتابُ الخراج' اور ابو عبید قاسم بن سلامؒ کی 'کتابُ الاموال' اوائل دَور کے بہترین علمی شہ پارے ہیں۔

۳۔ بین الاقوامی قانون پر اِمام زید بن علیؒ (متوفی ۱۲۰ھ) کی کتاب 'المجموع' میں بھی مفصل باب شامل تھا۔ اِمام مالکؒ، اِمام ابویوسفؒ، اِمام محمدؒ، اِمام اَوزاعیؒ، اِمام شافعیؒ اور دیگر ائمہ فقہ و قانون نے بھی اِس موضوع پر بھرپور مواد فراہم کیا، جو علمی و قانونی تاریخ کا بیش بہا سرمایہ ہے۔

۳۔ Comparative Case Law، جو دورِ جدید کا ایک نہایت اہم قانونی فن اور علمی موضوع ہے، اُس پر دُوسری صدی ہجری میں ہی باضابطہ کام شروع ہو گیا تھا۔ دبوسی، ابنِ رُشد، شاطبی اور سیموری وغیرہ کی تصانیف اِس فن کے اَعلیٰ پایہ کے نمونے ہیں۔

۴۔ علمِ دستور (Constitutional Law) پر دُنیا کی سب سے پہلی باضابطہ دستاویز خود حضور سرورِ کائنات ﷺ کا تیارہ کردہ ''میثاقِ مدینہ'' (The Pact of Madina) ہے، جو ۶۳ دفعات (articals) پر مشتمل ہے۔ یہ آئینی و دستوری دستاویز ابنِ ہشامؒ، ابنِ اِسحاقؒ، ابوعبیدؒ، ابنِ سعدؒ، ابنِ کثیرؒ اور ابنِ اَبی خیثمہؒ کے ذرِیعے کامل شکل میں ہم تک پہنچی۔ جدید مغربی دُنیا کا آئینی و دستوری سفر ۱۲۱۵ء میں اُس وقت شروع ہوا جب شاہِ انگلستان King John نے 'محضر کبیر' (Magna Carta) پر دستخط کئے، جبکہ اُس سے ۵۹۳ سال قبل ہجرت کے پہلے سال ۶۲۲ء میں ریاستِ مدینہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اِنسانیت کو معاشی و سماجی عدل اور مساوات پر مشتمل ایک جامع تحریری دستور دیا جا چکا تھا۔ یہ دُنیا کا سب سے پہلا تحریری آئین (written constitution) ہے، جس سے قبل تارِیخِ عالم میں باقاعدہ اور باضابطہ رِیاستی دستور کے تحریر کئے جانے کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ یہ تارِیخِ علم و قانون اور تارِیخِ سیاسیات میں حضور نبی اکرم ﷺ کا پہلا کارنامہ ہے۔ اُس سے پہلے شہری رِیاستوں اور ہندوستان کے دساتیر سمیت منوسمرتی (۵۰۰ ق م)، آرتھ شاستر (۳۰۰ ق م) اور ارسطو (۳۲۲ ق م) کی تصانیف میں جو کچھ ملتا ہے وہ سب پند و نصائح پر مشتمل درسی اور تعلیمی نوعیت کا کام ہے۔ ارسطو کا 'شہر ایتھنز کا دستور' (Athenian Constitution) جو گزشتہ صدی میں مصر سے دریافت ہوا اور ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا، وہ بھی اِسی نوعیت کا کام ہے جو مسلمانوں کے ہاں 'نصیحتُ الملوک' جیسی کتابوں میں عام پایا جاتا ہے، جن میں کسی رِیاست کا نظام چلانے کے سلسلے میں بادشاہوں کے لئے پندونصائح شامل ہیں۔ کسی سربراہِ رِیاست یا حکومت کی طرف سے ارسطو کی یہ دستاویزات باقاعدہ دستور کے طور پر نافذ ہوئیں اور نہ ہی وہ اِس نوعیت کے دستاویز تھیں کہ اُنہیں نافذ کیا جاتا۔ یہ شان سب سے پہلے ''میثاقِ مدینہ'' کو حاصل ہوئی اور یہ اَمر سیرتِ محمدی ﷺ کا ایک درخشندہ تارِیخی باب ہے۔[1]

---

(1) i. D.S. Margoliouth, *Mohammed and the Rise of Islam*, p. 215, 216.
ii. Francesco Gabrieli, *Muhammad and the Conquests of Islam*, p. 21.
iii. G.M. Draycott, *Mahomet*, p. 141.
→

تاجدارِ کائنات ﷺ کی طرف سے دستوری و آئینی کام کے باضابطہ آغاز کے بعد اِس موضوع پر الماوردیؒ اور ابوعلیؒ کی 'الاحکام السلطانیہ' غزالیؒ کی 'نصیحۃُ الملوک'، طرطوسیؒ کی 'سراجُ الملوک' اور الفارابیؒ کی 'المدینہ الفاضلۃ' جیسی درسی کتب بھی معرضِ وُجود میں آئیں۔ الغرض مسلمانوں کی دستوری و آئینی خدمات میں سے سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ اُنہوں نے ریاست کے تین اہم شعبوں مقنّنہ (legislature)، اِنتظامیہ (executive) اور عدلیہ (judiciary) کو الگ الگ تشخص دیا۔ اُنہیں عہدِ خلافتِ راشدہ میں ہی 'اہل الحل والعقد'، 'اُولی الامر' اور 'القضا' کے مستقل نام دے دیئے گئے تھے اور اُن کے دائرہ ہائے کار بھی متعین کر دیئے گئے تھے، جبکہ مغربی علمِ دستور میں اُن کا تصوّر بہت بعد میں فروغ پذیر ہوا۔

۵۔ Common Law پر باقاعدہ فقہی و قانونی مجموعات (juristic & legal codes) بھی اِسلام کی دُوسری صدی کے اَوائل میں مرتب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جنہیں باقاعدہ حصص اور اَبواب (parts & chapters) میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ عبادات (religious laws) مناکحات (family laws)، معاملات و معاہدات (civil & contractual laws)، عقوبات (penal laws)، مالیات (fiscal laws) اور قضا و شہادات (procedural & evidence laws) وغیرہ کی باقاعدہ قانونی تقسیم بھی تاریخِ اِسلام کی پہلی صدی میں ہی عمل میں آ چکی تھی۔ یہ سب وہ علمی نظم تھا جو مسلمانوں کو اَوائلِ اِسلام سے ہی قرآنِ مجید کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ کے ذریعے میسر آ گیا تھا، جبکہ اُس وقت مغربی دُنیا بنیادی حقوقِ انسانی اور علم و آگہی کے تصوّر سے ہی یکسر محروم تھی۔

۲۔ علمِ ہیئت و فلکیات (Astronomy)

علم ہیئت و فلکیات کے میدان میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

--------- iv. J. Wellhausen, *The Arab Kingdom and Its Fall*, p. 7, 8.
v. John Bagot Glubb, Sir, *The Life & Times of Muhammad*, p. 163.
vi. Joseph Hell, *The Arab Civilization*, p. 25, 26.
vii. Maurice Gaudferoy Demombynes, *Muslim Institutions*, p. 18.
viii. R.A. Nicholson, *A Literary History of the Arabs*, p. 173.
ix. Reuben Levy, *The Social Structure of Islam*, p. 275, 276.
x. Thomas Arnold, *The Preaching of Islam*, p. 31, 32.
xi. W. Montgomery Watt, *Muhammad at Madina*, p. 236, 237.

اُنہوں نے یونانی فلسفے کے گرداب میں پھنسے علمُ الہیئت کو صحیح معنوں میں سائنسی بنیادوں پر اُستوار کیا۔ مغربی زبانوں میں اَب بھی بے شمار اَجرام سماوِی کے نام عربی میں ہیں، کیونکہ وہ مسلم ماہرینِ فلکیات کی دریافت ہیں۔

عظیم مغربی مؤرّخ فلپ ہٹی (Philip K. Hitti) لکھتا ہے:

Not only are most of the star ...... names in European languages of Arabic origins ...... but a numbers of technical terms ...... are likewise of Arabic etymology and testify to the rich legacy of Islam to Christian Europe.(1)

''یورپ کی زبانوں میں نہ صرف بہت سے ستاروں کے نام عربی الاصل (عربی زبان سے نکلنے والے) ہیں بلکہ لاتعداد اِصطلاحات بھی داخل کی گئی ہیں جو یورپ پر اِسلام کی بھرپور وراثت کی مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں۔''

مسلمانوں کی علم الفلکیات میں خدمات کا ذکر کرتے ہوئے وِل ڈیورانٹ (Will Durant) لکھتا ہے:

...... The Caliph al-Mamun engaged a staff of astronomers to make observations and records, to test the findings of Ptolemy, and to study the spots on the sun. Taking for granted the sphericity of the earth, they measured a terrestrial degree by simultaneously taking the position of the sun from both Palmyra and the plain of Sinjar; their measurement gave 56.66 miles--half a mile more than our present calculation; and from their results they estimated the earth's circumference to approximate 20,000 miles.(2)

''...... یہاں خلیفہ مامون نے ماہرین فلکیات کو متعین کیا کہ وہ تحقیق و تدوین کریں، بطلیموس کے نتائج کو پرکھیں اور سورج کے دھبوں کا مطالعہ کریں۔ زمین کو گول تصور کرتے ہوئے انہوں نے زمین کی گولائی کے درجے کی پیمائش 56.66 میل بیان کی۔ اس کے لئے انہوں نے پالمیرا اور سنجر کے میدان سے سورج کے مقام کا تعین کیا۔ ان کی پیمائش ہماری موجودہ پیمائش سے صرف نصف ایک میل زیادہ ہے۔ اپنے ان نتائج سے انہوں نے زمین کا محیط

---

(1) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, pp. 568-573.
(2) Will Durant, *The Age of Faith*, p. 242.

تقریباً بیس ہزار (۲۰٫۰۰۰) میل بیان کیا۔‘‘

اندلس کے عظیم مسلمان سائنسدان ابنِ رشد ...... جسے مغرب میں Averroes کے بدلے ہوئے نام سے یاد کیا جاتا ہے ...... نے سورج کی سطح کے دھبوں (sunspots) کو پہچانا۔ Gregorian کیلنڈر کی اِصلاحات ’عمر خیام‘ نے مرتب کیں۔[1] خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں زمین کے محیط کی پیمائشیں عمل میں آئیں، جن کے نتائج کی دُرُستگی آج کے ماہرین کے لئے بھی حیران کن ہے۔ سورج اور چاند کی گردِش، سورج گرہن، علمُ المیقات (timekeeping) اور بہت سے سیاروں کے بارے میں غیرمعمولی سائنسی معلومات بھی البتانی اور البیرونی جیسے نامور مسلم سائنسدانوں نے فراہم کیں۔[۲]

مسلمانوں کی علمُ المیقات (timekeeping) کے میدان میں خصوصی دِلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ اِس علم کا تعلق براہِ راست نمازوں اور روزوں کے معاملات سے تھا۔ یاد رہے کہ البتانی (۸۷۷ء-۹۱۸ء) اور البیرونی (۹۷۳ء-۱۰۵۰ء) کا زمانہ صرف تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا ہے، گویا یہ کام بھی آج سے گیارہ سو سال قبل اِنجام پذیر ہوئے۔[۳] پنج وقتی نمازوں کے تعینِ اَوقات کی غرض سے ہر طول وعرض بلد پر واقع شہروں کے لئے مقامی ماہرینِ تقوِیم و فلکیات نے الگ الگ کیلنڈرز وضع کئے۔ رمضانُ المبارک کے روزوں نے طلوع وغروبِ آفتاب کے اَوقات کے تعین کے لئے پوری تقوِیم بنانے کی الگ سے ترغیب دی، جس سے بعداَزاں ہر طول بلد پر واقع شہر کے مطابق الگ الگ کیلنڈرز اور پھر مشترکہ تقوِیمات کو فروغ ملا۔ یہاں تک کہ تیرہویں صدی عیسوی میں باقاعدہ طور پر ’مؤقّت‘ کا عہدہ وُجود میں آ گیا، جو ایک پیشہ ور ماہرِ فلکیات ہوتا تھا۔ ۱۳۳۱ء میں چین کا سرکاری نقشہ بھی مسلم جغرافیہ دانوں نے تیار کیا تھا۔[۴] مسلمان ماہرین فلکیات نے مختلف آلات خود ایجاد کئے۔ حامد بن الخضر الخجندی نے ’’آلۃ السدس الفخری‘‘ ایجاد کیا جسے میل اعظم (Greatest Obliquity of the Ecliptic) کی پیمائش کے لئے استعمال کیا گیا۔ یہ چالیس میٹر اونچا تھا۔[۵] مغرب کے دورِ جدید کی مشاہداتی فلکیات (observational astronomy) میں

(1) Will Durant, *The Age of Faith*, p. 309.
(2) Howard R. Turner, Science in Medical Islam: An Illustrated Introduction, p. 66.
(3) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, pp. 373-378.
(4) *Islamic Culture*, 8: 514, Oct. 1934.
(5) *Dictionary of Scientific Biography*, 7:353.

اِستعمال ہونے والا لفظ almanac بھی عربی الاصل ہے اِس کی عربی اصل 'المناخ' (موسم) ہے۔ یہ نظام بھی اصلاً مسلم سائنسدانوں نے اِیجاد کیا تھا۔ 'شیخ عبدالرحمٰن الصوفی' نے اِس موضوع پر ایک عظیم کتاب 'صورُ الکواکب' (figures of the stars) کے نام سے تصنیف کی تھی، جو جدید علمِ فلکیات کی بنیاد بنی۔[1] مستزاد یہ کہ اِس باب میں 'ابنُ الہیثم' ...... جسے اہلِ مغرب لاطینی زبان میں Alhazen لکھتے ہیں ...... کی خدمات بھی ناقابلِ فراموش سائنسی سرمایہ ہے۔[2]

علمِ ہیئت و فلکیات (astronomy) اور علمِ نجوم (astrology) کے ضمن میں اندلسی مسلمان سائنسدانوں میں اگرچہ 'علی بن خلاف اندلسی' اور 'مظفرالدین طوسی' کی خدمات بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہیں مگر اُن سے بھی بہت پہلے تیسری صدی ہجری میں قرطبہ (Cordoba) کے عظیم سائنسدان 'عباس بن فرناس' نے اپنے گھر میں ایک کمرہ تیار کر رکھا تھا جو دورِ جدید کی سیارہ گاہ (Planetarium) کی بنیاد بنا۔ اُس میں ستارے، بادل اور بجلی کی گرج چمک جیسے مظاہرِ فطرت کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ 'عباس بن فرناس' وہ عظیم سائنسدان ہے جس نے دُنیا کا سب سے پہلا ہوائی جہاز بنا کر اُڑایا۔[3] بعد اَزاں البیرونی (al-Biruni) اور ازرقیل (Azarquiel) وغیرہ نے equatorial instruments کو وضع کیا اور ترقی دی۔ اِسی طرح سمتِ قبلہ کے دُرست تعین اور چاند اور سورج گرہن (lunar & solar eclipses) کو قبل اَز وقت دریافت کرنے، حتیٰ کہ چاند کی گردِش کا مکمل حساب معلوم کرنے کا نظام بھی البطانی، ابنِ یونس اور ازرقیل (Arzachel) جیسے مسلم سائنسدانوں نے وضع کیا۔[4] اِس کے لئے اُنہوں نے Toledan Astronomical Tables مرتب کئے۔[5]

---

(1) i. Hyde T., *Tabulac longtitudinis et latitudinis stellarum fixarm ex observatione Ulugh Beighi*, Oxford, 1665.
ii. Sharpe G., *Syntagma dissertationum*, Oxford, 1767.
(2) Will Durant, *The Age of Faith*, pp. 288, 1138, 1161.
(3) *The Encyclopedia of Islam*, A. J. Brill, Leiden, 1965, vol. I, p.11.
(4) i. Jose Chabas, B.R. Goldstein, *The Alfansine Tables of Toledo*, pp. 139, 140.
ii. Robert L, Benson, Giles Constable, Carol D. Lanham, *Renaissance and Renewal in the Twelfth Century*, p. 479.
iii. Donald Hill, *A History of Engineering in Classical and Medieval Times*, p. 197.
(5) David Pingree, Alison Salvesen, Henrietta McCall, *The Legacy of Mesopotamia*, p. 135.

چنانچہ بعض غیر مسلم مؤرخین نے اِس حقیقت کا اِن اَلفاظ میں اِعتراف کیا ہے:

Muslim astrologers also discovered (around the thirteenth century) the system for giving the ephemerids of the sun and the moon --- later extended to the other planets --- as a function of concrete annual dates. Such was the origin of the almanacs which were to be so widely used when trans-oceanic navigation began.[1]

''مسلمان ماہرینِ فلکیات نے بھی (تیرہویں صدی عیسوی کے قریب) چاند اور سورج کو حرکت دینے والے نظام کو دریافت کیا اور بعد ازاں دُوسرے سیاروں کے حوالے سے تحقیق شروع کی ...... طے شدہ سالانہ تاریخوں کے حساب سے۔ اِس طرح المانکس کی ابتداء ہوئی جو سمندر کو پار کرنے والے جہازوں کی رہنمائی کے لئے بکثرت استعمال کیے جاتے تھے۔''

مغرب کا علم الفلکیات مسلمانوں کی علمی خدمات کا رہین منت ہے۔ بارہویں صدی عیسوی میں بتانی، فرغانی اور خوارزمی کی فلکیات پر تصانیف کے تراجم شائع ہوئے۔[۲] Guillaume نامی ایک انگریز ماہر فلکیات نے الزرقالی کی ''زیج طلیطلہ'' (طلیطلہ کی جنتری) میں تبدیلیاں کر کے اسے لندن کے حالات کے مطابق ڈھال دیا۔ اور یہ جنتری ''لندن کی جنتری'' کہلائی۔ یہی جنتری ایک طویل عرصے تک مغرب میں فلکی حسابات کے لئے بنیاد کا کام دیتی رہی۔[۳]

۳۔ ریاضی، الجبرا، جیومیٹری (Mathematics, Algebra, Geometry)

حساب، الجبرا اور جیومیٹری کے میدان میں 'الخوارزمی' مؤسسینِ علم میں سے ایک ہے۔ حساب میں algorism یا algorithm کا لفظ الخوارزمی (al-Khwarizimi) کے نام سے ہی ماخوذ ہے۔ اُن کی کتاب ''الجبر و المقابلہ'' کا بارہویں صدی عیسوی میں عربی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتاب سولہویں صدی عیسوی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں بنیادی نصابی کتاب (textbook) کے طور پر پڑھائی جاتی رہی اور اُسی سے عالمِ مغرب میں الجبرا متعارف ہوا۔[۴] اُس

(1) Schacht J. and Bosworth C.E., *The Legacy of Islam*, pp. 474-482.
(2) *Dictionary of Scientific Biography*, 7:360-1, 9:39.
(3) *Websters' New Biographical Dicstionary*, p. 430.
(4) i. Will Durant, *The Age of Faith*, pp. 241, 305, 321, 911, 991, 1145,1168.
ii. Kirk, R.M., *General Surgical Operation*, p. 148.

کتاب میں 'تفرّق کے معکوس' (integration) اور 'مساوات' (equation) کی آٹھ سو سے زائد مثالیں دِی گئی تھیں۔ مستزاد یہ کہ یورپ میں trigonometrical functions کا علم 'البتانی' کی تصانیف کے ذریعے اور tangents کا علم 'ابو الوفا' کی تصانیف کے ذریعے پہنچا۔ اسی طرح صفر (zero) کا تصوّر مغرب میں متعارف ہونے سے کم از کم ۲۵۰ سال قبل عرب مسلمانوں میں متعارف تھا۔ ابو الوفاء، الکندی، ثابت بن القرّاء، الفارابی، عمر خیام، نصیرالدین طوسی، ابنُ البناء المراکشی، ابنِ حمزہ المغربی، ابوالکامل المصری اور اِبراہیم بن سنان وغیرہ کی خدمات arithmetic، algebra، geometry اور trigonometry وغیرہ میں تاسیسی حیثیت کی حامل ہیں۔ حتیٰ کہ اِن مسلمان ماہرین نے باقاعدہ اُصولوں کے ذریعے optics اور mechanics کو بھی خوب ترقی دِی۔ یہ بات بھی قابلِ ذِکر ہے کہ 'المراکشی' نے mathematics کی مختلف شاخوں پر ۷۰ کتب تصنیف کی تھیں، جو بعد اَزاں اِس علم کا اَساسی سرمایہ بنیں۔ الغرض مسلم ماہرین نے علمِ ریاضی کو یونانیوں سے بہت آگے پہنچا دیا اور یہی اِسلامی کام جدید mathematics کی بنیاد بنا۔[1]

علمِ ریاضی کی بنیاد یعنی علم الاعداد کی تنظیم و تشکیل میں مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سے قبل اعداد کا باقاعدہ کوئی نظام نہ تھا،[2] مثلاً رومن نظامِ اعداد میں ۱۸۴۳ کو MDCCCXLIII لکھا جاتا تھا۔ عربوں کے ہاں حساب الجمل، حساب الغبار اور حساب الھوائی مروج تھے۔[3] انہوں نے اسے ترقی اور نظم عطا کیا۔[4] الخوارزمی نے 'کتاب الحساب' لکھ کر اعداد کے نظام کی مشکلات کو ہمیشہ

(1) i. Berggren J. L., *Episodes in the Mathematics of Medieval Islam*.
ii. Boron Carra De Vaux, *Astronomy and Mathematics in the Legacy of Islam*.
iii. Charles Homer Haskins, *Studies in the History of Mediaeval Science*.
iv. D Lacy O, Leary, *Arabic Thought and Its Place in History*.
v. Kennedy E. S-, *A Commentary upon Bairuni's Kitab Tahdid-ul-Amakin*.
vi. Francis J. Carmody, *Arabic Astronomical and Astrological Sciences in Latin Translation*.
vii. George Michell (ed.), *Architecture of the Islamic World (Its History and Social Meanings)*.

(2) Ali A. Al-Daffa, *The Muslim Contribution to Mathematics*, p. 33.

(۳) علی عبد اللہ الدفاع، 'الموجز فی التراث العلمی العربی الإسلامی: ۵۷

(۴) علی عبداللہ الدفاع، الموجز فی التراث العلمی العربی الإسلامی: ۶۲

کے لئے رفع کر دیا۔[۱] اس نے اپنی تصنیف 'کتاب الجمع والتفریق' میں حسابی عمل کے قواعد وضوابط طے کئے۔[۲] الخوارزمی کی حساب پر کتاب کالاطینی ترجمہ اب بھی کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔[۳] جسے۱۹۶۳ء میں دوبارہ مرتب کر کے شائع کیا گیا۔[۴] اعداد کی ترتیب اور ان میں صفر کی شمولیت کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔[۵] مسلمان ریاضی دانوں کے مغربی دنیا پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔[۶] عربوں کا نظام اعداد جو'ارقام الغبار' کہلاتا تھا، مغربی عرب دنیا اور سپین تک عام ہو گیا۔[۷] اور اس سے یورپ کے علوم، تجارت اور عمومی زندگی بہت متاثر ہوئی۔[۸] الخوارزمی

---

(۱) ۱۔ طوقان قدری حافظ، تراث العرب العلمی فی الریاضیات و الفلک: ۱۶۱
۲۔ عبدالحلیم منتصر، تاریخ العلم و دور العلماء العرب فی تقدمه، ۳:۱۵۲
۳۔ علی عبد اللہ الدفاع، الموجز فی التراث العلمی العربی الإسلامی: ۹۴
iv. George Sarton, *An Introduction to the History of Science*, vol. I, p. 563-564۔
v. Charles C. Gillispie (ed.), Dictionary of Scientific Biography, vol. 7, p. 364

(۲) ۱۔ عبد الحلیم منتصر، تاریخ العلم و دور العلماء العرب فی تقدمه، ۳: ۱۵۲
ii. George Sarton, *An Introduction to the History of Science*, vol.1, pp. 563-564.
iii. Charles C. Gillispie (ed), *Dictionary of Scientific Biography*, vol. 7, p. 364.

3. i. Roshd-e-Rashed, *Encyclopedia of History of Arabic Sciences*, vol. 2, p. 571.
ii. *Encyclopedia of Islam*, vol. III, p. 1139.
4. Kurt Vogal, *Muhammad ibn Musa Alchwarizmi's Algorismus*.
5. i. Kurt Vogal, *Muhammad ibn Musa Alchwarizmi's Algorismus*.
ii. Thomas Arnold, *The Legacy of Islam*, p. 384.
6. i. Louis C. Karpinski, *Latin Translation of Algebra of Al-Khawarizmi*, p. 16.
ii. Roshd-e-Rashed, *Encyclopedia of History of Arabic Sciences*, vol. 2, p. 548
iii. George Sarton, *An Introduction to the History of Science*, vol. II, p. 617.

(۷) علی عبد اللہ الدفاع، الموجز فی التراث العلمی العربی الإسلامی: ۵۷
(۸) طوقان قدری حافظ، تراث العرب العلمی فی الریاضیات و الفلک: ۴۸

کی کتب کا مغربی دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور صدیوں تک یہ کتب مغرب میں موضوعِ تحقیق رہیں۔(۱)

۴۔علم طبیعیات، میکانیات اور حرکیات

(Physics, Mechanics & Dynamics)

قرونِ وُسطیٰ کے مسلمان سائنسدانوں میں سے ابنِ سینا، الکندی، نصیرالدین طوسی اور ملا

1. i.Nallino، C.A.، *Al-Khuwarizmi e il suo rifacimento della Geografia di Tolomeo* (in: *Raccolta di scritti editi e inediti*, vol. v, pp. 458-532, and also in: *Atti dell-Accademia nazionale dei Lincei*, 5th ser., II, pt. 1, and sec.2, pp. 463-475.
   ii. Solomon Gandz, *The Algebra of Inheritance* in: *Osiris* 5, 1938, pp. 319-391.
   iii. Julius Ruska, *Zur aeltesten arabischen Algebra and Rechenkunst*. in: *Sitzungsberichte der Heidelberger Akademie der Wissenschaften*, 1917, Sec. 2.
   iv. Robert of Chester's Latin Translation of the *Algebra of al-Khowarizmi*, Ann Arbor 1915.
   v. J.G. Winter, *Contribution to the History of Science*, Ann Arbor, 1930
   vi. G. Libri, *Histoire des sciences mathematiques en Italie*, vol. I, Paris 1858, pp. 253-297
   vii. Bjornbo, A. A.: *Gerhard von Cremonas Uebersetzung von Alkhwarizmis Algebra und von Euklids Elementen in: Bibliotheca mathematica*, 3rd ser., 6, 1905, pp. 239-241.
   viii. O. Neugebauer, *The Astronomical Tables of al-Khwarizmi*, Copenhagen, 1962.
   ix. Bernard R. Goldstein, *Ibn al-Muthannas Commentary on the Astronomical Tables of al-Khwarizmi*, New Haven/London 1967.
   x. David Pingree: *The Fragments of the Works of al-Fazari* (in: *Journal of Near Eastern Studies* 29, 1970, pp. 103-123); idem.: *The Fragments of the Works of Yaqub ibn Tariq* (in: *ibid.*, 26, 1968, pp. 97-125); idem.: *The Thousands of Abu Mashar*, London 1968.
   xi. Ibn Ezra: *El libro de los fundamentos de las tablas astronomicas*, edited by J.M. Millas Vallicrosa, Madrid/Barcelona 1947, pp. 75, 109-110.
   xii. J.J. Burckhardt: *Die mittleren Bewegungen der Planeten im Tafelwerk des Khwarizmi* in: *Vierteljahrsschrift der Naturforschenden Gesellschaft in Zuerich* 106, 1961, pp. 213-231.

صدرہ کی خدمات طبیعیات کے فروغ میں اِبتدائی طور پر بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ بعد اَزاں محمد بن زکریا رازی، البیرونی اور ابو البرکات البغدادی نے اُسے مزید ترقی دی۔ الرازی نے علمِ تخلیقیات (cosmology) کو خاصا فروغ دیا۔[۱]

البیرونی نے ارسطو (Aristotle) کے کئی طبیعیاتی نظریات کو ردّ کیا۔البیرونی کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ول ڈیورانٹ(Will Durant) لکھتا ہے:

> Abu al-Rayhan Muhammad ibn Ahmad al-Biruni (973-1048) shows the Moslem scholar at his best. Philosopher, historian, traveler, geographer, linguist, mathematician, astronomer, poet, and physicist--and doing major and original work in all these fields--he was at least the Leibniz,25 almost the Leonardo, of Islam.[2]

> ’’ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی بہترین مسلمان عالم تھے۔ وہ فلسفی، مورخ، سیاح، ماہر جغرافیہ، ماہر لسانیات، ریاضی دان، ماہر فلکیات، شاعر اور ماہر طبیعات تھے۔ انہوں نے ان تمام میدانوں میں نمایاں اور بنیادی و اصلی تحقیقات کیں۔ وہ اسلام کے لائبنز اور لیونارڈو تھے۔‘‘

البغدادی کی تحقیقات اور علمی کاوشیں قدیم طبیعیات (physics) میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔[۳] حرکت (motion) اور سمتی رفتار (velocity) کی نسبت البغدادی اور ملا صدرہ کے نظریات وتحقیقات آج کے سائنسدانوں کے لئے بھی باعثِ حیرت ہیں۔[۴] ابن الہیثم نے کثافت (density)، ماحول (atmosphere)، پیمائش (measurements)، وزن (weight)، مکان (space)، زمان (time)، رفتار حرکت (velocities)، تجاذب (gravitation)، کیپلیری عمل (capillary action) جیسے موضوعات اور تصورات کی نسبت بنیادی مواد فراہم کر کے علمِ طبیعیات (physics) کے دامن کو علم سے بھر دیا۔ اِسی طرح mechanics اور

(1) i. Shloms Biderman & Ben-Ami Scharfstein, *Rationality in Question: On Eastern and Western Views of Rationality*, p-101.
ii. John F, Haught, *Science and Religion*, p. 47.

(2) i. Will Durant, *The Age of Faith*, p-243.
ii. De Baron Carra Vaux, *Les penseurs de l'Islam*, v. 1, p. 78.

(3) Oliver Leaman, Seyyed Hossein Nasr, *History of Islamic Philosophy*, p. 170.

(4) i. Oliver Leaman, Seyyed Hossein Nasr, *History of Islamic Philosophy*, p. 24.
ii. Zailarn Moris, *Revelation, Intellectual Intuition and Reason in the Philosophy of Mulla Sadra: An Analysis*, p. 37, 60, 73.

dynamics کے باب میں بھی ابن سینا اور ملا صدرہ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ابنُ الہیثم کی 'کتابُ المناظر' (The Book of Optics) نے اِس میدان میں گراں قدر علم کا اِضافہ کیا۔[۱]

ابنِ باجّہ (Avempace) نے بھی dynamics میں نمایاں علمی خدمات اِنجام دیں۔ اُنہوں نے ارسطو کے نظریۂ رفتار کو ردّ کیا۔[۲] اِسی طرح ابنِ رشد نے بھی اِس علم کو ترقی دی۔ اِن مسلم سائنسدانوں نے galileo سے بھی پہلے gravitational force کی خبر دِی مگر اُن کا تصوّر دورِ حاضر کے تصوّر سے قدرے مختلف تھا۔ اِسی طرح momentum کا تصوّر بھی اِسلامی سائنس کے ذرِیعے مغربی دُنیا میں متعارف ہوا۔[۳] ثابت بن قراء نے lever پر پوری کتاب لکھی، جسے مغربی تاریخ میں liber karatonis کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۴] بغداد کے دِیگر مسلم سائنسدانوں نے تاریخ کے کئی mechanical devices پر بہت زیادہ سائنسی مواد فراہم کیا۔

۵۔ علم بصریات (Optics)

بصریات (optics) کے میدان میں تو اِسلامی سائنسی تاریخ کو غیرمعمولی عظمت حاصل ہے۔ اِس میدان میں چوتھی صدی ہجری کے ابنُ الہیثم اور کمالُ الدین الفارسی کی سائنسی خدمات نے پچھلے نامور سائنسدانوں کے علم کے چراغ بجھا دیے۔[۵]

---

(1) i. Howard R. Turner, *Science in Medieval Islam. An Illustrated Introduction*, p. 198.
ii. Bray Bunch, *The History of Science and Technology*, p. 111.
iii. Ivan Van Sertima, *African Presence in Early Europe*, Journal of African Civilization Ltd. Inc. Rutgers, The State university NJ, 2000, p. 182.

(2) i. Mushhad Al-Allaf, *The Essence of Islamic Philosophy*, p. 244.
ii. George Saliba, *A History of Arabic Astronomy: Planetary Theories During the Golden Age of Islam*, p. 63.
iii. James Arthur Diamond, *Maimonides and the Hermeneutics of Concealment*, p. 165.

(3) Linton, C.M., *From Eudoxus to Einstein; A history of Mathematical Astronomy*, p. 97.

(4) i. James Evans, *The History Practice of Ancient Astronomy*, p. 459.
ii. Hunt Janin, *The Pursuit of Learning in the Islamic World*, p. 62.

(۵) ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱: ۵۵۰

ابنُ الہیثم کی معرکتہُ الآراء کتاب *On Optics* آج اپنے لاطینی ترجمہ کے ذرِیعے زندہ ہے۔اس کتاب کا یورپ کی علمی ترقی میں نمایاں کردار ہے۔[(۱)] ابنُ الہیثم نے تارِیخ میں پہلی مرتبہ عدسوں (lenses) کی تکبیری طاقت (magnifying power) کو دریافت کیا اور اِس تحقیق نے مکبر عدسے (magnifying lenses) کے نظریہ کو اِنسان کے قریب تر کر دیا۔ ابنُ الہیثم نے ہی یونانی نظریۂ بصارت (nature of vision) کو ردّ کر کے دُنیا کو جدید نظریۂ بصارت سے رُوشناس کرایا اور ثابت کیا کہ روشنی کی شعاعیں (rays) آنکھوں سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ بیرونی اَجسام (external objects) کی طرف سے آتی ہیں۔ اُنہوں نے پردۂ بصارت (retina) کی حقیقت پر صحیح طریقہ سے بحث کی اور اُس کا بصری اعصاب (optic nerves) اور دِماغ (brain) کے ساتھ باہمی تعلق واضح کیا۔

الغرض ابنُ الہیثم نے بصریات کی دُنیا میں اِس قدر تحقیقی پیش رفت کی کہ Euclid اور Kepler کے درمیان اُس جیسا کوئی اور شخص تارِیخ میں پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وُہی جدید بصریات (optics) کے بانی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُن کے کام نے نہ صرف Roger Bacon، Witelo اور Peckham جیسے قدیم سائنسدانوں کو ہی متاثر کیا بلکہ دورِ جدید میں Kepler اور Newton کا تحقیقی کام بھی اُن کی تحقیقات اور فراہم کردہ سائنسی بنیادوں پر اُستوار ہے۔[(۲)]

مزید برآں اُن کا نام velocities، light، lenses، astronomical observations، meteorology اور camera وغیرہ پر تأسیسی شان کا حامل ہے۔ اِسی طرح قطبُ الدین شیرازی[(۳)] اور القزوِینی[(۴)] نے بھی اِس میدان میں گراں قدر خدمات اِنجام دی ہیں۔[(۵)]

---

(1) i. Alastair Minnis, Ian Johnson, *The Cambridge History of Literary Criticism*, p. 242.
ii. Dirk J. Struik, *A Concise History of Mathematics*, p. 73.

(2) i. Henry Smith Williams, *The Great Astronomers*, p. 86.
ii. Henry Smith Williams, *A History of Science*, Part-II, p. 11.

(3) Kennedy, E.S., *Late Medieval Planetary Theory*, Isis 57, No.3, 1966, pp. 365-378.

(4) Cyrus Abivardi, *Iranian Entomology*, p. 505.

(۵) ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الاطباء، ۱: ۵۵۰
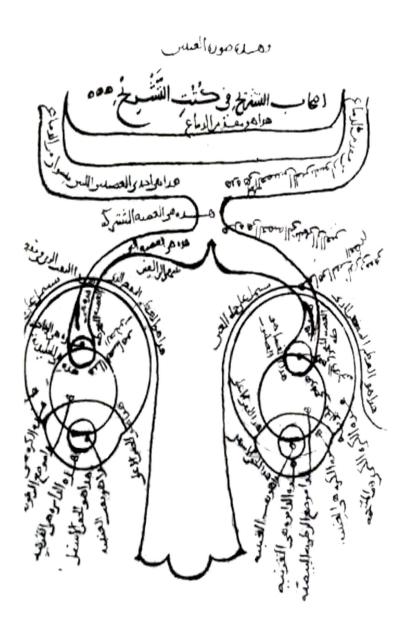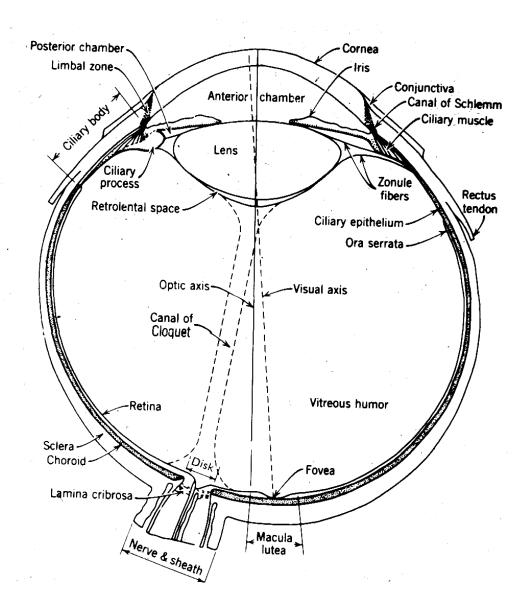
﴿ ''کتاب المناظر'' میں ابن الہیثم کا بیان کردہ آنکھ اور اُس کے اَعصاب کا نقشہ ﴾

﴿جدید سائنسی تحقیق کے مطابق آنکھ اور اُس کے اَعصاب کا نقشہ﴾

٦۔علم النباتات (Botany)

اِس موضوع پر الدینوری (۸۹۵ء) کی چھ جلدوں پر مشتمل 'کتابُ النبات' سائنسی دُنیا میں سب سے پہلا ضخیم اور جامع Encyclopaedia Brittanica ہے۔(۱) یہ مجموعہ اُس وقت تحریر کیا گیا جب یونانی کتب کا عربی ترجمہ بھی شروع نہیں ہوا تھا۔(۲) ایک مغربی سائنسی مصنف لکھتا ہے:

> His (Abu Hanifa Ad-Dinawari) treatise entitled Kitab al-Nabat (book of Plants) which combines a philological, historical and botanical approach in its study of plants is marked by its thoroughness and the care taken in the description of each specimen ...... the role of (this book) in the development of Arabic botany should not be underestimated.(3)

> ''ابوحنیفہ الدینوری کی تصنیف 'کتاب النبات' جو پودوں کے ناموں، تعارف، تاریخ اور نباتاتی پہلوؤں کی تفصیل پر مشتمل ہے ہر پودے کی جزئیات تک بیان کرنے میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔......عرب علم النباتات کی ترقی میں اس کتاب کا کردار نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔''

پروفیسر آرنلڈ کے مطابق دُنیا بھر سے مسلمانوں کے مکہ و مدینہ کی طرف حج اور زیارت کے لئے سفر کرنے کے عمل نے علم الحیاتیات (biological science) کو خاصی ترقی دی ہے۔ الادریسی نے اندلس سے افریقہ تک سفر کر کے سینکڑوں پودوں کی نسبت معلومات جمع کیں اور کتابیں مرتب کیں۔(۴)

ابن العوام نے ۵۸۵ پودوں کے خواص و اَحوال پر مشتمل کتاب مرتب کی اور علمِ نباتات (botany) کو ترقی کی راہوں پر گامزن کیا۔(۵)

---

(۱) ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱: ۵۲۹

(2) Teule H.G.B, Ebied R.Y., *Studies into the Christian Arabic Heritage*, p. 277.

(3) Cyrus Abivardi, *Iranian Entomology*, p. 472.

(4) i. Oman G., *Notizie bibliografiche sul geografo arabo al-Idrisi* (XII Secolo) e sulle Sue opera in: Annali dell' Instituto Orientale Universitario di Napoli n.s. 11, 1961, p. 25-61.
ii. Dowson J., *Early Arab Geographers*, p. 104-129.

(5) *Encyclopedia of Islam*, vol II, pp. 902, 903.

پروفیسر ہٹی (Philip K. Hitti) بیان کرتا ہے:

In the field of natural history especially botany, pure and applied, as in that of astronomy and mathematics, the western Muslims (of Spain) enriched the world by their researches. They made accurate observations on the sexual difference (of various plants).[1]

''قدرتی تاریخ کے میدان میں خاص طور پر خالص یا اطلاقی علم نباتات میں فلکیات اور ریاضیات کی طرح اندلس کے مغربی مسلمانوں نے اپنی تحقیقات کے ذریعہ سے دُنیا کو مستفید کیا۔ اِسی طرح مختلف پودوں میں پائے جانے والے جنسی اِختلاف کے بارے میں اُن (ابوعبداللہ التمیمی اور ابو القاسم العراقی) کی تحقیقات بھی علمُ النباتات کی تاریخ کا نادِر سرمایہ ہیں۔''

اِسلامی سپین کے فرمانروا عبدالرحمٰن اوّل نے قرطبہ (Cordoba) میں ایک زرعی تحقیقاتی اِدارے ''حدیقہ نباتاتِ طبیہ'' کی بنیاد رکھی، جس سے نہ صرف علمِ نباتات (botany) کو مستحکم بنیادوں پر اُستوار کرنے کے مواقع میسر آئے بلکہ علمُ الطب (medical sciences) میں بھی تحقیق کے دَر وَا ہوئے۔ چنانچہ اندلس کے ماہرینِ نباتات نے پودوں میں جنسی اِختلاف کی موجودگی کو بجا طور پر دریافت کرلیا تھا۔ اِس دریافت میں جہاں اُنہیں ''حدیقہ نباتاتِ طبیہ'' میں کی گئی تجربی تحقیقات نے مدد دی وہاں اللہ ربّ العزت کے فرمان ...... خَلَقَ اللهُ كُلَّ شَيْءٍ زَوْجًا (اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو جوڑا جوڑا بنایا) ...... نے بھی بنیادی رہنمائی عطا کی۔ عبداللہ بن عبدالعزیز بکری نے 'کتاب اَعیان النبات والشجریات الاندلسیه' کے نام سے اندلس کے درختوں اور پودوں کے خواص مرتب کئے۔[۲]

اشبیلیہ کے ماہرِ نباتات (botanist) ابن الرومیہ نے اندلس کے علاوہ افریقہ اور ایشیا کے بیشتر ممالک کی سیاحت کی اور اُس دوران ملنے والے پودوں اور جڑی بوٹیوں پر خالص نباتی نقطۂ نظر سے تحقیقات کیں۔ اِس کے علاوہ ابن البیطار، شریف اِدریسی اور ابن بکلارش بھی اندلس کے

---

(1) Philip K. Hitti, *The History of Arabs*, p. 574.

(۲) ا۔ ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱: ۵۰۰

ii. *Encyclopedia of Islam*, vol I, pp. 159-161.

معروف ماہرینِ نباتات میں سے ہیں۔[1]

۷۔ علمُ الطب (Medical Science)

اِس میدان میں بھی اِسلامی تاریخ عدیم المثال مقام کی حامل ہے۔ اِس باب میں الرازی، ابو القاسم الزہراوی، ابن سینا، ابن رُشد اور الکندی کے نام سرِ فہرست آتے ہیں۔[2] مسلمانوں نے علم طب کی بنیاد تجربہ پر رکھی اور دوا تشکیل دینے کے لئے مرض کی نوعیت کا فہم اور دوا کے اثرات کی عملی تحقیق کو ضروری قرار دیا۔[3] علمی دنیا میں پہلی مرتبہ جابر بن حیان نے دواؤں کی تاثیر کا جالینوس کا نظریہ رد کرتے ہوئے دواؤں کی قوتوں اور اثرات کو دقیق ریاضیاتی سطح پر ضبط میں لانے کو ضروری قرار دیا۔[4] جابر بن حیان نے نہ صرف جالینوس اور دیگر یونانی علماء طب کے نظریات پر تنقید کی بلکہ ان کی اصلاح بھی کی۔[5]

مسلم سائنسدانوں نے اِسلام کے دورِ اَوائل میں ہی بڑے بڑے ہسپتال اور طبی اِدارے (medical colleges) قائم کر لئے تھے، جہاں علم الادویہ (pharmacy) اور علمُ الجراحت (surgery) کی کلاسیں بھی ہوتی تھیں۔[6]

آج سے کم و بیش گیارہ سو سال قبل عالمِ اِسلام کے نامور طبیب ’الرازی‘ (۹۳۰ء) نے علم الطب (medical science) پر ۲۰۰ سے زائد کتب تصنیف کی تھیں، جن میں سے بعض کا لاطینی، انگریزی اور دُوسری جدید زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور اُنہیں صرف ۱۴۹۸ء سے ۱۸۶۶ء تک تقریباً ۴۰ مرتبہ چھاپا گیا۔ Smallpox اور Measles پر سب سے پہلے صحیح تشخیص بھی ’رازی‘ نے ہی پیش

---

(۱) ا۔ ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱: ۵۰۱، ۶۰۱

ii. Manfred Ullmann, *Islamic Medicine*, pp. 26, 48-9, 52.

iii. *Encyclopedia of Islam*, vol II, pp. 902, 903.

(۲) ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱: ۴۱۵، ۴۳۷

(3) Schipperges, *Die arabische Medizin als Praxis und als Theorie*, in: *Sudhoffs Archiv* 43/1953, p. 317-328.

(4) Sezign, *Geschichte des arabischen Schrifttums III*, Leiden 1970, 214-15.

(5) Kraus, *Jabir b. Hayyan*, vol. II, pp. 326-330.

(6) Syed Husain Nasr, *Islamic Science*, p. 156.

کی۔[1] رازی نے بھی یونانی طب کے کئی اصولوں کو خالص سائنسی اصولوں کی بنیاد پر پرکھا اور رد کیا۔[۲] اِسی طرح ابو علی الحسین بن سینا (Avicenna 1037ء) نے 'القانون' (Canon of Medicine) لکھ کر دُنیائے طب میں ایک عظیم دَور کا اِضافہ کیا۔ اِس کا ترجمہ بھی عربی سے لاطینی اور دِیگر زبانوں میں کیا گیا اور یہ کتاب ۱۶۵۰ء تک یورپ کی بیشتر یونیورسٹیوں میں شامل نصاب رہی۔ واٹ (Watt M. Watt) کے الفاظ میں:

> It has been claimed that it is the most studied medical work in all history.[(3)]

> ''یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابن سینا کی 'قانون' پوری تاریخ انسانیت میں سب سے زیادہ مطالعہ میں رہنے والی طبی تصنیف ہے۔''

پانچویں صدی ہجری کے مسلمان سائنسدان عبدالملک ابن زہر نے سینے، قلب، غذا کی نالی اورمعدے کے السرسمیت کئی ایسے امراض کی تشخیص اور علاج بیان کیا۔[۴]

مسلمانوں نے علم اسباب الامراض (Pathalogy) میں کمال حاصل کیا حتی کہ لسان الدین ابن الخطیب نے اپنی کتاب ''مقنعۃ السائل عن المرض الھائل'' میں چھوت کی امراض کے لئے قانون بیان کئے۔[۵] مغربی ماہرین طب نے چھوت کے امراض کا علم مسلمانوں سے حاصل کیا۔ M. Muller نے ابن الخطیب کی مذکورہ بالا کتاب کا ترجمہ 1863ء میں شائع کیا، جس سے یورپ اس تصور سے آشنا ہوا۔[۶] ابو ریحان البیرونی (۱۰۴۸ء) نے علم الادویہ (pharmacology) کو مرتب کیا۔[۷] اِسی طرح علی بن عیسیٰ بغدادی اور عمار الموصلی کی اَمراضِ چشم اور آنکھ کی ساخت

(1) i. Manfred Ullmann, *Islamic Medicine*, pp. 83-4, 88-91.
ii. Watt M. Watt, *The Influence of Islam on Medieval Europe*, p. 37.
(2) Pines, S., *Razi critique de Galien*, in: *Actes due 7e Congres International d'Histoire des Sciences*, Paris 1954, pp. 480-487.
(3) Watt M. Watt, *The Influence of Islam on Medieval Europe*, pp. 38, 67.
(4) Colin, G., *Avenzoar, Sa Vie et ses Euvres*, Paris 1911 Bull. de corr. afr. 44.
(5) Muller, M., *Sitzungsberichte der koniglich - bayerischen Akademie der Wissenschaften*, Munchen, 2/1863/1-34.
(6) Diepgen, *Die Bedeutung des Mittelalters*, in: Essays on the History of Medizine, pp. 108-112.
(۷) ابن أبی أصیبعۃ، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱: ۴۵۹

(ophthalmology) پر لکھی گئی کتب اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اوّل تک فرانس اور یورپ کی طبی درس گاہوں (medical colleges) میں بطورِ نصابی کتب (textbooks) شاملِ نصاب تھیں۔(۱)

ایک غیر مسلم مغربی مفکر براؤن (E. G. Browne) لکھتا ہے کہ جب عیسائی یورپ کے لوگ اپنے علاج کے لئے بتوں کے سامنے جھکتے تھے اُس وقت مسلمانوں کے ہاں لائسنس یافتہ ڈاکٹرز، معالجین، ماہرین اور شاندار ہسپتال موجود تھے۔ اِس سے آگے اُس کے اَلفاظ ملاحظہ ہوں:

> The practice of medicine was regulated in the Muslim world from the tenth century onwards. At one time, Sinan ibn Thabit was Chairman of the Board of Examiners in Baghdad. Pharmacists were also regulated and the Arabs produced the first pharamcopia drug stores. Barber shops were also subject to inspection. Travelling hospitals were known in the eleventh century...... The great hospital of al-Mansur, founded at Damascus around 1284 AD, was open to all sick persons, rich or poor, male or female, and had separate wards for men and women. One ward was set apart for fevers, another for ophthalmic cases, one for surgical cases and one for dysentry and kindred intestinal ailments. There were in addition, kitchens, lecture-rooms, a dispensary and so on. (2)

’’اِسلامی دُنیا میں دسویں صدی عیسوی سے ہی علمِ طب اور ادوِیہ سازی کو منظّم اور مرتب کر دیا گیا تھا۔ ایک وقت ایسا تھا جب سنان بن ثابت بغداد میں ممتحنین کے بورڈ کے صدر تھے۔ ادوِیہ سازوں کو بھی باقاعدہ منظّم کیا گیا تھا اور عربوں نے ہی سب سے پہلے میڈیکل سٹورز قائم کئے حتیٰ کہ طبی نقطۂ نظر سے حجاموں کی دُکانوں کا بھی معائنہ کیا جاتا تھا۔ گیارہویں صدی میں سفری (mobile) ہسپتالوں کا بھی ذِکر ملتا ہے۔ ۱۲۸۴ء کے قریب دِمشق میں قائم شدہ عظیمُ الشان ’المنصور ہسپتال‘ موجود تھا۔ جس کے دروازے امیر و غریب، مرد و زن، غرض تمام مریضوں کے لئے کھلے تھے اور اُس ہسپتال میں عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وارڈ موجود تھے۔ ایک وارڈ مکمل طور پر بخار کے لئے (fever

(1) i. Manfred Ullmann, *Islamic Medicine*, pp. 12, 103-4.
ii. Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 629

(2) Edward Granville Browne, *Arabian Medicine*, p. 101.

ward) ایک آنکھوں کی بیماریوں کے لئے (eye ward) ایک وارڈ سرجری کے لئے (surgical ward) اور ایک وارڈ پیچش (dysentry) اور آنتوں کی بیماریوں (intestinal ailments) کے لئے مخصوص تھا۔ علاوہ ازیں اُس ہسپتال میں باورچی خانے، لیکچر ہال اور اَدویات مہیا کرنے کی ڈسپنسریاں بھی تھیں اور اِسی طرح طب کی تقریباً ہر شاخ کے لئے یہاں اِہتمام کیا گیا تھا۔‘‘

یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلمانوں کی طبی تحقیقات و تعلیمات کے تراجم یورپی زبانوں میں کئے گئے جن کے ذریعے یہ سائنسی علوم یورپی مغربی دُنیا تک منتقل ہوئے۔ خاص طور پر ابوالقاسم زہراوی اور المجوسی کی کتب نے طبی تحقیق کی دُنیا میں اِنقلاب بپا کیا۔ ملاحظہ ہو:

Their medical studies, later translated into Latin and the European languages, revealed their advanced knowledge of blood circulation in the human body. The work of Abu`l-Qasim al-Zahrawi, Kitab al-Tasrif,on surgery, was translated into Latin by Gerard of Cremona and into Hebrew about a century later by Shem-tob ben Isaac. Another important work in this field was the Kitab al-Maliki of al-Majusi (died 982 AD), which shows according to Browne that the Muslim physicians had an elementary conception of the capillary system (optic) and in the wokrs of Max Meyerhof, Ibn al-Nafis (died 1288 AD) was the first in time and rank of the precursors of William Harvery. In fact, he propounded the theory of pulmonary circulation three centuries before Michael Servetus. The blood, after having been refined must rise in the arterious veins to the lung in order to expand its volume, and to be mixed with air so that its finest part may be clarified and may reach the venous artery in which it is transmitted to the left cavity of the heart.(1)

’’اُن کے طبی علم اور معلومات والی کتب جن کا بعد ازاں لاطینی اور یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوا، اُن کی اِنسانی جسم میں خون کی گردِش کے متعلق وُسعتِ علم کا اِنکشاف کرتی

(1) *Ibn al-Nafis and his Theory of the Lasser Circulation*, *Islamic Science*, 23: 166, June, 1935.

ہیں۔ 'ابوالقاسم الزہراوی' کی جراحی پر تحقیق 'کتابُ التصریف لِمَن عجز عنِ التألیف' جس کا ترجمہ Cremona کے Gerard نے لاطینی زبان میں کیا، اور ایک صدی بعد Shem-tob ben Isaac نے عبرانی زبان میں کیا۔ اِسی میدان میں ایک اور اہم ترین کام المجوسی (وفات ۹۸۲ء) کی تصنیف 'کتابُ الملکی' ہے، 'براؤن' کے مطابق یہ کتاب اِس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ مسلمان اَطباء کو شریانوں کے نظام کے بارے میں بنیادِی تصوّرات اور معلومات حاصل تھیں اور 'میکس میئرہوف' کے اَلفاظ میں 'ابنُ النفیس' (وفات ۱۲۸۸ء) وقت اور مرتبے کے لحاظ سے 'ولیم ہاروے' کا پیش رَو تھا۔ حقیقت میں اُس نے 'مائیکل سرویٹس' سے تین صدیاں پہلے سینے میں پھیپھڑوں کی حرکت اور خون کی گردِش کا سراغ لگایا تھا۔ خون صاف کئے جانے کے بعد بڑی بڑی شریانوں میں وہ یقیناً پھیپھڑے کی شریانوں میں بلند ہونا چاہئے تاکہ اُس کا حجم بڑھ سکے اور وہ ہوا کے ساتھ مل سکے تاکہ اُس کا بہترین حصہ صاف ہو جائے اور وہ نبض کی شریان تک پہنچ سکے جس سے یہ دِل کے بائیں حصے میں پہنچتا ہے۔''

۸۔ علم ادوِیہ سازی (Pharmacology)

Sarton اور Gulick جیسے مغربی محققین نے لکھا ہے:

Ibn al-Baytr wrote the Collection of Simple Drugs, which is regarded as the greatest Arabic book on botany of the age. He collected plants, herbs and drugs around the Mediterranean from Spain to Syria and described more than 1400 medicinal drugs, comparing them with the records of over 150 writers before him.(1)

''ابن بیطار نے سادہ ادوِیات کے مجموعے (collection of simple drugs) کے نام سے ایک کتاب لکھی جو کہ علمِ نباتات (botany) پر عربی زبان میں اُس زمانے کی سب سے بڑی تصنیف تسلیم کی جاتی ہے۔ اُس نے بحیرۂ رُوم میں اندلس (Spain) سے لے کر شام (Syria) تک کے علاقے سے مختلف پودے، جڑی بوٹیاں اور دوائیاں اِکٹھی کیں اور ۱۴۰۰ سے بھی زیادہ طبی ادوِیات کا اپنی کتاب میں ذِکر کیا اور اُن کا موازنہ اپنے سے قبل ۱۵۰ دِیگر مصنّفین کی تصنیفات سے بھی کیا۔''

(1) Syed Husain Nasr, *Islamic Science*, p.181.

اُس دَور کے عظیم مسلمان ادوِیہ سازوں (pharmacologists) میں ابوبکر محمد بن زکریا رازی، علی بن عباس، ابوالقاسم خلاف ابن عباس الزہراوی (جسے لاطینی زبان میں Albucasis کا نام دیا گیا)، ابو مروان ابن زہر (جسے لاطینی زبان میں Avenzoar کا نام دیا گیا) کے نام بڑے معروف ہیں۔ اِسی طرح طب (medicine) پر ابنِ رُشد (Averoes) کی 'کتابُ الکلیات' ایک معرکہ آراء تصنیف ہے، جسے لاطینی میں ترجمہ کر کے پورے عالمِ مغرب میں نصابی کتاب (textbook) کا درجہ دیا گیا مگر اَفسوس کہ ترجمہ کے ذریعے اُس کا نام بدل کر colliget بن گیا۔[1] 'کتاب الکلیات' میں امراض چشم پر وسیع مباحث ہیں جن میں آنکھ کے امراض اور ان کا علاج بیان کیا گیا ہے۔[2] 'کتاب الکلیات' میں امراض نسواں پر بھی مباحث موجود ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ یورپ میں شامل نصاب رہنے والی مسلمان سائنسدانوں کی تصانیف میں ابن سینا کی قانون (*Canon of Medicine*) رازی کی (*The Comprehensive Book, or Liber Continens*) بھی شامل ہیں۔[3]

۹۔ علم الجراحت (Surgery)

اندلس کے عظیم طبیب اور سرجن ابوالقاسم بن عباس الزہراوی کی نسبت پروفیسر ہٹی (Philip K. Hitti) لکھتا ہے:

> Albucasis (1013 AD) was not only a physician but a surgeon of the first rank. He performed the most difficult surgical operations in his own and the obstetrical departments. The ample description he has left of the surgical instruments employed his time gives an idea of the development of surgery among the Arabs in lithotomy, he was equal to the foremost surgeons of modern times. His work al-Tasrif li-Man Ajaz an al-Ta'alif (an aid to him who is not equal to the large treatises) introduces or emphasises new ideas. It was translated into Latin by Gerard of Cremona and various

(1) Edward Grant, *The Foundations of Modern Science in the Middle Ages: Their Religious, Institutional and Intellectual Context*, p. 49.

(2) Michael J. O'Dowd, *The History of Medication for Women*, p. 113.

(3) Prudence Allen, *The Concept of Woman: The Aristotelian Revolution*, p. 521.

editions were published at Venice in 1497 AD, at Basle in 1541 AD and at Oxford in 1778 AD. It held its own for centuries as the manual of surgery in Salerono, Montpellier and other early schools of medicine.(1)

’’آپ نہ صرف ایک ماہر طبیب تھے بلکہ اوّل درجے کے عظیم سرجن بھی تھے۔ اُنہوں نے اپنے شعبے میں اِنتہائی مشکل اور پیچیدہ سرجری (آپریشن) کئے اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ اُنہوں نے زچگی کے شعبے میں بھی آپریشن کئے اور اُنہوں نے اپنے زیرِاستعمال آلاتِ سرجری کی بڑی واضح اور روشن وضاحت کی ہے، جس سے عربوں میں سرجری کے فن کی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ Lithotomy میں وہ موجودہ دَور کے عظیم ترین سرجنوں کا ہم پلہ تھے۔ اُن کا کام ’التصریف لمن عجزعنِ التأ لیف‘ نئے تصوّرات کو متعارف کرواتا ہے۔ اُس کا ترجمہ کریمونا (Cremona) کے Gerard نے کیا اور اُس کے مختلف ایڈیشن ۱۴۹۷ء میں وِینس سے اور ۱۵۴۱ء میں باسلے اور ۱۷۷۸ء میں آکسفورڈ سے شائع ہوئے۔ اُنہوں نے اپنا مقام و مرتبہ صدیوں تک سرجری کے علم میں برقرار رکھا اور طب کے اِبتدائی اَیام میں بھی طبی سکولوں میں اچھے کام کے ساتھ متعارف رہے‘‘۔

سید حسین نصر نے ابنِ زہر کے مقام و مرتبہ کے بارے میں لکھا ہے:

Al-Zahrawi's rank in the art of surgery was paralleled by that of Ibn Zuhr (Aven-Zoar) in the science of medicine (1091-1162 AD). Of the six medical works written by them three are extent. The most valuable is al-Taysir fil-Mudawat al-Tadbir (the Facilitation of Therapy and Diet). Ibn Zuhr is hailed as the greatest physician since Galen. At least he was the greatest clinician in Islam after al-Razi. Ibn Zuhr wrote another book, Kitab al-Aghdhiyah (the Book of Diets) which is among the best of its kind dealing with the subject.(2)

’’ابنِ زہر کا مرتبہ ادوِیہ (medicine) میں وُہی ہے جو الزہراوی کا سرجری (surgery) کے فن میں تھا۔ جو چھ قسم کا کام اُنہوں نے ’ادوِیہ سازی‘ پر کیا اُن میں سے تین ابھی تک جاری و ساری ہیں۔ سب سے گراں قدر کام ’خوراک اور غذائیت کی نشو ونما‘

(1) Philip K. Hitti, *History of Arabs*, pp. 576-577.
(2) Syed Husain Nasr, *Islamic Science*, p. 181.

ہے۔گیلن کے بعد ابنِ زہر کو سب سے بڑا طبیب تسلیم کیا جاتا ہے۔کم از کم 'الرازی' کے بعد دُنیائے اِسلام میں وہ سب سے بڑے مطب (clinic) کے مالک تھے۔ابنِ زہر نے ایک اور تصنیف 'کتاب الاغذیہ' بھی لکھی، جو اپنے موضوع کے اِعتبار سے اہم ترین کتب میں شمار ہوتی ہے''۔

۱۰۔علمِ اَمراضِ چشم (Ophthalmology)

مسلم سائنسدانوں اور اطباء نے امراض چشم کو باقاعدہ ایک فن اور الگ علم کے طور پر ترقی دی۔اس باب میں مسلم اطباء کی تحقیقات صدیوں تک مشرق و مغرب میں اہل علم کی رہنما رہیں:

Muslim physicians also added valuable knowledge to another branch of medicine, Ali ibn Isa wrote the famous work, Tadhkirat al-Kahhalin (Treasury of Ophthalmologists) and Abu Ruh Muhammad al-Jurani entitled Zarrindast (the Golden Hand) & Nur al-Ain (the Light of the Eye). The last book has served practitioners of the art for centuries. Ali ibn Isa's works were taught everywhere and even translated into Latin as Tractus de Oculis Jesu ben Hali. Many of the technical terms pertaining to ophthalmology in Latin as well as in some modern European languages, are of Arabic origin, and attest to the influence of Islamic sources on this subject.(1)

''مسلم اَطباء نے اَمراضِ چشم کی دواسازی میں بھی بیش بہا علمی اِضافے کئے۔علی بن عیسیٰ نے اِنتہائی مشہور کتاب 'تذکرۃ الکحالین' لکھی ابو محمد الجرانی نے 'زریں دست' اور 'نورالعین' تصنیف کیں۔اور مؤخر الذکر نے صدیوں تک ماہرینِ اَمراضِ چشم کی رہنمائی کی۔علی بن عیسیٰ کی تصنیفات کو دُنیا میں ہر جگہ پڑھایا گیا حتیٰ کہ Tractus de Oculis Jesu ben Hali کے نام سے اُس کا لاطینی زبان میں ترجمہ بھی ہوا۔اَمراضِ چشم سے وابستہ ایسی بہت سی فنی اِصطلاحات لاطینی زبان کے علاوہ دِیگر جدید یورپی زبانوں میں بھی اِستعمال ہو رہی ہیں، جن کا منبع عربی زبان ہے۔اس سے اُن موضوعات پر اِسلامی اَثرات کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔''

(1) Syed Husain Nasr, *Islamic Science*, pp.166-167.

۱۱۔ بیہوش کرنے کا نظام (Anaesthesia)

علی بن عیسیٰ تاریخِ عالم میں پہلا سائنسدان تھا جس نے سرجری سے پہلے مریض کو بے ہوش و بے حس کرنے کے طریقے تجویز کئے۔[۱] اندلس کا نامور سرجن ابوالقاسم الزہراوِی بھی آپریشن سے قبل مریض کو بے ہوشی کی دوا دینے سے بخوبی آگاہ تھا۔ اُسی عہد میں تیونس میں ایک اور ماہر اِسحاق بن سلیمان الاسرائیلی منظرِ عام پر آئے، جو اَمراضِ چشم کے ماہر تھے اور اُن کی تصنیفات کا ترجمہ بھی لاطینی اور عبرانی زبانوں میں کیا گیا:

> Ali ibn Isa was also the first person to propose the use of anaesthesia for surgery. Another person appeared at this time in Tunis, Ishaq ibn Sulaiman al-Israili, who practised ophthalmology and his works were also translated into Latin and Hebrew languages.[2]

۱۲۔ علم الکیمیا (Chemistry)

اِسلام کی تاریخ میں علمُ الکیمیا کے باب میں خالد بن یزیدؓ (۷۰۴ء) اور امام جعفرالصادقؒ (۷۶۵ء) کی شخصیات بانی اور مؤسس کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں۔ نامور مسلم سائنسدان ’جابر بن حیان‘ (۷۷۶ء) اِمام جعفرالصادقؒ ہی کا شاگرد تھا، جس نے کیمسٹری کی دُنیا میں اَنمٹ نقوش چھوڑے۔ مفروضہ اور تصوّر (hypothesis & speculation) کی بجائے اُنہوں نے تجزیاتی تجربیت (objective experimentation) کو رواج دیا اور اُن مسلم رہنماؤں کی بدولت ہی قدیم الکیمی (Alchemy) باقاعدہ سائنس کا رُوپ دھار گئی۔ تبخیر (evaporation)، تصعید (sublimation) اور قلم سازی (crystallization) کے طریقوں کے موجد ’جابر بن حیان‘ ہی ہیں۔ اُن کی کتابیں بھی عرصۂ دراز تک یورپ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شاملِ نصاب رہی ہیں۔ ’جابر بن حیان‘ اور اُن کے شاگردوں کی سائنسی تصانیف *The Jabirean Corpus* کہلاتی ہیں۔ اُن میں ’کتابُ السبعین‘ (The Seventy Books) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[۳] جابر بن حیان نے کیمیائی عوامل میں موجود نسبتوں کا قانون (Law of Proportion)

---

(۱) ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱:۳۳۳
(2) Syed Husain Nasr, *Islamic Science*, p. 178.
(۳) ابن أبی أصیبعة، عیون الأنباء فی طبقات الأطباء، ۱:۱۵۰

دریافت کیا اور اسے اپنی تصنیف ' کتابُ المیزان' (The Book of Balance) میں بیان کیا۔[1] اُن کے علاوہ 'ابومشعر'، 'سہروردی'، 'ابنِ عربی' اور 'الکاشانی' وغیرہ کا کام بھی کیمسٹری کی تاریخ کا عظیم سرمایہ ہے۔ یہ سب علمی اور سائنسی سرمایہ عربی زبان سے لاطینی اور پھر انگریزی میں منتقل کیا گیا۔ چنانچہ زبانوں کی تبدیلی سے مسلم سائنسدانوں کے نام بھی بدلتے گئے۔ مثلاً الرازی کو Rhazes، ابن بیطار کو Aben Bethar، ابنِ سینا کو Avicenna، ابوالقاسم کو Abucasis، ابنُ الہیثم کو Alhazen، ابن باجہ کو Avempace اور ابن زہر کو Avenzoar بنا دیا گیا۔ اِسی طرح عربی اِصطلاحات بھی تراجم کے ذرِیعے تبدیل ہوگئیں۔ نتیجتاً آج کا کوئی مسلمان یا مغربی سائنسدان جب تاریخ میں اُن ناموں اور اصطلاحات کو پڑھتا ہے تو وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ سب اِسلامی تاریخ کا حصہ ہے اور یہ اَسماء عربیُ الاصل (Arabic origin) ہیں۔[2]

مغربی اہل علم مسلمان سائنسدانوں کے اثرات بڑے واضح ہیں۔ مغربی مفکر Julius Ruska نے رازی کو کیمیائے تجربی (Experimental & Applied Chemistry) کا بانی قرار دیا۔ رازی اور ابن سینا کی علمی کاوشوں سے براہ راست متاثر ہونے والے مغربی سائنسدانوں میں Thomas Von Aquin، Roger Bacon، Albertus Magnus اور

---

(1) Kraus, P., *Dschabir ibn Hajjan und die Isma'ilijja*, in: *Dritter Jahresbericht*, Forschungs-Institut fur Geschichte der Naturwissenschaften, Berlin, 1930, 25-26.

(2) Philip K. Hitti, *The History of Arabs*, pp. 578-579.

Other References:

i. A and R. Kahane, *The Krater and the Grai*l, *Hermetic Sources of the Parzival*, Urbana (Illinois, 1965).

ii. Corbin, *En Islamiranien*, vol.2, chap.4, Paris, 1974.

iii. F. A. Yates, *Giordana Bruno and the Hermetic Tradition*, London, 1964.

iv. Syed Husain Nasir, *Islamic Science*, London, 1976.

v. George Sorton, *An Introduction to the History of Science*.

vi. Briffault, *The Making of Humanity*.

vii. Schaclt. J and Bosworth C.E., *The Legacy of Islam*, Oxford, 1947.

viii. Watt-W.M. and Cachina P, *A History of Islamic Spain*, Edinburgh.

ix. Robert Gulick L.Junior, *Muhammad - The Educator*, Lahore, 1969.

Raymundus Lullus شامل ہیں۔[1]

۱۳۔ علمِ تاریخ اور عمرانیات (Historiography & Sociology)

اِن علوم میں بھی اِسلام کی اِبتدائی صدیوں میں گرانقدر سرمایہ جمع کیا گیا، جس کے ذریعے نہ صرف سیرتِ نبوی ا بلکہ دس ہزار سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات وسوانح بھی پوری تحقیق کے بعد مرتب ہوئے۔ تاریخِ اِسلام میں اِس علم کو 'اَسماءُ الرِجال' کے نام سے پکارا جاتا ہے، جس کے تحت محققین نے ۵ لاکھ سے زیادہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور دِیگر رُواۃِ حدیث کے اَحوالِ حیات مرتب کئے۔ یہ فن اپنی نوعیت میں منفرد ہے جو دُنیا کی کسی قوم اور مذہب میں تھا اور نہ ہے۔ ابنِ اِسحاقؒ، جنہوں نے عہدِ حضرت آدم علیہ السلام سے عہدِ رسالت مآب ﷺ تک پوری اِنسانی تاریخ مرتب کی، اِسلام کے عظیم اوّلیں مورخین میں سے ہیں۔ اِسی طرح ابنِ ہشامؒ، طبریؒ مسعودیؒ، مسکویہ حلبیؒ، اندلسیؒ، ابنِ خلدونؒ، دیار بکریؒ، یعقوبیؒ، بلاذریؒ، ابنُ الاثیرؒ، ابنِ کثیرؒ، سہیلیؒ، ابنِ سیدُ الناسؒ وغیرہ کے کام بھی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، جبکہ سیاسی فکر (political thought) اور عمرانیات (sociology) میں غزالیؒ، فارابیؒ، ماوردیؒ، ابنِ خلدونؒ، ابنِ رُشدؒ، ابنِ تیمیہؒ، ابنُ القیمؒ اور شاہ ولی اللہ محدّث دِہلویؒ کی تاَلیفات نہایت اہم ہیں۔

فن تاریخ میں ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ لکھا جس میں اس نے تاریخ کی نفسیاتیسماجی، معاشرتی، اور معاشی توضیح کا آغاز کیا۔ عصبیہ، قوموں کی طبعی عمر اور اقوام عالم کے عروج و زوال جیسی نادر افکار کے ساتھ فہم تاریخ کے جامع منہج کا بانی ابن خلدون ہے۔ اس کے مقدمے کو تاریخ انسانی میں لکھی جانے والی چند ایک عظیم ترین علمی کاوشوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ٹائن بی (Arnold J. Toynbee) نے مقدمہ ابن خلدون پر تبصرہ لکھتے ہوئے لکھا:

> Undoubtedly the greater work of its kind that ever yet been created by any mind in any time or place.[2]
>
> ''بلاشک و شبہ مقدمہ ابن خلدون کسی بھی انسانی ذہن وفکر کی تاریخ انسانی میں کسی بھی زمانے یا علاقے میں وجود میں آنے والی اپنی نوعیت کی عظیم ترین تخلیق ہے۔''

برنرڈ لیوس (Bernard Lewis) نے ابن خلدون کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

---

(1) Kopp, H., *Beitrage zur Geschichte der Chemie*, Braunschweig 1869, 65ff.

(2) <http://en.wikipedia.org> Article: *Ibn Khaldun*.

The greatest historian of the Arabs and Perhaps the greatest historical thinker of the Middle Ages [1]

’’ابن خلدون عربوں بلکہ قرون وسطی کا عظیم ترین مفکرِ تاریخ ہے۔‘‘

۱۴۔ جغرافیہ اور مواصلات (Geography & Communications)

اِسلامی عہد کے عروج کے موقع پر علمِ جغرافیہ میں بھی خوب ترقی ہوئی۔ بلاذریؒ اور ابنِ جوزیؒ بیان کرتے ہیں کہ عہدِ فاروقی میں ہی خلافتِ اِسلامیہ کی ڈاک ہر وقت ’ترکستان‘ (Central Asia) سے ’مصر‘ (Egypt) تک کے علاقے میں روانہ ہوتی تھی۔ جغرافیہ (geography) اور نقشہ سازی (topography) کے ماہرین ڈاک کے ساتھ دورانِ سفر تمام علاقوں کے نقشے تیار کر کے لف کرتے اور تمام متعلقہ مقامات کی جغرافیائی، تاریخی اور اِقتصادی معلومات بھی بترتیب ہجائی (alphabetic order) میں فراہم کرنے کا اِہتمام کیا جاتا تھا۔[۲] اوائل دورِ اسلام میں ’ابنِ حوقل‘ نے بھی معلوم کرۂ ارض کے نقشے تیار کئے اور نقشہ سازی (cartography) کے فن پر تحقیق کی۔ اپنے بنائے ہوئے نقشوں میں اُس نے زمین کو کروِی شکل (circular shape) میں دِکھانے کے ساتھ ساتھ بحیرۂ رُوم (Mediterranian Sea) کی حدود کی صحیح شناخت بھی کروائی۔[۳] اِسی طرح ’الادریسی‘ کا نقشہ جو شاہِ سسلی (۱۱۰۱۔۱۱۵۴ء) کے لئے آج سے ۹ صدیاں قبل تیار کیا گیا تھا، اُس میں دُنیائے عالم کے طوِیل ترین دریا ’دریائے نیل‘ (Nile) کے مصادر (sources) تک کی خبر دی گئی ہے، جو اُس کے ڈیلٹا سے ۶۶۷۰ کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ ’یاقوت حموِیؒ‘ نے ’معجمُ البلدان‘ کے نام سے جغرافیہ پر اُس وقت کی سب سے بڑی معجم (dictionary) مرتب کی، جس نے اہلِ دُنیا کو دُنیا کا علم فراہم کیا۔ اِس کتاب میں اُنہوں نے دُنیا کے تمام بڑے شہروں اور قصبوں کی تفصیلات حروفِ تہجی کی ترتیب (alphabetic order) سے پیش کی ہیں۔[۴] ’خوارزمی‘ نے ’صورۃُ الارض‘ (Image of the Earth) کے نام سے ایسا جغرافیائی مطالعہ اہلِ علم کو عطا کیا جو بعد ازاں جدید جغرافیہ کی بنیاد بنا۔[۵] ’حمدانی‘ (۹۴۵ء) نے آج سے گیارہ سو سال قبل

(1) Bernard Lewis, *The Arabs in History*, p. 160.
(2) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, pp. 144, 388, 402.
(3) Donald R. Hill, *Islamic Science and Engineering*, pp. 111, 151, 178, 179.
(4) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, pp. 386-7, 388, 392.
(5) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 384.

چوتھی صدی ہجری میں علمِ جغرافیہ میں اِنتہائی گرانقدر معلومات کا اِضافہ کیا۔[۱]

نامور مغربی مؤرخ ہٹی (Philip K. Hitti) نے اِن مسلمان ماہرینِ فن کی علمی خدمات کے اِعتراف میں لکھا ہے:

> The bulk of this scientific material, whether astronomical, astrological or geographical, penetrated the west through Spanish and Sicilian channels.[2]

> ''اُس سائنسی مواد کا زیادہ تر حصہ...... خواہ وہ 'علمِ فلکیات' (اَجرامِ سماوِی کا علم) کے مطالعہ پر مبنی ہو یا 'علم نجوم' (پیش بینی) کے مطالعہ یا 'علم جغرافیہ' پر مبنی ہو...... اندلس اور (اٹلی کے جنوبی ساحل پر واقع جزیرے) سسلی کے ذریعے عالمِ مغرب میں داخل ہوا۔''

علمِ جغرافیہ (geography) میں قرونِ وُسطیٰ کے مسلمان اِس قدر مشّاق تھے کہ اُن کا فن عالمی شہرت اِختیار کر گیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۳۱ء میں چین (China) کا سرکاری نقشہ (official map) بھی مسلمان جغرافیہ دانوں نے ہی تیار کیا تھا۔[۳] وہ ہزارہا اِسلامی سکے جو جزیرہ نمائے سکینڈے نیویا (Scandinavia)، فن لینڈ (Finland)، کازن (Kazan) اور رُوس (Russia) کے دِیگر دُور دراز مقامات کی کھدائیوں سے دریافت ہوئے ہیں، مسلمانوں کے اوائلِ اسلام میں کئے جانے والے تجارتی سفروں اور عالمی سرگرمیوں کی خبر دیتے ہیں۔ واسکو ڈے گاما (Vasco de Gama) کے پائلٹ ابن ماجد نے مسلمانوں میں اُس دَور میں قطب نما (compass) کے اِستعمال کی خبر دی ہے۔ اِس فن کی بہت سی جدید اِصطلاحات میں بھی قرونِ وُسطیٰ کے عرب مسلمان سائنسدانوں کی باقیات ملتی ہیں۔[۴]

مسلمانوں کے علوم و فنون کے مگرب پر اثرات کا اندازہ ان بے شمار الفاظ و اصطلاحات سے ہوتا ہے جو آج بھی مغربی علوم و فنون میں مستعمل ہیں۔ مثلاً arsenal (مصنع اسلحہ)، admiral (امیر البحر)، cable (الکبل)، monsoon (مون سون)، Earth (ارض)، Gibraltar (جبل الطارق)، Influenza (انزال الانف)، Base (بئس)، Canon (قانون)، Quadalquivir (وادی الکبیر)، المانک (Almanac) اور اسطرلاب

(1) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 386.
(2) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, pp. 383-387.
(3) *Islamic Culture*, Hyderabad, 8:514, Oct.1934.
(4) Farhat H. Hussain, *The Birth of Muslim Coinage*, pp. 27-32.

(Astorlab) وغیرہ جیسے بے شمار عربیُ الاصل اَلفاظ و اِصطلاحات آج کی جدید دُنیا میں بھی متداوَل ہیں، جس سے جدید مغربی کلچر پر مسلم علم و ثقافت کے اَثرات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی سائنسی ترقی کا اِجتماعی زندگی پر اَثر

قرونِ وُسطیٰ میں اِسلامی اور عرب دُنیا میں شرحِ خواندگی اور تعلیم و تعلم (education & literacy) کے شغل نے یہاں تک ترقی کی کہ صرف سسلی (Sicily) جیسے ایک چھوٹے سے شہر میں ۳۰۰ پرائمری سکول موجود تھے اور اُن کی وُسعت کا یہ عالم تھا کہ ابو القاسم بلخی کی رِوایت کے مطابق ۳۰۰۰ طلباء صرف اُن کے اپنے اِنسٹیٹیوٹ میں زیرِتعلیم تھے۔ اِسی طرح دِمشق (Damascus)، حلب (Halab)، بغداد (Baghdad)، موصل (Mosul)، مصر (Egypt)، بیتُ المقدس (Jerusalem)، بعلبک، قرطبہ (Cordoba)، نیشاپور اور خراسان (Central Asia) وغیرہ بھی سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے معمور تھے۔ ’جامعہ نظامیہ بغداد‘...... جو پانچویں صدی سے نوی صدی ہجری تک دُنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی ...... اُس میں ریگولر طلبہ کی تعداد ۶۰۰۰ رہتی تھی۔(۱)

دسویں صدی میں بقول اِمام نعیمیؒ، صرف شہر دِمشق میں فقہ و قانون (law and jurisprudence) کے کالجز اور جامعات کا عالم یہ تھا کہ ۶۳ تعلیمی اِدارے فقہ شافعی کے تھے، ۵۲ فقہ حنفی کے، ۱۱ فقہ حنبلی کے اور ۴ فقہ مالکی کے تھے۔ اِس کے علاوہ علمُ الطب (medical sciences) کے سکول اور کالج الگ تھے۔

اِمام ابنِ کثیرؒ تاریخ پر اپنی کتاب ’البدایہ والنہایہ‘ میں سن ۶۳۱ھ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اُس سال ’مدرسہ مستنصریہ‘ کی تعمیر مکمل ہوئی، جو اُس وقت کی قانون کی سب سے بڑی درسگاہ تھی۔ اُس میں چاروں فقہی و قانونی مکاتبِ فکر کے ۶۲، ۶۲ ماہرین و متخصّصین فقہ و قانون کے شعبوں میں تدرِیس کے لئے تعینات تھے۔(۲)

اِسلامی تاریخ کا سب سے پہلا باقاعدہ ہسپتال اُموی خلیفہ ’ولید بن عبدالملک‘ (۸۶ھ تا ۹۶ھ) کے زمانے میں پہلی صدی ہجری میں ہی تعمیر ہوگیا تھا۔ اُس سے قبل ڈسپنسریاں (dispensaries)، موبائل میڈیکل یونٹ (mobile medical units) اور میڈیکل ایڈ

---

(1) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, pp. 408-415.

(۲) ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۱۳: ۱۳۹

سنٹرز (medical aid centres) وغیرہ موجود تھے، جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں غزوۂ خندق کے موقع پر بھی مدینہ طیبہ میں کام کر رہے تھے۔ اُس ہسپتال میں indoor patients کے باقاعدہ وارڈز تھے اور ڈاکٹروں کو رہائش گاہوں کے علاوہ بڑی معقول تنخواہیں بھی دی جاتی تھیں۔ اِسلامی تاریخ کے اُس دورِ اوائل کے ہسپتالوں میں درج ذیل شعبہ جات مستقل طور پر قائم ہو چکے تھے:

1. Department of Systematic Diseases
2. Ophthalmic department
3. Surgical department
4. Orthopaedic department
5. Department of mental diseases

اُن میں سے بعض بڑے ہسپتالوں کے ساتھ میڈیکل کالج (medical colleges) بھی متعلق کر دیئے گئے تھے، جہاں پوری دُنیا کے طلبہ medical science کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دِمشق کا 'نوری ہسپتال' (Noorie Hospital) اور مصر کا 'ابنِ طولون ہسپتال' (Ibn-i-Tulun Hospital) اِس سلسلے میں بڑے نمایاں تھے۔ ابن طولون میڈیکل کالج میں اِتنی عظیم لائبریری موجود تھی جو صرف medical sciences ہی کی ایک لاکھ سے زائد کتابوں پر مشتمل تھی۔ ہسپتالوں کا نظام دَورِ جدید کے مغربی ہسپتالوں کی طرح نہایت منظّم اور جامع تھا اور یہ معیار دِمشق بغداد، قاہرہ، بیتُ المقدس، مکہ، مدینہ اور اندلس ہر جگہ برقرار رکھا گیا تھا۔ بغداد کا 'اَزدی ہسپتال' (Azdi Hospital) جو ۳۷۱ھ میں تعمیر ہوا، دِمشق کا 'نوری ہسپتال' (Noorie Hospital)، مصر کا 'منصوری ہسپتال' (Mansuri Hospital) اور مراکش کا 'مراکو ہسپتال' (Moroccan Hospital) اُس وقت دُنیا کے سب سے بڑے اور تمام ضروری سہولتوں اور آلات سے لیس ہسپتال تھے۔[1]

اِسلامی تعلیمات کی بدولت ملنے والی ترغیب سے مسلمان تو تعلیم اور صحت کے میدانوں میں ترقی کی اِس اَوج پر فائز تھے جبکہ یورپ کے باسیوں کو پینے کا صاف پانی بھی میسر نہ تھا۔ مسلمانوں

---

(1) i. Philip K. Hitti, *The Arabs: A Short History*, p. 143.
ii. Adam Sabra, *Poverty and Charity in Medieval Islam: Mamluk Egypt, 1250-1517*, p. 74.
iii. Howard H. Turner, *Science in Medieval Islam: An illustrated Introduction*, p. 142-3.

کے علمی شغف کا یہ عالم تھا کہ اِسلامی دُنیا کے ہر شہر میں پبلک اور پرائیویٹ لائبریریوں کی قابلِ رشک تعداد موجود تھی اور بیشتر لائبریریاں لاکھوں کتابوں کا ذخیرہ رکھتی تھی۔ قرطبہ (Cordoba)، غرناطہ (Granada)، بغداد (Baghdad) اور طرابلس (Tarabulus) وغیرہ کی لائبریریاں دُنیا کا عظیم تاریخی اور علمی سرمایہ تصوّر ہوتی تھیں۔[1]

مسلم دنیا میں تشکیل پانے والی علمی، فکری اور سائنسی روایت نے مسلمانوں کی دنیاوی و مادی زندگی ہی نہیں بلکہ ذہنی رجحانات کو بھی مثبت تبدیلیوں سے آشنا کیا۔ مجرد تخیلاتی زاویہ نظر کی بجائے ہر میدانِ حیات میں عملی اور تجربی طرزِ فکر (Approach) کو فروغ ملا۔ ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) کے مطابق:

> It is difficult to indicate in a few words the many-sided intellectual activities of this age. The older 'Muslim sciences' of history and philology broadened out to embrace secular history and belleslettres. Greek medical and mathematical science were made accessible in a library of translations and were developed by Persian and Arab scholars, especially in algebra, trigonometry, and optics. Geography--perhaps the most sensitive barometer of culture-flowered in all its branches, political, organic, mathematical, astronomical, natural science, and travel, and reached out to embrace the lands of civilizations of far-distant peoples.
>
> While these new sciences touched only the fringes of the religious culture, the inroads of Greek logic and philosophy inevitably produced a sharp and bitter conflict, which came to a head in the third Islamic century. The leaders of Islam saw its spiritual foundations endangered by the subtle infidelities of pure rationalism, and although they ultimately triumphed over the Hellenizing school, philosophy always remained an object of suspicion in their eyes, even when it came to be studied merely as an apologetic tool.[2]

’’اس دور کی کثیر الجہات علمی سرگرمیوں کو چند الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ مسلمانوں کا

(1) Donald R. Hill, *Islamic Science and Engineering*, pp. 171-172.
(2) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 5, 6.

قدیم علم تاریخ اور لسانیات سیکولر تاریخ اور ادبی فن پاروں سے مل کر وسعت پذیر ہوگئے۔ ایک دارالترجمہ میں یونانی طب اور ریاضی کے علم کو قابل رسائی بنایا گیا اور ایرانی اور عرب سکالروں نے الجبراء، تکونیات اور بصریات کو فروغ دیا۔ جغرافیہ جو کہ کلچر کا بہت ہی حساس پیمانہ ہے اپنی تمام شاخوں میں فروغ پذیر ہوا جن میں اس کے سیاسی، نامیاتی، ریاضیاتی، فلکیاتی، فطری اور سفر کے پہلو شامل ہیں اور یہ ترقی کرتا ہوا دور دراز لوگوں کی تہذیب کی زمین تک پہنچ گیا۔

''جب نئی سائنسوں کا مذہبی کلچر کی حدود کے ساتھ محض میل جول ہی پیدا ہوا تو یونانی منطق اور فلسفہ نے ناگزیر طور پر بہت ہی واضح اور شدید تنازعات پیدا کئے جو تیسری صدی ہجری میں منظر عام پر آ گئے۔ اسلام کے رہنماؤں نے محسوس کیا کہ خالص عقلیت کی غیر محسوس کا فرانہ روش کے باعث اسلام کی روحانی بنیادیں معرض خطر میں ہیں اور اگرچہ انہوں نے آخرکار ہیلنیائی طبقے کو فتح کر لیا مگر اس کے (غیر حقیقی و غیر تجربی) فلسفے کو ہمیشہ شک و شبہ کی نظر سے دیکھا حتی کہ اسے صرف ایک معاون فن کے طور پر پڑھا گیا۔''

سیرۃ الرسول ﷺ کا علمی فیضان اور عصرِ حاضر

حضور اکرم ﷺ کی آمد سے انسانیت دور قدیم سے دور جدید میں داخل ہوگئی۔ قرآن حکیم اور سیرت الرسول ﷺ کی تعلیمات سے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ وہ علمی سفر شروع ہوا جس نے تسخیر کائنات کی راہیں ہموار کیں، جو مشاہدہ، تجزیہ اور تجربہ پر مبنی تھیں۔ مسلمانوں نے نہ صرف قدیم توہمات اور مفروضوں کی تاریکیوں کو حقیقت شناسی کی روشنی سے بدلا، بلکہ علوم کی دنیا میں وہ انکشافات کئے جن کی نظیر دور حاضر میں بھی ملنا مشکل ہے۔

سائنس کے میدان میں مسلمانوں کی کامیابیاں اپنی نظیر آپ ہیں۔ مسلمانوں کی کلی توجہ مشاہدہ اور تجربہ پر تھی۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے اوپر توہمات پر مبنی انداز نظر طاری نہیں ہونے دیا۔[1] اس کا اندازہ مسلمانوں کے علمی سفر سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے علم کے ان اسرار کا انکشاف کیا جن کی پہلے کوئی بنیاد بھی موجود نہ تھی۔ مثلاً ریاضی میں ابوکامل نے چوتھے درجے کی مساواتوں کے حل کا نظام وضع کیا اور غیر متعین مساواتوں کے لئے ۲۶۷۶ حل پیش کئے۔[2] قاہرہ بیت الحکمت کے ابن یونس

(1) Mashhad Al-Allaf, *The Essence of Islamic Philosophy*, p. 244.

(2) Ivan Van Sertima, *African Presence in Early Europe*, Journal of African Civilization Ltd. Inc. Rutgers, The State university NJ, 2000, p. 181.

نے فلکیاتی مسائل کے حل کے لئے طویل ترین ضربوں کے سوالات کو آسان جمع تفریق میں بدل دیا۔ ابن یونس کے طریقہ حساب کو ڈنمارک کے ماہر فلکیات ٹائیکو براہی (Tycho Brahe) نے ۵۰۰ سال بعد استعمال کیا۔ ابن یونس نے Sine1° کی حقیقی قدر کو کروڑویں درجے تک معلوم کرنے کا طریقہ بھی دریافت کیا۔[1] طبیعیات میں 'مسئلہ ابن الہیثم' (Alhazen Problem) صدیوں تک یورپی اہل علم کا موضوع تحقیق رہا۔ سترہویں صدی میں کرسچن ہائجنس (Christian Huygens) اور آئزک بارو (Isaac Barow) نے اس میں خصوصی دلچسپی لی۔ راجر بیکن (Roger Bacon) اور کیپلر (Kepler) ابن الہیثم سے براہ راست متاثر تھے۔[2] ابن الہیثم کے دیے ہوئے چوکور (Quadrangle) کے زاویوں کی پیمائش کے ضابطوں کو مغربی ماہر ریاضی لیمبرٹ (Lamber, J. H.) نے ۷۰۰ سال بعد سترہویں صدی میں استعمال کیا۔[3] ابن الہیثم کے شاگرد حسین ابن اسحاق کی تصنیف 'العشر مقالات فی العین' (Ten Treatises on Eye) مغرب میں صدیوں تک امراض چشم کی نصابی کتاب رہی۔[4] ابن رشد اور عبدالملک ابن ابوزہر نے صدیوں قبل اپنی تصانیف میں امراضِ نسواں (Gynecology) کو تفصیل سے بیان کیا۔[5]

مغرب پر اسلام کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے واٹ (Watt M. Watt) لکھتا ہے:

> A statistician has argued that the numbers of references in the standard early European works show conclusively that Arab influence was much greater than Greek.[6]

> ''ایک ماہر شماریات کے مطابق اعداد و شمار اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ ابتدائی معیاری یورپی تصانیف میں موجود حوالہ جات کی تعداد یہ ظاہر کرتی ہے کہ یورپ پر یونان کی نسبت عربوں (اسلام) کا اثر بہت زیادہ ہے۔''

اسلام کی پوری علمی و فکری اور سائنسی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اسلام کے دیئے ہوئے شعور

---

(1) Ivan Van Sertima, *African Presence in Early Europe*, Journal of African Civilization Ltd. Inc. Rutgers, The State university NJ, 2000, pp. 181-2.
(2) Ivan Van Sertima, *African Presence in Early Europe*, Journal of African Civilization Ltd. Inc. Rutgers, The State university NJ, 2000, p. 182.
(3) *ibid*, p. 183
(4) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 364.
(5) Michael J. O'Dowd, *The History of Medication for Women*, p. 113.
(6) Watt M. Watt, *The Influence of Islam on Medieval Europe*, p. 67.

کے تحت مسلمانوں کی تمام تر علمی وفکری اور سائنسی کامیابیاں تہذیب ساز انسانی فلاح و بہبود کی ضامن اور کلیتاً تعمیر پر مبنی تھیں۔ ان میں کبھی بھی تخریب یا تباہی کا عنصر نہیں تھا۔لیکن پچھلی دو تین صدیوں سے مغرب میں ہونے والی علمی ترقی نے انسانیت کو خطرات کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔مغرب نے اپنی جدید ٹیکنالوجی کو متعارف کروا کے چاہے وہ پرامن ہے یا عسکری دنیا کو بحران سے دوچار کر دیا ہے۔[1]

آج انسانیت کو فلاح اور بقا کے اصولوں پر مبنی علمی روایت کی احتیاج ہے۔ وہی علمی روایت جس کا آغاز مسلمانوں نے کیا تھا اور جو قرآن حکیم اور سیرۃُ الرسول ﷺ کے خمیر سے پیدا ہوئی تھی۔ اس علمی اور سائنسی روایت کی نشاۃ نو مسلمانوں پر تاریخ کا قرض ہے کیونکہ اسی میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے اور اسی سے مسلمان رِجس[۲] کی موجودہ دلدل سے نکل کر رِفعتِ ذکر[۳] کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں۔

الحمد للہ! اس باب پر مقدّمہ سیرۃُ الرسول ﷺ کے حصہ اَوّل کا اختتام ہوا۔ حصہ دُوُم میں سیرت کے درج ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی:

باب اَوّل: سیرۃُ الرسول ﷺ کی شخصیتی و رسالتی اہمیت

باب دُوُم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی ثقافتی اور تہذیبی اہمیت

باب سوُم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی تاریخی اہمیت

باب چہارم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی معاشی اہمیت

باب پنجم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت

باب ششم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی نظریاتی و انقلابی اہمیت

باب ہفتم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت حقوق اِنسانی کے تناظر میں

باب ہشتم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَقلیتوں کے حقوق کے تناظر میں

باب نہم: سیرۃُ الرسول ﷺ کی اَہمیت اَمنِ عالم کے تناظر میں

---

(1) Roger M. Savory, *Introduction to Islamic Civilization*, p. 5.

(۲) القرآن، یونس، ۱۰: ۱۰۰

(۳) القرآن، الشرح، ۹۴: ۱، ۲

اِشاریہ جات

اِشاریہ آیات مبارکہ

آیات مبارکہ	حوالہ	صفحہ
قَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُراً مِّنْ قَبْلِہٖ ط اَفَـلا تَعْقِلُوْنَ○	یونس،۱۰:۱۶	۱۰۲،۱۸۳
وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لا یَعْقِلُوْنَ○	یونس،۱۰:۱۰۰	۵۵۱
اَلاَ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ○	ہود،۱۱:۱۸	۳۱۵
یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ.	ہود،۱۱:۴۸	۹۵
فَوْقَ کُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِیْم○	یوسف،۱۲:۶۲	۵۵۶
قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِی۔	یوسف،۱۲:۱۰۸	۵۵۴
لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ○	الحجر،۱۵:۷۲	۸۷
وَ اَوْفُوْا بِعَھْدِا اللّٰہِ اِذَا عٰھَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ	النحل،۱۶:۹۱	۳۲۸
وَلاَ تَشتَرُوا بِعَھدِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیلاً اَنَّمَا عِندَ اللّٰہِ ھُوَ خَیر لَّکم	النحل،۱۶:۹۵	۳۲۸
اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ	النحل،۱۶:۱۲۵	۲۳۹، ۵۵۷
کُلًّا نُّمِدُّ ھٰٓؤُلَآءِ وَھٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ ط وَمَا کَانَ عَطَآءُ	بنی اسرائیل،۱۷:۲۰	۲۳۹
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ	بنی اسرائیل،۱۷:۳۴	۳۲۹
عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○	بنی اسرائیل،۱۷:۷۹	۸۷
وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا○	بنی اسرائیل،۱۷:۸۵	۲۳۲
فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ۔	الکھف،۱۸:۲۹	۲۱۳
یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِاسْمُہٗ یَحْیٰی	مریم،۱۹:۷	
یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ	مریم،۱۹:۱۲	۹۵
طٰہٰ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی○	طہٰ،۲۰:۱۔۲	۹۶
وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا○	طہٰ،۲۰:۱۱۴	۵۵۶

آیات مبارکہ	حوالہ	صفحہ
یٰسٓo وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِo اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَo	یٰسین، ۳۶:۱۔۳	۹۶
کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْا اٰیَاتِہٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُوْلُوْا	ص، ۳۸:۲۹	۵۴۹
قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔	الزمر، ۳۹:۹	۵۵۶
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّھُمْ	الزمر، ۳۹:۲۷	۵۴۸
وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا	المومن، ۴۰:۵۸	۵۴۸
سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہٗ	حم السجدہ، ۴۱:۵۳	۵۴۷
وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ وَاَقَامُوْا الصَّلَاۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی	الشوریٰ، ۴۲:۳۸	۲۴۸
ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَۃَ اَنْ تَاْتِیَھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَایَشْعُرُوْنَo	الزخرف، ۴۳:۶۶	۵۵۵
وَ اٰمِنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ	محمد، ۴۷:۲	۱۸۵
اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَاo	محمد، ۴۷:۲۴	۵۵۰
اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاo لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ	الفتح، ۴۸:۸۔۹	۲۳۴
اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ	الفتح، ۴۸:۱۰	۸۸، ۱۹۵، ۲۰۲
بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰی اَھْلِیْھِمْ	الفتح، ۴۸:۱۲۔۱۳	۲۳۵
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ	الفتح، ۴۸:۲۹	۴۴، ۱۰۳
یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔	الحجرات، ۴۹:۱	۱۹۴، ۲۳۵
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَo اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ	الحجرات، ۴۹:۲۔۳	۸۸، ۱۰۴، ۲۳۶
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا	الحجرات، ۴۹:۴	۹۴

آیات مبارکہ	حوالہ	صفحہ
وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ هُمْ	الحجرات، ۴۹: ۷۔۸	۲۳۸، ۲۵۰
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔	الحجرات، ۴۹: ۱۵	۱۹۱
وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○	الذاریات، ۵۱: ۲۱	۵۵۴
وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى○	النجم، ۵۳: ۱	۸۹
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى○	النجم، ۵۳: ۳۔۴	۸۹، ۱۹۵، ۲۰۲
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ○	الرحمٰن، ۵۵: ۱۹	۸۰
فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ○	الرحمٰن، ۵۵: ۶۶	۸۰
مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ۔	الرحمٰن، ۵۵: ۷۶	۸۰
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ○	المجادلۃ، ۵۸: ۲۰	۱۹۶، ۲۰۳
وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔	الحشر، ۵۹: ۷	۲۰۰
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ	الجمعۃ، ۶۲: ۲	۸۵
تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ۔	الملک، ۶۷: ۸	۷۹
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○	القلم، ۶۸: ۴	۸۵، ۲۲۴
يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا○	المزمل، ۷۳: ۱، ۲	۹۶
يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَ ثِيَابَكَ	المدثر، ۷۴: ۱۔۵	۸۵، ۹۶
وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا○ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا○ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا○	المرسلات، ۷۷: ۱۔۶	۷۵
فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ○ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ○ وَ اِذَا	المرسلات، ۷۷: ۸۔۱۲	۷۵
وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا○ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا○ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا○	النازعٰت، ۷۹: ۱۔۵	۷۶

اِشاریہ اَحادیث وآثار

اَحادیث وآ ثار	حوالہ	صفحہ
أمرين لن تضلوا ما مسكتم بهما كتاب الله	إمام مالک، الموطأ،	۲۱۰
أمنها الله تعالی بمقامة فيها و كونه بها	قاضی عیاض، الشفا	۹۴
أن بلالا ﷺ قال لأبي بكر ﷺ: إن كنت	بخاری، الصحیح	۱۴۰
أن رسول الله ﷺ كان يخرج على أصحابه	ترمذی، الجامع الصحیح	۱۲۷
أی قوم، والله، لقد وفدت على الملوك	بخاری، الصحیح	۱۳۳
إذا شككتم في الطريق فاجعلوا سبعة أذرع	بیهقي، السنن الكبرى	۲۸۱
إذا شككتم في الطريق فاجعلوا سبعة أذرع	بیهقي، السنن الكبرى	۲۹۲
إذا ظلم أهل الذمة	طبراني، المعجم الكبر	۳۳۹
إذا فتحت مصر فاستوصوا بالقبط خيرًا	حاكم، المستدرک	۳۴۶
إذا مرت عليكم جنازة مسلم	أحمد بن حنبل، المسند	۳۴۸
إلى مُرُيُحَنَّة بن رُؤبَة وَ سَروات أهل أيلة	ابن سعد، الطبقات الكبرى	۳۵۲
إن الأعلين ينحدرون إلى من هو أسفل منهم	طبری، جامع البيان	۱۲۰
إن أحسن الحديث كتاب الله وأحسن الهدي	بخاری، الصحیح	۲۱۸
إن الله بعث إلينا محمدًا ﷺ ولا نعلم شيئًا	بخاری، الصحیح	۱۹۰
إن الله تعالى قال: أبتّ العلم فى آخر الزمان	دارمی، السنن	۵۷۲
إن رجلا من أصحاب محمد ذهب بصره	بخاري، الأدب المفرد	۱۷۵
إن لهم ذمة الله و ذمة رسوله، لا يحشرون	ابن سعد، الطبقات الكبرى	۲۶۶
إنه قد جاء ني الأقرع بكتابک و شفاعتک	ابن سعد، الطبقات الكبرى	۳۳۵
إنهم من المسلمين لهم ما للمسلمين	ابن سعد، الطبقات الكبرى	۲۶۵
إنّ صاحبكم لتُغَسّله الملائكة يعنى حنظلة	حاكم، المستدرک	۱۳۹
إنّي عند الله مكتوب	ابن حبان، الصحیح	۲۲۲
إني لا أريد المدينة بدون رسول الله ﷺ	كرمانی، شرح البخاری	۱۴۰
إني أعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع،	بخاری، الصحیح	۱۲۶
إني إذا رأيتک طابت نفسي وقرت عيني	أحمد بن حنبل، المسند	۱۴۰
اشتكت فاطمة شكواها التي قبضت فيه	أحمد بن حنبل، المسند	۱۷۰

اَحادیث وآثار	حوالہ	صفحہ
السلام علیک یا رسول اللہ! بأبي أنت و أمي	عبد الحلیم، الرسول	۱۶۵
اللهم أذهب بصري حتی لا أدري بعد حبیبي	قسطلانی، المواهب اللدنیة	۱۷۴
اللّٰهم! إنّ علیا في طاعتک وطاعة رسولک	طبراني، المعجم الکبیر	۱۳۲
المستشار مؤتمن، فإذا استشیر فلیشر	طبرانی، المعجم الأوسط	۲۵۴
المعرفة رأس مالی والعقل أصل دینی	قاضی عیاض، الشفاء	۵۶۴
المهاجرون من قریش علی ربعتهم یتعاقلون	میثاق مدینه	۲۸۱
المهاجرون من قریش علی ربعتهم	میثاق مدینه	۲۶۶
المؤمنون تتکافأ دماؤهم	بیهقي، السنن الکبری	۳۳۹
ان لا نشرک باللہ شیئاً ولا نسرق، ولا نزنی	ابن هشام، السیرة النبویة	۳۹۵
اَلا! فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ، وَ صَلُّوْا خَمْسَکُمْ	ترمذي، السنن	۳۶۲
اَلا! فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ	بخاری، الصحیح	۳۶۳
بکی حتی تختلف أضلاعه	ابن جوزی، الوفاء	۱۷۴
بین المؤمنین و المسلمین من قریش و (أهل)	میثاق مدینه	۲۷۸
بین المؤمنین و المسلمین من قریش	میثاق مدینه،	۲۶۶
بأبي أنت وأمي، یا رسول اللہ، لقد بلغ	عبد الحلیم، الرسول	۱۶۶
تشاوروا في أمرکم، فإن کان اثنان و اثنان	ابن سعد، الطبقات الکبری	۲۵۴
تعلّموا العلم لأنه معالم الحلال و الحرام	منذری، الترغیب الترهیب	۵۶۷
ثلاثة لهم أجران: رجل من أهل الکتاب	بخاري، الصحیح	۵۶۷
جاء رجل من الأنصار إلی النبي ﷺ و هو	طبری، جامع البیان	۱۱۷
حتی لم یبق دار من دُور الأنصار إلا و فیها رجال	ابن هشام، السیرة النبویة	۳۹۶
حسن العهد من الإیمان	حاکم، المستدرک	۳۴۲
خذوا عنّي مناسککم	بیهقي، السنن الکبری	۱۸۹
خیار عباد اللہ الموفون المطیبون	عبد بن حمید، المسند	۳۴۳
خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الإسلام	بخاری، الصحیح	۴۵۸
دیة الذمي دیة المسلم	عبدالرزاق، المصنف	۳۴۶

اَحادیث وآثار	حوالہ	صفحہ
قام فينا النبى ﷺ مقامًا، فأخبرنا عن بدء الخلق	بخارى، الصحيح	۵۷۰
قد تركنا رسول الله ﷺ	أحمد بن حنبل، المسند،	۵۷۱
قد سمعنا ما قلت، فتكلم	ابن هشام، السيرة النبوية	۳۹۹
قد يئس الشيطان بأن يعبد بأرضكم ولكنه	حاكم، المستدرک	۲۱۱
قلت: يا رسول الله! إن عرض لي أمر	سيوطي، الجامع الكبير	۲۵۰
قلت يا رسول الله، إن نزل بنا أمر ليس فيه	هيثمي، مجمع الزوائد	۲۵۰
كان النبى ﷺ يخطب إلى جذع، فلما اتخذ	بخارى، الصحيح	۱۶۰
كان جذع نخلة في المسجد يسند رسول الله	ابن ماجة، السنن	۱۶۲
كان رجل عند النبي ﷺ ينظر إليه لا يطرف	قاضى عياض، الشفاء	۱۱۵
كان سبب موت أبي بكر الكمد على رسول الله	سيوطى، مسند أبى بكر	۱۶۵
كان سبب موت أبي بكر موت رسول الله ﷺ	حاكم، المستدرک	۱۶۴
كان كل نبي يبعث إلى قومه خاصة و بعثت إلى	مسلم، الصحيح	۲۲۱
كان مالک إذا ذكر النبي ﷺ يتغير لونه	قاضي عياض، الشفاء،	۱۷۷
كان والله أحب إلينا من أموالنا و أولادنا و آبائنا	قاضى عياض، الشفاء	۱۳۰
كان ينتقل من عمالة عامل إلى عمالة أخرى	طبرى، تاريخ الأمم والملوک	۴۸۳
كانت اليهود يتعاطسون	ترمذي، السنن	۳۴۵
كتب رسول الله ﷺ كتاب الصدقة فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض فقرنه بسيفه	ترمذى، السنن	۳۰۹
كل أمتى يدخلون الجنّة إلا من أبى	بخارى، الصحيح	۲۱۱
كنّا مع النّبىّ ﷺ وهو آخذ بيد عمر	بخارى، الصحيح	۱۰۰
لا تدخلوا بيوت أهل الذمة إلا	طبرانى، المعجم الكبير	۳۴۸
لا تشتروا رقيق أهل الذمة فإنّهم أهل خراج	بيهقى، السنن الكبرىٰ	۳۴۴
لا تقوم السّاعة حتى يتقارب الزمان	هندى، كنز العمال،	۵۷۲
لا يؤمن عبد حتى أكون أحب إليه من نفسه	طبرانى، المعجم الكبير	۱۰۱
لا يؤمن عبد وفى حديث عبد الوارث	مسلم، الصحيح	۹۸

عمومی اِشاریہ

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آلوسی،** ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني۔** بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث ۔

۳۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۴۔ **ابن أبي أصیبعہ ،**موفق الدین أبو العباس احمد بن القاسم بن خلیفۃ السعدی الخزرجی (۶۰۰۔ ۶۶۸ھ)۔ **عیون الأنباء فی طبقات الأطباء۔** بیروت، لبنان: مکتبۃ الحیاۃ، ۱۹۶۵ء۔

۵۔ **ابن أثیر،** ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔۶۳۰ھ/ ۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ **الکامل فی التاریخ۔** بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۶۔ **ابن اثیر،** ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ۶۳۰ھ/ ۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ **أسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۷۔ **ابن اسحاق،** محمد بن اسحاق بن یسار، (۸۵۔۱۵۱ھ)۔ **السیرۃ النبویۃ۔** معہد الدراسات والابحاث للتعریب۔

۸۔ **ابن تیمیہ،** احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ **الصارم المسلول علی شاتم الرسول،** بیروت، لبنان، دار ابن حزم، ۱۴۱۷ھ۔

۹۔ **ابن جوزی،** ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **صفوۃ الصفوہ،** بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء۔

۱۰۔ **ابن جوزی،** ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔ ۱۲۰۱ء)۔ **الوفا بأحوال المصطفیٰ۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

١١۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠۔٣٥٤ھ/٨٨٤۔٩٦٥ء)۔ **الثقات**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٣٩٥ھ/١٩٧٥ء۔

١٢۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠۔٣٥٤ھ/٨٨٤۔ ٩٦٥ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ،١٤١٤ھ/١٩٩٣ء۔

١٣۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (٣٨٤۔٤٥٦ھ/٩٩٤۔١٠٦٤ء)۔ **المحلی بالآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

١٤۔ **ابن حمید،** عبد بن حمید بن نصر ابو محمد الکسي (٢٤٩ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنۃ، ١٤٠٨ھ/ ١٩٨٨ء

١٥۔ **ابن خزیمہ،** ابو بکر محمد بن اسحاق (٢٢٣۔٣١١ھ/٨٣٨۔٩٢٤ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١٣٩٠ھ/١٩٧٠ء۔

١٦۔ **ابن خلدون،** عبدالرحمٰن بن خلدون (٧٣٦۔٨٠٨ھ)۔ **مقدمہ کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبرفی العرب والبربر ومن عاصر ھم من ذوی الشأن الاکبر، (المعروف: مقدمہ ابن خلدون)**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ٢٠٠٣ء۔

١٧۔ **ابن راہویہ،** ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبداللہ (١٦١۔٢٣٧ھ/ ٧٧٨۔٨٥١ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ١٤١٢ھ/ ١٩٩١ء۔

١٨۔ **ابن سعد،** ابو عبد اللہ محمد (١٦٨۔٢٣٠ھ/٧٨٤۔٨٤٥ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ١٣٩٨ھ/١٩٧٨ء۔

١٩۔ **ابن سلام،** ابي عبدالقاسم بن سلام (٢٢٤ھ)۔ **کتاب الأموال**۔ قاہرہ، مصر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

٢٠۔ **ابن عبد البر،** ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (٣٦٨۔٤٦٣ھ/٩٧٩۔١٠٧١ء)۔ **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ١٤١٢ھ۔

٢١۔ **ابن عبد البر،** ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (٣٦٨۔٤٦٣ھ/٩٧٩۔١٠٧١ء)۔ **التمهید**۔ مغرب (مراکش): وزارت عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیہ، ١٣٨٧ھ۔

٢٢۔ **ابن عبدالبر،** ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (٣٦٨۔٤٦٣ھ/٩٧٩۔١٠٧١ء)۔ **الدرر،**

قاهرہ، مصر: دارالمعارف، ۱۴۰۳ھ۔

۲۳۔ **ابن عساکر،** ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔ ۱۱۷۶ء)۔ **تاریخ دمشق الکبیر۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۲۴۔ **ابن قدامہ،** ابو محمد عبداللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقه الامام احمد بن حنبل الشیبانی۔** بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۲۵۔ **ابن قیم،** محمد ابی بکر، ایوب الزرعی، ابوعبداللہ، (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **أعلام الموقعین عن رب العالمین۔** مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۷۴ھ۔

۲۶۔ **ابن قیم،** محمد ابی بکر، ایوب الزرعی، ابوعبداللہ، (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **زادالمهاجرالی ربیه.** الجدہ، السعودیہ العربیہ، مکتبۃ المدنی۔

۲۷۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایه و النهایه۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۲۸۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۲۹۔ **ابن ماجہ،** ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۳۰۔ **ابن مندہ،** ابوعبد اللہ محمد بن اسحاق بن یحیی (۳۱۰۔۳۹۵ھ/ ۹۲۲۔۱۰۰۵ء)۔ **الایمان۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۶ھ۔

۳۱۔ **ابن مبارک،** ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (۱۱۸۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۸ء)۔ **کتاب الزهد۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۲۔ **ابن ہشام،** ابومحمد عبد الملک ہشام الحمیری (م۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ **السیرة النبویه۔** بیروت، لبنان: دارابن کثیر، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۳۳۔ **ابن ہشام،** ابومحمد عبد الملک ہشام الحمیری (م۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ **السیرة النبویه۔** بیروت، لبنان: دارالجیل، ۱۴۱۱ھ۔

۳۴۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن۔ بیروت،** لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۳۵۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن۔ بیروت،** لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۶۔ **ابو عبد اللہ،** الدورقی، احمد بن ابراہیم بن کثیر (۱۶۸۔۲۴۶ھ)۔ **مسند سعد بن ابی وقاص۔ بیروت،** لبنان: دارالبشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۳۷۔ **ابوعوانہ،** یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۳۸۔ **ابو نعیم،** احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۳۹۔ **ابو نعیم،** احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **المسند المستخرج علی صحیح مسلم۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۴۰۔ **ابو نعیم،** احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **دلائل النبوہ۔** حیدرآباد، بھارت: مجلس دائرہ معارف عثمانیہ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء۔

۴۱۔ **ابو یوسف،** قاضی ابو یوسف یعقب بن ابرہیم، (۱۸۲ھ)، **کتاب الخراج، بیروت،** لبنان: دارالمعرفۃ

۴۲۔ **ابو یعلی،** احمد بن علی بن ثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند۔** دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۴۳۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **فضائل الصحابة۔ بیروت،** لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۴۴۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند۔ بیروت،**

لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۴۵۔ **احمد رضا،** مولانا احمد رضا خان بریلوی، (۱۳۴۰ھ) **حدائقِ بخشش۔** لاہور، پاکستان، کامیاب دارالتبلیغ۔

۴۶۔ **الاندلسی،** ابی الربیع سلیمان بن موسی الکلاعی الأندلسی(۵۶۵ھ/۶۳۴ھ) **الاکتفاء بما تضمنة من مغازی رسول اللہ و الثلاثة الخلفاء۔** بیروت، لبنان، عالم الکتب، ۱۹۹۷

۴۷۔ **اندلسی،** احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی، (۳۲۸ھ)، **العقد الفرید،** بیروت، لبنان، داراحیاء التراث، ۱۹۹۶ء

۴۸۔ **ازدی،** معمر بن راشد (۱۵۱ھ)۔ **الجامع،** بیروت، لبنان، مکتبۃ الایمان، ۱۹۹۵ء۔

۴۹۔ **اقبال،** علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء)۔ **کلیات۔** لاہور، پاکستان: شیخ غلام نبی اینڈ سنز، ۱۹۸۹ء۔

۵۰۔ **بیجوری،** ابراہیم بن محمد (۱۲۷۶ھ)۔ **المواھب اللدنیه حاشیه علی الشمائل المحمدیه۔** مصر: مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۵۱۔ **بخاری،** ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۵۲۔ **بخاری،** ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الادب المفرد۔** بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۵۳۔ **بزار،** ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۵۴۔ **بغوی** ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل،** بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۵۔ **بغوی،** ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **شرح السنه۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۵۶۔ **بلاذری،** احمد بن یحیٰ بن جابر البلازری (۲۷۹ھ) **۔فتوح البلدان۔** بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۵۷۔ **بلاذری،** احمد بن یحیٰ بن جابر (۲۷۹ھ)۔ **انساب الشراف**۔مصر، دارالمعارف، ۱۹۵۹ء۔

۵۸۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **دلائل النبوہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۵۹۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ،سعودی عرب: مکتبہ دار الباز،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۶۰۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **شعب الإیمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ،۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۶۱۔ **ترمذی،** ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۶۲۔ **ترمذی،** ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۶۳۔ **ترمذی،** ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ **الشمائل المحمدیہ،** بیروت، لبنان، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ،۱۴۱۲ھ۔

۶۴۔ **ثابت بن قرۃ۔ کتاب فی آلات الساعات التی تسمّٰی رخامات**۔ ورلاج ون جولس سب رنجر، برلن،۱۹۳۰م۔

۶۵۔ **جاحظ،** ابی عثمان عمرو بن بحر۔ **کتاب الحیوان**۔مصر: مکتبۃ ومطبعۃ الحلبی ،۱۹۵۰ء۔

۶۶۔ **الجاحظ،** ابوعثمان عمرو بن بحر۔ **کتاب البیان و التبیین**۔ قاہرہ،مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۹۳۶ء۔

۶۷۔ **جاکس ۔ ریسلر۔ الحضارۃ العربیۃ**۔ (ترجمۃ: غنیم عبدون)، الدار المصر یہ للتالیف ولترجمۃ

۶۸۔ **جرجی زیدان۔تاریخ التمدن الاسلامی**۔ الجز الثالث، مطبعۃ الھلال، قاہرہ، ۱۹۳۱ء۔

۶۹۔ **حاکم،** ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۷۰۔ **حاکم،** ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ مکہ،سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۷۱۔ **حکیم ترمذی**، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر۔ **نوادر الاصول فی احادیث الرسول** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۷۲۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ **السیرۃ الحلبیۃ/ إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون**۔ بیروت، لبنان، دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۷۳۔ **حموی**، ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ (م۶۲۶ھ)۔ **معجم البلدان**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۷۴۔ **حمید اللہ**، ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ **مجموعہ الوثائق السیاسیۃ**۔ بیروت، لبنان: دارالارشاد۔

۷۵۔ **حمیدی**، ابو بکر عبداللہ بن زبیر (م۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۷۶۔ **خازن**، علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل (۶۷۸۔۷۴۱ھ/۱۲۷۹۔۱۳۴۰ء)۔ **لباب التأویل فی معانی التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۷۷۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **تاریخ بغداد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۷۸۔ **خفاجی**، ابوعباس احمد بن محمد بن عمر (۹۷۹۔۱۰۶۹ھ/۱۵۷۱۔۱۶۵۹ء)۔ **نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔

۷۹۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۸۰۔ **دارقطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ /۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۸۱۔ **دیار بکری**، حسین بن محمد بن الحسن (۹۶۶ھ)۔ **تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس**، بیروت، لبنان: مؤسسۃ الشعبان للنشر والتوزیع۔

۸۰۔ **دیلمی**، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۸۲۔ **دولابی**، الامام الحافظ أبو بشر محمد بن احمد بن محمد بن حماد (۲۲۴۔۳۱۰)۔ **الذریۃ الظاہرۃ النبویۃ**۔ کویت: الدار السلفیۃ۔ ۱۴۰۷

۸۳۔ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۸۴۔ **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء)۔ **المفردات فی غریب القرآن**۔ دمشق، شام: دار القلم + بیروت، لبنان، الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۸۵۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح علی مؤطا الإمام مالک**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ۔

۸۶۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح المواهب اللدنیه**. بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

۸۷۔ **زیلعی**، ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنفی (م ۷۶۲ھ)۔ **نصب الرایة لأحادیث الهدایه**۔ مصر: دار الحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۸۸۔ **سبکی**، تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام انصاری (۶۸۳۔۷۵۶ھ/۱۲۸۴۔۱۳۵۵ء)۔ **شفاء السقام فی زیارت خیر الانام**. حیدر آباد، بھارت: دائرہ معارف نظامیہ، ۱۳۱۵ھ۔

۸۹۔ **سرخسی**، امام شمس الدین السرخسی (۴۸۳ھ)۔ **کتاب المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۹۰۔ **سعدی أبو حبیب**۔ **موسوعة الاجماع في الفقه الاسلامی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۸۹ء

۹۱۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن**۔ انڈیا: الدار السّلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۹۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۳۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان

(۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۹۴۔ **سیوطی،** جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **التدریب الراوی.** ریاض، سعودی عرب: مکتبہ الریاض الحدیثہ

۹۵۔ **سیوطی،** جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵- ۱۵۰۵ء)۔ **تنویر الحوالک شرح موطا مالک**۔ مصر: مکتبہ التجاریہ الکبری، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء۔

۹۶۔ **سیوطی،** جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **تاریخ الخلفاء**۔ بغداد، عراق: مکتبۃ الشرق الجدید۔

۹۷۔ **شیبانی،** ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶-۲۸۷ھ/ ۸۲۲-۹۰۰ء)۔ **الآحاد و المثانی**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۹۸۔ **شافعی،** ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰-۲۰۴ھ / ۷۶۷-۸۱۹ء)۔ **مسند الشافعی**۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ

۹۹۔ **شمس الحق،** محمد شمس الحق العظیم آبادی أبو الطیب۔ **عون المعبود شرح سنن أبی داؤد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵

۱۰۰۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰-۱۸۳۴ء)۔ **فتح القدیر**۔ مصر: مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ، ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۴ء۔

۱۰۱۔ **صالحی،** ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی (م ۹۴۲ھ/ ۱۵۳۶ء)۔ **سبل الھدیٰ و الرشاد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۱۰۲۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد (۲۶۰-۳۶۰ھ/ ۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۰۳۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد (۲۶۰-۳۶۰ھ/ ۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۰۴۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الصغیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۰۵۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۰۶۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۰۷۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الامم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۰۸۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ**. دارالکتب العصریہ۔

۱۰۹۔ **طحاوی،** ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **شرح معانی الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۱۰۔ **طوسی،** نصیر الدین محمد بن محمد۔ **رسالہ جبر والمقابلہ**۔ انتشارات جامعۃ تہران، ۱۳۳۵ھ

۱۱۱۔ **طوسی،** نصیر الدین محمد بن محمد۔ **رسالہ فی علم الموسیقی**۔ دارالقلم، القاہرہ، ۱۹۶۴م۔

۱۱۲۔ **طوقان قدری حافظ**۔ **تراث العرب العلمی فی الریاضیات و الفلک**۔ قاہرہ، مصر: دار القلم، ۱۹۶۳ء۔

۱۱۳۔ **طوقان قدری حافظ**۔ **العلوم عند العرب**۔ دارمصر للطباعۃ، قاہرہ، ۱۹۶۰ء۔

۱۱۴۔ **طیالسی،** ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۱۵۔ **عبد الحق محدث دہلوی،** شیخ (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ **مدارج النبوہ**۔ کانپور، بھارت: مطبع منشی نولکشور۔

۱۱۶۔ **عبدالرزاق،** ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۱۷۔ **عبدالحلیم منتصر**۔ **تاریخ العلم و دور العلماء العرب فی تقدمہ**۔ دار المعارف بوسکو،

اسکندریہ، ۱۹۶۷ء۔

۱۱۸۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا و مزیل الالباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۱۹۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **الاصابه فی تمییز الصحابه**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۲۰۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۲۱۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **منبهات علی الاستعداد لیوم المعاد**، قاہرہ مصر، دارالبشیر

۱۲۲ **علی عبداللہ الدّفاع**۔ **نوابغ علماء العرب و لمسلمین فی الریاضات**۔ موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۵م

۱۲۳۔ **علی عبداللہ الدّفاع**۔ **الموجز فی التراث العلمی العربی الاسلامی**۔ جون وایلی و اولادۂ، تورنتو، ۱۹۷۹م۔

۱۲۴۔ **علی عبداللہ الدّفاع**۔ **أثر علماء العرب والمسلمین فی تطویر علم الفلک**. موسسۃ الرسالۃ، الظہران السعودیۃ، تاریخ الطبع غیر موجود

۱۲۵۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **إحیاء علوم الدین**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

۱۲۶۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ). **المنقذ من الضلال**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء۔

۱۲۷۔ **فاکہی**، ابوعبد اللہ محمد بن اسحاق بن عباس مکی (م۲۷۲ھ/۸۸۵ء)۔ **اخبار مکه فی قدیم الدهر و حدیثه**۔ بیروت، لبنان: دار خضر، ۱۴۱۴ھ۔

۱۲۸۔ **فواد سزگین**۔ **تاریخ التّراث العربی**۔ (نقلہ الی العربیۃ: فہمی ابو الفضل)، الھیۃ المصریۃ العامۃ للتالیف والنشر، القاہرہ، ۱۹۷۱م

۱۲۹۔ **فیروز آبادی**، ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **الصلات والبشر فی الصلاۃ علی خیر البشر**۔لاہور پاکستان: مکتبہ اشاعت القرآن۔

۱۳۰۔ **قاضی ثناء اللہ پانی پتی** (م۔۱۲۲۵ھ)۔ **تفسیر المظھری**، کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بک ڈپو۔

۱۳۱۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶۔۵۴۴ھ/۱۰۸۳۔۱۱۴۹ء)۔ **الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۳۲۔ **قرطبی**، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لاحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۳۳۔ **قسطلانی**، ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ/ ۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء)۔ **المواھب اللدنیہ**. بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۳۴۔ **قُسطلانی**، ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی (۸۵۱۔۹۲۳ھ/ ۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء)۔ **ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری**۔مصر: دار الفکر، ۱۳۰۴ھ۔

۱۳۵۔ **الکتانی** ، محمد عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد الحسنی الادریسی الکتانی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ /۱۸۸۸۔۱۹۶۲ء)۔**نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۳۶۔ **کرمانی**، علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی (۷۹۶ھ) ۔**الکواکب الدراری في شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۱۳۷۔ **کلاعی**، ابی ربیع سلیمان بن موسی الکلاعی الاندلسی، (۵۶۵۔۶۳۴ھ).**الإکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ** ﷺ و الثلاثۃ الخلفاء، بیروت، لبنان: عالم الکتاب۔ ۱۹۹۷ء۔

۱۳۸ **گنگوہی**، مولانا رشید احمد، (۱۳۲۲ھ)۔ **لامع الداری علی الجامع البخاری**۔مکہ مکرمہ، سعودی عرب، مکتبہ الامدادیہ، ۱۹۷۶

۱۳۹۔ **مالک،** ابن انس بن مالکؓ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطا۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۴۰۔ **مبارکپوری،** محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم ابوالعلا المبارکپوری (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ **تحفة الأحوذی بشرح جامع الترمذی۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۴۱۔ **محبّ طبری،** ابوجعفر احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم (۶۱۵۔۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸۔۱۲۹۵ء)۔ **الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ۔** بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء۔

۱۴۲۔ **محمد بن موسیٰ الخوارزمی۔ کتاب الجبر والمقابلة۔** (تحقیق: علی مصطفیٰ مشرفتہ ومحمد مرسی احمد)، مطبعۃ فتح اللہ الیاس نوری و الادوۂ، قاہرہ ۱۹۳۹م

۱۴۳۔ **محمد بن موسیٰ الخوارزمی۔ کتاب المختصر فی الحساب الجبر والمقابلة۔** (تحقیق و ترجمہ انکلیزیۃ: فریدرک روزن)، لندن ۱۸۳۰م

۱۴۴۔ **محمد بن موسیٰ الخوارزمی۔ جیومیتری (علم المساحة) لمحمد بن موسیٰ الخوارزمی۔** (تحقیق وترجمۃ: سالمون گندز)، برلن، ۱۹۳۲م

۱۴۵ **محمد بن موسیٰ الخوارزمی۔ کتاب صورة الارض۔** (تحقیق: ہانس فون مژیک) مطبعۃ آدولف ہولزہوزن، مدینۃ فینا، ۱۹۲۶م

۱۴۶۔ **مسلم،** ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۴۷۔ **مصطفیٰ نظیف بک۔ الحسن بن الهیثم بحوثه و کشوفه البصریّة.** (الجز الاول) مطبعۃ نوری بمصر، ۱۹۴۲م۔

۱۴۸۔ **مصطفیٰ نظیف بک۔ الحسن بن الهیثم بحوثه وکشوفه البصریّة.** (الجز الثانی) مطبعۃ الاعتماد بمصر، ۱۹۴۳م

۱۴۹۔ **مقریزی،** ابو العباس احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن تمیم بن عبد الصمد (۷۶۹۔۸۴۵ھ/ ۱۳۶۷۔۱۴۴۱ء)۔ **اِمتاعُ الاَسماع۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۱۵۰۔ **ملا علی قاری،** نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ شرح الشفا۔ مصر، ۱۳۰۹ھ۔

۱۵۱۔ **مناوی،** عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۵۲۔ **منذری،** ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب و الترھیب من الحدیث الشریف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۵۳۔ **مولائے روم،** محمد جلال الدین بن بہاؤالدین رومی (۶۰۴ھ۔۶۷۲ھ)، **مثنوی معنوی،** لکھنو، بھارت، مطبع منشی نولکشور، ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء

۱۵۴۔ **نسائی،** احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۵۵۔ **نسائی،** احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۵۶۔ **نسائی،** احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **فضائل الصحابہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۷۔ **واقدی،** محمد بن عمر بن واقد ۱۳۰ھ/ ۲۰۶ھ) **کتاب المغازی،** نشر دانش اسلامی، ۱۴۰۵ء

۱۵۸۔ **ہیثمی،** نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد و منبع الفوئد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۵۹۔ **ہیثمی،** نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن اِلی زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۶۰۔ **ہندی،** حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹ء۔

۱۶۱۔ **یحییٰ بن آدم**، یحی بن آدم القرشی (۲۰۲ھ)، **کتاب الخراج**، بیروت، لبنان، دارالمعرفہ

۱۶۲۔ **یعقوبی**، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (م۲۸۷ھ/ ۸۹۷ء)۔ **تاریخ الیعقوبی**۔ بیروت، لبنان: دارصادر۔

163. Adam Sabra, *Poverty and Charity in Medieval Islam*, Mamluk Egypt, 1250-1517, UCP, 2000.

164. Alastair Minnis, Ian Johnson, *The Cambridge History of Literary Criticism*, CUP, 2005.

165. Albert Hourani, *A History of the Arab People*, Faber & Faber Limited, 3 Queen Square, London, 1991.

166. Albert Hourani, *Europe and the Middle East*, University of California Press, Berkeley, 1980.

167. Al-Farabi, *Virtuous City: Principles & the Opinions of the Inhabitants of the Virtuous City (Ara Ahl al-Madina al-Fadila)* Arabic text edited by Friedrich Dieterici, Leiden, 1895.

168. Ali A. Al-Daffa, *Muslim Contribution to Mathematics*, Humanities Press, London, 1977.

169. Al-Maqqari Ahmed Ibn Mohammed, *History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, Royal Asiatic Society of GB & Ireland, London, 1840-1843 reprinted by Rutledge Curzon 11 New Fetter Lane, London, EC4P 4EE, 2002.

170. Ameer Ali, *A Short History of the Saracens*, London, 1934.

171. Ameer Ali, *Spirit of Islam*, London, 1935.

172. Amos Perlmutter, *Islamic Threat is Clear and Present*, Insight on the News, Feb. 15, 1993.

173. Anne Cooper, Elsie A Maxwell, *Ishmael My Brother: A Christian Introduction to Islam*, Monarch Books Concorde Home Grenville Place, Mill Hill London, NW7 3SA, 2003.

174. Annemarie Schimmel, *And Muhammad is His Messenger*, The University of North Carolina Press, 1985.

175. Antony Black, *The History of Islamic Political Thought: From the Holy Prophet (PBUH) to the Present*, OUP, 2001.

176. Aristotle, *Nicomachean Ethics*, J.M. Dent & Sons Ltd.,

London, 1911.

177. Aristotle, *The Politics and the Constitution of Athens*, CUP, The Edinburgh Building, Cambridge, UK, 1996.

178. Arthur Goldschmidt Jr., *A Concise History of the Middle East*, 3rd ed., Westview Press, Boulder, 1908.

179. Arthur N. Wollaston, *Half-Hours with Muhammad*, London, 1886.

180. Arthur N. Wollaston, *The Sword of Islam*, London, 1905.

181. Ballesteros, Antonio, *Historia de Espania*, vol I & II, Barcelona, 1918.

182. Banqueri, *Libro de Agricultura*, Ed. & Sp. Tr of Ibn al-Awwam, Abu Zakariya Yahya b. Muhammad b. Ahmad, *Kitab al-Filahah*, Jose Antonio, I-II, Madrid, 1802.

183. Bellver y Cacho, *Influencia que ejercib la dominacion de los Arabes en la Agricultura*, Industria y Comercio de la Provincia de Castellon de la Plana, Castellon, 1889.

184. Berggren J. L., *Episodes in the Mathematics of Medieval Islam*, Springer-Verlag, New York, 1986.

185. Bernard Crick, *"Sovereignty" Int'l Encyclopedia of Social Sciences*, Vol, 5, NY, Macmillan Co, 1968.

186. Bernard G. Weiss and Arnold H. Green, *A Survey of Arab History*, The American University of Cairo Press, Cairo, 1987.

187. Bernard Lewis, *The Arabs in History*, OUP, 1993.

188. Bernard R. Goldstein, *Ibn al-Muthannas Commentary on the Astronomical Tables of al-Khwarizmi*, New Haven/London 1967.

189. Berry G. L., *Religions of the World*, Barnes and Noble, NY, 1965.

190. Bertram Thomas, *The Arabs*, London, 1937.

191. Bjornbo, A.A., *Gerhard von Cremonas Uebersetzung von Alkhwarizmis Algebra und von Euklids Elementen in Bibliotheca Mathematica*, 3rd ser., 6, 1905.

192. Bodley, R.V.C., The Messenger: The Life of Mohammed, Orientalia, Lahore, 1954.

193. Boron Carra De Vaux, *Astronomy and Mathematics in the Legacy of Islam*, London, 1947.

194 Bosworth, CE., *'The Historical Background of Islamic Civilization'* in R.M. Savory, ed., *'Introduction to Islamic Civilization'*, CUP, NY, 1980.

195. Bray Bunch, *The History of Science and Technology*, Bryan Bunch and Alexander Hellemans, Houghton Mifflin Co. 215 Park Avenue South, NY, 2004.

196. Bronowski, J., *The Ascent of Man*, London 1973.

197. Burckhardt, J.J, *Die mittleren Bewegungen der Planeten im Tafelwerk des Khwarizmi* in: Vierteljahrsschrift der Naturforschenden Gesellschaft in Zuerich 106, 1961.

198. Charles Austin Beard, *Whither Mankind: A Panorama of Modern Civilization*, Longmans, Green & Co., 1923.

199. Charles C. Gillispie (ed.), *Dictionary of Scientific Biography*, American Council of Learned Socieities, New York, 1981.

200. Charles Homer Haskins, *Studies in the History of Mediaeval Science*, Harvard University Press London, 1924.

201. Charles Mills, *History of Mohammedanism*, London, 1817.

202. Charles W. Dunn & Martin, W. Slann, *American Government*, Harper Collins College Publisher, NY, 1994.

203. Colin Pilkington, *The British Constitution*, Manchester University Press, Oxford Road, Manchester, M13 9NR, UK, 1999.

204. Colin, G., Avenzoar, *Sa Vie et ses Euvres*, Paris 1911 Bull. de corr. afr. 44

205. Corbin, *En Islamiranien*, Paris, 1971.

206. Coulson, N. J., *A History of Islamic Law*, Islamic Surveys, Edinburgh University Press, 1964.

207. Cyrus Abivardi, *Iranian Entomology*, Springer, NY, 2001.

208. David Marquand, Ronald L. Nettler, *Religion and Democracy*, Blackwell Publishers, 108-Cowley Road, Oxford, OX4 1JF, UK, 2000.

209. David Pingree, Alison Salvesen, Henrietta McCall, *The Legacy of Mesopotamia*, OUP.

210. David Pingree, *The Fragments of the Works of al-Fazari* (in: Journal of Near Eastern Studies 29, 1970, pp. 103-123); idem.: The Fragments of the Works of Yaqub ibn Tariq (in: ibid., 26, 1968, pp. 97-125); idem.: he Thousands of Abu Mashar, London 1968.
211. De Baron Carra Vaux, *Les penseurs de l'Islam*, Paris, 1921.
212. De Slane, *Description de l'Afrique Septentrionale* (Fr. tr. Of al-Bakri's work), Algiers, 1911, 1913.
213. De. Lacy Johnstone, P., *Muhammad and His Followers*, T&T Clark, Edinburgh, 1901.
214. Diepgen, P., *Die Bedeutung des Mittelalters*, in: Essays on the History of Medizine, London 1924.
215. Dirk J. Struik, *A Concise History of Mathematics*, Dover Publications, Inc. 31 East 2nd Street, Minneola, NY, 1987.
216. Donald Hill, *A History of Engineering in Classical and Medieval Times*, Rutledge 11 New Fetter Lane, London, EC4P 4EE, 1996.
217. Donald R. Hill, *Islamic Science and Engineering*, Edinburgh University Press, 1993.
218. Dowson J., *Early Arab Geographers*, Calcutta, 1956.
219. Dozy, Reinhart, *Historie des Musulmans d'Espagne*, Leiden, 1861, New ed. by E. Levi-Provencal, Leiden, 1931. Engl. Tr. By Stokes, *Spanish Islam: A History of the Moslems in Spain*, London, 1913. Sp. Tr. By Fuentes, Madrid, 1920.
220. *Draft Convention on the Law of Treaties*, 29 AM. J. INR'L L. (Supp.) 653, 657, 1935.
221. Draycott G. M., Mahomet, *The Founder of Islam*, Martin Secker, London, 1916.
222. Edward A. Freeman, *History and Conquests of the Saracens*, Macmillan, Second Edition, London, 1876.
223. Edward Gibbon, *The Decline and Fall of the Roman Empire*, Penguin Books Ltd., 80 Strand, London WC2R 0RL, England, 1995.
224. Edward Grant, *The Foundations of Modern Science in the Middle Ages: Their Religious, Institutional and Intellectual*

Context, CUP, The Edinburgh Building, Cambridge CB2 2RU, UK, 1996.

225. Edward Granville Browne, *Arabian Medicine*, Cambridge, 1921.
226. Edward Saeed, *Covering Islam: How the Media and the Experts Determine*, How we see the rest of the World, Pantheon Books, NY, 1981.
227. Emile Dermengham, *The Life of Mahomet*, Translated by Arabella York, George Routledge & Sons, London, 1930.
228. *Encyclopaedia of Islam*, Leiden 1908-38. Editions in English, German, French; also in Arabic and Turkish.
229. Eric Foner, John Arthur Garraty, *The Reader's Companion to American History*, Houghton Mifflin Co., NY, 1991.
230. Ernest Nys, *Les Origines de droit international*, Brussels, 1894.
231. Eugene W Hickok, *The Bill of Rights: Original Meaning and Current Understanding*, The University Press of Virginia, 1991.
232. Farhat H. Hussain, *The Birth of Muslim Coinage*, Heritage Resources, 6 Beaufort Court, Admirals Way, Docklands, London, 2002.
233. Francesco Gabrieli, *Muhammad and the Conquests of Islam*, Weidenfeld & Nicholson, London, 1968.
234. Francis J. Carmody, *Arabic Astronomical and Astrological Sciences* in Latin Translation, University of California press, Los Angeles, 1956.
235. Fred McGraw Donner, *The Early Islamic Conquests*, Princeton University Press, 1981.
236. Fukuyama F., *The End of History and the Last Man*, Hamish Hamilton, London, 1992.
237. Garcia Gomez, E., *Sobre agricultura arabigo-andaluza: Cuestiones Bibliograficas*, in Al-Andalus, Vol. X, Madrid-Granada, 1945.
238. Garcia Gomez, Emilio & Levi-Provencal, *Sevilla a Comienzo del siglo XII El Tratado de Ibn 'Abdun*, Sp Tr of Ibn 'Abdun,

Madrid, 1947.

239. Garcia Gomez, Emilio, *Historia de Espana*, IV, Espana Musulmana hasta la Caida del Califato de Cordoba, directed by Raman Menendez Pidal, tr, into Sp. From the Fr. Histoire de L'Espagne musulmane of Levi-Provencal, Madrid, 1950.

240. Garhard Endress, *An Introduction to Islam*, Edinburgh University Press & Carale Hillenbrand, 1994.

241. Gaspar Remiro, *de Historia de Murcia Musulmana*, Saragossa, 1905.

242. George Michell (ed.), *Architecture of the Islamic World* (Its History and Social Meanings), Thomas and Hudson Co. London, 1984.

243. George Saliba, *A History of Arabic Astronomy: Planetary Theories During the Golden Age of Islam*, New York University Press, 1994.

244. George Sarton, *A Guide to the History of Science: A First Guide for the Study of the History of Science*, with Introductory Essays on Science and Tradition, Chronica Botanica, 1952.

245. George Sarton, *Introduction to The History of Science* quoted by Habib A Siddique in *Musalman aur Science ki Tehqeeq*, USB, Upper Mall Lahore, 1999.

246. Gonzalez Palencia, A., *Islam y Occidente*, in Revista de Archivos, Bibliotecas y Museos, vol. 52, 1931.

247. Gonzalez Palencia, *Historia de la Espana Musulmana*, Barcelona, 1945.

248. Gonzalez Palencia, *Historia de Literature arabigo-espanola*, Barcelona, 1945.

249. Gonzalez Palencia, *Moros y Cristianos en Espana Medieval*, Madrid, 1945.

250. Grunebaum, G.E. Von, *Islam* (Essays on the nature and growth of a cultural tradition). London, 1955.

251. Grunebaum, G.E. Von, *Medieval Islam*, The University of Chicago Press, Chicago, 1956.

252. Grunebaum, G.E. Von, *Modern Islam*, Berkely, University of

California Press, 1962.

253. Gustav Weil, *History of the Islamic Peoples*, (translation by S. Khuda Bakhsh), University of Calcutta, 1914.

254. Guyora Binder, *Treaty Conflict and Political Contradiction: The Dialectic of Duplicity*, Praeger Publishers, 1988.

255. Hamilton A. R. Gibb & Harold Bowen, *Islamic Society & the West*, OUP, London, 1957.

256. Hamilton A. R. Gibb, *Arabic Literature*, London, 1926.

257. Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, Oxford University Press, 1970 .

258. Harold A Netland, *Dissonant Voices: Religions Pluralism the Question of Truths*, Wm. B. Eerdmans Publishing Co., USA, 1991.

259. Harold J. Laski, *Authority in the Modern State*, New Haven, 1919.

260. Hart, H.L.A., "Austin, John" *"Int'l Encyclopedia of the Social Sciences*, vol. 1, NY, Macmillan Co., 1968.

261. Henri Masse, *Islam*, Beirut, 1966.

262. Henry Smith Williams, *The Great Astronomers*, Newton Pub Co., 1932.

263. Henry Smith Williams, *A History of Science Part-II*, Kissinger Publishing.

264. Hole, Edwyn, *Andalus: Spain under the Muslims*, London, 1958.

265. Howard Turner, *Science in Medieval Islam: An Illustrated Introduction*, Howard R. Turner, USA, 1995, 2002.

266. Howard Turner, *Science in Medieval Islam: An illustrated Introduction*, University of Texas Press, PO Box 7819, Austin, 1995.

267. http://en.wikipedia.org/wiki/Christian_opposition_to_anti-Semitism

268. http://www.constitution.org/gro/djbp.htm

269. Hugh Bowden, *Classical Athens and the Delphic Oracle*, Divination and Democracy, CUP, 2005.

270. Hugo Grotius, *On the Law of War & Peace*, A. C. Campbell,

London, 1814.

271. Hunt Janin, *The Pursuit of Learning in the Islamic World*, 610-2003, McFarland, 2005.

272. Hyde T., *Tabulac longtitudinis et latitudinis stellarum fixarm ex observatione Ulugh Beighi*, Oxford, 1665.

273. Ibn al-Nafis and his Theory of the Lasser Circulation, *Islamic Science*, 23:166, June, 1935.

274. Ibn Ezra, *El libro de los fundamentos de las tablas astronomicas*, edited by J.M. Millas Vallicrosa, Madrid/Barcelona 1947.

275. Ibn Hawqal, Abu al-Qasim, *Kitab al-Masalik wa 'l-Mamalik*, edited by M. J. de Goege, Part II, Leiden, 1873, new edition by Kramers, E. J. Brill. Leiden, 1938.

276. Imamuddin, S. M., Arab-Muslim Administration, Karachi, 1976.

277. Imamuddin, S. M., *The Economic History of Spain Under the Umayyads*, Dacca, 1963.

278. Ira Lapidus, *A History of Islamic Societies*, CUP, NY, 1988.

279. Irving, *Arab Tales in Medieval Spanish, in Islamic Literature*, VII, 1955.

280. *Islamic Culture*, Hyderabad, 8:514, Oct. 1934.

281. Ivan Van Sertima, *African Presence in Early Europe*, Journal of African Civilization Ltd. Inc. Rutgers, The State University NJ, 2000.

282. Jack G. Shaheen, *The TV Arab*, Bowling Green University Popular Press, Ohio, 1984.

283. James Arthur Diamond, *Maimonides and the Hermeneutics of Concealment*, State University of New York Press, 2002.

284. James C. Holt, *Magna Carta*, CUP, The Edinburgh Building, UK, 1992 .

285. James Evans, *The History Practice of Ancient Astronomy*, OUP, 1998.

286. John Bagnell Bury, Henry Melvill Gwartkin, J. P. Whitney, T. R. Tanner, Charles William Previte-Orton, Z. N. Brooke, *Cambridge Medieval History*, Macmillan, 1911.

287. John Bagot Glubb, Sir, *The Empire of the Arabs*, London, 1963.
288. John Bagot Glubb, Sir, *The Life and Times of Muhammad*, Stein and day, New York, 1971.
289. John Bagot Glubb, Sir, *The Life & Times of Muhammad*, Stein & Day, New York, 1971.
290. John Davenport, *Apology for Mohammed and the Koran*, Al-Biruni, Lahore, 1975.
291. John F, Haught, *Science and Religion*, Georgetown University Press, Washington, D,C, 2000.
292. John L. Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality*, OUP, NY, 1999.
293. John Patterson, *Bill of Rights: Politics, Religion and the Quest for Justice*
294. Johnstone P. de Lacy, *Muhammad and His Power*, Charles Scibners Sons, New York, 1901.
295. Jose Chabas, B.R. Goldstein, *The Alfansine Tables of Toledo*, Kluwer Academic Publishers, P O Box, 173300 AA Dordrecht, The Netherlands, 2003.
296. Joseph Hell, *The Arab Civilization*, W. Heffer & Sons, Cambridge, 1926.
297. Julian Hoppit, *A Land of liberty?*, England 1689-1727, OUP, Oxford, 2000.
298. Julian Ribera, Aljoxani, Sp Tr of Al-Khushani's *Kitab Qudat al-Qurtubah*, Historia de los Jueces de Cordoba, History of the Judges of Cordova, Madrid, Aguilar, D.L., 1965.
299. Julius Ruska, *Zur aeltesten arabischen Algebra and Rechenkunst*. in: Sitzungsberichte der Heidelberger Akademie der Wissenschaften, Phil. hist. K1. 1917, Sec. 2
300. Kahane A and R., *The Krater and the Grail*, Hermetic Sources of the Parzival, Urbana, Illinois, 1965.
301. Karen Armstrong, *Mohammad -A Biography of the Prophet*, Orien Trade, UK.
302. Kennedy, E. S., *A Commentary upon Bairuni's Kitab Tahdid-ul-Amakin*, American University of Beirut Press,

1973.

303. Kirk, R.M., *General Surgical Operation*, Royal College of Surgeon, 1999.

304. Kopp, H., *Beitrage zur Geschichte der Chemie*, Braunschweig 1869, 65ff.

305. Kraus, P., *Dschabir ibn Hajjan und die Isma'ilijja*, in: Dritter Jahresbericht, Forschungs-Institut fur Geschichte der Naturwissenschaften, Berlin, 1930.

306. Kraus, P., *Jabir b. Hayyan*, Cairo 1943.

307. Kurt Vogal, *Muhammad ibn Musa Alchwarizmi's Algorismus*, Alen, 1963.

308. Lacy O. D., Leary, *Arabic Thought and Its Place in History*, Clarendon Press Oxford, 1915.

309. Lee J.J., *Ireland, 1912- 1985: Politics and Society*, CUP, Cambridge, 1989.

310. Leitner G.W. Dr., *Mohammedanism in the Religious Systems of the World: A Collection of Addresses*, Swan Sonnenschein and Co., London, 1908.

310. Levi Provencal, E., *Inscriptions arabes de l'Espagne*, 2 vols. Leiden, 1921.

311. Levi Provencal, E., *Documents arabes inedits, premiere serie: Trois Traites hispaniques de Hisba*, Paris-Cairo, 1955.

312 Levi Provencal, E., *Histoire de l'Espagne musulmane*, I, II, III, Paris, 1950-1953.

313. Levi Provencal, E., *L'Espagne musulmane au Xeme siecle, Institutions et vie sociale*, Paris, 1932.

314. Levi Provencal, E., *Les Manuscrits arabes de Rabat, in Hesperis*, XVIII, 1934.

315. Levy, R., *An Introduction to the Sociology of Islam*, 1933.

316. Libri, G., *Histoire des sciences mathematiques en Italie*, vol. I, Paris 1858.

317. Linton, C.M., *From Eudoxus to Einstein; A history of Mathematical Astronomy*, Press Syndicate of the University of Cambridge, The Pitt Building, Trumpington Street, Cambridge, UK, 2004.

318. Lopez de Ayala, J., *Contribuciones e impuestos en Leon y Castilla durante Edad Media*, Madrid, 1896.

319. Lopez Ortiz, P. J., *Derecho Musulman*, Barcelona, 1932.

320. Louis C. Karpinski, *Latin Translation of Algebra of Al-Khawarizmi*.

321. M.Muller, *Sitzungsberichte der koniglich - bayerischen Akademie der Wissenschaften*, Munchen.

322 Manfred Ullmann, *Islamic Medicine*, Edinburgh University Press, 1978.

323. Margoliouth D. S., *Mohammed and the Rise of Islam*, New York, London, 1905.

324. Mark Sykes, *The Caliph's Last Heritage*, London, 1915.

325. Marshall G S., Hougson, *The Venture of Islam*, 3 Vols, Chicago University Press, Chicago, 1974.

326. Marten Oosting in the *International Ombudsman Anthology*: Selected Writings from International Ombudsman Institute, Kluwer Law International, The Hague, The Netherlands, 1999.

327. Mashhad Al-Allaf, *The Essence of Islamic Philosophy*, Islamic Information Center, USA, 2003.

328. Mattern, Johannes, *Concepts of State, Sovereignty & Int'l Law*, Baltimore, John Hopkins Press, 1978.

329. Maurice Gaudferoy Demombynes, *Muslim Institutions*, George Allen & Unwin, London, 1954.

330. Maxime Rodinson, *The Western Image & Western Studies of Islam* in Joseph Schacht & C. E. Bosworth, eds., The Legacy of Islam, OUP, Oxford, 1974.

331. McCabe, J., *Splendour of Moorish in Spain*, London, 1935.

332. McNair, A., *The Law of Treaties*, 1961.

333. McNair, Lord A., *Law of Treaties*, OUP, USA, Aug 1986.

334. Merrill D. Peterson, *Olive Branch and Sword: The Compromise of 1833*, Louisiana State University Press, 1982.

335. Michael Cook, *Muhammad, Our Great*, Clarendon Street, Oxford, 1983.

336. Michael H. Hart, *The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History*, Citadel Press Book, NY, 1992.
337. Michael J. O'Dowd, *The History of Medication for Women*, The Parthenon Publishing Group Inc., One Blue Hill Plaza, Pearl River, NY, 2001.
338. Michael Suleiman, *The Arabs in the Mind of America*, Amana Books, Brattleboro, 1988.
339. Mushhad Al-Allaf, *The Essence of Islamic Philosophy*, Islamic Information Center, USA, 2003.
340. Nallino, C.A., *Al-Khuwarizmi e il suo rifacimento della Geografia di Tolomeo* (in: Raccolta di scritti editi e inediti, vol. V, 1944, pp. 458-532, and also in: Atti dell-Accademia nazionale dei Lincei, 5th ser., II, pt.1, and sec.2, pp. 463-475.
341. Neiuwenhuijze, C.A.O., *The Lifestyle of Islam. Recourse to Classicism Need of Realism*, EJ Brill, Leiden, Netherlands, 1985.
342. Neugebauer , O., *The Astronomical Tables of al-Khwarizmi*, Copenhagen 1962.
343. Nicholson, R. A., *A Literary History of the Arabs*, Cambridge University Press, 1953.
344. Nigosian, S.A., *Islam: Its History, Teaching and Practice*, Indiana University Press, 601 North Norton Street, Bloomington, Indiana, USA, 2004.
345. Oliver Leaman, Seyyed Hossein Nasr, *History of Islamic Philosophy*, Rutledge, 11 New Fetter Lane, London EC4P 4EE, 1996.
346. Oman G., *Notizie bibliografiche sul geografo arabo al-Idrisi* (XII Secolo) e sulle Sue opera in: Annali dell' Instituto Orientale Universitario di Napoli n.s. 11, 1961.
347. Oppenheim, L., *International Law*, 1963.
348. Pascual de Gayangos y Arce Tr of the work of Ahmad ibn Muhammad Maqqar?, *The History of the Mohammedan Dynasties in Spain*, Royal Asiatic Society, 1840-43.
349. Paul Coles, *The Ottoman Impact on Europe*, Brace & World,

NY, 1968.

350. Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, London, 1951.
351. Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, Macmillan, London, 1991.
352. Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, Ninth Edition, London, 1968.
353. Philip K. Hitti, *The Arabs: A Short History*, Princeton University Press, 1943, 1996.
354. Pines, S., *Razi critique de Galien*, in: Actes due 7e Congres International d'Histoire des Sciences, Paris 1954.
355. Prudence Allen, *The Concept of Woman: The Aristotelian Revolution*, 750BC-AD 1250, Wm. B. Eerdmans Publishing Co., USA, 1997..
356. Ralph Ketcham, *The Anti-Federalist Papers and the Constitutional Convention Debates*, New American Library, 375 Hudson Street, NY, 1986.
357. Reuben Levy, *The Social Structure of Islam*, Cambridge University Press, 1959.
358. Robert Briffault Dr, *Rational Evolution: The Making of Humanity*, The Macmillan Co., NY, 1930.
359. Robert Derathe, Rousseau, J.J., *Int'l Encyclopaedia of the Social Sciences*, NY, Macmillan Co., 1968.
360. Robert Gulick L. Junior, *Muhammad, The Educator*, Lahore, 1969.
361. Robert L, Benson, Giles Constable, Carol D. Lanham, *Renaissance and Renewal in the Twelfth Century*, Medical Academy of America, 1991, Reprinted 1999.
362. Robert of Chester's Latin Translation of the *Algebra of al-Khowarizmi*, Ann Arbor 1915.
363. Roger M. Savory, *Introduction to Islamic Civilization*, CUP, 1976.
364. Ronald Inglehart, Pippa Norris, *Sacred and Secular: Religion and Politics Worldwide*, CUP, The Pitt Building, Trumpington, Street, Cambridge, UK, 2005.
365. Rosenthal, E.I.J., *Political Thought in Medieval Islam*, Cambridge University Press, 1962.

366. Rosenthal, Fr., *Das Fortleben der Antike im Islam*. Stuttgart, 1965.

367. Roshd-e-Rashed, *Encyclopedia of History of Arabic Sciences*.

368. Runciman, S., *A History of the Crusade*, CUP, Cambridge, 1951-54.

369. Saunders, J.J., *History of Medieval Islam*, London, 1965.

370. Schacht Joseph & C.E.Bosworth, *The Legacy of Islam*, OUP, 1974.

371. Schacht, Prith Joseph, *Understanding Islam*, George Allen & Unwin Ltd, London, 1963 .

372. Schipperges, H., *Die arabische Medizin als Praxis und als Theorie*, in: Sudhoffs Archiv 43/1953/317-328.

373. Sezgin, F., *Geschichte des arabischen Schrifttums* III, Leiden 1970.

374. Sharpe G., *Syntagma dissertationum*, Oxford, 1767.

375. Shloms Biderman & Ben-Ami Scharfstein, *Rationality in Question: On Eastern and Western Views of Rationality*, A. J., Brill, Leiden, The Netherlands, 1989.

376. Sidney Painter, *William Marshal*, John Hopkins Press, 1982.

377. Simonet F. J., Sp Tr of Ibn al Khatib, Muhammad Lisan al-Din, *Al-Ihatah fi Akhbar Gharnatahy*, Cairo, 1319/1901, Madrid, 1860.

378. Simonet, F.J., *Historia de los Mozarabes de Espana*, Madrid, 1897-1903.

379. Smith R. Bosworth, *Mohammed and Mohammedanism*, London, 1889.

380. Smith, W. C., *Islam in Modern History*, Princeton University Press, 1957.

381. Solomon Gandz, *The Algebra of Inheritance* in: Osiris 5, 1938.

382. Southern R.W., *Western Views of Islam and the Middle Ages*, Harvard University Press, 1962.

383. Stanley Lane-Poole, *The Prophet and Islam*.

384. Stanley, Lane-Poole, *The Moors in Spain*, London, 1912.

385. Stephen Humphreys, R., *Islamic History: A Framework for Inquiry*, Bibliotheca Islamic, Minneapolis, 1988.

386. Strong , C.F., *Modern Political Constitutions*, Sidgwick & Jackson Limited, London, 1973

387. Syed Husain Nasir, *Islamic Science*, London, 1976.

388. Taube, M De, *Le Monde Le L'Islam et Son Influence Sur L'Europe Orientate*, The Hague Recuel, 1962.

389. Teule H.G.B, Ebied R.Y., *Studies into the Christian Arabic Heritage*, Uitgeverij Peeters, Bondgenotenloan 153, B-3000 Leuven, Belgium, 2004.

390. *The Encyclopedia Americana*, 1947 Edition.

391. *The US Constitution*.

392. Thomas Arnold & A. Guillaume, *The Legacy of Islam*, OUP, 1931.

393. Thomas Arnold, W., *The Preaching of Islam*, London, 1913.

394. Thomas R. Dye & L. Harmon Zeigler, *The Irony of Democracy*, Duxbury Press, 1975.

395. Vaglieri L. Veccia, *The Encyclopedia of Islam*, E. J. Brill, Leiden, 1971.

396. Vienna Convention on the Lawof Treaties, reprinted in S. Rosenne, *The Law of Treaties: A Guide To The Legislative History of The Vienna Convention* 108 1970.

397. Vladimir Uro Degan, *Sources of International Law*, Kluwer Law International, PO Box 85889, 2508 CN The Hague, The Netherlands, 1997.

398. Washington Irving, *Life of Mahomet*, J. M. Dent & Sons, London, 1949.

399. Watt Montgomery Watt, and Cachina P., *A History of Islamic Spain*, Edinburgh, 1996.

400. Watt Montgomery Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, Edinburgh University Press, 22-George Square, Edinburgh, 1968, 1987.

401. Watt Montgomery Watt, *Muhammad at Medina*, Clarendon Press, Oxford, 1956.

402. Watt Montgomery Watt, *Muhammad at Medina*, OUP,

Karachi, 1994.

403. Watt Montgomery Watt, Muhammad, *Prophet and Statesman*, OUP, 1961.

404. Watt Montgomery Watt, *The Encyclopedia of Islam*, A. J. Brill, Leiden, 1960, article A'isha bint Abu Bakr.

405. Watt Montgomery Watt, *The Influence of Islam on Medieval Europe*, Edinburgh University Press, 1994.

406. *Webester's New Dictionary of the American language*, NY, World Publishing Co., 1960.

407. *Websters' New Biographical Dictionary*, Merriam- Webster Inc., Springfield M.A., U.S.A., 1983.

408. Wellhausen, J., *The Arab Kingdom and Its Fall*, University of Calcutta, 1927.

409. http://en.wikipedia.org, Ibn Khaldun, 27 Feb, 2006.

410. Will Durant, *The Age of Faith: A History of Medieval Civilization Christian*, Islamic, and Judaic--from Constantine to Dante: A.D. 325-1300, Simon & Schuster, NY, 1950.

411. William Muir, *Mahomet and Islam*, Darf Publishers, London, 1895.

412. William Muir, Sir, *The Life of Mohammed*, (Weir's edition), Edinburgh, 1923.

413. William Muir, *The Life of Mahomet*, Smith Elder & Co., London, 1861.

414. William Sharp Mckechnie, *Magna Carta: Text and Commentary*, the University Press of Virginia, 1998.413. Wilson Cash, W., *The Expansion of Islam*, London, 1940.

415. Winter, J. G., *Contribution to the History of Science*, Ann Arbor, 1930.

416. Witkam, J. J., *Catalogue of Arabic Manuscripts* (xxi), Facsimile 2, Leiden University Press, Leiden, 1984.

417. Yates, F.A., *Giordana Bruno and the Hermetic Tradition*, London, 1964.

418. Zailarn Moris, *Revelation, Intellectual Intuition and Reason in the Philosophy of Mulla Sadra: An Analysis*, Rutledge Curzon, 11 New Fetter Lane, London EC49 4EE, 2003.